ہماری ویب ای بُک

محمد انور

MUHAMMAD ANWER

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Muhammad Anwer"
at Hamariweb.com

اصلی جمہوریت کا مستقبل

صدر مملکت جناب پرویز مشرف نے باالآخر یہ بات تسلیم کرلی ہے کہ اب ملک میں اصلی جمہوریت آ گئی ہے، تاہم انہوں نے اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ اس جمہوریت کی ابتداء آٹھ سال قبل مرحلے وار انہوں نے کی تھی۔

نہ جانے کیوں لوگ حالات کے تحت نا صرف بیانات تبدیل کردیتے ہیں بلکہ کئی الفاظ کے معنی بھی تبدیل کردیا کرتے ہیں جیسے سب سے پہلے پاکستان، صدر مملکت کا سب سے دلچسپ سلوگن رہا حالانکہ صورتحال باالکل اس کے برعکس رہی لوگ یہ سوچتے تھے کہ شاید پرویز مشرف صاحب نے اپنا نام پاکستان رکھ لیا ہے۔ اسی طرح وہ مکمل آمریت کو جمہوریت کی ابتداء سے منسوب کرتے رہے حالانکہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو انہوں نے جمہوریت کی حقیقی جمہوریت کی شروعات نہیں کی تھی بلکہ دنیا جانتی ہے کہ انہوں نے جمہوریت کا خاتمہ کیا تھا اور ایک منتخب جمہوری حکومت کا خاتمہ کردیا تھا۔ اور پھر ایک ایسی اسامی تخلیق کرلی تھی جسے انہوں نے چیف ایگزیکیٹو کا نام دیا تھا اور بعد ازاں فوجی طرز عمل اور روایت کے مطابق منتخب صدر کو رخصت کرکے خود صدر مملکت کے عہدے پر براجمان ہوگئے تھے جو تا حال ہیں۔

ہم اگر اس سارے دور کو جو تقریباً آٹھ سال پر محیط ہے جمہوریت کی ابتداء مان بھی لیں تو پھر یہ سوچنا پڑتا ہے کہ یہ ایک ایسی جمہوریت تھی جس کا سربراہ چیف آف آرمی اسٹاف تھا اچھا ہوا کہ یہ جمہوریت جیسے تیسے ختم ہوئی اور اب بقول صدر مملکت اصلی جمہوریت کا آغاز ہوگیا۔ اگر یہ اصلی جمہوریت اسی کا تسلسل ہوتی جس کا بیج مشرف صاحب نے اآرمی کی وردی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بویا تھا تو پھر مشرف کو وردی اتارنے کے بجائے صوبوں کے گورنرز کو بھی وردی پہنانا پڑتی یا وردی والے شخص کو گورنر بنانا پڑتا۔

جناب صدر صاحب اور ان کے مشیروں کے علم میں اضافے کے لئے یہاں یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ اصل جمہوریت کی ابتداء آٹھ سال قبل نہیں ہوئی تھی بلکہ اس آمریت کا کے خاتمے کا آغاز اس وقت ہوا تھا جب جناب صدر صاحب نے بحالتِ مجبوری فوجی وردی اتاری تھی اس طرح ملک میں اصل جمہوریت کی بحالی اس وقت ہی ہوجاتی جب پرویز مشرف وردی اتارنے کے ساتھ خود بھی کرسی صدارت سے اتر جاتے لیکن کوئی بات نہیں دیر آید درست آید کے مصداق اب ان کے اترنے کا وقت آ ہی گیا ہے۔ پرویز مشرف صاحب کی یہ بڑی بدقسمتی ہوگی کہ کرسی صدارت سے اترنے کے بعد وہ بیرک کا بھی رخ نہیں کرسکتے بلکہ ان کو ایوانِ صدر سے براہ راست اپنے نجی گھر جانا پڑے گا وہ آرمی ہاؤس میں بھی جہاں اس وقت رہائش پذیر ہیں ٹھہرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ لیکن اگر وہ چند سال قبل صدارت چھوڑ دیتے اور آرمی ہاؤس چلے جاتے تو شاید تاریخ میں ان

کا نام سنہرے حروف سے لکھا جاتا۔۔۔مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب۔۔۔۔۔

اب ہم بات کرتے ہیں اصلی جمہوریت کی۔۔۔۔اصلی جمہوریت کا مظاہرہ پیپلز پارٹی نے وزیر اعظم کے لئے یوسف رضا گیلانی کو نامزد اور بعد ازاں منتخب کر کے کیا ہے اور اس بات کا ثبوت دیا کہ پیپلز پارٹی میں جمہوریت ہے جہاں وزیر اعظم کے انتخاب کے لئے جمہوری انداز میں فیصلہ کیا گیا ہے اور یہ فیصلہ کرتے ہوئے پارٹی کے کو چیر مین جناب آصف علی زرداری نے اپنے وعدے اور سندھ کی آواز کی کو بھی قربان کر دیا اور یوسف رضا گیلانی جیسی نیک اور انسان دوست شخصیت کا انتخاب کیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آگے کیا ہوتا ہے، کیا وزیر آعظم آآزادانہ فیصلے کر سکیں گے ؟ یا ان کو زرداری ہاوس سے ڈکیٹشن لینا پڑے گا؟ اگر ایسا ہوا تو پھر آج کے ایوان صدر اور آنے والے کل کے زرداری ہاوس میں فرق کرنا مشکل ہو جائے گا اور ایسی صورت میں لوگ جناب زرداری کو پرویز مشرف کے نام سے منسوب کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔۔۔۔۔اور اس طرح اصلی جمہوریت ماضی کی طرح اپنی آئینی مدت مکل کیئے بغیر ختم ہو سکتی ہے۔

یوسف رضا گیلانی اور ایشوریا رائے

پاکستان کے نووارد وزیراعظم جناب یوسف رضا گیلانی کا ماننا ہے کہ وہ بھارتی اداکارہ ایشوریا رائے کے مداع ہیں اور ایشوریا رائے انہیں اس قدر پسند ہے کہ جب وہ جیل میں تھے تو اپنے لیپ ٹاپ پر وہ اکثر ایشوریا رائے کی فلمیں دیکھا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ بھارتی گلوکارہ لتا منگیشکر کے بھی وہ مداح ہیں۔

پاکستانی حکمرانوں کی دیگر خصوصیات میں ایک یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ پڑوسی ملک کے دیگر معاملات میں دلچسپی لینے کے ساتھ وہاں کے فنکاروں کے بارے میں بھی غیر معمولی دلچسپی لیا کرتے ہیں۔ لیکن نہ جانے کیوں بھارت کے سیاست داں ہمارے ملک کے فنکاروں کے بجائے صرف سیاست دانوں پر ہی توجہ دیتے ہیں؟ میں نے جب یہ سوال اپنے ایک صحافی دوست مسعود انور سے پوچھا تو اس نے برجستہ کہا کہ یار وہاں کے سیاست دان ہمارے ملک کے سیاست دانوں ہی کو فنکار سمجھتے ہونگے۔

ویسے اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ سیاست دان چاہے کسی ملک کا بھی ہو فنکارانہ صلاحیتیں تو اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہیں۔ کیوں کہ ان کو اکثر و بیشتر اپنی انہیں صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا پڑتا ہے۔

ہمارے دیس کے سابق صدر مرحوم ضیاء الحق صاحب بھارتی اداکار شتروگن سنہا کے اس قدر مداح تھے کہ انہوں نے سنہا صاحب کو پاکستان کے دورے کی دعوت بھی دی تھی امید ہے کہ وزیراعظم پاکستان یوسف گیلانی بھی اپنی پسند کے حوالے سے ایسا ہی کریں گے۔

بات ہو رہی تھی بھارتی فنکاروں میں پاکستانی سیاست دانوں اور حکمرانوں کی دلچسپی کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہمارے موجودہ صدر بھی اس معاملے میں کچھ کم نہیں ہیں وہ تو پورے بھارت سے ہی محبت کرتے ہیں اور وہاں کی اداکارہ رانی مکھرجی ان کو بہت ہی اچھی لگتی ہے ہو سکتا ہے یہ اطلاع غلط ہو مگر اطلاع یہ ہی ہے۔۔۔۔۔۔ بہر حال جب میں نے اپنے دوست مسعود سے دریافت کیا کہ یار میاں نواز شریف کی دلچسپی کے حوالے سے کیا کہتے ہو؟ مسعود نے ایک گہرا سانس لیکر کہا کہ بھائی وہ نہ صرف وطن پرست ہیں بلکہ اپنے آس پاس ہی اپنے دلچسپی کے معاماملات چاہتے ہیں ان کی دلچسپی فنکاروں کے حوالے سے ایک گلوگارہ پر رہی ہے لیکن وہ بھی اپنے ہی وطن کی تھیں اب یہ واضع نہیں ہے کہ کیا صورتحال ہے اس دلچسپی کی؟

میں سوچ رہا تھا کہ اگر ہماری اگر خاتونِ اول کے اعزاز کی طرح ہمارے وزراء اعظم یا صدور کی پسندیدہ اداکاراؤں کو بھی کوئی اعزاز سے نوازنے کی روایت ہوتی تو یہ

اعزازات زیادہ تر بھارتی اداکاراوں کے حصے میں آجاتے اور اگر کوئی بچ جاتا تو ایک آدھ ہماری گلوکارہ کو بھی مل جاتا۔ بہرحال شکر ہے کہ یہ روایت نہیں ہے۔ ورنہ بھارت ہمارے حکمرانوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنے ملک کے اداکاراؤں کی خدمت حاصل کرنے پر زیادہ توجہ دیتا نہ کہ کشمیر پر۔

پولیٹشن یا پولی ٹینشن

پولیٹشن سے پولی ٹینشن تک

سیاست دان کہتے ہیں کہ سیاست میں سب کچھ جائز ہے، عاشق مزاج لوگ کہتے ہیں کہ محبت میں سب کچھ جائز ہے، عسکریت پسند کہتے ہیں کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہے، تاجر یا بزنس میں کہتے ہیں کہ بزنس میں سب کچھ چلتا ہے۔

لیکن سیاست کا دور ہے ڈکٹیٹر کی نہ سہی ڈکٹیٹرز ذہن کے لوگوں کی حکومت ہے، کل کے سارے جمہوری آمر آج کی جمہوریت (اگر کوئی محسوس کرتا ہے تو) کے چمپیئن بنے بیٹھے ہیں اور بے چارے آمر ایک کونے میں بیٹھے ہیں یہ اور بات ہے کہ یہ کونا آرمی ہاؤس کا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہم نے جب آمر صاحب کی اس بے بسی کا ذکر اپنے دوست عابد خان سے کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ کونے میں بیٹھے ہوئے نہیں ہیں بلکہ اس گھر میں موجود اس کھڑکی سے جہاں سے انہیں جمہوریت کی ہلکی سی بو آرہی ہے، سے اکثر جھانکتے ہوئے بھی نظر آئے ہیں۔۔۔۔۔

ہم نے اس انکشاف پر سوالیہ انداز میں عابد میاں کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ

ارے بھائی سمجھا کروان کو کسی نے آسرا دیا ہوا ہے کہ سر! ابھی بھی حالات آپ کے حق میں ہی ہیں۔۔۔۔۔۔۔ بس آپ دیکھتے رہیں۔ سو وہ بے چارے صرف دیکھ رہے ہیں۔۔

عابد کا کہنا ہے کہ ہمارے پولیٹشن دراصل پولی ٹینشن ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ان سے ٹینشن کی ہی توقع رکھی جاسکتی ہے ۔۔۔۔۔۔۔ کیونکہ ان کا بس چلے تو یہ ریٹائرڈ سرکاری ملازمین کی پینشن بھی دبا جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔

بہرحال بات ہورہی تھی کہ سیاست دانوں کی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آج کل ہمارے سیاست دان زندوں سے زیادہ مردوں کی بھی فکر کرنے لگے ہیں

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پچھلے دنوں ایک پارٹی باقاعدہ اہم ترین ساست دانوں کے مرحوم رشتے داروں اور پارٹی کے ان لیڈروں کی لسٹ تیار کرنے لگی جو اب اس دنیا میں نہیں رہے اس بات پر متعلقین کو حیرت بھی ہوئی اور پوچھا کہ اس کی کیا ضرورت پڑ گئی تو جواب ملا کہ فاتحہ اور تعزیت کے لئے جانا ہے، دریافت کیا گیا کہ اتنے سالوں بعد؟ تو کہا کہ ارے سیاست میں تعزیت کسی بھی وقت کی جا سکتی ہے۔

ہمت کر کے انہوں نے کہا کہ لیکن حیرت اس بات پر ہو رہی ہے کہ آپ تو تازہ فاتحہ پر یقین رکھنے والے ہیں اور ہمیشہ زندہ جاویداں افراد کی فہرست پر کام کیا جاتا تھا۔

ہمارے ملک کے ساست دانوں کا کچھ عرصے پہلے تک عجیب حال تھا۔۔۔۔ اگر وہ اقتدار میں نہیں ہوتے تو باہر یا اندر ہوا کرتے تھے لیکن اب حالات بدل رہے ہیں اب اندر والے باہر آ رہے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔ ہاں البتہ اقتدار میں رہتے ہوئے باہر جانے کا سلسلہ جس طرح زور پکڑ گیا ہے خصوصا دبئ اور لندن جانے کا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دبئ میں تو سیاسی سرگرمیوں پر پابندی بھی ہے۔۔۔۔۔۔ مگر ہمارے حکمراں آج کل دبئ جا کر ہی زیادہ سرگرم نظر آتے ہیں اور وطن واپس آ کر صرف گرم نظر آتے
ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہمیں حیرت ہے اس بات پر کہ ہمارے سیاست دانوں کی سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں دبئ کے شیخ نہ جانے کیا سمجھتے ہیں؟ ہم نے یہ ہی سوال جب اپنے صحافی دوست مسعود انور سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یار وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ملک کے سیاست دان دبئ میں سیاسی نہیں بلکہ ذاتی باتیں کرنے آتے ہیں جیسے ماضی میں مشرف صاحب نے پیپلز پارٹی کی شہید چیئرمین سے ذاتی ڈیل کی بات کی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔ جیسے چند روز قبل آصف زرداری اور نواز شریف نے اپنی اپنی باتیں کی تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اب پاکستانی کسی بھی لیڈر سے آپ کوئی بھی سوال کریں تو وہ جواب میں یہ ضرور کہے گا کہ میری ذاتی رائے یا ذاتی خواہش تو یہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
اب اس بات کو ہم کیا کہیں کہ ذاتی خواہش کچھ اور سیاسی کچھ اور یہ ہی ہے ہماری سیاست ۔ تجارت سے ملتی جلتی۔۔۔۔۔۔۔

ملک کی صورتحال اور زرداری کے دورے

ملک کا بڑا حصہ سیلاب کی تباہی کی لپیٹ میں ہے ہزاروں افراد جاں بحق اور لاکھوں بے گھر ہوگئے ہیں اور نہ جانے کیا تباہی ہونے والی ہے، پوری قوم پریشانی اور فکر سے ادہ موئی ہوئی جارہی ہے، ابھی ۲۸ جولائی کو ائیر بلو طیارہ کے حادثہ کی وجہ سے جو غم کا پہاڑ پوری قوم پر ٹوٹا تھا، جو صدمہ ان پیارے پیارے، با صلاحیت اور معصوم لوگوں کی ہلاکت کی وجہ سے ہوا تھا کم نہیں ہوپایا تھا کہ پورے ملک پر سیلاب کی تباہی کی صورت میں ایسی بجلیاں گر رہیں ہیں کہ لوگ اس سے بچاؤ اور اپنے ہم وطنوں کو بچانے کے لیئے جو بھی کچھ ممکن ہورہاہے، ہوسکتا ہے کر رہے ہیں، اپنے معمولات میں بھی دل نہیں لگ رہا کہیں لوگ دعائیں مانگ رہے ہیں تو کہیں ان کی مدد کے لیے بھاگ دوڑ کرہے ہیں لوگوں کا بس نہیں چل رہا کہ اپنا تن من دھن ان متاثرین سیلاب کی مدد کے لئے لگا دیں۔

لیکن حکومت اور ملک کے سربراہ آصف زرداری نے جو رویہ اختیار کیا ہوا ہے اس کی بھی مثال نہیں ملتی ، یہ رویہ بھی بے نظیر ہے۔

سیلاب کی تباہی تو انشاء اللہ جلد ختم ہوجائے گی، ان دونوں حادثات میں جاں

بحق ہونے والے شہادت کے رتبے پر فائز ہو جائیں گے انشاء اللہ اور جو لوگ مالی لحاظ سے متاثر ہو رہے ہیں، انشاء اللہ تعالی وہ بھی آہستہ آہستہ سنبھل ہی جائیں گے لیکن شاید آصف زرداری کی یہ حکومت نہ بچ پائے گی انسانوں کے ساتھ ہمدردی نہ کرنے، قوم کے دکھ درد میں ان کے ساتھ نہ ہونے کے صلے میں اس حکومت کو یہ سیلاب بہالے جائے گا، یہ خدشہ بھی ہے اور قوم کی خواہش بھی اور ممکن ہے ان لوگوں کی بد دعائیں بھی ہو جو حکمرانوں سے کچھ توقعات لگا بیٹھے تھے۔

دنیا بھر کے ممالک میں جب صورتحال معمول پر نہ ہو یا قوم پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے تو ہر ملک کی حکومت اور حکومت سے وابستہ شخصیات اپنی تمام مصروفیات اور دوروں کو فوری معطل کر دیتے ہیں اور پوری توجہ اس آفت کی ممکنہ اور ہو جانے والی تباہیوں کو ریلف دینے پر لگا دیتے ہیں، کیونکہ انہیں قوم اور ملک سے محبت ہوتی ہے اور یہ عمل ان کی محبت کا عملی ثبوت ہوتا ہے۔

بد قسمتی سے پاکستان کی موجودہ حکومت اور اس کے سربراہ کو ملک اور قوم سے محبت تو کجا کوئی دلچسپی بھی نظر نہیں آ رہی، ماضی میں لوگوں نے جو دیکھا یا انہیں جو معلوم ہے وہ سب جھوٹ اور ایک پروپگنڈہ ثابت ہو سکتا تھا لیکن جو ثبوت موجودہ حالت میں بحیثیت صدر مملکت جناب آصف زرداری صاحب دے رہے ہیں اس

سے وہ تمام کے تمام الزامات صحیح لگنے لگے ہیں۔
آصف زرداری ملک کے پہلے صدر مملکت ہیں جنھوں نے کم وقت میں سب سے زیادہ بیرون ممالک کے دورے کیئے اور کر رہے ہیں، ان کے دوروں سے ملک اور قوم کو اب تک کوئی قابل ذکر فائدہ نہیں پہنچا موصوف ملک کی اس صوتحال میں آج بھی ملک سے باہر ہیں آج ۲ اگست بروز پیر سے انھوں نے فرانس کا تین روز دورہ شروع کیا ہے۔
اس دورے کے بعد وہ لندن جائیں گے جہاں دراصل اپنے بیٹے بلاول زرداری کی گریجوشن میں کامیابی کی خوشی میں ہونے والی تقریب میں شرکت کریں گے، کہا جارہا ہے کہ وہ وزیر آعظم برطانیہ سے اہم ملاقات بھی کریں گے، لندن کے دورے کا اصل مقصد یہ ہی بیان کیا جارہا ہے۔
برطانیہ کے وزیر آعظم نے چند روز قبل بھارت میں پاکستان کے خلاف جو بیان دیا تھا اس کے نتیجے ملک میں شدید غم و غصہ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے اور ملک کی سیلابی حالت کی وجہ سے تمام سیاسی اور مذہبی جماعتیں اور دیگر حلقے ان کے اس دورے کی مخالفت کر رہے ہیں اور اس پر تنقید بھی۔
پیپلز پارٹی کے رہنماء شرجیل کا کہنا ہے کہ یہ تنقید بلاجواز ہے، انھوں نے وضاحت کی کے برمنگم برطانیہ میں ہونے والی تقریب جس میں پارٹی کے سربراہ

بلاول بھٹو زرداری خصوصی طور پر شریک ہونگے اس کے تمام اخراجات پارٹی برداشت کرے گی۔

ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ جس پارٹی کے کل اثاثوں میں ۲۰۰۹ تک صرف نقد چار لاکھ پینتیس ہزار روپے تھی جس کے ۲۰۰۹ کے دوران کوئی اور اثاثے بھی نہیں تھے ۲۰۱۰ میں اس قدر کیسے امیر ہو گئی کہ برطانیہ میں اپنے سربراہ کے اعزاز میں اتنی عالیشان تقریب کر رہی ہے جس پر اطلاعات کے مطابق ۲۵ کروڑ روپے پاکستانی اخراجات آ رہے ہیں۔

قوم نے تو صرف اتنا مطالبہ کیا تھا کہ جناب زرداری صاحب اپنا یہ دورہ ختم کر کے دورے پر آنے والے اخراجات سیلاب زدگان کی مدد کے لئے خرچ کردئے جائیں۔ مگر پارٹی والوں نے یہ وضاحت کردی، اب اگر پیپلز پارٹی کسی بھی طرح اتنی امیر پارٹی ہو گئی ہے تو کیا یہ پارٹی اپنے ہم وطنوں کے دکھ میں یہ رقم خرچ کرنے کے بجائے اپنے نوجوان سربراہ کی خوشنودی پر خرچ کرنا ضروری سمجھتی ہے؟ پارٹی کے شریک چیئرمین کے دوروں پر بھی اربوں روپے کے اخراجات ہو رہے ہیں اور یہ اخراجات قوم کے ٹیکسز سے حاصل ہونے والی رقم سے کیے جارہے ہیں جو کسی طور پر بھی ملک کی موجودہ صورتحال میں درست نہیں ہے، قوم کے پیسے پر صرف اور صرف ملک اور عوام کا حق ہے۔ آرمی چیف کو ان دوروں کا نوٹس سختی سے

لینا چاہیے۔ یہ ہی ملک اور قوم کے مفاد میں بہتر ہوگا۔

کراچی میں آگ اور خون کب تک؟

کراچی میں آگ و خون کا خطرناک کھیل ایک بار پھر شروع ہوگیا۔ مشہور'' نا معلوم '' دہشت گردوں نے ایم کیو ایم کے اہم اور کم گو رکن سندھ اسمبلی ۵۰ سالہ رضا حیدر کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا ان کے ساتھ ان کے گارڈ خالد خاں کو بھی ظالموں نے گولیاں مار کر ہلاک کیا اور معمول کے مطابق اطمینان سے فرار ہوگئے۔
پیر ۲ اگست کی سہ پہر ہونے والے اس قتل کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے پورا کراچی آگ اور خون کی لپیٹ میں آگیا اور دوسرے دن صبح تک ۴۰ افراد جاں بحق ہوگئے اور سینکڑوں افراد زخمی ہوگئے۔ سڑکیں سنسان اور بازار بند ہوگئے جو منگل کی شام تک بند تھے۔ ایم کیو ایم نے رضا حیدر اور ان کے گارڈ کی ہلاکت پر تین دن کے سوگ کا اعلان کیا ہے، اس لئے امکان ہے کہ بدھ کو بھی شہر کی یہ ہی صورتحال رہے گی۔
سوگ اپنی جگہ لیکن پورے شہر میں خوف اس قدر ہے کہ لوگ گھروں کے اندر خود ساختہ نظر بند ہوگئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔لوگوں کو ڈر ہے کہ کہیں کوئی گولی انہیں آکر نہ لگ جائے، کیونکہ جگہ جگہ فائرنگ کے واقعات کل سے منگل کی رات تک

تادم تحریر جاری تھے۔

رضا حیدر اور ان کے گارڈ کی ہلاکت یقیناً دکھ کا باعث ہے لیکن اس کے بعد جاں بحق ہونے والے افراد کی ہلاکت زیادہ تکلیف دہ ہے اور حکومت کی نا اہلی بھی اور امن و امان برقرار رکھنے میں مکمل ناکامی بھی ہے۔ کیونکہ کراچی میں رینجرز خصوصی اختیارات کے ساتھ موجود ہے جس پر کرڑوں روپے خرچ کئے جا رہے ہیں، جبکہ پولیس بھی چوکنا رہنے کی دعوے دار ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایسی پولیس ایسی رینجرز ایسے اختیارات کا کیا فائدہ؟ اور یہ جن کی نگرانی میں کام کرتی ہیں ان کا کام صرف بیانات دینا ہے صرف جھوٹے دعوے کرنا ہے؟

دنیا میں اول تو بہت کم ایسے واقعات ریکارڈ پر ہیں کہ ایک قتل کے بعد یکے بعد دیگرے ایسے واقعات ہوں کہ ۴۷ افراد کی جانیں چلی جائیں، اگر کسی ملک میں ایسا ہوا بھی ہے تو حکومت اس شہر کے ذمہ دار کو قصوروار جان کر اس کے خلاف فوری تادیبی کاروائی کرتی ہے اور وہاں کے متعلقہ منسٹر شرمندہ ہو کر مستعفی ہو جاتے ہیں یا ان سے استعفیٰ طلب کر لیا جاتا ہے۔

بد قسمتی سے وطن عزیز میں ایسی کوئی روایت ہے ہی نہیں، نہ تو کبھی کسی وزیر نے استعفٰی دیا اور نہ ہی کسی وزیر داخلہ نے کسی ذمہ دار پولیس افسر کو اپنی ذمہ داری پوری نہ کرنے پر گھر بھجوایا۔

ایسا اس لیے نہیں ہے کہ اس ملک میں حکومت میں شامل عنصر بہت طاقتور اور بڑا بلیک میلر معلوم ہوتا ہے جبکہ حکومت اس قدر کمزور ہے کہ حقیقت جاننے کے باوجود قتل و غارت گیری میں ملوث افراد کے خلاف کاروائی کرنے سے معذور ہے کیونکہ اس سے حکومت ٹوٹنے کا نہیں بلکہ ختم ہونے کا ڈر ہوتا ہے اور حکمرانوں کو اگر عوام سے دلچسپی ہوتی تو ایسے لوگوں کو کب کا نکال باہر کرتی۔ جو برے سسٹم کی بدنامی کا باعث ہے۔ حکمرانوں کو معلوم ہے کہ مرنے والے مر گئے لیکن ہم تو ابھی زندہ ہے اور اس وقت تک حکومت چلانی ہے جب تک قاتل ہم تک نہ پہنچ جائے۔

سوال یہ ہے کہ ان معصوموں کا قصور کیا ہے جو صبح گھروں سے اپنے کاموں سے نکلتے ہیں اور شام کو ان کی لاش گھر آتی ہے، حکومت میں اگر کوئی خوف خدا رکھنے والا ہے تو وہ یہ پتہ لگائے آخر کونسا عنصر ہے جو ہر تھوڑے دن بعد کراچی میں خونریزی کرکے پر سرار مقاصد حاصل کرکے چلا جاتا ہے اور غیر محسوس

طریقے سے اس پاک وطن کو مسلسل کمزور کر رہا ہے۔
کیا اس مخلوط حکومت میں کوئی ایک پارٹی بھی ایسی نہیں جو یہ بات معلوم کرسکے ؟؟
ہم دعا گو ہیں کہ اللہ ہماری سیاسی جماعتوں کو صراط مستقیم کے راستے پر چلائے اور انہیں نیک ہدایت دے نہیں تو ان کو اس سرزمین سے مٹا دے آمین۔ اور اب تک جتنے بھی لوگ قتل ہوئے ہیں انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہم سب کی حفاظت فرمائے آمین۔

ائیر بلیو کا حادثہ، کیا بلیک واٹر نے طیارہ اغوا کیا تھا؟

پاکستان کی تاریخ میں ویسے تو کئی ایام ایسے آئے ہیں جنھیں بھلانے کی کوشش کے باوجود نہیں بھلایا جاسکتا، کئی واقعات ایسے ہیں جو تاریخ کا تاریک حصہ بن چکے ہیں ۲۸ جولائی ۲۰۱۰ کو مارگلہ کی پہاڑیوں پر ہونے والا ائیر بلو طیارہ کا حادثہ بھی ایسا ہی ایک المناک خوفناک اور دردناک واقعہ تھا اس حادثے کے کئی سیاہ پہلو ہیں اور سب سے زیادہ بلیک پوائنٹ اگر کسی واقعہ کا کوئی ہوتا ہے تو وہ اس کی وجوہات کا پتہ نہ چلنا یہ پتا لگانے میں دلچسپی نہ لینا ہوتا ہے بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ایسے واقعات کی تعداد انتہائی شرمناک ہے جن کی تحقیقات تو ہوئی لیکن واقعات کا سبب معلوم نہ ہوسکا۔

ائیر بلو کا حادثہ ایسا حادثہ جس پر حکومت پاکستان کو اس قدر سرد مہری کا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے جو عوام کو نظر آرہا ہے اس حادثے میں ایک دو نہیں ۱۵۲افراد اپنی جانوں سے گئے ہیں پاکستان کے مستقبل کے معمار اس میں شہید ہوگئے اور اس میں تین غیر ملکیوں سمیت دو امریکی شہری بھی ہلاک ہوئے۔

مجھے سب سے زیادہ تشویش ان دو امریکیوں اور ایک صومالی باشندے کی موت پر ہے

بلکہ ان کی موت سے زیادہ ان کے بارے میں امریکا اور صومالیہ کی پراسرار خاموشی پر ہے، یہ خاموشی کیوں؟ آخر یہ دو امریکی کون تھے اور ایک صومالین کون تھا؟ ان کی لاشیں وصول کرنے میں اس قدر خاموشی کیوں ہے؟ امریکا تو اپنے شہریوں کے لیے بہت زیادہ تشویش کا اظہار کرتا ہے، اس حادثے کے بعد امریکی ایمبیسی کے ترجمان Richard Snelsire نے صرف اس بات کا اعتراف کیا کہ حادثے میں دو امریکی شہری بھی ہلاک ہوئے ہیں امریکی افسر نے اس سے زیادہ اور کچھ ان دونوں کے بارے میں نہیں بتایا۔

آخر کیوں؟ آخر کیوں امریکہ کو اپنے شہریوں کی ہلاکت کے بعد ان سے روایتی دلچسپی بھی نہیں رہی؟ وہ صومالین کون تھا؟ یہ تینوں پاکستان کیوں اور کب آئے تھے؟ یہاں کن لوگوں سے انہوں نے ملاقات کی تھی یا کس کے وہ مہمان تھے؟ کب تک ان کو پاکستان میں رہنا تھا؟ امریکا میں کیا کرتے تھے؟ اور کس کے وہ رشتے دار تھے، کوئی ان کا رشتے دار تھا بھی یا نہیں؟ ان کے کوائف تو ہماری بھی کسی ایجنسی کے پاس ہونا چاہئے ائیر بلو ان کے بیمہ کی رقم کس کو دے گا؟

یہ سوالات یقیناً ہماری ایجنسیوں کے ذہن میں بھی ہونگے اور ممکن ہے وہ اس کا جواب تلاش بھی کرچکے ہوں۔ یہ سوالات اب اس لئے بہت اہم ہوگئے ہیں کہ ایک

قومی اخبار نے ۸ اگست کو اپنے رپورٹر اقبال لکھویرا کے حوالے سے یہ خبر دی ہے کہ ایئر بلیو طیارہ کسی تکنیکی خرابی اور نہ ہی موسم کی خرابی کی وجہ سے پیش آیا بلکہ اسے مبینہ طور پر بلیک واٹر کے دو کمانڈوز نے اغوا کیا تھا دنیا جانتی ہے کہ بلیک واٹر امریکا کے حوالے سے مشہور ہے اور اس طیارے میں دو امریکی بھی سوار تھے یہی دو امریکی ہے جن کے بارے میں امریکا پر سرار طور پر خاموش ہے۔۔

خبر کے مطابق بلیک واٹر کے کمانڈوز نے ایئر بلیو کا طیارہ مبینہ طور پر کھوٹہ ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنے کی غرض سے اغواء کیا تھا اور اس مقصد کے لیے وہ طیارہ کو پلانٹ کی عمارت سے ٹکرا دیتے لیکن طیارے کے پائلٹ پرویز اقبال نے ملک کو ایک بڑے نقصان سے بچاتے ہوئے اپنی اور پاکستانیوں کی جانوں کو قربان کر دیا خبر میں بتایا گیا ہے کہ اسی وجہ سے بلیک باکس کی ریکارڈنگ کو ابھی تک منظر عام پر نہیں لایا جا سکا۔

چونکہ طیارہ تباہ اور اس میں سوار تمام لوگ ہلاک و شہید ہو چکے ہیں اس لیے حتمی بات صرف بلیک باکس کی ریکارڈنگ سے پتہ چل سکتی ہے۔ لیکن کب؟

اگر خدا نا خواستہ خبر میں جس بات کا ذکر کیا گیا ہے وہ سچ ہے تو اب ہمیں

یعنی پوری قوم کو یہ جان لیناپڑے گا کہ نادیدہ قوتوں اور غیر ملکی طاقتوں نے ہمارے ایٹمی پلانٹ کو اپنے نشانہ پر رکھا ہوا ہے۔ لیکن اللہ تعالی کی کرم نوازی اور مہربانی نے جس طرح ابھی تک پاکستان کے قیمتی اور ایٹمی اثاثوں کو محفوظ رکھا ہے آئندہ بھی وہ ہی اسے محفوظ رکھے گا کیونکہ وہ بہت بڑا مہربان اور سب کی حفاظت کرنے والا ہے۔

نواز شریف اور وزیر آعظم کی ملاقات ، کیوں ؟؟

کل ۱۴ اگست ۲۰۱۰ تھا ۶۳ سال پہلے ہم آزاد مملکت کے باسی ہوئے اور ابھی تک الحمداللہ آزاد ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ تو میری دعا اور خواہش یقیناً اور بھی پاکستانیوں کی یہ خواہش اور دعا ہوگی۔ آج کے دن ۶۳ سال بعد مجھے بہت بڑی خوشی ملی اتنی بڑی خوشی شائد اس سے پہلے پاکستانیوں کو کبھی نہیں ملی ہوگی لیکن مجھے لگتا ہے کہ ہماری قوم اس خوشی کو سمجھ نہیں پائی یا پھر ان کو یہ اطلاع ہی نہ ملی ہو کہ یوم آزادی کے موقع پر ہماری ملک کی سے بڑی پارٹی مسلم لیگ نواز اور حکومتی جماعت پیپلز پارٹی کے درمیان مفاہمت ہوگئی ہے اور بقول وزیر آعظم یوسف رضا گیلانی کے کہ " آج ہم اس تاریخی موقع پر اکٹھا ہو رہے ہیں "۔

" اکھٹے ہو رہے ہیں " نہ جانے یہ عمل مکمل ہوگا اور اس کے بعد اکھٹا رہیں گے۔ ایک غریب ملک کے ارب پتی لیڈرز جب غریبوں کے کچھ کرنے کے لئے اکھٹا ہوتے ہیں تو حیرت اور خوشی ہونا فطری عمل ہے۔ اس لیئے ہمیں بھی خوشی ہے اور دعاگو ہیں کہ اکھٹے ہونے کا وہ مقصد پورا ہو جو قوم کو بتایا جارہا ہے۔

ملک کے اپوزیشن لیڈر میاں نواز شریف اور حکومتی جماعت کے وزیر آعظم کی

ملاقات کی خبر کے مطابق وزیرآعظم یوسف رضا گیلانی اور نواز شریف نے اعلان کیا کہ وہ متحد ہو کر پاکستان میں سیلاب سے آنے والی تباہ کاریوں سے نمٹیں گے۔ قوم اس ملاقات کی سرخی سے یہ خوش فہمی مبتلا ہو گئی تھی کہ شائد دونوں پارٹیوں کے رہنما سیلاب کے متاثرین کے لیئے اپنی تجوریاں کھول دیں گے اور اپنی پارٹیوں کے کروڑ پتی رہنماؤں اور کارکنوں سے کہیں گے کہ وہ اس موقع پر متاثرین سیلاب کے لیئے اپنی آمدنی میں سے دس دس لاکھ نہیں تو پانچ پانچ لاکھ روپے متاثرین کے فنڈ میں جمع کرائیں گے لیکن کیا قوم کو یہ سن کر بہت مایوسی ہوئی کہ اس موقع پر بھی ان رہنماؤں نے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالنے کے بجائے غریب عوام کی طرف ہی دیکھ رہے ہیں اور اس ملاقات کا مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی کمیٹی بنائی جائے جو متاثرین کے لیئے امداد جمع کرے اور اسے تقسیم کرنے کا کام کرے گی کمیٹی میں ایسے افراد ہونگے جو ماضی میں کرپشن میں ملوث نہیں رہے ہونگے۔

کتنی حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ملک کی حکومت میں ایسے افراد کو تلاش کرنا پڑتا ہے جو ماضی میں کرپشن میں ملوث نہیں رہے ہوں یا شائد حکومت میں کوئی ایسی شخصیت ہے ہی نہیں جنہیں " ایماندار " کہا جاسکے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اب تک ہماری حکومت نے سیلاب سے متاثرین کے لیئے کیا

اقدامات کیئے ہیں؟ کتنی رقم جمع کی ہے؟ ہماری حکومت میں کوئی بھی ایسی شخصیت نہیں ہوگی جن کو غریب کہا جاسکے بلکہ ساری شخصیات کم از کم کروڑ پتی ضرور ہونگی اور شائد یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کے صدر جناب زرداری صاحب اس ملک کی سب سے امیر شخصیت ہیں ان کے اثاثے پاکستان ہی میں نہیں دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے کل اثاثوں کی مالیت ۹۰۰ ملین برطانوی پونڈ ہے ایک پونڈ کی پاکستانی مالیت ۱۳۴ روپے ہے جبکہ ایک ملین دس لاکھ کے مساوی ہوتا ہے، جس ملک کا صدر نو سو ملین پونڈ کے اثاثوں کا مالک ہے کیا اسے سیلاب سے متاثرہ اپنے ہم وطنوں کے لیئے دنیا بھر میں کشکول لیکر بھیک مانگنے کی ضرورت ہے؟

لیکن جس صدر کے پاس اپنے ملک کے سیلاب سے متاثرین کے پاس جانے کے لیئے وقت نہیں نکال سکتا ہو وہ کوئی رقم کیسے نکالے گا؟ ہمارے حکمرانوں کو لوگوں کی پریشانیوں ان کی ضروریات سے کوئی دلچپسی نہیں ہے جس کا ثبوت سیلاب سے متاثرین کی حالت دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

میاں صاحب یا شریف فیملی بھی کوئی غریب اور لاچار فیملی نہیں ہے کہ صرف بیانات کے ذریعے ہی ان متاثرہ افراد کی مدد کرے، انہیں چاہیے کہ وہ پہل کریں اور ثابت کریں کے وہ لوگوں کا احساس کرنے والے قومی رہنما ہیں۔

مجھے وزیر آعظم اور نواز شریف کی ملاقات اور اس ملاقات کی تفصیلات پڑھ صدمہ ہوا بلکہ ان دونوں رہنماؤں نے فنڈنگ کے لیئے کمیٹی کا اعلان کرکے پاکستان کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے اب ہر کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ کیا اس ملک میں کرپشن سے پاک لوگوں کو کمیٹی بنا کر ڈھونڈنا پڑتا ہے، دنیا پاکستانی قوم کے بارے میں بھی یہ کہنے پر حق جانب ہے کہ یہ قوم کن لوگوں کا انتخاب کرتی ہے؟؟؟؟

آج قوم جن مسائل کا شکار ہے جو عذاب قوم پر آرہے ہیں وہ کسی اور کی وجہ سے نہیں بلکہ خود قوم کی غلطیوں اور گناہوں کی وجہ سے آرہے ہیں اور اس سے بچاؤ کا حل ہم سب کو ایسے گناہوں سے بچنے سے نکل سکتا ہے جو اجتماعی گناہ کہلاتے ہیں۔ اجتماعی گناہوں کی وجہ سے قوم پر ظالم اور بے حس حکمراں مسلط کردیئے جاتے ہیں۔ اب وقت ہے پوری قوم کو اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور توبہ کرنے اور استغفار پڑھنے کا ساتھ ہی ساتھ ہم کو چاہیئے کہ اب جو کچھ کرسکتے وہ ہمیں انسانیت کی مدد کے لیئے کرنا چاہیئے اب سوچنے کا نہیں عمل کا وقت آگیا ہے۔

جوتے پر جوتا

ایسا لگتا ہے کہ جوتے پہننے کے نہیں بلکہ جوتے مارنے کے دن آ گئے ہیں ابھی کچھ دن پہلے ہی ہمارے ملک کے صدر آصف زرداری پر بھی کسی نے امریکا میں جوتا مارااور آج پڑوسی ملک بھارت سے اطلاع ملی کہ بھارت کے کنٹرول میں چلنے والے جموں و کشمیر کے وزیراعلیٰ عمر عبداللہ کو کسی جوتا مارا مگر وہ ٹارگیٹ پر نہیں لگا۔

میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ حکمرانوں کو جوتوں سے نشانہ بنانے والے بہت شریف لوگ تھے اس قدر شریف کہ ان کو نشانہ لگانا ہی نہیں آتا تھا ورنہ کراچی جو بھارت کے تربیت یافتہ دہشت گرد جس کو ٹارگٹ کرتے ہیں اسے جان سے مار ہی دیتے ہیں۔

خیر ابھی بات ہو رہی ہے جوتے پڑنے کی معاف کیجیئے جوتے مارنے کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آصف زرداری پر جوتا مارنے یا پھینکنے کے واقعہ پر ہمیں امریکی صدر بش یاد آ گئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ان کو اپنے اقتدار کے آخری دنوں میں جوتا لگتے لگتے بچا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۴ دسمبر ۲۰۰۸ کو عراق میں بش کو جوتا ہٹ ہوتے ہوتے بچ گیا ورنہ جوتے کے وارے نیارے ہو جاتے۔۔۔۔۔۔۔مگر بڑا بد قسمت جوتا تھا جو امریکا

کے سابق صدر کا بوسہ لینے میں ناکام رہا۔

بہرحال لندن ہمارے صدر گئے اور ۸ اگست ۲۰۱۰ کو وہ اس بات پر خوش نظر آرہے تھے کہ انہیں۔برٹش میڈ کا۔برٹش ہی میں جوتا لگنے والا تھا کوئی کسی غریب ملک میں یہ عزت افزائی نہیں ہوتی ایسے ان کی۔

بعض سیاستدانوں کی حرکتوں اور بیانات پر اس بات کا امکان ہے کہ آئندہ کبھی کسی کو لوگ جوتا اتار کر نہیں بلکہ پہن کر ماریں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پاکستان میں سندھ کے سابق وزیر آعلیٰ کو بھی جوتے کا سامنا کرنا پڑا تھا حالانکہ وہ تو اسمبلی میں موجود تھے۔ لیکن اب نا جانے وہ کہاں ہیں حکومت میں تو نہیں ہیں اور" اندر" بھی نہیں اس کا مطلب وہ باہر ہی ہونگے ۔۔۔۔۔ ملک سے باہر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بات ہو رہی تھی مقبوضہ کشمیر کے وزیر آعلیٰ کی جوتا پڑائی کی رسم کی مگر وہ بھی نا اہل نشانہ باز کی وجہ سے نہیں ہو سکی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ویسے بھارت اپنے پڑوسیوں سے جو رویہ روا رکھتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ وہاں ہوتا ہے اس کے رد عمل میں وہاں بارش ہونی چاہیے اور وہ بھی جوتوں کی بارش۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پاکستانی قوم کو کسی اور کی نہیں صرف اپنے ملک کے سیاستدانوں کی بہت فکر رہتی ہے
اور اب تو شائد ہی کوئی ایسی محفل، ایسا اجتماع اور ایسی تقریب ہوتی ہو گی جس میں
حکمرانوں اور سیاستدانوں کے حوالے سے فکر اور ذکر نہ کرتے
ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب تو حال یہ ہوگیا کہ سبزی لینے جائیں تو سبزی
فروش بھی بے چارہ حکمرانوں کا ذکر کیئے بغیر نہیں رہتا
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کوئی گاہک اگر سوال کرلے کہ بھائی تمھارے
خیال اس کا حل کیا ہے وہ برجستہ کہتا ہے کہ "حل حل تو صرف جوتے ہیں ان حکمرانوں
اور سیاست دانوں کو جوتے وہ بھی مسلسل "۔ (ختم شدہ)

سیاسی اداکار، سیاسی دکاندار اور قوم

میرے ایک بچپن کے دوست اقبال جو تبلیغی جماعت سے منسلک ہیں، نے مجھے فون کر کے پوچھا یار انور یہ سیاسی اداکار کون ہیں ہمارے ملک کے صدر آصف زرداری ہر تھوڑے دن بعد ان کا ذکر کرتے ہیں لیکن ابھی تک کلیئر نہیں ہو پا رہا کہ وہ کس کے لیے یہ '' خاص محاورہ '' استعمال کرتے ہیں۔ میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا کہ یار مجھے بھی نہیں پتہ چل سکا کون ہے سیاسی اداکار اس ملک میں اور اگر ہے تو کوئی ایک ہے یا بہت سارے ایسے اداکار ہیں؟ ویسے ہم یہ تو جانتے ہیں کہ آصف زرداری کو بچپن سے اداکاروں سے دلچسپی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اداکاراؤں سے تو سب ہی کو ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اب کئی لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہوگا کہ بچپن سے الف عین زیڈ صاحب کو اداکاروں سے کیوں دلچسپی رہی؟ بات دراصل یہ ہے زرداری صاحب کے والد کے سینما ہیں اور آصف زرداری وہ " خوش قسمت " شخصیت ہیں جنھوں نے آنکھ کھولتے ہی سینما کی شکل دیکھی۔۔۔۔۔۔۔بعد میں تو " سب کچھ " ہی دیکھ لیا اور اب تک دیکھ رہے ہیں اور کیوں نہ دیکھیں ماشاء اللہ صاحب بصیرت ہیں اور اب تو صاحب تخت، صاحب وقت، صاحب اختیار، صاحب جائیداد، صاحب بہادر، صاحب جمال اور

سنا ہے کہ صاحب ذوق بھی ہیں اور صاحب کمال بھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہاں البتہ کچھ عرصہ قبل موصوف صاحب فراش بھی تھے اور اسی وجہ سے وہ ملک میں ان دنوں جب اندر تھے تو باہر چلے گئے تھے کہ علاج کرالیں علاج کیا ہوا؟ یہ اللہ ہی جانے۔

بہرحال بات ہورہی تھی سیاسی اداکاروں کی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس ملک میں اگر سیاسی اداکار بھی ہیں تو اب زرداری صاحب کو یہ بھی کبھی بتا دینا چاہیے کہ یہ اداکار کونسا کردار کرتے ہیں اور کس فلم یا ڈرامے میں؟ مطلب یہ ہے کہ قوم کو یہ تو معلوم ہونا چاہیے نہ کہ یہ اداکار ولن کا رول کرتے ہیں یا ہیرو کا۔۔۔۔۔۔۔ویسے سنا ہے جناب آصف زرداری خود بھی اداکار تھے اور انہوں نے بچپن میں چائلڈ ہیرو کا کردار ادا کیا تھا، بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق یہ نہیں پتہ چل سکا کہ یہ فلم کامیاب ہوئی تھی یا نہیں؟

سیاسی اداکاروں کا تازہ ذکر جناب زرداری نے اسلام آباد ایوان صدر میں فلاحی تنظیموں اور عالمی اداروں کے نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے کیا ١٧ اگست ٢٠١٠ کو اس خطاب میں زرداری صاحب نے کہا کہ کچھ لوگ سیلاب پر سیاست کر رہے ہیں لوگ سیاسی اداکاروں پر یقین نہ کریں انہوں نے کہا کہ کچھ لوگ سیلابی علاقوں میں جاکر اپنی تصویریں بنوا رہے ہیں۔

میں سوچ رہا تھا کہ غیر ملکی لوگ یہ سب سن کر کیا سوچ رہے ہونگے اور اپنے ملک کے بارے میں کیا تاثر انہوں نے لیا ہوگا؟

اب میاں نواز شریف کو لیجیئے انہوں نے ۱۷ اگست ہی کو سکھر کے سیلابی علاقوں کا دورہ کرتے ہوئے کہا کہ سیلابی صورتحال پر کسی کو سیاسی دکان چمکانے کی اجازت نہیں دیں گے اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد نہیں بنانے نہیں دیں گے۔

یہ ہمارے سیاست دان ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ملک سیلاب کی زد میں ہے عام لوگ استغفار کا ورد کر رہے ہیں اور این جی اووزان متاثرین سیلاب کے لیئے چندہ اکھٹے کر رہے ہیں لاکھوں انسان سیلاب کی وجہ سے بے گھر ہوگئے ہیں اور ہزاروں جاں بحق لیکن ہمارے سیاستدان جو اپنے آپ کو قومی رہنماء کہتے ہیں صرف بیان بازی کر رہے ہیں کوئی کسی کو اداکار کہہ رہا ہے تو کوئی کسی کو دکاندار۔ لگتا ہی نہیں کہ ان کو قوم کی فکر ہے۔

میرے خیال میں تو یہ سب صرف بہت بڑے فنکار ہے اور وہ فلم کے ۔۔۔۔

کوئی جانے والا ہے

ایسا لگتا ہے کہ حکومت کی کسی اہم ترین شخصیت کو فارغ کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے یا یوں کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ اہم ترین شخصیت کو یہ اشارہ دیا جارہا ہے کہ " آپ کو اب جانا ہوگا "۔ یہ اہم ترین شخصیت وزیر آعظم یوسف رضا گیلانی ہو سکتے ہیں بلکہ میری نظر میں وہ ہی ہیں۔ ویسے بھی جناب گیلانی پیپلز پارٹی کے موجودہ سسٹم میں فٹ نظر نہیں آتے حکومت میں شامل کئی وزراء اور مشیران ان سے خوش نہیں ہیں۔ وزیر آعظم گیلانی کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کیا جارہا ہے اور ان کے اعلانات اور فیصلوں کی پیپلز پارٹی اور حکومتی نظام میں کیا اہمیت ہے اس کا اندازہ وزیر اطلاعات قمر زمان کائرہ کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے جس میں قمر کائرہ نے کہا کہ حکومت قومی کمیشن برائے سیلاب زدگان بنائے گی لیکن یہ کمیشن دو رہنماؤں کے درمیان فیصلہ ہونے سے کیسے بن سکتا ہے؟

کائرہ کی نظر میں وزیر اعظم کی کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ انھوں نے وزیر اعظم گیلانی کو محض ایک لیڈر قرار دیا ہے، شائد یہ جمہوریت ہے اور ان کی جمہوریت میں ممکن ہے وزیر اعظم کی کوئی اہمیت نہیں ہے، وزیر اعظم کے با اختیار ہونے

کے موجودہ نظام میں دعوے کیئے جاتے ہیں مگر وہ ایک کمیشن کے قیام کا اعلان کرنے کے باوجود اس کو قائم نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ واضع ہے کہ اس جمہوریت میں بھی ایک ڈکٹیٹر موجود ہے جس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

یہ اسی کمیشن کی بات ہو رہی ہے جس کا اعلان جناب وزیرآعظم نے اپوزیشن لیڈر اور مسلم لیگ نواز کے رہنماء میاں نواز شریف سے ملاقات کے بعد کیا تھا انہوں نے اس وقت یہ بھی اعلان کیا تھا کہ کمیشن کے لیئے ناموں کا جلد ہی اعلان کر دیا جائے گا۔

نواز شریف صاحب وزیرآعظم سے اس ملاقات کے بعد گذشتہ ۶ روز تک اسی حوالے سے بیانات دیتے رہے مگر یہ کمیشن نہیں بننا تھا نہ بنا اور اب تو اس حوالے سے ایک نیا اعلان ہو چکا ہے۔ اس طرح وزیرآعظم گیلانی کو اپنے فیصلے پر عمل نہ کروانے میں ناکامی پر یقیناً شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو گا اب آنے والے دنوں میں پتا چلے گا کہ اس شرمندگی کا نتیجہ کیا نکلے گا یا وہ اس رویہ سے کس حد تک شرمندہ ہیں۔

اطلاعات کے مطابق جناب صدر محترم زرداری کو یہ بات پسند ہی نہیں آئی تھی کہ وزیراعظم گیلانی کو ان حالات میں جب نواز شریف حکومت کے خلاف بیانات کا

کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ان سے ملاقات کرنے کی وزیراعظم کو کیا ضرورت تھی؟ بس اسی ناراضگی نے مجوزہ کمیشن کے قیام کو روک دیا ہے تاہم کرائسیس منیجمنٹ اتھارٹی کے ذرائع کا کہنا ہے کہ تین صوبے راضی نہ ہونے کی وجہ یہ کمیشن نہیں بن سکا۔

ویسے تو موجودہ حکومت نے ایسے درجنوں فیصلے اور اعلانات کیئے ہیں جس پر عمل نہ ہوسکا یا وہ واپس لے لیئے گئے لیکن ان متعدد فیصلوں کی واپسی سے حکومت کی شرمندگی کا تاحال کوئی ثبوت نہیں ملا۔

بہرحال اب ایک صورتحال تیزی سے ڈویلپ ہورہی ہے اور وہ ہے وزیراعظم کی تبدیلی کی، حکومتی ذرائع کا کہنا ہے کہ پیپلزپارٹی کی اہم ترین شخصیت اپنی ذات کی حد تک یہ فیصلہ کرچکی ہے کہ وزیراعظم گیلانی کو فارغ کردیا جائے لیکن چونکہ یوسف رضا گیلانی کو ان لوگوں کی سپورٹ حاصل ہے جو ہر دور میں اصل حکمران کہلاتے ہیں اس لیئے ان کو فارغ کرنے سے پورے نظام کو دھچکہ لگ سکتا ہے اور اس دھچکے دھکے کے نتیجے میں حکومت ہی گر سکتی ہے اس لئے وہ اہم شخصیت بھی کچھ پریشان ہے۔

اس لئے نہیں کہ گیلانی کو ہٹاتے ہی حکومت گر جائے گی بلکہ اس لیئے کہ ان کی

جگہ کس کو وزیراعظم بنایا جائے گا؟ بہرحال اگر سیلاب نے موجودہ حکومتی سسٹم کو بہا
کر نہیں لے گیا تو خیال ہے جلد ہی جناب صدر کے اگلے بڑے قدم سے یہ بہہ جائے گا۔

بسنت میلے کی حقیقت اور تاریخ

بسنت ایسا تہوار ہے جس سے مذہب اسلام کا اور نہ ہی مسلمانوں کا کوئی تعلق ہے لیکن اسے اس طرح ہر سال منایا جانے لگا ہے جیسے یہ کوئی مسلمانوں کا اہم فریضہ ہے یہ صدیوں سے ہندوؤں کا ایک تہوار رہا ہے جو خاص موسم بہار میں منایا جاتا ہے ہندو اس تہوار کو بسنت پنچمی کہتے ہیں جو ماگھ سدی پنچمی کے موقع پر منیا جاتا ہے۔
ہمارے ملک میں بسنت کے موقع پر پتنگ بازی کی جانے لگی اور خوب کی جانے لگی ہزاروں کی تعداد میں پتنگیں اڑائی جاتی ہیں پتنگوں کے لیے جو مانجھ، دھاگہ یا ڈور استعمال کی جاتی ہے اس سے گردنیں کٹنے کے خطرناک واقعات رونماء ہوتے رہتے ہیں جس سے کئی لوگوں خصوصاً بچوں کی جانیں بھی جا چکی ہیں جبکہ اس بسنت میلہ پر کروڑوں روپیہ خرچ کر دیا جاتا ہے۔
بسنت میلہ کی تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ تہوار کسی طور پر بھی مسلمانوں کا نہیں ہے بلکہ یہ تہوار ۱۷۴۷ میں رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں گستاخی کرنے والے سیالکوٹ کے ایک کھتری کے بیٹے حقیقت رائے کی موت پر احتجاج کے طور پر ہندوؤں نے

لاہور میں شروع کیا تھا۔

نہ جانے کب اس بسنت میلہ کو کس نے پتنگ بازی سے جوڑ دیا اور یہ منحوس روایت آج تک لاہور میں چلی آ رہی ہے۔

سکھ مؤرخ ڈاکٹر بی ایس نجار " پنجاب مغل دور کے اواخر میں " لکھا ہے کہ ۱۷۴۷ میں سیالکوٹ کے ایک کھتری کے بیٹے حقیقت رائے نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور بی بی فاطمہ کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کیئے تھے اس جرم میں حقیقت رائے کو گرفتار کرکے عدالتی کاروائی کے لیئے لاہور بھیجا گیا، عدالتی کاروائی کے نتیجے میں گستاخ رسول (ص) مجرم حقیقت رائے کو موت کی سزا سنادی گئی اس کی سزائے موت پر پنجاب کی ساری غیر مسلم آبادی کو دھچکا لگا۔ اس وقت زکریہ خان (۱۷۰۷-۱۷۵۹ پنجاب کا گورنر تھا کچھ ہندو افسر اس وقت گورنر زکریہ خان کے پاس حقیقت رائے کی (معافی کی درخواست لیکر گئے لیکن گورنر زکریہ خان نے سزائے موت پر نظر ثانی کرنے سے سختی سے انکار کر دیا جس کے بعد مجرم حقیقت رائے کو ایک ستون سے باندھ کر پہلے کوڑے لگائے گئے پھر اس کی گردن تن سے جدا کر دی گئی۔ یہ تھی سزا ہمارے پیارے نبی (ص) اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں گستاخی کرنے کی۔

ڈاکٹر ایس بی نجار نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۷۹ پر واضع طور پر لکھا ہے کہ ہندوؤں نے حقیقت رائے کی موت پر احتجاج کیا اور اس کی سمادی بنا کر اس کو بسنتی رنگ (زرد، زعفرانی) سے رنگ دیا بعد ازاں ایک ہندو رئیس کالو رام نے بسنت میلے کا آغاز کیا ڈاکٹر ایس بی نجار نے لکھا ہے کہ بسنت میلہ اسی کی یاد میں منایا جاتا ہے حقیقت رائے کی یہ یادگار آج بھی کوجے شاہی (کوٹ خواجہ سعید) ہے اس جگہ کو آج بھی باوادی ہٹی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ تو ہے بسنت میلے کی تاریخ لیکن مجھے بسنت میلے کے دوران پتنگوں کی ڈوروں سے گردن کٹنے کے واقعات سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں حقیقت رائے کی بد روح اپنا انتقام تو نہیں لیتی کیونکہ اکثر لوگوں کی گردن ہی کٹتی ہے۔

مارشل لاء جیسے پرانے اقدامات کی نئی بحث

ملک میں ۲۲ اگست ۲۰۱۰ سے ایک نئی سیاسی بحث چھڑ گئی ہے یہ بحث فوج کو ایک بار پھر دعوت حکمرانی دینے اور مارشل لاء جیسے اقدامات کرنے کی سفارش کرنے پر شروع ہوئی ہے۔ ملک میں جب بھی فوج نے سرحدوں سے اقتدار کی طرف قدم بڑھایا اور مارشل لاء یا ایمرجنسی لگا کر جمہوریت اور جمہوری قوتوں کا بستر گول کیا تو اس کے پیچھے کوئی اور نہیں ملک کی جمہوریت کی دعویدار سیاسی جماعتوں یا سیاسی شخصیات کا ہی ہاتھ رہا ہے۔

ماضی میں پیپلز پارٹی کی مرحومہ چیئرپرسن نے میاں نواز شریف سے اقتدار چھیننے کے لئے فوج کو ان الفاظ کے ساتھ دعوت دی کہ آخر فوج کب اپنا کردار ادا کرے گی، کیا جب شیر سارا آٹا کھا جائے گا تب فوج آگے آئے گی پھر کچھ دن بعد پرویز مشرف آگے آئے اور فوج کے جرنیل کی حیثیت سے جو اقتدار کا سفر انہوں نے سفر اکتوبر ۱۹۹۹ میں شروع کیا تھا وہ بڑی مشکل سے ۲۰۰۷ میں ختم کیا ان کے اقتدار کے خاتمے کے لیئے بے نظیر اور میاں نواز شریف نے دیگر ہم خیال جماعتوں کے ساتھ ملکر چارٹر آف ڈیموکریسی تیار کیا اور اس پر دستخط کیئے اس سی او ڈی میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ آئندہ کوئی بھی جماعت فوج کی جانب سے

کیے جانے والے غیر جمہوری اقدام کی حمایت نہیں کرے گی اور فوج ہمیشہ سرحدوں تک محدود رکھا جائے گا۔ اس معاہدے پر پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نواز اور دیگر جماعتوں نے تو دستخط کیے تھے لیکن جنھوں نے اس چارٹر پر سائن نہیں کیے ان میں ایم کیو ایم یعنی متحدہ قومی مومنٹ بھی شامل تھی، شائد یہی وجہ ہے کہ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے اس بار جمہوریت کے خلاف مارشل لاء جیسی کاروائی کے لئے محب وطن جرنیلوں کو دعوت دینے میں ہچکچاہٹ محسوس ہی نہیں کی۔۔

ماضی میں فوج کو اقتدار سنبھالنے اور ملک بچانے کی دعوت جن حالات کی وجہ سے دی جاتی رہی تقریباً وہ ہی یا اس سے کچھ زیادہ خراب حالات کا آج کل بھی قوم کو سامنا ہے، اس بار قدرتی آفت سیلاب کی وجہ سے بھی قوم بہت ہی زیادہ پریشان ہو گئی ہے اور یہ پریشانی اس لیے بڑھ گئی ہے کہ عوام حکمرانوں کو اس صورتحال میں بھی اپنے سے بہت دور دیکھ رہے ہیں بے حسی نئی نئی مثالیں اس جمہوری دور میں دیکھنے میں آ رہی ہیں۔

اس بار الطاف حسین کی جانب سے فوج کی طرف دیکھنے یا محب وطن جرنیلوں کو مارشل لاء جیسی کاروائی کرنے کی دعوت پر سیاسی ایوانوں میں کتنی ہی ہلچل مچی ہے اور خود ایم کیو ایم کے رہنماء اپنے قائد کے بیانات پر کیسی ہی

وضاحتیں پیش کریں عام عوام کو کم از کم جمہوریت کے موجودہ نظام سے کوئی دلچسپی نظر نہیں آتی اور خود پیپلز پارٹی کے اپنے لوگ بھی اب ذہنی طور پر اپنی جماعت کو خداحافظ کرنے پر تیار نظر آتے ہیں۔ سندھ کارڈ جس کو استعمال کر کے آصف زرداری اور پیپلز پارٹی اقتدار میں آئی تھی وہ کارڈ سیلاب میں گیلا ہو کر شائد بہہ چکا ہے اور نہیں تو اس کے چیتھڑے بن گئے ہیں۔

نواز شریف اور ان کی پارٹی کے لوگوں اور پیپلز پارٹی کے با اثر حلقوں میں فوج کی طرف دیکھنے پر بہت تشویش ہے لیکن جس طرح موجودہ حکومت چل رہی ہے جس طرح اس حکومت کے ارکان وزرا اور مشیران نے جو گند مچا رکھی ہے اس سے چھٹکارہ بھی تو عام لوگوں کی نظر میں ضروری ہو گیا ہے۔ اگر قوم جمہوریت کے کانٹے دار سائے کو .برداشت کرتے رہے تو آئندہ مزید تین سال تک تو ملک ان کانٹوں کے زخموں سے چور چور ہو جائے گا تو کیا ایسی صورت میں کوئی جمہوری قوت اس کی ذمہ داری قبول کرے گی؟؟

میں کسی طور پر بھی جمہوریت کے خاتمے کی حمایت نہیں کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی مجھے آمرانہ دور جمہوریت کے بدلے میں پسند ہے لیکن ایسا دور بھی پسند نہیں جو جمہوریت کے لبادے میں آمرانہ ہو۔ آج بظاہر تو پیپلز پارٹی کی حکومت ہے لیکن صوبوں اور وفاق میں خالصتاً ڈکٹیٹر شپ ہے، سب جانتے ہیں اور دیکھ

بھی رہے ہیں کہ آصف زرداری یا ان کے چند دوستوں کی مرضی کے بغیر ایک کاغذ ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا چاہے وزیر آعظم کا حکم ہو یا کیسی وزیر اعلیٰ کا۔ قوم کو یقیناً ایسی جمہوریت سے کوئی سروکار نہیں اور ایسی حکومت کا کیا فائدہ جو عوام کے مفادات کا خیال رکھنے کے علاوہ سب کچھ کر رہی ہے۔

وقت کی پابندی کرنا سکھانے اور ہم سب کو با اخلاق بنانے والی حکومت

چلو یہ تو اچھا ہوا کہ ہم وقت کا خیال تو رکھنے لگے، آہستہ آہستہ وقت کے پابند ہو ہی جائیں گے۔ وقت کی قدر کرنا اگرچہ ہم پاکستانیوں کو موجودہ حکومت نے بجلی کے ذریعے سکھایا ہے اس لیئے میں کراچی کے باسیوں کی طرف سے کراچی الیکٹرک سپلائی کمپنی کا اور ملک کے دیگر شہروں کی جانب سے واپڈا کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان اداروں نے ہم سب کو وقت کی قدر کرنے کا ایسا سبق دیا بلکہ دے رہے ہیں کہ ہماری نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی لوگ لاکھ برائی کریں لیکن میں تو تعریف ہی کروں گا کہ اس بے چاری پارٹی کی حکومت نے موقع لگتے ہی ہم لوگوں کو نہ صرف وقت کی بلکہ کئی چیزوں کی قدر کرنا سکھا دیا ہے جس انداز سے یہ حکومت چل رہی ہے اس سے لگتا ہے کہ ہم میں سے اکثریت ذہین بھی ہو جائے گی کئی اشیاء کی قدر دان بھی۔

اب دیکھیں نا پچھلی حکومتوں کے دور اس طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی جس کی وجہ سے قوم لاپرواہ اور ہر معاملے میں نا قدری ہو گئی تھی اب ہم لوگوں کو پتہ

چھلا کہ ہر کام وقت پر کرلینا چاہیئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ورنہ بجلی چلی جائے گی، لوگ خوب بارہ بارہ بجے دوپہر تک سوتے رہتے تھے اب سو کر دکھائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ رمضان ہو یا کوئی اور مہینہ آپ کو نو بجے صبح ہی جاگنا پڑے گا ۔۔۔۔۔۔۔۔ ادھر بجلی گئی ادھر آپ کی آنکھیں کھل گئیں، بعض علاقوں کے لوگوں کو اس سہولت کی وجہ سے آٹھ بجے صبح بھی اٹھنا پڑتا ہے اور تو اور ایک بڑی سہولت یہ بھی ہو گئی کہ آپ کے پاس رات کو آنے والے مہمان اب آپ سے پوچھ کر آتے ہیں ارے یہ تو بتانا کہ آپ کہ ہاں لائٹ کب جاتی ہے ؟'' تاکہ ہم اسی لحاظ سے آئیں '' گے اور جائیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔ دیکھا کبھی کوئی مہمان اس طرح پنکچوئل ہوئے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور کیا کرے گی حکومت ؟ وقت کی پابندی ہر چیز کی قدر کرنا اور دوسروں کی عزت کرنا چاہے وہ عام بنیا ہی کیوں نہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اخلاقیات کا درس تو قوم کو تاریخ میں پہلی بار حکومتی اقدامات کے نتیجے میں مل رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر قوم کو صرف برائی ہی حکومت میں نظر آتی ہے۔

میں تو آجکل اکثر گھروں سے ایسی آوازیں سنتا ہوں ارے جلدی کپڑے پریس کرلو ورنہ لائٹ چلی جائے گی ، ارے ذرا جلدی آجانا ہمارے پاس رات کو جاتی ہے آٹھ سے نو بجے تک اور پھر دوبارہ جائے گی ۱۱ سے باہ بجے تک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یقین کریں ایسی آوازیں سنکر دل باغ باغ ہوجاتا ہے کس قدر چوکنا ہیں ہم لوگ اور

سرگرم بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شادی ہالوں میں تو ایسی زبردست لہجوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے کہ شادی کا مزہ ہی دوبالا ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ کسی طرف سے بڑے میاں کی آواز تو کہیں سے بڑی بی کی آواز اور کسی جانب سے دلہن کی ساس کی آواز کہ اب بس۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جلدی کرو لائٹ جانے والی ہے اور یہ ہال والے بھی ٹھیک بارہ بجے لائٹیں بند کردیتے ہیں۔

میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ حکومت کو تعریف کر کرکے ہی ختم کردوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ویسے تو یہ جائے گی نہیں صرف صدر زرداری ہی جاتے ہیں کئی کئی دن غیر ملکی دوروں پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ویسے سنا ہے اس بار وہ'' لمبے دورے'' پر جانے والے ہیں یہ نہیں پتا چلا کہ بیرون ملک جاتے ہیں یا ماضی کی طرح'' اندر''۔ ویسے پوری حکومت کو بھجوانے کا کام تو حکومت کے اپنے لوگ بہت سلیقے سے کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اب رہی بات کہ قوم ہر چیز کی قدر کیسے کر رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دیکھئے آپ،ہنسیے مت ابھی بس پڑھتے رہیے ورنہ آپ کے پاس لائٹ چلی گئی تو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔آپ پڑھ نہیں سکیں گے نا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

آپ کوئی بھی چیز خریدنے بازار جائیں تو دکاندار آپ کو کہے گا نہیں یہ تو

شارٹ ہے ویسے تھوڑی بہت آپ کو چاہیئے تو میں آپ کو دے دیتا ہوں

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آپ کہیں گے بڑی مہربانی، اللہ آپ کو خوش رکھے۔۔۔۔۔۔۔۔

اب آپ اپنے آپ پر غور کریں کہ آپ کا اخلاق کتنا اچھا ہوگیا آپ دکاندار کو ایک چیز کے بدلے میں دعا بھی دے رہے ہیں اس کا شکریہ بھی ادا کررہے ہیں اور جو چیز خرید کر لے جارہے ہیں اس کی قدر کرنے کے ساتھ اپنی دکاندار سے کامیاب ڈیلنگ پر خوش بھی ہو رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے نا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایسی خوشی کسی اور دور میں آپ کو ملی تھی۔۔۔۔۔۔۔؟

ارے ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے مجھے ایک صاحب نے فون کیا اور عاجزانہ انداز میں کہنے لگے کہ انور صاحب مجھے چینی چاہیے کہیں سے دلوا دیجیئے اللہ آپ کو بہت خوش رکھے گا میں نے کہا چینی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ! انھوں نے کہا ہاں چینی صرف ایک کلو چاہیے کوئی دکاندار نہیں دے رہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہاں ایک دکان پر مشورہ ضرور ملا وہ بھی رازدارانہ انداز میں کہ " بھائی کسی صحافی یا میڈیا کی شخصیت سے پرچی لکھوالو یا فون کروالو تو شائد کوئی دکاندار چینی دے دے، صحافیوں کے سب سے تعلقات ہوتے ہیں اور ان کی سب عزت کرتے ہیں"۔

ان صاحب کی اتنی باتیں سننے کے بعد بہرحال چینی تو میں نے ان کو دلوا دی اور اس طرح ہماری تھوڑی عزت اور قدر میں بھی محلے میں اضافہ ہوا اور یہ بھی

اطمینان ہوا کہ اب اپنی بھی سفارشی پرچی چلنے لگی ہے۔
کچھ دن پہلے ایک ہمارے سرکاری افسر دوست نے یہ کہہ کر حیران ہی کر دیا کہ یار کیا دن آگئے اب ہر چیز کے لیئے خود جانا پڑتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نے کہا نے کہا واقعی یہ تو خوشی کی بات ہے آپ کی تو واک ہونے لگی ، صحت اچھی ہو جائے گی، آپ کی حکومت نے تو مفت میں ایکسرسائز کی سہولیات دینی شروع کر دی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بے چارے سرکاری افسر صاحب میری یہ باتیں سنکر ڈر گئے کہ کہیں میں سرکاری مخبر تو نہیں ہوں اور مصنوعی مسکراہٹ جسے آپ زبردستی کی مسکراہٹ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ساتھ چلے گئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور میں سوچتا رہ گیا کہ عجیب بیوروکریسی ہے اپنی حکومت کی تعریف بھی نہیں سن سکتی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ابھی میں ان ہی خیالوں میں تھا کہ ایک دم خیال آیا کہ لوڈشیڈنگ کا ٹائم ہونے والا ہے اس سے پہلے کہ لائٹ جائے اپنا کام ختم کرلینا چاہیئے۔۔ (ختم شدہ)

اخلاقی تقاضے اور ہم

اخلاق خلق کی جمع ہیں، اخلاق کے معنی ملنساری اور آؤ بھگت ہیں، عید قریب ہے ممکن ہے کہ یہ تحریر آپ عید کے دن ہی پڑھ رہے ہوں۔ اخلاق کے تین حصے ہیں اخلاق فاضلہ، اخلاق حسنہ اور اخلاق معاشرت، اخلاق معاشرت ایک جگہ ملکر رہنے کے لیئے جو بنیادی معاملات ہوتے ہیں اسے کہا جاتا ہے۔

ذرا ہم غور کریں کہ ہمیں اخلاق کی کتنی اور کیوں ضرورت ہے۔ اخلاق کے حوالے سے ہم مسلمانوں کے لیئے زیادہ بحث کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اللہ کے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی جملے میں کہہ دیا ہے کہ ‘‘جس کا اخلاق صحیح نہیں وہ مجھ میں سے نہیں، مطلب یہ کہ جو بد اخلاق ہے اس کو آپ (ص) نے کہہ دیا کہ وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

اب آپ ذرا غور کریں کہ جس انسان کو اللہ نے اپنا آخری نبی قرار دیا اور ان کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم کردیا جو تمام انسانوں سے اعلیٰ اور افضل اور بے مثال انسان قرار پائے وہ فرما گئے کہ " جس کا اخلاق درست نہیں وہ مجھ میں سے نہیں " اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ (ص) نے واضح طور پر کہا کہ وہ مجھ میں سے

یعنی کے انسانوں میں سے نہیں ہے ممکن بعض لوگ اس پر اعتراض کریں اور یہ وضاحت کریں کہ آپ (ص) کا مطلب یہ ہے کہ جس کا اخلاق صحیح نہیں ہے وہ آپ (ص) کی امت میں سے نہیں ہے۔ میرا استدلال یہ ہے کہ بہترین انسان ہی مسلمان ہے اور اگر ہم انسان ہی نہیں تو پھر کیسے مسلمان؟

اب آپ ذرا غور کریں کہ کیا آپ کا اخلاق معاشرے اور گھر میں اچھا ہے آپ اچھے اخلاق کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔؟۔

لفظ اخلاق جمع ہے خلق کی، جس کے معنی عام لغت میں انسانوں یا لوگوں کے بتائے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اخلاق کا تعلق انسانوں ہی سے ہے اور اس کائنات کا سلسلہ انسانوں سے شروع ہوا جو کچھ اللہ نے زمین پر پیدا کیا وہ سب کچھ انسانوں اور ان کی سہولت اور کھانے پینے کے لیئے ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہوتا کہ انسانوں میں سب سے اعلیٰ اور بے مثال شخصیت اخلاق کا درس نہیں دیتی۔

اب ذرا ہم اپنے آس پاس یا اطراف میں غور کریں کہ ہم سب اخلاقیات کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔ اللہ نے حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا ہی ذکر کیا ہے۔ ہم میں سے اکثریت حقوق العباد کے معنی سے بھی ناواقف ہیں۔ ایک انسان کا

دوسرے انسان پر یہ حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھیں اور مزاج پرسی کرتے رہیں۔ مذہب اسلام بھی ہمیں یہ ہی سبق دیتا ہے۔ ایک دوسرے سے میل ملاپ کریں اور اس کی ابتداء سلام سے کریں۔ اسلام میں سلام کو عام کرنے کی بات کی گئی ہے کیونکہ سلام میں سلامتی ہے۔ آج ہم لوگ محدود ہو کر رہ گئے ہیں کہ ایک دوسرے کی ضروریات تو کجا سلام تک نہیں کرتے کہ کہیں کوئی " فٹھیک " نہ آجائے اور سلام بھی اس کو کرتے ہیں جو جاننے والا ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم ایسا مسلسل کر رہے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچ رہے کہ ہم جیسے بد اخلاق لوگوں کو ہی تو آپ (ص) نے اپنی صفحوں ہی سے فارغ کر دیا ہے اور صاف کہہ دیا ہے کہ جس کا اخلاق درست نہیں وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

اللہ نے ہر عمل کی نیکیاں بھی مقرر کی ہیں اس کے علاوہ دنیا میں بھی حسن اخلاق کے بے تحاشہ فوائد ہیں اور انسانوں کے ساتھ کیئے جانے والے ہر مثبت عمل کا پھل دنیا میں بھی ملتا ہے اور انشاء اللہ آخرت میں بھی ملے گا۔

آج جب ہم سلام اور دوسرے کی خیریت تک معلوم کرنے سے کترانے لگے ہیں تو پھر ہم کس منہ سے اللہ سے کچھ مانگ سکتے؟ اللہ پھر بھی ہم پر مہربانی کرتا ہے کیونکہ وہ بڑا مہربان اور معاف کرنے والا ہے۔

خیر اب بات کرتے ہیں کہ ہمارا طرز عمل کیسا ہونا چاہیئے۔؟ ہر کوئی شخص بنیادی طور پر اخالاقیات، رہن سہن اور بات چیت کا طریقہ گھر سے سیکھتا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے گھر ہی سے اخلاق کے حوالے سے کوئی خاص تربیت نہیں دی جاتی بلکہ بعض گھروں میں تو ابتداء ہی میں بچے کو یہ تربیت دی جاتی ہے کہ اپنے کام سے کام رکھنا کسی کے معاملات میں مت بولنا اور اسکول میں بھی کسی بچے کے ساتھ زیادہ تعلقات نہیں رکھنا۔ اخلاق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے ملا جائے اس کی خیریت معلوم کی جائے اور اگر کسی کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو تو اس کی جو ہو سکے وہ مدد کرنا چاہیئے۔

لیکن گھر سے ہی بچے کو ہر ایک کے معاملات سے دور رہنے اور میل ملاپ نہ بڑھانے کی ہدایت کر کے اسے بد اخلاق اور خود غرض بننے کا سبق دیا جاتا ہے اور ایسا عمل خود گھر پر بڑے کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ پڑوسی نے کچھ مانگ لیا تو صاف انکار کر دیا، لو صاف جھوٹ بھی بول دیا اور اخلاقی ذمہ داری کی دھجیاں بھی اڑادی نتیجہ یہ ہوتا کہ بچہ بڑا ہونے پر اخلاق سے نابلد اور خود غرضی کا ایک نمونہ بن کر سامنے آتا ہے وہ اپنی دنیا میں مگن رہتا ہے اسے کسی سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی ۔ اور اس طرح معاشرہ تباہ و برباد ہونے لگتا ہے۔

اخلاق کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ آپ عام لوگوں، پڑوسیوں اور دفتر کے ساتھیوں سے بلا غرض صرف اللہ کی رضا کے لیئے ملاقات کریں اور ان کے دکھ سکھ کا خیال رکھیں اور اگر ان کو کسی مدد کی ضرورت ہو تو آپ پہل کریں اور کوئی مسئلہ پیش آجائے تو ایسے مدد کریں جیسے خود اپنی مدد چاہتے ہیں۔ آپ یقین کریں کہ اگر آپ نے ایسے طرز عمل کو اپنی عادت بنالیا یا اللہ کی رضا کے لیئے ایسا کرتے رہے تو آپ زندگی میں کبھی بھی تنہا نہیں ہونگے ضروری نہیں کہ وہ ہی لوگ وقت پڑنے پر آپ کے کام آئیں بلکہ کوئی بھی آسکتا ہے ممکن ہے ایسے چہرے سامنے آجائیں جن کے بارے میں اپ تصور بھی نہیں کر سکتے ہوں یہ ہوتا ہے نیک عمل کا دنیا میں صلہ۔

تو آیئے ہم اچھے انسان اور مسلمان ہونے کا ثبوت دیں پاکستان میں ان دنوں اخلاق حسنہ اور اخلاق فاضلہ کے بڑے مواقع ہیں بس آپ نیت کریں اور کچھ نہیں تو اپنے پڑوسیوں سے ہی پوچھ لیں کہ عید کی تیاری ہو گئی کسی چیز کی کمی تو نہیں رہی؟ وہ ہچکچا ئیں تو آپ خود ان کو ایک بند لفافے میں کچھ رقم دیدیں اور کہیں کہ جب آپ کے پاس ہو تو یہ واپس کر دینا ورنہ کوئی بات نہیں آپ کی ضروریات کا خیال رکھنا میری اخلاقی ذمہ داری ہے۔ آپ یقین کریں کہ جب آپ پہل کریں گے تو آپ کا دیکھا دیکھی دوسرے بھی کریں گے اور پھر ہمارا معاشرہ بھی

ایک آئیڈیل معاشرہ بن جائے گا اللہ ہم سب کو اخلاقیات پر عمل کرنے کی توفیق عطا
کرے آمین۔ (ختم شدہ)

ریمنڈ ڈیوس کی گرفتاری، اور ملک کی بدلتی صورتحال اللہ کا نظام ہے

بے شک اللہ بہت بڑا ہے، دنیا پر راج اور حکمرانی کا دعویٰ کرنے والے کچھ بھی کرتے کہتے رہیں، کتنے بھی الزامات لگاتے رہیں اور کتنی بھی چالیں چلتے رہیں اللہ کے نظام کے سامنے سب فضول و بے کار ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے اور اس کی تدبیروں کے آگے سب کی چالیں بے کار ہو جاتی ہیں زمین پر اکڑ کر چلنے والوں کا تکبر غارت ہو کر رہ جاتا ہے یہ اللہ کی تدبیر ہی تو تھی کہ امریکی ریمنڈ ڈیویس لاہور میں قاتل کے روپ میں سینکڑوں لوگوں کے ہجوم میں آلہ قتل سمیت پکڑا گیا اور چند لمحوں میں امن پسند ہونے کا دعویدار امریکا کھل کر دہشت گرد ملک یا دہشت گردوں کے ملک کے طور پر دنیا کے سامنے افشاء ہو گیا اور یہ ہی اللہ تعالیٰ کی چال ہے کہ وہ ہی سب سے بڑی چال چلنے والا ہے جو ملک پاکستان کو ہر لحاظ سے خطرناک اور دہشت گرد ملک قرار دینے کے لیئے بہانے ڈھونڈتا رہتا تھا وہ خود پاکستان کے اس شہر میں دہشت گرد قرار پایا جہاں قرار داد پاکستان منظور کی گئی تھی۔ (سبحان اللہ)۔

اللہ کے نظام کے تحت امریکا اسی ملک میں دہشت گردوں کے سرپرست کے طور پر ایک قاتل دہشت گرد کی رہائی کے لیئے گھٹنے ٹیکا ہوا ہے لیکن درخواست بھی

دھمکی آمیز لہجہ میں اختیار کر رہا ہے امریکا پاکستان کے اندر اپنے آپ کو معصوم ثابت کرنے پر مجبور ہوگیا ہے اور اپنے ملک کے ظالم درندہ صفت شخص کو جھوٹ کا سہارہ لیکر لے جانے کی کوشش کر رہا ہے اور اس بات کا کھلا ثبوت دے رہا ہے کہ وہ دہشت گرد ریمنڈ ڈیویس کا سپورٹر ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ریمنڈ جیسے لوگ ہی امریکا کے اشارے پر پاکستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے کئی ممالک میں پر سرار سرگرمیوں میں ملوث ہیں اور امریکا ان افراد کا اسی طرح تحفظ بھی کرتا ہے۔

مجھے بھی متعدد دانشوروں اور کالم نویسوں کی طرح یقین تھا کہ آئندہ چند روز میں ملزم ریمنڈ ڈیویس کو امریکا نواز پاکستانی حکمران نہ صرف رہا کردیں گے بلکہ اسے اسکی سہولت کے مطابق امریکا جانے کے لئے سہولیات بھی فراہم کریں گے لیکن ملک و قوم کی خوش قسمتی سے اب تک ایسا نہیں ہوسکا اور امریکا کی سب چالیں دھری کی دھری رہ گئیں یقیناً اس میں بھی اللہ کی خصوصی کرم نوازی شامل ہے۔

لاہور میں 27 جنوری کو دو نوجوانوں کو قتل کرنے کے الزام میں گرفتار امریکی ریمنڈ ڈیویس کو پولیس اور عدالتی کاروائی سے چھڑانے کے لئے امریکی صدر بارک اوبامہ براہ راست خود کوشش کرنے کے باوجود ناکام ہوچکے ہیں لیکن

امریکا اپنی چالیں چل رہا ہے حالانکہ امریکا کی طرح چھپ کر یا درپردہ پاکستان کے خلاف چالیں چلنے والے ممالک کو اللہ کی طرف سے یہ کھلا پیغام دیا جاچکا ہے کہ پاکستان کی حفاظت کرنے اور اس کی شان و شوکت میں اضافہ کرنے والی ہستی وہ ہے جو اس کائنات کا حقیقی خالق و مالک ہے اس لیئے اس سرزمین کے خلاف چالیں چلنے سے باز آجاؤ ورنہ اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا اور ریمنڈ ڈیویس کی طرح اس کے سرپرست ممالک دنیا بھر میں تباہ و برباد ہوجائیں گے۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ کے اشارے کو ہم سب کو بھی سمجھ لینا چاہیئے ہمارے حکمرانوں کو بھی یہ جان لینا چاہیئے کہ اس ملک کے ساتھ جس نے بھی ناانصافی کی اور اپنے حلف کی پاسداری کے بجائے اس کے خلاف کام کیا وہ ذلیل و خوار ہوا ذلت اس کا مقدر بن گئی۔

ملک کے موجودہ حالات اور اس کے ذمہ دار حکمرانوں کو بھی پاکستان کی تاریخ اور ماضی کے حکمرانوں کی زندگی پر ایک نظر ڈال لینی چاہیئے اور ایسے سیاسی اقدامات کرنے چاہیئے کہ ان کی کی گئی غلطیوں کا مداوا بھی ہوسکے اور ملک و قوم کی ترقی بھی ہوسکے۔ انقلاب کی باتوں اور لوگوں کو بے وقوف بناکر وقت گزارنے اور " اپنا الو" سیدھا کرنے والوں کو یہ بات خوب اچھی طرح جان لینی

چاہئے کہ جھوٹ، مکاری، منافقت اور مفاد پرستی کی سیاست انہیں وقتی طور پر تو خوش کرسکتی ہے لیکن آخرت میں ان کو کچھ نہیں ملے گا بلکہ عمر کے اس حصے میں جب انہیں سہارے کی ذاتی طور پر ضرورت ہوتی ہے اس وقت ان کے کوئی قریب نہیں ہوگا یہ ہی اللہ کا نظام اور اس کا انصاف ہے۔

متحدہ کے الطاف حسین کا یہ کہنا درست ہے کہ ملک کی صورتحال دیکھ کر اب خاموش رہنے کا وقت نہیں فوج عوام کا ساتھ دے اور ملک کو چوروں اور لٹیروں سے نجات دلائے، فوج کو پاکستان بچانے کی دعوت دینا آج حالات کی مجبوری ہے لیکن کیا فوج جمہوری نظام قائم رکھ کر الطاف حسین کے اشارہ کردہ چوروں لیٹروں کا خاتمہ کرسکتی ہے؟ موجودہ حکومت تو عوام اور عوامی امنگوں کی کتنی قدر دان ہے اس کا اندازہ تو ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی، کرپشن اور امن وامان کی خراب صورتحال سے لگایا جاسکتا ہے۔

حالات تیزی سے بدل رہے ہیں مفاد پرست سیاست دان اپنے مفاد کے لئے مسلسل اپنے منشور کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، حکمرانی یا دولت اکٹھا کرنے کی خواہشات نے ان کو اپنے ضمیر کی بات سننے سے بھی محروم کردیا ہے، یہ لوگ سیاست نہیں سیاست کے روپ میں تجارت کر رہے ہیں، نواز شریف کی پارٹی نے پنجاب میں پیپلز پارٹی کو صوبائی حکومت سے دور کرکے اپنے تئیں بہت بڑا تیر

مار ڈالا لیکن اس کے نتائج وہ ہی ہونگے جو ان کی نیت تھی اور اب جو کچھ پنجاب میں ہوگا کیا مسلم لیگ نواز یا ان کے لیڈر اس کے ذمہ دار نہیں ہونگے ؟۔

آصف علی زرداری نے جس عدلیہ کو نا چاہتے ہوئے بھی بحال کیا وہ اللہ کی تدبیر تھی اور آج اسی عدلیہ کے ریمارکس سے ان کی حکومت پر ریمارکس کی صورت میں جو روزانہ کالک لگائی جارہی ہے وہ اللہ کا احتساب ہے کیونکہ وہ ہی بڑا حساب لینے والا ہے اور اس سے کوئی بھی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔آج پیپلز پارٹی کی موجودہ حکومت کے اپنے ساتھی ،اس حکومت کے حصے دار اگر یہ کہہ رہ ہیں کہ وہ فوج کو مارشل لاء لگانے کی نہیں بلکہ پاکستان کو بچانے کی دعوت دے رہے ہیں تو یہ بھی اللہ ہی کے نظام کی بدولت ہے۔

آنے والے دن پاکستان کے لئے انتہائی اچھے ہونگے ،سیاسی جماعتیں ایک دوسرے پر الزام تراشی کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے مزید برہنہ ہوجائیں گی مفاد پرست سیاست دان اپنے ہی حرکتوں کے نتیجے میں تباہ وبرباد ہوجائیں گے ، ملک دشمن قوتوں سے تو اللہ اپنے نظام سے نمٹ ہی لے گا ریمنڈ ڈیویس جیسے لوگ یا اس کے ملک کی طرح کے ممالک اس سرزمین کو میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے مگر ہم پاکستانی قوم کو اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کے مطابق سوچنا ہوگا اور اپنے

مستقبل کے رہنماؤں کو چنا ہوگا بلکہ اپنے درمیان سے نئے لیڈر پیدا کرنے ہونگے کیونکہ
اللہ خود بھی اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جو خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہیں کرتی۔

شہباز بھٹی کا قتل، امریکہ اور مسلمان

اور اب وفاقی وزیر 42 سالہ شہباز بھٹی بھی اسلام آباد میں قتل کر دیئے گئے اس سے قبل رواں سال کی 4 جنوری کو پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر کو بھی اسی اہم شہر میں قتل کردیا گیا تھا ملک کے دارالحکومت میں تین ماہ کے دوران دو اہم شخصیات کی بہیمانہ ہلاکت ملک و قوم کے لئے نا صرف تشویش کا باعث بلکہ فکر انگیز بھی ہے ویسے تو اسلام آباد میں ہونے والے قتل کی وارداتوں میں اکثر اہم ترین شخصیات سے ہی جڑے ہوئے ہیں 27 دسمبر 2007 کو سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کو بھی ہزاروں افراد کے مجمعے میں انتہائی چالاکی سے قتل کیا جاچکا ہے اور آج تک ان کے قاتلوں کا پتا نہیں لگایا جاسکا۔

وطن عزیز میں نامعلوم افراد کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل تو اب معمول کی بات سمجھا جانے لگا ہے کیونکہ ملک کے بڑے شہروں خصوصاً کراچی، حیدرآباد، لاہور، کوئٹہ اور ملتان میں روزانہ ہی ایک سے زائد مسلمان نوجوان قتل کردیئے جاتے ہیں لیکن اقلیتی رہنماء کے قتل نے پوری قوم کو فکر میں مبتلا کردیا ہے حکمران چاہے 1997 کے ہوں یا آج کے وہ اسی روایتی ڈگر پر ہیں انہیں وہ ہی روایتی بیانات ہی دینا ہے قاتلوں کو پکڑنا تو کجا ان کا سراغ لگانے

میں بھی وہ سنجیدہ نظر نہیں آتے رہی بات پولیس اور ہمارے دیگر تحقیقاتی اداروں کی تو وہ بھی ہمارے حکمرانوں کی راہ پر چلتے ہیں ظاہر ہے جو لوگ عوام کی جان و مال کا تحفظ کرنے کے نام پر عوام کے ووٹوں سے اقتدار کے ایوانوں میں پہنچتے ہیں انہیں عوام تو کیا اپنے ساتھیوں کے جان و مال کی بھی فکر نہیں تو پولیس اور یہ ادارے کیا کریں گے ؟
مسیحی قوم سے تعلق کی بناء پر پوری دنیا میں شہباز بھٹی کے قتل کی بازگشت ہے امریکی صدر بارک اوبامہ، اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل اور کئی دیگر ممالک کے سیاسی اور مذہبی رہنماؤں نے اس قتل پر اپنی تشویش ظاہر کی ہے قتل کی اس واردات کے بعد یہ تاثر دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ پاکستان میں اقلیتی افراد کی زندگی خطرے میں ہے اور وہ غیر محفوظ ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے پاکستان میں دنیا کے بیشتر ممالک کے مقابلے میں اقلیتوں کو نہ صرف ہر قسم کی آزادی ہے بلکہ ان کی جان، مال اور عزت کا غیر معمولی تحفظ کیا جاتا ہے تاہم اس کے باوجود اقلیتی رہنماء بطور سیاست ہمیشہ ہی اپنی کمیونٹی کے عدم تحفظ کا واویلا مچاتے ہیں جبکہ امریکہ جیسے ملک میں جو ہمیشہ ہی انسانی حقوق کا سب سے بڑا علمبردار بنتا ہے کہ ایئرپورٹ پر ہی مسلمانوں خصوصاً پاکستانیوں کی عزت نفس جس طرح مجروح کی جاتی ہے وہ بڑی مثال ہے۔

امریکہ لندن اور بھارت سمیت متعدد ایسے غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے ان ممالک میں ہر سال جتنے مسلمان مختلف واقعات میں قتل کر دیئے جاتے ہیں ان کا کسی طور پر پاکستان سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا پاکستان میں عام اقلیتی جس قدر محفوظ ہے اتنا تو یہاں کی اکثریتی آبادی کے مسلمان بھی محفوظ نہیں ہیں جبکہ مسلمان پاکستان میں ہو یا کسی بھی ملک میں اسکی جان و مال کا کہیں بھی تحفظ نہیں رہا اور 11 ستمبر کے بعد تو ہر ملک مسلمانوں کو دہشت گرد سمجھنے لگا ہے حالانکہ امریکی دہشت گرد سینکڑوں افراد کی موجودگی میں دو نوجوانوں کو گولیاں مار کر قتل بھی کر دے تو اسے دہشت گرد تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جاتا ہے امریکہ کی لیڈری کو ماننے والے ممالک امریکا کے اشارے پر پاکستان اور دیگر مسلم ممالک پر دہشت گردی میں ملوث ہونے کا الزام لگا کر ان پر مسلسل دباؤ ڈالنے والی پالیسی پر گامزن ہے جبکہ امریکی دہشت گرد ریمنڈ ڈیولیس پاکستان کے شہر لاہور میں جدید اسلحہ اور دیگر آلات کے ساتھ گرفتار ہو چکا ہے۔

مجھے یقین کی حد تک یہ شبہ ہے کہ اقلیتی رہنماء اور وفاقی وزیر شہباز بھٹی کا قتل بھی امریکا کی سازش ہے تاکہ ریمنڈ ڈیوس کی زندگی کو پاکستان میں خطرہ ہے کے نام پر رہا کرا لیا جائے اور اس مقصد کے لیئے امریکا اس نئے موقف کے ساتھ کہ پاکستان میں غیر مسلم خصوصاً کرسچنز کی جانوں کو خطرہ ہے

اس لئے پاکستان فوری ریمنڈ کو امریکا کے حوالے کرنے کا مطالبہ کردے گا۔ لیکن اگر کرسچینز کی جانوں کو خطرہ ہوتا تو کیا خود شہباز بھٹی سرکاری سیکیورٹی اور کسی بھی سیکیورٹی گارڈ کو ساتھ لیئے بغیر اسلام آباد کی گلیوں میں بے خوف وخطر گھومتے ؟ اگر انہیں خطرہ تھا تو پھر کیا وہ نفسیاتی مریض تھے جو اس حالت میں مووومنٹ کر رہے تھے ؟ یا کسی سازش کے نتیجے میں اس قدر بااعتماد ہو کر بغیر گارڈز کے اپنی والدہ کے گھر گئے تھے یا جاتے رہتے تھے ؟ یقیناً ان کو اعتماد تھا کہ پاکستان میں انہیں کوئی قتل نہیں کر سکتا۔

میرے خیال میں انہیں قتل کیا نہیں گیا بلکہ وہ خود قتل ہو گئے کیونکہ جو شخص دنیا بھر میں یہ واویلا مچا رہا ہے کہ ان کی جان کو خطرہ ہے وہ خود بغیر کسی سیکیورٹی کے گھوم رہا ہے ہے کا عمل خود کو قتل کروانے کے مترادف ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

شہباز بھٹی کے قتل کو گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے قتل سے جوڑنا بھی میرے خیال میں ملک کو بدنام کرنے کے اور کوئی مقصد نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی شہباز بھٹی کو آسیہ بی بی یا ان کے مقدمے کے حوالے سے قتل کرنا چاہتا تھا تو پہلے انہیں نشانہ بنا دیا جاتا نہ کہ گورنر سلمان تاثیر کو۔ اس لیئے یہ تاثر بالکل ہی غلط ہے کہ شہباز بھٹی کا قتل سلمان تاثیر کے قتل کا تسلسل ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہباز بھٹی انتہائی نڈر اور بااعتماد شخصیت تھے اور وہ اکثر اس بات کا اظہار بھی کرتے تھے کہ وہ کسی سے ڈرتے نہیں موت جب آنی ہے آجائے گی۔

امریکا یا کوئی اور ملک اگر یہ تاثر دیتا ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کو خطرہ ہے تو وہ امریکا ہی کے سابق سفارت کاروں کے بیانات کا جائزہ لیں جو کہتے تھے پاکستان میں کسی کو کوئی خطرہ نہیں کراچی سے زیادہ جرائم کے واقعات تو نیویارک میں ہوتے ہیں۔

میں امریکی اور دیگر ممالک کے حکمرانوں کو یہ مشورہ دونگا کہ وہ اپنی جنگ پاکستان کی مدد سے لڑتے رہیں لیکن خدا کے واسطے پاکستان سے جنگ لڑنے کا سوچیں بھی نہیں اور اس مقصد کے لیئے اگر دانستہ یا نادانستہ سازشیں کی جارہی ہیں تو اسے بند کردیا جائے یہ ہی امریکا اور اس کے حمایتیوں کے لیئے بہتر ہوگا امریکا کو چاہیے کہ اپنے آپ کا امن اور انصاف کا علمبردار ثابت کرتے ہوئے امریکا کی قید میں موجود بے قصور اور معصوم پاکستانی قوم کی بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو فوری رہا کردیا جائے ایسا کرنے کی صورت میں پاکستانی قوم ریمنڈ ڈیویس کی رہائی کے لئے اپنی حکومت پر دباؤ ڈال سکتی ہے۔

حکومتی پارٹی کا احتجاج --- کس بات کا پیغام ہے؟

موجودہ حکومت کے سوا سب کچھ ہی تو ختم ہوتا جا رہا ہے، نہ اخلاقی اقدار بچا نہ احساسِ ذمہ داری اور نہ ہی عام انسانوں کا احساس۔ تین سال قبل اندر ہی اندر کڑنے اور رونے والی قوم اب چیخنے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی ہے لوگوں کی اکثریت حکمرانوں کو کھلے الفاظ میں مغلظات بکنے پر مجبور ہو گئی ہے، سیاست دانوں سے تنگ یہ قوم اب اپنے مسائل کے حل کے لیئے گڑگڑا رہی ہے کہ خدا کے لیئے ہماری طرف بھی کوئی توجہ دے، کوئی بھی آ جائے مگر موجودہ حکمرانوں سے نجات دلا دی جائے تاکہ کچھ بہتری کی امید تو کی جا سکے۔

پیپلز پارٹی نے چیئرمین نیب دیدار حسین کے حوالے سے سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف احتجاج کی کال دیکر کھل کر اس بات کا اظہار کر دیا ہے کہ حکومتی فیصلے غلط ہوں یا سہی سب کو ماننا پڑے گا نہ ماننے کی صورت میں وہ احتجاج کریگی، اور سپریم کورٹ کے ہر فیصلے کو حکومت تسلیم نہیں کرے گی۔ جمعہ کے روز پیپلز پارٹی کی جانب سے احتجاج کے لیئے جمعرات کی رات سے ہی جو کاروائیاں کراچی شہر میں کی گئیں وہ بھی حیرت کی بات تھی کہ ایک حکومتی جماعت خود ملک میں افراتفریح کا ماحول پیدا کر رہی ہے اس سے قبل حکومت میں شامل متحدہ قومی

موومنٹ اس طرح کا احتجاج کرتے ہوئے واضح کرتی تھی کہ حکومت میں رہنے کے باوجود ہم حکومتی پالیسیوں کے خلاف احتجاج کرکے جرات مندی کا ثبوت دیتے ہیں ۔اب پیپلز پارٹی نے احتجاج کرکے نہ صرف متحدہ بلکہ پوری قوم کو بھی یہ پیغام دیا ہے کہ وہ بھی کسی سے کم نہیں ہے۔

بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ پیپلز پارٹی کو آنے والے دنوں کا اندازہ ہوگیا ہے اسی وجہ سے اس نے اپنی" اسٹریٹ پاور" ظاہر کرنے کے لیئے یہ احتجاج کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کسی اور نے لیا ہو یا نہیں لیکن فوجی اسٹبلشمنٹ نے اس احتجاج کا گہرائی سے نوٹس لیا ہوگا اس نوٹس کے نتائج آئندہ چند روز میں ظاہر ہونے کا امکان ہے اور اب فوج کے پاس بھی اقتدار سنبھالنے یا جمہوری سیٹ اپ میں مداخلت کرنے کا پورا جواز موجود ہے اگر اب فوج یہ بھی کہیئے کہ جمہوریت بچانا ضروری نہیں ملک بچانا ضروری ہے تب بھی قوم فوج کو لبیک کہے گی اور اس کا خیر مقدم کرے گی۔

موجودہ صورتحال میں عام پاکستانی کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ کس فوجی نے جمہوریت سے کیا مفادات حاصل کیئے یہ لوگ تو صرف یہ جانتے ہیں کہ ان کی زندگیوں کو اس جمہوریت سے جو نقصان پہنچا وہ ماضی میں کسی بھی دور سے نہیں پہنچا تھا۔

حقیت یہ ہے کہ جب خود حکومت ہڑتال یا احتجاج کی طرف آجائے تو پھر ملک کی سالمیت خطرے میں پڑ جاتی ہے کیونکہ حکومت اپنے احتجاج کے لیئے سرکاری مشینری اور اختیارات استعمال کر سکتی ہے جس کا معمولی سا مظاہرہ جمعہ ۱۱ مارچ کے احتجاج کے حوالے سے سندھ خصوصاً کراچی کے شہریوں نے خود دیکھا۔

مجھے یہ بھی یقین ہے کہ حکومت خود اپنے وجود سے مایوس ہو گئی ہے اس لیئے اب وہ اس راستے پر گامزن ہے جہاں سے اسے جو بھی حاصل ہوگا اسے وہ غنیمت سمجھ کر اپنے مسقبل کے دنوں کی تیاری کرے گی لیکن اس بار جمہوریت کی بساط لپٹے جانے کی پوری ذمہ دار بھی حکومت ، اس کے اتحادی اور اس سے وابستہ افراد ہی ہونگے اس بار فوج پر کوئی بھی جمہوریت پر شب خون مارنے یا اس کا خاتمہ کرنے کا الزام بھی نہیں لگا سکے گا اس کی ایک وجہ ملک اور قوم کی حالت بھی ہے اور خود حکومت کی ایک اتحادی جماعت کی طرف سے ایک سے زائد بار فوج کو موجودہ نظام میں مداخلت کرنے کی دعوت دی جاچکی ہے متحدہ قومی موومنٹ نے ملک میں انقلاب کے لیئے بھی فوج کو مدد کرنے کا مطالبہ کیا ہے اس کا مطلب واضع ہے کہ ملک کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ اب یہاں انقلاب آنا چاہئے مجھے یاد نہیں کہ کسی ملک میں عوام نے یا کسی سیاسی جماعت نے انقلاب کے لیئے فوج کی مدد حاصل کی یا نہیں ؟اس کا جواب تو انقلاب کی بات کرنے والے ہی دے سکتے ہیں۔

میں آج اپنی تعریف میں نہیں بلکہ مجبوراً اپنے چند پرانے کالمز کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو کہ ان ہی صفحات پر شائع ہوئے تھے تاکہ قارئین کو مذکورہ کالمز پڑھ کر ملک کے حالات کا اندازہ ہوسکے۔ گزشتہ سال 27 اگست کو میں نے "سیاسی ایوانوں میں ہلچل اور فوج میں خاموشی" کے عنوان سے اپنے کالم میں حکمرانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے مشورہ دیا تھا کہ فوری طور پر ایسے اقدامات کئے جائیں کہ لوگوں کو احساس ہو کہ حکومت کو ان کا احساس ہے۔یکم اکتوبر کو ہماری ویب پر آن لائن ہونے والے کالم " ملک کی صورتحال حکومت اور فوج" میں بھی ہی نے ملک کی خراب صورتحال کا ذکر کیا اور فوج کے جمہوریت کے تسلسل کے لیئے رکھے جانے والے رویئے کی نشاندہی کی۔ 15 اکتوبر کے کالم " کیا جیالے عدلیہ سے لڑائی کے لیئے تیار ہیں؟" میں میں نے امریکی اخبار کے چیف جسٹس جناب جسٹس چوہدری افتخار کے کردار پر تبصرہ کے حوالے سے لکھا تھا کہ ملک کے سیاست دانوں کو چاہیئے کہ اپنا اور ملک کا تمسخر نہ اڑائیں اور نہ صرف عدلیہ کے کردار کو تسلیم کریں بلکہ عدلیہ کہ تمام احکامات کو بھی تسلیم کریں اور 29 دسمبر 2010 کے کالم " حکومت اور سیاسی جماعتوں کا روئیہ جمہوریت کے لیئے نقصان دہ ہے" میں میں نے لکھا تھا کہ پیپلز پارٹی کی موجودہ حکومت سے سب سے زیادہ نقصان جمہوریت کو پہنچ رہا ہے حیرت ہے اسے ہٹانے کے لیئے جمہوری طریقے اپنائے جا سکتے تھے اور ہیں بھی لیکن ناجانے

کیوں ابھی تک پارلیمنٹ میں موجود سیاسی جماعتوں نے شکوے شکایتوں کے باوجود اسے ہٹانے کے لیئے جمہوری راستہ اختیار نہیں کیا سیاسی جماعتوں کے اسی رویہ کی وجہ سے ملک میں سیاست بدنام ہورہی ہے جبکہ سیاسی جماعتوں پر سے عوام کا اعتماد ختم ہوتا جارہا ہے اور یہ ہی بات ملک میں جمہوریت کے لیئے نقصان دہ ہے۔

آج صورتحال کل سے زیادہ خراب ہوگئی ہے ،پارلیمنٹ میں موجود عوامی نمائندے بڑی بڑی تنخواہیں اور مراعات لینے کے باوجود قوم اور جمہوریت کے استحکام کے لیئے کوئی سنجیدہ اور جمہوری طریقہ اپنانے کے لیئے تیار نظر نہیں آتے جس کی وجہ بظاہر یہ ہی دکھائی دے رہی ہے کہ موجودہ جمہوری دور کے صرف دو سال رہ گئے ہیں اور دو سالوں کے لیئے یہ لوگ سیاست کا جوا نہیں کھیلنا چاہتے کیونکہ ان کا مقصد کسی طور پر بھی جمہوریت ، ملک اور قوم کی خدمت نہیں بلکہ اپنے ذاتی مفادات ہیں۔

مجھے خوشی ہوگی کہ اگر قوم ساری سیاسی جماعتوں کے موجودہ کردار کو یاد رکھتے ہوئے آئندہ انہیں موقع نہ دیں بلکہ نئے چہرے متعارف کرائیں اور نئی جماعتوں کو موقع دیں کیونکہ یہ ہی قوم اور ملک میں بہترین ہوگا۔

سیاست دانوں، حکمرانوں! مبارک ہو کہ تم نے اپنے ساتھی کو چھڑا لیا

امریکی اپنے ملک اور قوم کی عزت بچانے اور اس کے استحکام کے لیئے کچھ بھی کہیں بھی کر سکتے ہیں جبکہ ہم پاکستانی خصوصاً ہمارے حکمران ملک و قوم کی عزت کو ملیامیٹ کرنے کے لیئے کہیں بھی اور کسی بھی قیمت پر کر دیتے ہیں امریکی ائیر پورٹ پر ہمارے حکمراں تک برہنہ ہو کر تلاشی دیتے ہیں انہیں تو اپنی عزتوں کا کوئی خیال نہیں تو پھر وہ ملک اور قوم کی عزت اور بقاء کا کیا خیال رکھیں گے؟۔

لاہور میں 27 فروری کو دو نوجوانوں فہیم اور فیضان کو سر عام گولیوں کا نشانہ بنانے والے امریکی ریمنڈ ڈیویس کو 16 مارچ کو دیت کی رقم کی وصولی کے بعد عدالت کے حکم پر رہا کر دیا گیا اس رہائی کے بعد مجھ سمیت متعدد افراد کو ایک امریکی عہدیدار کا یہ جملہ یاد آ گیا" پاکستانی دس ڈالر کے لیئے اپنی ماں کو بھی بیچ سکتے ہیں"۔

ریمنڈ ڈیویس کی رہائی ہم پاکستانیوں کو ایک بار پھر یہ سوچنے پر مجبور کر رہی ہے کہ ہم کون ہیں؟ہمارے نظریات کیا ہیں؟ ہم مسلمان تو کیا انسان کہلانے کے لائق بھی ہیں؟ہمارا ہی قصور ہے نہ کہ زرداری نواز شریف جیسے لوگ

ہمارے حکمران بنے ہوئے ہیں اور مشرف جیسے انسانوں کے ڈیلر اقتدار کے مزے لوٹ کر دوبارا اقتدار میں آنے کے لیئے پر تول رہے ہیں؟ سوال یہ ہے کہ امریکہ میں کیا صلاحیت ہے کہ وہ اپنے شہری کو قتل جیسے گھناؤنے جرم کے بعد بھی باآسانی چھڑانے میں کامیاب ہوگیا؟

ریمنڈ ڈیولیس کی رہائی میں کامیابی کے بعد امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن کا کہنا ہے کہ امریکہ نے ریمنڈ کی رہائی کے عوض کوئی رقم نہیں دی، یہ بیان پاکستان کے حکمرانوں اور پاکستانیوں کو آئینہ دکھانے کے مترادف ہے اور اس بات کا اظہار ہے کہ امریکا سپرپاور ملک ہے وہ جو چاہتا اور جن سے چاہتا خصوصاً پاکستانی حکمرانوں سے کرا سکتا ہے اس کے لیئے امریکا کو کچھ دینے کی ضرورت نہیں ہے البتہ امریکی سی آئی اے کے ترجمان جارج لعل کا بیان قوم کے لیئے ایک سوال بن گیا ہے ان کا کہنا ہے کہ ریمنڈ ڈیولیس کی رہائی دونوں ملکوں کے مضبوط تعلقات کی عکاسی ہے انہوں یہ بھی کہا کہ امریکی اور پاکستانی ایجنسیوں کے تعلقات مستحکم ہیں۔

میں سی آئی اے ترجمان کے بیان کے دوسرے حصے کو حقائق پر مبنی سمجھتا ہوں اور یہ کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا کہ ان دونوں ممالک کی ایجنسیوں کے روابط تو یقیناً مستحکم تو ہونگے لیکن یہ تاثر صحیح نہیں ہے کہ پاکستان

اور امریکہ کے تعلقات مستحکم ہے اور نہ ہی ریمنڈ کی رہائی ان ملکوں کے بہترین تعلقات کی عکاسی ہے ہاں یہ بات صحیح ہے کہ ان دونوں ممالک کی ایجنسیوں کے بہترین تعلقات کی عکاسی ہے بلکہ پاکستانیوں کے لیۓ دونوں حساس اداروں کی طرف سے پیغام بھی ہے کہ آپس میں ان ایجنسیوں سے وابستہ شخصیات کے کس حد تک قریبی تعلقات ہیں۔

قوم جانتی ہے کہ اسی طرح کے تعلقات ہمارے حکمرانوں کے بھی امریکہ سے ہیں وہ حکمران جن سے قوم تنگ آچکی ہے ریمنڈ ڈیویس کی رہائی کے بعد اب یہ حکمران مزید آشکارا ہوگئۓ ہیں کہ ان کا اصل مقصدِ حکمرانی کیا ہے، کس کے ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں اور وہ کن کے " آدمی ہیں"۔

جو حکمران سیلاب کے متاثرین کو وعدوں کے مطابق محض چند ہزار ادا نہیں کرسکے تھے وہ حکمران کس قانون کے تحت اور کس طرح ایک قاتل کی رہائی کے لیۓ دیت کی رقم 20 کروڑ روپے ادا کرسکے؟ کیا اس مقصد کے لیۓ پھر کوئی غیر آئینی یا غیر قانونی کام کیا گیا؟ اور آخر قاتل ریمنڈ ڈیویس کے بجاۓ مقتول کے ملک کے حکمرانوں کو یہ بھاری رقم کیوں ادا کرنی پڑی؟ کہیں ہماری حکومت کو بطور جرمانہ تو یہ بھاری رقم ادا نہیں کرنی پڑی کہ انہوں نے امریکی قاتل کو امریکا کی اجازت کے بغیر گرفتار کیا تھا؟

ریمنڈ ڈیویس تو امریکی حکمرانوں کے لیئے ایک بہت اہم آدمی تھا وہ پاکستان کو اندر سے کھوکھلا کرنے اور یہاں کے خفیہ راز حاصل کرنے کے مشن پر مامور تھا وہ پاکستان کو نقصان پہچانے والے ہر شخص کا دوست تھا اور ان سے مخلص تھا لیکن وہ دشمن تھا تو صرف پاکستان اور پاکستانیوں کا، وہ پاکستان میں رہ کر پاکستان کے خلاف اور امریکا کے مفاد میں کام کر رہا تھا اگر یہ تاثر غلط ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں امریکی صدر بارک اوبامہ بھی اسکی رہائی کے سرگرم تھے ؟۔

میں نے ریمنڈ ڈیویس کی گرفتاری پر لکھا تھا کہ یہ اللہ کا نظام ہے کہ اللہ نے امریکہ کو پاکستان میں دہشت گرد اور دہشت گردوں کی پشت پناہی کرنے والا ملک والا قرار دلوایا لیکن آج مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ اللہ نے جس ملک کے لوگوں کو اپنے اوپر لگے ہوئے بے جا داغ دھونے کا موقع دیا تھا اس ملک کے حکمرانوں نے اپنی عادتوں کے سبب اس موقع کو گنوا کر اسے اپنے اوپر ایک اور داغ کا باعث بنا لیا۔۔۔۔شاباش زرداری، شاباش نواز شریف ۔۔۔۔اور شاباش ان لوگوں پر جو ان کے ان جیسوں کے پیچھے اپنی آخرت کی تباہی کے لیئے دوڑتے ہیں۔

اوباما آپ کو یہ دہشت گرد کیوں نظر نہیں آئے؟

کراچی میں 22 مئی کی شب جو کچھ ہوا وہ نہ صرف تشویشناک بلکہ پوری قوم کے لیئے فکر انگیز بھی ہے نیول بیس کراچی میں رونماء ہونے والے اس واقعے سے حساس پاکستانیوں کی نیندیں اڑ چکی ہیں ہر محفل یا مجلس میں اس واقعے کی بازگشت ہے پیپلز پارٹی کے لوگوں اور حکومتی شخصیات کو اس کا ذکر اپنے لیڈر اور ملک کے صدر آصف علی زرداری کے والد کی تدفین و فاتحہ سوئم کے موقع پر بھی سننے کو ملی ہونگی اور ملیں گی لیکن قوم اس واقعہ کو ایک بدترین واقعہ کے طور پر ہمیشہ یاد رکھے گی ویسے تو پیپلز پارٹی کی حکومت کا یہ دور شرمناک اور بے حسی کے واقعات سے بھرا پڑا ہے اور بقول شاعر یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ "کس کس بات پر روئے کہ رویا بھی نہیں جاتا"۔

دہشت گردی کے اس واقعہ کو ہر تجزیہ کار اور ہر دانشور اپنے ذہن کے مطابق دیکھ رہا اور اس کے بارے میں سوچ، لکھ اور خیالات کا اظہار کر رہا ہے میڈیا اسے پولیس، سیکیورٹی اور خفیہ اداروں کی ناکامی قرار دے رہا ہے یہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ واقعہ سیکیورٹی فیلیئر ہے۔ چونکہ اس طرح کے واقعات ہمارے ملک میں ہوتے رہتے ہیں اور ہمارے حکمران ایسے بھی نہیں ہیں کہ

اس کا الزام فوری طور پر کسی غیر ملکی قوت پر لگا سکیں ظاہر ہے جو خود غیر ملکی قوتوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہوں وہ ایسی جرات کہاں سے لائیں گے ؟

ہمارے حکمران تو اپنی زمیں پر امریکہ کی جنگ اس طرح لڑ رہے ہیں جیسے یہ ہماری جنگ ہے پاکستان کی جنگ ہے یا پاکستان کے مفاد کی جنگ ہے۔ امریکہ کی جنگ اپنی زمین پر لڑنے کا صلہ یہ مل رہا ہے کہ امریکی صدر بارک اوبامہ کی اس دھمکی کو کہ " اگر پاکستان میں کسی اور القائدہ یا طالبان لیڈر کی موجودگی کا پتہ چلا تو وہ اوسامہ بن لادن کے خلاف کئے گئے آپریشن کے طرز پر ایک اور یکطرفہ آپریشن کا حکم دیں گے " پاکستان میں حساس ترین مقام پر دہشت گردوں نے حملہ کردیا اور طالبان کے ایک گروپ نے اس کی ذمہ داری بھی قبول کر لی سوال یہ ہے کہ کیا امریکہ کو ان طالبان کی موجودگی اور اس کاروائی کا پتہ نہیں چل سکا تھا؟ کیا امریکہ کے حساس آلات ساڑھے چار کلو میٹر پیدل اپنے ہدف کی طرف چلے جانے والے مسلح دہشت گردوں کا پتہ لگانے میں ناکام رہے؟ یا معلوم چلنے کے باوجود اس پر امریکہ نے توجہ نہیں دی کیونکہ اس سے ان کے ملک کا کوئی تعلق نہیں تھا؟ یا پھر امریکا صرف القائدہ یا طالبان کے لیڈرز کو اپنے حساس نظام کے تحت تلاش کرتا ہے ؟ اسے ان تنظیموں کے کارکنوں سے کوئی واسطہ نہیں جو پاکستان کا مسلسل نقصان پہنچا رہے ہیں کیونکہ پاکستان کے ساتھ جنگ کرنے اور پاکستان کو نقصان پہنچانے والوں کو پکڑنا امریکا کا

کام نہیں؟

شائد ایسا ہی ہو کہ پاکستان کی جنگ لڑنا امریکا کی ذمہ داری نہیں ہے البتہ امریکا کی جنگ لڑنا پاکستان کی اولین ذمہ داری ہے ؟اس لیئے کہ امریکہ پاکستان کو اپنی ایک کالونی اور پاکستانیوں کو غلام سمجھتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پاکستان میں موجود طالبان کے مختلف گروہوں کے بارے میں یہ اطلاعات پہلے ہی سے موجود ہے کہ ان میں بھارت اور دیگر ممالک کے لوگ شامل ہیں جو پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لیئے مصروف عمل ہیں۔

امریکا دھمکیاں دینے کے بجائے آخر یہ کیوں نہیں سوچتا کہ پاکستان امریکا کی جنگ لڑنے کے لیئے اس قدر سرگرم ہے کہ اس نے اپنی حفاظت پر توجہ کم کردی ہے

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اور نہ جانے کیوں مجھے بھی یہ ہی شبہ ہوتا ہے کہ ہمارے ادارے اپنی حفاظت کم امریکا کے مفادات کی حفاظت پر زیادہ توجہ دے رہے ہیں۔

اور اس توجہ کا احساس ہونے پر پڑوسی ملک نے اپنے مفاد میں کامیابی سے کام

کر ڈالا اور یہ پیغام دے گیا کہ پاکستان کی تنصیبات اس کے دسترس میں ہے۔
بھارت کا اس کاروائی میں ملوث ہونے کا شبہ اس لیئے بھی ہوتا ہے کہ دہشت گردوں نے اس کاروائی میں جس امریکی طیارہ کو نقصان پہنچایا ہے اس سے سب سے زیادہ فائدہ بھارت کو پہنچے گا اور کسی ملک کو نہیں۔۔۔۔۔۔
ویسے بھی کراچی اور کوئٹہ میں ہونے والے دہشت گردی کے مختلف واقعات میں بھارتی خفیہ ادارے کے ملوث ہونے کی اطلاعات ہیں۔
ہمارے سیکیورٹی کے اداروں کی تو سب سے بڑی نا اہلی یہ ہی ہے کہ وہ نیول بیس پر کئے گئے حملے کی ملزمان کی صحیح تعداد بھی نہیں بتا پا رہے ؟
بہرحال مہنگائی ، بیروزگاری اور بجلی گیس کی لوڈ شیڈنگ اور مفاد پرست سیاست دانوں اور بے حس حکمرانوں سے تنگ قوم اپنے شہروں اور محلوں میں دہشت گردوں کی کاروائیوں کے باعث عدم تحفظ تو محسوس کرتی ہی تھی لیکن اب تو اس قوم کو یہ بھی پیغام مل چکا ہے کہ ہمارے ملک کے انتہائی اہم علاقے تنصیبات اور ہماری حفاظت کرنے والے خود بھی غیر محفوظ ہیں ایسے میں ہم اب صرف اللہ ہی سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمارے ملک کی اور قوم کی جان و مال کی حفاظت کرے

اور ہمارے دشمنوں کو نیست و نابود کر دے آمین۔

صحافی سلیم شہزاد کو ایجنسیوں نے نہیں تو کس نے قتل کیا؟

بین الاقوامی طور پر شہرت حاصل کرنے اور تحقیقی رپورٹنگ کے ماہر سلیم شہزاد کو ظالموں نے انتہائی درندگی کے ساتھ جان سے مارڈالا اور اپنے ہدف کو فتح کرلیا سلیم شہزاد شہید ہوگیا اور انشاء اللہ شہادت کے اعلیٰ ترین درجات پر فائز ہوگا اس خالق حقیقی سے مجھے یقین ہے جس کے سامنے سلیم شہزاد پانچ وقت جھکتا تھا اور روزانہ گھر سے نکلنے سے قبل اس کی نازل کی ہوئی قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا۔ سلیم شہزاد شہید صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تھا اور اسی کی اطاعت کرتا تھا اسے کسی کی خوش آمد کرنا نہ آتی تھی اور نہ ہی اس کے طریقہ سے واقف تھا وہ دوستوں اور رشتے داروں ہی سے نہیں ہر انسان سے محبت کرتا تھا اسے اللہ نے عزت شہرت اور حسب ضرورت دولت سے نوازہ تھا اس کی عزت بین الاقوامی طور پر اتنی تھی کہ اسے امریکا اور اس کے مخالفین دونوں ہی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے شہرت اس قدر تھی کہ بین الاقوامی طور پر اسے ذاتی طور پر جانا جاتا تھا کئی اہم ملکی اور بین الاقوامی شخصیات سے اس کا رابطہ تھا اسے اللہ نے صرف چالیس سال کی عمر میں عزت اور شہرت کی بلندیوں پر پہنچادیا تھا وہ صرف ایک بیوہ اور تین معصوم بچوں کا ہی سہارہ نہیں بلکہ اپنے پورے خاندان کا سہارا اور سپورٹر تھا اس کا سگا بھائی تو ایک ہی تھا لیکن سینکڑوں دوست اور کئی کزنز

اس کے بھائی تھے اس نے کبھی کسی میں کوئی تفریق نہیں کی یہ ہی وجہ تھی کہ اللہ اس پر بہت مہربان تھا، وہ کہتا تھا انور بھائی. برائی کو روکنا بھی تو جہاد ہے اور جہاد میں جب تک زندگی ہے تو غازی اور مر گئے تو شہید ہو جائیں گے۔

میرے آنسو اس دن نکل پڑے جب اس نے مسکراتے ہوئے یہ کہہ گیا کہ "کسی دن کوئی ظالم قاتل مجھے بھی اپنے مفادات کے لیئے مار دے گا لیکن دیکھنا میں شہید ہو جاؤں گا اس دن سب کہیں گے سلیم شہید ہو گیا"۔

ہاں میرے بھائی تو شہید ہو گیا اور یہ بھی سچ ہے کہ تجھے نہ سمجھنے والے بھی آج تجھے جان گئے اور تجھے جرات مند اور دلیر صحافی قرار دے رہے ہیں سلیم آپ نے جان کی قربانی دیکر بہت کچھ افشاء کر دیا اور اپنے آپ کو ایک سچا، ایماندار اور جرات مند صحافی کی حیثیت سے ہمیشہ کے لیئے اپنی پہچان چھوڑ دی آپ کو لوگ ہمیشہ یاد رکھیں گے اب تو میرے بھائی تیرے مخالف بھی تیری جرات کو سلام کر رہے ہیں سلیم شہید آپ نے تو شہید ہو کر بہت سے صحافی جاگیر داروں کی نظریں ان کے گریبانوں کی طرف جھکا دیں۔

ہم جو آپ کو جانتے ہیں اور جو اب جان گئے ہیں سب کی دعائیں ہیشہ آپ کے ساتھ رہیں گی کہ اللہ آپ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز کرے آمین ثمہ آمین۔

ہاں سلیم شہزاد میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کی تدفین کے بعد جب آپ کے چھوٹے بیٹے نے مجھ سے پوچھا کہ " پاپا کہاں ہے" تو میں اسے کوئی بھی جواب نہیں دے سکا بس اپنے آنسوؤں کو بہت مشکل سے روک پایا اور ہاں میں سلام کرتا ہوں آپ کی امی کو جنہیں اللہ نے بڑی ہمت دی اور وہ خود ملنے گھر سے باہر آگئیں اور کہا کہ میرے بیٹے کا دوست بیماری کے باوجود جب یہاں آیا تو میں اس سے کیوں نہ ملوں ان کے اس عمل نے مجھے یاد دلادیا سلیم شہزاد کہ تم نے کہا تھا کہ امی بھی آپ کے لیئے بہت دعائیں کرتی ہیں۔

بھائی سلیم اب آپ کے ہر نیک عمل کا پھل آپ کو ملے گا دنیا میں جو بھی تکلیف آپ کو ملی ہے اس کے بدلے بھی اللہ آپ کو بہت نوازے گا یہ میری دعا ہے ایک بیمار دوست کی دعا ہے اللہ میری دعائیں قبول کرے آمین۔

اب بات کرتے ہیں اس بے حس معاشرے کی اور ان حکمرانوں کی جن کی ذمہ داری ہم سب کی جان و مال کی حفاظت کرنا ہے جو ان ہی دعوؤں کے ساتھ اقتدار میں آئے تھے لیکن جو بے غیرتی اور بے حسی کے اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں ان کے لیئے یہ ہی دعا کی جاسکتی ہے کہ اللہ انہیں ہدایت دے یا اپنے نظام سے ان سے نمٹ لے آمین۔

سلیم شہزاد شہید 29 مئی کو شام ۵ بجے ایک ٹی وی چینل پر کرنٹ افیئرز کے پروگرام میں شرکت کے لیئے گھر سے نکلے اس چینل کی ڈائریکٹر نسیم زہرہ کے مطابق ٹی وی کے کوآرڈینیٹر نے تقریباً پونے چھ بجے ان سے رابطہ کیا انہوں نے کہا کے کہ وہ پہنچنے والے ہیں اور راستے ہی میں ہیں لیکن چھ بجے تک وہ ٹی وی اسٹیشن نہیں پہنچے۔۔۔۔ گھر رابطہ کیا تو گھر والوں نے بتایا کہ وہ تو دنیا ٹی وی گئے تھے اور وہاں سے واپس نہیں آئے ۔۔۔۔ پھر سب خاموش ہوگئے۔۔۔۔۔ پیر کا دن شروع ہوگیا تھانے کو اطلاع دیدی گئی مگر سلیم کا پتہ نہیں چل سکا ایک دوسرے چینل "آج" نے دوسرے دن کے پروگرام میں میڈیا کو للکارا کہ ایک صحافی کل سے پر اسرار طور پر لاپتہ ہے مگر صرف ایک چینل ڈان نیوز کے علاوہ کسی چینل میں ٹیکر تک نہیں چلایا گیا.بڑی باتیں کرنے والے صحافیوں کے لیڈرز خاموش تھے نہ جانے کیوں ؟ پھر جب منگل کو شور بڑھا تو پہلے ان کی کار اور پھر بعد میں ان کی لاش کا پتہ چلا اور یہ بات حیرت انگیز طور پر سامنے آئی کہ سلیم شہزاد شہید کی لاش کو پولیس اہلکاروں نے شناخت نہ ہونے پر امانتاً دفنا بھی دیا تھا۔ کیا اس ملک میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ 24 گھنٹے گزرنے سے قبل ہی کسی کی لاش کو لاوارث قرار دیکر جلدی میں دفنا دیا گیا ہو ؟

گورکن کا بیان تھا کہ لاش دو پولیس اہلکار لیکر آئے تھے اور وہ لاش کو دفن کرنے میں بہت جلدی کر رہے تھے یہ خبر ایک .بڑے ٹی وی چینل کے رپورٹر نے دی تھی بعد میں اس رپورٹر نے یہ بھی خبر دی کہ گورکن اور وہ پولیس اہلکار دوسرے دن بات کرنے سے انکار کر چکے ہیں۔

مجھے اور بہت سے لوگوں کو ٹی وی چینل کے اس رپورٹر کی خبر پر ذرہ .برابر بھی شک نہیں لیکن مجھے شک پیدا ہوا ہمارے ملک کے وزیر داخلہ ملک (جن کے نام کا پہلا حصہ میں بہ وجوہ نہیں لکھ سکتا) کے بیان کے بعد جنہوں نے شہید کی لاش .برامد کئے جانے کے بعد یہ بیان دیا کہ " وہ تین ماہ قبل کراچی سے اسلام آباد منتقل ہوئے تھے ایسا لگتا ہے کہ انہیں کسی نے پرانی دشمنی کی بناء پر قتل کیا گیا ہے "

ساتھ ہی انھوں نے اپنا روایتی بیان بھی دے ڈالا کہ قاتلوں کا جلد سراغ لگا لیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

وزیر داخلہ نے گزشتہ تین سال کے دوران اسی طرح کے سینکڑوں بیان دے چکے ہیں نہ ان کی بات پوری ہوتی ہے اور نہ ہی ان کو شرم آتی ہے شہزاد سلیم کے واقعہ کو وہ بہت چالاکی کے ساتھ کسی اور جانب موڑ دینا چاہتے تھے کسی اور ملک میں

اس طرح کا واقعہ پیش آتا تو وہاں کا وزیر داخلہ شرم سے صحافیوں سے نظریں تک نہیں ملا پاتا اور فوری طور پر ان پولیس اہلکاروں کی گرفتاری کا حکم دیتا جو مقتول کی لاش شناخت کے بغیر دفن کرا چکے تھے ۔ اس ملک کو مفاد پرست سیاست دانوں نے کس جگہ پہنچادیا ہے کہ اب لوگ ملک سے مایوس ہونے لگے ہیں۔

پاکستان اب صحافیوں کے لیئے خطرناک ملکوں کی فہرست میں شامل ہوگیا ہے مجھے موجودہ حکمرانوں سے اس بات کی کوئی توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ سلیم شہزاد شہید کے قاتلوں کا پتہ لگالیں گے یہ تو وہ ہیں جو قاتلوں کو چھپالیتے ہیں لیکن صحافی برادری کو بھی یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ قاتلوں نے سلیم شہزاد کو اس لیئے ہلاک کیا تاکہ آئندہ کوئی صحافی بھی ایماندارانہ اور جرات مندانہ صحافت نہ کرے ورنہ ان کا بھی یہ ہی حال ہوگا دراصل سلیم کو شہید کرکے ظالم قوتوں نے یہ ہی پیغام دیا ہے اب ہم صحافیوں کو سوچنا ہے کہ آئندہ ہمیں کیا کرنا ہے سچ کو کس طرح ثابت کرنا ہے اور جھوٹوں کو کس طرح برہنہ کرنا ہے۔

ہمیں موجودہ حکمرانوں سے اس طرح کے واقعات کی روک تھام کرنے کی بھی کوئی امید نہیں ہے بلکہ ڈر ہے کہ اگر یہ لوگ مزید اقتدار میں رہیں گے تو یہ ملک نہ صرف صحافیوں بلکہ ،تاجروں، ڈاکٹروں، انجنئیرز سمیت ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے محب وطن لوگوں کے لیئے خطرناک ہوجائے گا اس لیئے اب قوم کو ان

مفاد پرست سیاست دانوں سے چھٹکارہ حاصل کرنا ہوگا۔

ملک میں خوشگوار تبدیلیاں آنے والی ہیں

82 سالہ انوار شاہ پیپلز پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو کے دور زندگی میں پیپلز پارٹی لیاری کراچی کے سیکریٹری بھی رہ چکے ہیں اور ان ہی کی زندگی میں جب انہیں بھٹو کے بارے میں کچھ غیبی اشارے ملے تو انہوں نے پیپلز پارٹی سے استعفیٰ دیدیا ویسے تو وہ بھارت کی مشہور ادکارہ مرحومہ نرگس کے تایہ زاد بھائی ہیں اس طرح اداکار سنجے دت کے ماموں بھی لیکن وہ ابھی درویشوں والی زندگی گزار رہے ہیں کراچی کے قدیم دینی گھرانے سے تعلق کی بناء پر وہ بھی بچپن ہی سے دین سے بہت قریب رہے . اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھے والدہ کا انتقال ان کی نوعمری ہی میں ہوگیا تھا جب کہ ان کے والد کو نامعلوم افراد نے 58/1957 میں اغواء کرلیا تھا جس کی وجہ شاہ صاحب ان کی جائداد بتاتے ہیں والد کے اغواء کے بعد شاہ صاحب خود بھی کم عمری کے باعث خوفزدہ ہوکر صدر کراچی 73 ڈیو لین کی ایک مربع ایکڑ رقبے کی کوٹھی چھوڑ کر اپنی جان کو بچانے کے لیئے نکل گئے یہ اس زمانے کی بات ہے جب کراچی صدر، سولجر بازار سول لائن اور کھارادر میٹھادر تک محدود تھا والد کے اغواء کے بعد شاہ صاحب کی عالیشان زندگی تبدیل ہونا شروع ہوگئی اور غربت نے ان کو گھیرنا اور خطرناک افراد نے ڈرانا شروع کردیا 1977 میں شاہ صاحب دوبارہ اپنی حویلی میں واپس آگئے لیکن والد کو اغواء

کرنے اور نہ جانے انہیں غائب کردینے والوں یا ان کی طرح کے دیگر ظالموں نے شاہ صاحب کا بھی پیچھا نہیں چھوڑا جس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ شاہ صاحب کو خوف نے ہمیشہ کے لیئے حویلی چھوڑنے پر مجبور کردیا مفلسی کی وجہ سے انہیں اپنی شادی کا بھی خیال نہیں رہا وہ کئی دن تک بھوکے رہتے لیکن کبھی کسی کے سامنے اس کا اظہار بھی نہ کرتے ماں باپ کی دینی تربیت نے ان کو یہ سیکھا دیا تھا کہ اپنا دکھ درد صرف اللہ کے سامنے بیان کرنا چاہیئے وہ راتیں تارے گننے کے بجائے اللہ کے ذکر میں گزارتے آج بھی ان کا یہ ہی معمول ہے اللہ کا ذکر زبان پر ہر وقت رہنے اور رات کی تنہائی میں " اللہ سے باتیں کرنے کے باعث اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی صلاحیت سے نوازہ ہے کہ وہ آنے والی " آفات سے پیشگی باخبر ہوجاتے ہیں اور لوگوں کو توبہ اور استغفار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں خاص لوگوں کو ان کے بارے میں آنے والی خوشخبری اور مصیبت سے بھی آگاہ کردیتے ہیں ان کے حلیے سے کوئی بھی انہیں دم دورد اور اللہ والا نہیں مان سکتا، شاہ صاحب کہتے ہیں میں تو یہ ہی چاہتا ہوں کے میرے بارے لوگوں کا نہ ہی پتہ چلے تو اچھا ہے کیونکہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں لیکن اللہ کی بہت مہربانیاں اور کرم نوازیاں میرے ساتھ ہے اور وہ ہی سب کے ساتھ رہنی چاہیئے۔

انوار شاہ کے بارے پڑھتے ہوئے کچھ لوگ ضرور یہ سوچ رہے ہونگے کہ آخر اس

تحریر کا مقصد کیا ہے اس تحریر کا مقصد نہ تو شاہ صاحب کی تعریف کرنا اور نہ ہی ان کو متعارف کرانا ہے بلکہ اصل مقصد صرف یہ ہے کہ وہ باتیں لوگوں کے سامنے رکھنا جو شاہ صاحب نے ایک صحافی کی حیثیت سے مجھے بتائی وہ باتیں ہمارے ملک کے مستقبل کے بارے میں ہیں یہ صرف باتیں ہی نہیں بلکہ عام افرد کے لیئے انکشافات ہیں لیکن ان باتوں کے ذکر سے قبل میں مزید کچھ شاہ صاحب کے بارے میں بتانا چاہوں گا۔

انوار شاہ (شاہ صاحب) عرف سائیں بابا کراچی کے علاقے عزیزآباد کے بھنگوریہ گوٹھ میں گزشتہ 23 سال سے تنہا رہ رہے ہیں لیکن انہیں کوئی دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ایک انتہائی غریب اور مسکین شخص ہیں کسی کو نہیں معلوم کہ وہ اتنی لمبی زندگی کیسے گزار رہے ہیں ان کی آمدنی کیا ہے، وہ کیا کھاتے ہیں اور کیا پیتے ہیں ایک کمرے کے گھر میں رہتے ہیں تو اس کا کرایہ کہاں سے ادا کرتے ہیں، کئی کئی روز تک بھوکے رہنے کا انہیں اتنا تجربہ ہے کہ ایک آدہ دن خالی پیٹ رہنا ان کے لیئے کوئی بات ہی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی خاندانی شان و شوکت کو بحال رکھے ہوئے ہیں وہ کالے رنگ کی پینٹ اور سفید شرٹ میں اس طرح ملبوس رہتے ہیں جیسے کوئی ریٹائرڈ بیوروکریٹ ہوں، کوئی انہیں دیکھ کر ان کی ذاتی حیثیت کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتا اور وہ خود اپنی پریشانی کسی کو بھی بتانا پسند نہیں کرتے، پانچ وقت کے نمازی ہیں

اور ہیمشہ با وضو رہتے ہیں، راتیں اللہ کی عبادت میں گزارتے ہیں روزانہ فجر کی نماز
کے

بعد تلاوت قرآن پاک کرتے ہیں اور اللہ کے ناموں کا ورد کرتے ہیں یقیناً یہ ہی وجہ ہوگی کہ اللہ نے ان میں ایسی صلاحیت پیدا کردی ہے کہ آنے والے واقعات کا پہلے ہی علم ہوجاتا ہے انہیں جاننے والے ہر شخص کی ان کے لیئے دعا رہتی ہے کہ اللہ انہیں ہمیشہ خوش اور صحتمند رکھے آمین۔

شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ ملک میں کچھ عرصے بعد اللہ کے حکم سے حیرت انگیز اور خوشگوار تبدیلیاں رونماء ہونا شروع ہوجائیں گی اور یہ تبدیلیاں مفاد پرست سیاست دانوں اور تاجروں کے لیئے نقصان دہ ہوگی لیکن عام افراد آنے والی تبدیلیوں سے بہت خوش ہونگے لیکن اس سے قبل تھوڑے عرصے کے لیئے حالات مزید مگر بہت خراب ہونگے خوف خدا رکھنے والے ان حالات سے مزید اللہ کے قریب ہوجائیں گے انہوں نے بتایا کہ پاکستان میں جہاں معاشرتی برائی میں اضافہ ہوا ہے وہیں پر اللہ کو یاد کرنے اور صرف اسی کی عبادت کرنے والوں کی تعداد میں بھی چند سالوں میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے جس کے نتیجے میں اللہ کی مہربانیاں بھی اس ملک پر ہیں انہوں نے یہ بھی حیرت انگیز انکشاف کیا ہے کہ آصف زرداری اب اپنی صدارتی ذمہ داریوں سے جان چھڑانا چاہتے ہیں لیکن انہیں خوف ہے کہ ایسا کرنے سے کچھ ان کے ساتھ غلط ہوجائے گا یہ ان کا شیطانی

وسوسہ ہے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ ملک میں ایک شخصیت جو ابھی ظاہر نہیں ہوئی ہے وہ انقلاب لائے گی اور یہ ہی انقلاب عوامی امنگوں کے مطابق ہوگا اس انقلاب کو اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔

میں شاہ صاحب کی ان باتوں کو سنکر صرف یہ ہی کہہ سکا کہ شاہ صاحب غیب کا علم تو صرف اللہ کو ہے اور میری خواہش اور دعا ہے کہ جو بھی مثبت بات آپ کہہ رہے ہیں اللہ کرے وہ سب پوری ہوجائے آمین ، میرے اس جملے پر شاہ صاحب مسکرائے اور کہنے لگے کہ یہ سب کچھ دعاؤں کے نتیجے ہی میں ہونے والا ہے۔

پیپلز پارٹی اور کمیشن

پاکستان میں ان دنوں پھر "کمیشن " کی باتیں تیز ہو گئی ہیں کچھ لوگ سنجیدگی سے کمیشن قائم کرنے کے مطالبات کر رہے ہیں تو بعض ایبٹ آباد میں امریکیوں کی کارروائی کے بعد بنائے جانے والے کمیشن کے حوالے سے اظہار خیال کر رہے ہیں حکمران طبقہ "کمیشن بنانے" کے مطالبات پر بھی اسی طرح حیران و پریشان ہے جیسے کمیشن کھانے کے الزامات پر تشویش میں بتلا ہوتا ہے شائد وہ ان مطالبات کو اسی جملے سے ہی تعبیر کر رہے ہیں ۔؟

پیپلز پارٹی اور کمیشن کا تو پرانا رشتہ ہے پارٹی کے ایک موجودہ رنڈوہ لیڈر جب پارٹی کا حصہ بنے تو انہوں نے سب سے زیادہ توجہ کمیشن پر ہی دی حالانکہ پارٹی میں انہیں پرانے لیڈرز سے بڑا حصہ دیا گیا تھا جس کی وجہ سے کئی پرانے پارٹی لیڈرز کو فکر ہو گئی تھی اور سوچنے لگے تھے کہ اب ان کے شیئر کا کیا ہوگا ؟ پارٹی میں ۔۔۔ بہر حال انہوں نے بھی تجربے کی بنیاد پر کچھ نہ کچھ حصہ حاصل کر ہی لیا ۔

بات ہو رہی تھی کمیشنز کی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ملک کی جو حالت ان دنوں ہو گئی ہے میرا

خیال تھا کہ کئی معاملات، مسائل اور واقعات پر کمیشن قائم ہونے چاہیئے مثلاً سلیم شہزاد شہید کے قتل پر، مہنگائی، بڑتی ہوئی بیروزگاری پر، بجلی کے بحران پر، اور دو روز قبل رینجرز کے ہاتھوں نوجوان کی ہلاکت پر۔۔۔۔ لیکن ایسا ہوتا ہوا نظر نہیں آرہا حالانکہ پیپلز پارٹی میں دیگر کاموں کے مقابلے میں "کمیشن" کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی ہے، کمیشن بنانے پر اس حکومت نے اپنے ہر دور میں توجہ دی کمیشن بنانے کا عروج اپنے وقت کے مسٹر ٹین پرسنٹ کی کارکردگی سے ہوا۔ لیکن ابھی ٹین پرسنٹ کو عروج پر پہنچانے والے کا عروج چل رہا ہے۔ ہمیں ڈر لگ رہا کہ کہیں اس تعریف میں کوئی جذباتی ہو کر ہمارے لیئے وردی والوں کو زحمت نہ دے دے۔

بہرحال لگتا ایسا ہے کہ ماضی میں جو ٹین پرسنٹ تھے اب انھوں نے اپنی اس کارکردگی کو حدود کے بندھن سے آزاد کردیا ہے اور اپنے ساتھیوں کے خیال سے انہیں بھی اپنے معاملات میں" شیئر کرنے کا حکم دیا ہے"۔ تب ہی تو سب ہر بات پر کمیشن بنانے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

کمیشن کھانا اور کمیشن بنانا دو مختلف الفاظ ہیں، بعض ماہرین اردو اسے کمیشن قائم کرنا بھی کہتے ہیں لیکن ہمارے ملک میں نہ جانے کیوں اس کا ایک ہی مطلب سمجھا جاتا ہے؟۔۔۔۔۔۔آپ مسکرایئے مت یہ تو رونے کی بات ہے لیکن ہنستے ہنستے

۔۔۔۔۔

اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے ملک میں صرف کمیشن کھانے پر توجہ دی جاتی ہے، آپ یقین کریں کہ اپنے پڑوسی ملک بھارت کے آسام میں پادیش تالوکدھر نامی ایک صاحب ایسی صلاحیت رکھتے ہیں کہ فرنیچر، بلب، ٹیوب لائیٹس، اور ہر وہ چیز جو عام استعمال کی ہیں کھا جاتے ہیں ۔۔۔۔۔ بھارت میں غربت تو بہت ہے شائد اسی وجہ سے انہوں نے متبادل انتظام کے طور پر یہ بھی کھانے کے عادی ہوگئے ہیں، لیکن غریب تو ہمارا ملک بھی ہے بلکہ عوام کی اکثریت غربت کو رونا ہی رو رہی ہے بس ہمارے حکمران اور سیاست دان ہی ہیں جو غربت وغیرہ سے واقف نہیں ہیں، تو وزیر داخلہ ملک تو سورہ اخلاص سے ہی سہی طرح واقف نہیں ہے ۔۔۔۔ قوم سے خلوص کا تو شائد ہی ان کو علم ہو۔۔۔۔۔۔۔

اللہ کا شکر ہے کہ غربت کے باوجود ہمارے ملک میں معجزاتی طور پر خوشحالی کا بھی اظہار ہو ہی جاتا ہے لیکن کھانے پینے کے معاملات کا تعلق تو ذرا سمٹ کر صرف حکمران طبقے تک ہی محدود ہوگیا ہے اور محاورتاً تو ہمارے حکمران بھی سب کچھ کھا رہے ہیں لیکن ذرا سوچئے کہ اگر ہمارے حکمرانوں میں یہ بھی صلاحیت ہوتی جو بھارت کے پادیش تالوکدھر کی ہے تو پھر کیا ہوتا؟ ۔۔۔۔۔ مختلف قیمتی سامان غائب ہونے پر کمیشن کیسے بنایا جاتا یہ تو ہمارے

ملک میں خریدنے پر بنایا جاتا ہے ۔۔۔۔۔۔ پھر بس یہ ہی کہا جاسکتا تھا کہ " یہ لوگ تو کمیشن سمیت سب کچھ ہی کھا گئے "۔

ہو سکتا ہے کہ یہ حکومت جاتے جاتے بھی غربت کے خاتمے کے نام پر بھی کوئی کمیشن بنا جائے ؟۔۔۔۔ عوامی حکومت ہے نا کچھ بھی کر سکتی ہے عوام کے لیئے نہ سہی عوام کے نام پر ہی سہی۔۔۔۔۔

قوم کو توقع تھی کہ اس بار پیپلز پارٹی ، حکومت میں آ کر قوم کے لیئے بہت کچھ کرے گی ۔۔۔۔۔۔۔۔اور یہ سچ ہی تو ثابت ہوا کہ اس بار تو وہ کچھ اس حکومت نے کر دیا کہ ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔۔۔۔ ہے نا۔۔۔۔؟

بے لگام رینجرز کے ہاتھوں نوجوان سرفراز کا قتل

میری طرح کروڑوں پاکستانی یہ سوال کر رہے ہیں کہ آخر کراچی کے نوجوان سرفراز شاہ کا قصور کیا تھا کہ رینجرز اہلکاروں نے اسے اس قدر بے دردی سے اور تمام قوانین کو تہس نہس کرکے قتل کر دیا؟ وہ تو ان سے معافی مانگ رہا تھا اپنی مجبوریاں بتانے کی کوشش کر رہا تھا سب سے بڑھ کر وہ تو تنہا اور مکمل نہتا تھا پستول اور چاقو تو دور کی بات اس کے پاس تو کوئی پتھر یا چھڑی تک نہیں تھی اور وہ رینجرز کے (انہیں میں ظالم ہی لکھ سکتا ہوں) جال میں اکیلا اپنی جان کی بھیک مانگ رہا تھا، وہ رینجرز کی موبائل میں بیٹھنے ہی والا تھا کہ ایک وردی پوش درندہ صفت شخص نے اس پر ایک ساتھ دو فائر کر دیئے جس کے بعد وہ معصوم تڑپتا ہوا یہ کہتا رہا کہ "یار مجھے ہسپتال لے جاؤ مجھے ہسپتال پہنچا دو" مگر ان چھ ظالموں نے اس کی ایک نہ سنی یہاں تک کہ وہ ہمیشہ کے لیئے دنیا ہی سے رخصت ہو گیا۔ اس کے بعد وہ ہی جھوٹ شروع ہو گیا جو اکثر و بیشتر سرکاری اہلکار سچ کو چھپانے کے لیئے بیان کرتے ہیں۔

میں سلام کرتا ہوں اس کیمرہ مین کو جس نے انتہائی جرات مندی کے ساتھ اپنا فرض نبھایا اور اس نے ایسا کر کے نہ صرف ایک شہید کو ڈاکو قرار دیئے جانے کی

کوشش ناکام بنادی بلکہ ایجنسیوں کے "آپریشنز" کے طریقہ کار کو بھی افشاء کردیا مجھے شبہ ہے کہ سرفراز کو سرعام جان سے مار دینے والے یہ وردی پوش ایسی کاروائیوں کے عادی ہیں اس لیئے ضروری ہے کہ مذکورہ اہلکاروں نے اب تک جو بھی آپریشنز کیئے اس کی از سرے نو تحقیقات ہونی چاہیئے۔ کیونکہ جس اطمینان سے یہ لوگ ایک نوجوان کو سرعام ہلاک کر رہے تھے اس سے یہ ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں مکمل یقین تھا کہ ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا بلکہ وہ اسے قتل کرکے تمغہ حاصل کرلیں گے۔

مجھے ڈر ہے کہ مذکورہ واقعہ کی ویڈیو بنانے والے کیمرہ مین کو کہیں نقصان نہ پہنچادیا جائے اس لیئے ضروری ہے کہ اس حفاظت کا خصوصی انتظام فوری طور پر کیا جائے۔

کراچی کیا ملک کے تقریباً ہر بڑے شہر کے لوگ نامعلوم دہشت گردوں کی کاروائیوں سے پہلے ہی سے تنگ ہے لوگ گھروں سے نکلتے ہوئے ڈرتے ہیں اور ان کی نظریں قانون نافظ کرنے والے اداروں پر ہوتی ہیں لیکن اب قوم اپنے تحفظ کے لیئے کس کی طرف دیکھے گی کس سے مدد مانگے گی کیا ہماری رینجرز اور پولیس اس قابل ہے کہ ان سے مدد مانگی جائے کیا ان پر اب کوئی اعتماد کرسکتا ہے؟؟؟ اب تو ان کی ایک نئی شناخت وردی والے دہشت گرد" متعارف ہونے کا خدشہ ہے۔"

کلفٹن بوٹ بیسن کراچی کے اس واقعہ پر اب تک بہت کچھ لکھا جاچکا ہے ، لکھا جارہا ہے اور لکھا جانا بھی چاہیئے اس لیئے کہ معاملات وطن عزیز میں الٹے چلنے لگے ہیں لوگوں کے محافظ لوگوں کے جان کے دشمن بن گئے ہیں ، حکمراں لوگوں کو سہولتیں بہم پہنچانے کے بجائے ایسی پالیساں بنارہے ہیں کہ ان کی زندگی اجیرن ہو گئی ہے ، عدالتوں کے احکامات پر عمل درآمد کے بجائے عدالتی فیصلوں پر احتجاج کیا جانے لگا ہے اور سیاست دان ایسی روش پر چل پڑے ہیں کہ بے غیرتی بے شرمی اور بے حسی جیسے الفاظ بھی ان کے لیئے معمولی لگنے لگے ہیں وہ بس سیاست کررہے ہیں لیکن درحقیقت وہ سیاست کے نام پر تجارت کررہے ہیں اپنے بزنس چلارہے ہیں انہیں عام افراد کی پریشانی اور تکلیفوں سے کوئی غرض نہیں ، رینجرز کے ہاتھوں شہید سرفراز شاہ کا قتل اگرچہ پاکستان کی تاریخ کا بدترین واقعہ ہے لیکن سیاستدانوں اور حکمرانوں کا اس سے کیا تعلق ؟

ان سیاسی کھلاڑیوں کو تو بس کچھ نئے بیانات دینے اور کچھ نئے انداز سے سیاست چمکانے کا ایک اور نادر موقع مل گیا ، اگر ہمارے ملک کے کے ایوانوں میں کوئی ایک بھی انسان دوست ممبر ہے تو اسے چاہیئے کہ روایتی بیانات سے ہٹ کرکچھ عملی اقدامات کرے میرا خیال ہے کہ اس واقعہ پر کم از کم اس علاقے

جہاں یہ اندوہناک واقعہ سرکاری اہلکاروں کے ذریعے رونماء ہوا ہے پر احتجاج کرتے ہوئے وہاں کے اراکین قومی وصوبائی اسمبلیوں کو مستعفی ہو جانا چاہیئے کیونکہ یہ لوگ ایوانوں میں لوگوں کی جان ومال اور ان کے دیگر حقوق دلانے کے نعرے لگاتے ہوئے ہی لوگوں سے ووٹ لیتے ہیں اور پھر اقتدار کے ایوانوں میں جاکر عوام کے مسائل ہی نہیں عوام ہی بھول جاتے ہیں۔

وزیر داخلہ آر ملک جو کہ دراصل برطانیہ کے شہری ہیں انہیں اس ملک سے کوئی خاص غرض کیا ہوسکتی ہے وہ تو اپنے مفاد میں بدعنوان دوستوں کے تعاون سے وفاقی وزیر بن گئے ہیں اور مزید کچھ اپنا پسندیدہ کام کررہے ہیں خود ان کے خلاف عدالت میں مقدمات زیر سماعت ہیں وہ کیا کسی کو انصاف دلائیں گے وہ تو بس اس وقت تک پاکستان میں ہیں جب تک ان کی حکومت ہے سرفراز کے قتل پر انہوں نے وہ مکروہ لہجے میں بے تکی بات کی قتل کے بڑے واقعہ کو ذیلی واقعہ قرار دینے کی کوشش کرتے ہوئے انہوں نے یہ کہا کہ " یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ سرفراز کا عمل کیا تھا۔۔۔۔۔؟ " اے وزیر داخلہ تونے دیکھا نہیں کہ وہ کس طرح معافی مانگ رہا تھا اور کس طرح گڑگڑا رہا تھا، اے منسٹر تو اگر باضمیر ہے تو یہ تو سمجھ لے کہ وہ بالکل خالی ہاتھ تھا اور اگر کچھ اس کے ہاتھ میں تھا تو اسی کا خون جو رینجرز کی فائرنگ سے نکلا تھا۔ محترم منسٹر الزام تو تم پر بھی ہے تو کیا تمھارا بھی ایسا ہی حال ہونا چاہیئے جو معصوم سرفراز

کا ہوا ہے اور قتل کا الزام تو تمھارے دوست اور شریک چیئرمین پر بھی ہے تو کیوں نہ انہیں بھی رینجرز کے حوالے کردیا جائے سارے ساتھیوں سمیت۔۔۔۔۔؟

مجھے یقین تھا کہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جناب جسٹس چوہدری افتخار از خود اس واقعہ کا نوٹس لیں گے میری یہ توقع پوری ہوئی اب دیکھنا یہ ہے کہ آزاد عدلیہ سے جو توقعات قوم کو سرفراز کے کیس کے حوالے سے ہے وہ بھی پوری ہوتی ہیں یا نہیں ؟

پھر بھی جمہوریت اچھی ہے۔۔۔۔۔ کیونکہ۔۔۔۔۔؟

قوم کو مبارک ہو کہ کراچی میں رینجرز کے ہاتھوں شہید ہونے والے سرفراز شاہ کے واقعے پر سپریم کورٹ کے حکم کو نہ صرف تسلیم کیا گیا بلکہ اس پر عمل درآمد کرتے ہوئے رینجرز کے ڈی جی میجر جنرل اعجاز چوہدری اور انسپکٹر جنرل سندہ فیاض لغاری کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیا گیا اور دوسری طرف قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے انسانی حقوق نے منگل کو اسلام آباد میں ہونے والے کمیٹی کے اجلاس میں واضع کیا کہ اگر آئندہ وردی میں ٹارگیٹ کلنگ ہوئی تو اس کی ذمہ داری متعلقہ ادارے کے سربراہ پر ہوگی۔ اس واقعے میں سپریم کورٹ کا حکم ماننے میں پہل فوج کی طرف سے کی گئی بعد ازاں وفاقی حکومت نے بھی آئی جی سندھ کو ہٹانے کا نوٹیفیکیشن جاری کردیا ورنہ اطلاعات کے مطابق حکومت اس حکم کے خلاف عدالت سے رجوع کرنے کا ارادہ رکھتی تھی بہرحال مذکورہ دونوں اقدامات سے جمہوریت کی بالادستی کی جھلک نظر آتی ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ جو کچھ قومی اسمبلی کی اس کمیٹی نے کہا ہے اس پر آئندہ بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے عمل درآمد کیا جائے کیونکہ اس طرح ہی کے اقدامات سے لوگوں کی جانوں کا تحفظ ہوسکے گا اور مذکورہ اداروں کی گرتی ہوئی ساکھ بحال ہونے میں بھی مدد مل سکے گی اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ قانون کے محافظ اداروں کے ذمہ داران بھی حکومت کے

ایسے اقدامات کے نتیجے میں اپنے دفاتر میں وقت گزارنے کے بجائے احسن طریقے سے اپنی ذمہ داریاں انجام دیں گے۔

ملک میں جمہوریت ہو یا آمریت دونوں ہی صورتوں میں لوگوں کی جان و مال کا تحفظ حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے، جمہوریت چونکہ اس نظام حکومت کو کہا جاتا ہے جس میں عوام کے منتخب کردہ نمائندے حکومت کر رہے ہوتے اور ان پر تنقید یا ان کا احتساب کرنے والے اپوزیشن بھی ان کے مد مقابل ہوتی ہے اسی لیئے لوگوں کو بھی اپنے جان و مال کے تحفظ کی امیدیں جمہوری دور میں اپنے منتخب کردہ نمائندوں سے زیادہ ہوجاتی ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ عوام کے نمائندوں کی اکثریت بھی بنیادی طور پر عوام کی جان و مال ہی کی حفاظت کرنے کے دعوے کرتے ہوئے اقتدار کے ایوانوں تک پہنچتی ہے لیکن بد قسمتی سے عوام کو نہ تو جمہوری ادوار سے کوئی قابل ذکر فوائد حاصل ہوئے اور نہ ہی آمریت کی وردی والے ادوار سے لوگوں کی قسمت کھلی۔

دانشوروں کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ جمہوریت میں ہی ملک ترقی کرتا ہے لیکن ہمارے ہاں جمہوریت کو پھلنے پھولنے ہی نہیں دیا جاتا جس کی وجہ سے جمہوریت کے وہ آئیڈیل فوائد بھی نظر نہیں آتے یہ بات اگر درست تسلیم کرلی جائے تو ہمیں زندہ قوموں کی طرح جمہوری حکومتوں اور آمریتی دور کا جائزہ لینا پڑے

گا اور جتنے بھی عرصے ملک میں جمہوریت کا چراغ جلتا رہا اسے آمریت کے شعلے سے جانچنا پڑے گا اور یہ دیکھنا پڑے گا کہ ان ادوار میں ملک اور قوم کب اور کتنے دنوں تک خوشحال یا بد حال رہی؟

بظاہر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ پاکستان میں مختصر دورانیے کی جمہوریت کا مقابلہ آمریت کے طویل ادوار سے نہیں کیا جا سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ اگر ہم جنرل پرویز مشرف کے آمریت کم جمہوریت کے دور کو بھی شامل کر کے تینوں ادوار کا جائزہ لیں تو شائد ہم کسی ایک نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔

اس تحریر سے یہ نہیں سمجھ لیا جائے کہ میں جمہوریت کا مخالف اور آمریت کا حامی ہوں حالانکہ ایک صحافی کی حیثیت سے تو مجھے اخبار کے دفتر سے ٹی وی چینل تک صرف وہ ہی آمریت نظر آئی جو ملک پر رہی جسے مجھ جیسے لاکھوں مزدوروں نے کبھی نظریہ ضرورت جان کر تو کبھی مجبوری کے نام پر قبول کیا۔ یہ اور بات ہے کہ ہم نے جمہوریت کے لیئے ہمیشہ اپنے ہاتھ، پیر اور قلم کو حرکت میں رکھا اور یقین کریں کہ ہمیں اپنی ذات کے لیئے کبھی بھی نہ تو جمہوری ماحول ملا اور نہ ہی جمہوری ادارہ۔۔۔۔۔

بعض دانشور اور صحافی تو جمہوریت کی لڑائی لڑتے لڑتے آمریت کی گود میں بھی

بیٹھ گئے اور آمروں کا دودھ بھی پیتے رہے اور جمہوریت پسند صحافی ہونے کے مزے بھی اڑاتے رہے۔۔۔۔۔۔

خیر بات ہو رہی تھی ملک کے نظامِ حکومت کی جمہوریت بمقابلہ آمریت کی۔۔۔۔۔۔

جنرل یحییٰ کے بدترین دور جس کے نتیجے میں ملک کے دو حصے ہوئے کے بعد باقی ماندہ ملک کا جو حال ہوا یا ہو رہا ہے اس کے ذمہ دار کون ہیں آج ہم سب کو یہ طے کرنا ہوگا، یہ معلوم کرنا ہوگا سیاست دان زیادہ کرپٹ ہیں یا فوجی ؟

پرویز مشرف کا دور جیسا بھی تھا لیکن آج اسے لوگ یاد کر رہے ہیں اور خوب مثالیں دے رہے ہیں، پرویز مشرف کی ایک بات مجھے اکثر یاد آتی ہے وہ کہا کرتے تھے کہ " ہم آئیڈیل ڈیموکریسی کے متحمل نہیں ہو سکتے ہیں " اس طرح کہتے ہوئے شائد وہ جنرل ضیاء الحق کے دور کی بھی حمایت کر دیا کرتے تھے یا اسے بھی اچھا دور قرار دیا کرتے تھے۔

موجودہ جمہوری دور کو اگر ایمانداری کے ساتھ کسی بھی آمریت کے دور سے جوڑ کر دیکھیں تو ہم اسے آمریت سے بدتر دور ہی کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس دور میں جمہور یعنی عوام کو سوائے اس کے کہ وہ ایک جمہوری دور سے گزر رہے ہیں کہ

علاوہ کچھ بھی تو نہیں ملا، کچھ بھی تو نہیں مل رہا، جبکہ ملک کی سالمیت الگ خطرے میں پڑ گئی اور رہی سہی ساکھ اس کی بھی مٹی پلید ہو گئی۔ اس دور میں قوم نے جان و مال سب کچھ کھو دیا بدلے میں کچھ بھی نہیں مل رہا تین ساڑے تین سالہ جمہوریت کے دور میں عوامی نیشنل پارٹی کے لیڈر اسفندیار ولی کو پشاور سے ایوان صدر کا رخ کرنا پڑا کیونکہ ان کے اپنے صوبے اور شہر میں ان کی جان کو خطرہ بڑھ گیا جبکہ پرویز مشرف کے سخت دور میں وہ اپنے " نصیب کی گولی "کا انتظار وہیں کیا کرتے تھے۔ اب تو روزانہ ہی پشاور یا پختونخواہ کے کسی نہ کسی علاقے میں خودکش حملہ نہیں تو امریکی حملہ ہو جاتا ہے۔

دلچسپ بات یہ کہ پرویز مشرف کے دور کو جو پارٹی قوت دیتی رہی وہ ہی جماعت متحدہ قومی موومنٹ موجودہ جمہوری دور کے سہارے کا سبب بھی بنی رہی وہ پرویز مشرف کے پورے آٹھ سالہ دور میں پرویز مشرف کی خاص پارٹی کے مزے لوٹتی رہی اور جبکہ موجودہ جمہوری دور میں وہ بیک وقت حکومتی اور اپوزیشن کی پارٹی کا کردار ادا کر رہی ہے اتنی جرات صرف متحدہ ہی میں ہو سکتی ہے جس کا وہ ثبوت بھی دے رہی ہے شائد اسے ہی حق پرستی کہتے ہیں؟۔

ملک کی ترقی اور عوام کی خشحالی کی بات ہو تو ہم کو پرانے دور بھی یاد آتے ہیں، ایوب خان کا دور ہو، جنرل ضیاء کا دور ہو یا پرویز مشرف کا ملک میں جب

بھی آمریت نے قدم جمایا اس نے بلدیاتی نظام جسے نچلی سطح کا جمہوری نظام بھی کہا جاتا ہے کی احیاء کی جبکہ اس نظام کو ہر جمہوری ادوار میں مردہ کردیا گیا۔۔۔۔کیوں ۔۔۔۔جمہوریت سے محبت میں یا نفرت میں ؟

ملک میں کراچی سمیت تمام بڑے شہروں میں ترقیاتی کام جمہوری ادوار کے مقابلے میں آمریت ہی میں ہوئے۔امن وامان کی صورتحال جس قدر اب خراب ہے اتنی کسی بھی دور میں نہیں رہی ملک کا سب سے بڑا شہر پرویز مشرف کے دور میں حالتِ سکوں میں آگیا تھا جبکہ یہ بےینظیر بھٹو اور نواز شریف کے دونوں ادوار اور موجودہ جمہوری دور میں ابتری کا شکار تھا اور ہے۔اسی طرح دیگر شہروں کی بھی اسی طرح کی صورتحال ہے اور رہی۔۔۔۔۔۔پھر بھی جمہوریت اچھی ہے؟

ایوب خان کے دور کے لوگ اس وقت کی آمدنی اور اخراجات سے مطمئین تھے جبکہ مہنگائی سے ان کی واقفیت تو بھٹو کے جمہوری دور میں ہوئی۔

میرا بچپن تھا اور شائد یہ ایوب خان کے آمریت کی بات ہے جب میں نے کراچی میں پہلی اور آخری بار گوشت اور دودھ دہی کی تمام دکانوں پر مکھیوں سے بچاؤ اور صفائی کے لیئے جالیاں اور صفائی کے خاص انتظامات دیکھے ۔۔۔۔۔مگر مجھے جمہوریت اچھی لگتی ہے۔۔۔۔۔کیوں؟ شائد اب جمہوری دور میں نامعلوم ٹارگیٹ

کلرز نہیں بلکہ وردی والے کلرز پیدا ہو گئے ہیں۔
آمریت کے دور میں اخراجات واضح طور پر عوام پر کیئے جاتے ہیں جبکہ جمہوری ادوار میں غیر ترقیاتی اخراجات میں اضافہ بھی ہو جاتا ہے اور یہ اخراجات خواص پر کیئے جاتے ہیں پھر بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جمہوریت اچھی ہے اس لیئے کہ جمہوریت رہے گی تو جمہوریت کے چمپیئنز کی باری آئے گی ورنہ نہ جانے انہیں کتنا انتظار کرنا پڑے ؟
دنیا کے ان مسلم ممالک جہاں آمریت یا بادشاہت ہے کیا وہاں بدحالی ہے یا خوشحالی۔۔۔۔۔۔۔مگر ہمیں تو آمریت کے مقابلے میں بدترین جمہوریت بھی قبول ہے تو پھر رونا کس بات کا۔۔۔۔۔۔فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

صومالی قزاق بھارت اور انصار برنی

صومالی قزاقوں نے جو کچھ سمندر میں کیا اس کا بدلہ بہت جلد انشاء اللہ، اللہ اپنے نظام کے ذریعے لے لیگا اور یہ ظالم بھی جلد اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے، یہ اللہ کا کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صومالی قزاقوں سے تمام مغویوں کو جہاز سمیت رہائی دلا دی اور یہ افراد اب جلد ہی تقریباً دس ماہ کی قید کے بعد اپنے گھروں کو پہنچ جائیں گے (جب آپ یہ پڑھ رہے ہوں تو شائد پہنچ بھی چکے ہوں)، مصر کے اس جہاز ایم وی سوئس کو قزاقوں نے گزشتہ سال اگست میں خلیج عدن سے اغواء کیا تھا اس جہاز میں گیارہ مصری، چھ بھارتی ایک سری لنکن اور چار پاکستانی مغوی تھے ایم وی سوئس نامی اس جہاز اور اس کے عملے سمیت تمام افراد کو صومالی قزاقوں نے 21 لاکھ ڈالر تاوان حاصل کرکے رہائی دی۔

اس جہاز اور اس میں سوار افراد کی رہائی کے لیئے پاکستان کے انصار برنی ٹرسٹ کے بانی و سربراہ جناب انصار برنی نے جو جدوجہد کی وہ یقیناً قابل تعریف ہے ان کی اس مسلسل کوششوں نے پاکستان کا نام دنیا بھر میں خصوصاً بھارت میں جس قدر بلند کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔

انصار برنی 14 اگست 1956 کو کراچی میں پیدا ہوئے انہوں نے تقریباً پینتیس سال قبل پاکستان میں انسانی حقوق کا تصور پیش کیا اور اس مقصد کے لیئے انصار برنی ٹرسٹ کا قیام عمل میں لایا اس ٹرسٹ کی زیر نگرانی پرشنرز ایڈ سوسائٹی اور بیورو آف میسنگ اینڈ کڈنیپنگ پرسنز بھی چلاتے ہیں انہوں نے مغویوں کی رہائی کے لیئے اب تک بہت کچھ کیا جبکہ تقریباً ساڑے سات لاکھ بے گناہ افراد کو ملکی اور غیر ملکی جیلوں سے رہائی بھی دلائی ہے انہیں پرویز مشرف نے نومبر 2007 میں نگران کابینہ میں بطور وفاقی وزیر شامل کیا تھا۔

پاکستان پر دنیا چاہے کچھ بھی الزام لگائے لیکن پاکستان کے انصار برنی نے زندگی سے مایوس ہوجانے والے مغویوں کو صومالی قزاقوں سے رہائی دلا کر بلاشبہ انہیں نئی زندگی دی اور ان کے خاندان اور ملکوں میں اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کیا جبکہ دوسری طرف بھارت نے اپنے ملک کے چھ باشندوں کی رہائی کے لیئے بھی ممکنہ کوشش نہ کرکے بے حسی کی ایک نئی تاریخ رقم کی جسے بھارتی باشندے برسوں تک نہ بھلا پائیں گے۔

بھارت نے مغویوں کی رہائی کے لیئے صحیح سمت اور شائد نیک نیتی سے کوششیں کی ہی نہیں اور ایسا نہ کرکے سمجھدار دنیا کو یہ خاموش پیغام دیا کہ اسے انسانوں کی زندگیوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔

بھارت کی تاریخ کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک میں انسانی جانوں کو بچانے سے زیادہ اسے دانستہ یا نہ دانستہ ختم کرنے پر زیادہ توجہ دی گئی مقبوضہ کشمیر میں ہی نہیں بلکہ خود بھارت کی مختلف ریاستوں اور شہروں میں جو کچھ انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے اور بھارت کی خفیہ ایجنسی راء اور خود بھارت اپنے لے پالک افراد کی مدد سے پاکستان خصوصاً کراچی ، کوئٹہ اور گلگت بلتستان میں جو کچھ کاروائیاں کرتا ہے وہ انسانی جانوں سے دشمنی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

خود بھارت میں ٹرین کے حادثات ہو یا کسی بھی قسم کی دہشت گردی کی کاروائی بھارت انسانی جانوں کے تحفظ سے زیادہ ان حادثات اور واقعات کا الزام پاکستان پر ڈالنے کے لیئے جس قدر چاک و چوبند رہتا ہے اگر اتنا ہی چوکنا انسانی جانوں کو بچانے کے لیئے ہو تو وہ ایک بڑا انسان دوست ملک بھی کہلانے لگے گا۔

بہر حال انسان دوست کا اعزاز اللہ کا انعام ہوتا ہے اور اللہ اس اعزاز و انعام سے اسی کو نوازتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

پاکستان کی سرزمین کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں بین الاقوامی شہرت یافتہ 70 سالہ عبدالستار ایدھی جیسی شخصیت بھی موجود ہے جو انسانیت کی خدمت کے لیئے بغیر کسی رنگ و نسل مدد کرنا اپنا فرض اولین سمجھتی ہیں، پاک وطن کی سرزمین میں ایسے ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ موجود ہیں جو خبر ملنے پر لوگوں کی مدد کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے بلکہ اس پر فخر محسوس کرتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں کے دم سے اور کروڑوں لوگوں کی دعاؤں سے وطن عزیز میں تمام حکومتی اور بعض معاشرتی برائیوں کے باوجود خوشحالی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ یہاں کوئی بھوکا نہیں سوتا اور ننگا نہیں رہتا۔

اللہ میرے ملک کو مزید ہزاروں انصار برنی اور عبدالستار ایدھی سے نوازے اور پڑوسی ملک سمیت دیگر ملکوں کو اللہ اپنے دین پر چلنے اور دنیا و آخرت کی بھلائی کے لیئے کام کرنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

امریکہ ، پاکستان اور ہمارے سیاستدان

ڈرانا، ڈرا کر پیار کرنا، پیار میں لپٹا کر دبوچ لینا اور دبا کر پھر منالینا یہ کام ہے اس ملک کا جس کا نام امریکہ ہے اور جو اپنے آپ کو سپرپاور کہتا ہے لیکن اس سپرپاور کا نزلہ اکثر و بیشتر مسلم ممالک پر ہی گرتا ہے، وہ سپرپاور ہونے کا دعوٰی تو کرتا ہے لیکن لمیٹڈ تھنکنگ کا اظہار کرکے اپنی ساری توجہ مسلم ممالک پر مرکوز رکھتا ہے، جس سے یہ بھی تاثر ملتا ہے کہ وہ ان ہی ممالک سے ڈرتا ہے اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کیونکہ بہرحال اسلام اور مسلمانوں کا ڈر و خوف اس کے دل و دماغ میں اسے اپنے آباؤاجداد سے ملا ہے یہ اور بات ہے کہ مسلم ممالک کے عیاش ، بدکردار , بدعنوان حکمران اور سیاست دان اپنے مفادات کے لیئے اس کی غلامی کرنے میں اس کے تصورات سے دو ہاتھ آگے ہیں ، یہ ہی گھٹیا ذہن کے حکمران قوموں کو غلام بننے پر مجبور کردیتے ہیں اور کرتے ہیں۔

ملک اور قوم کو امریکہ کی غلامی کرانے پر مجبور کردینے والے حکمرانوں میں پاکستان کے حکمران چاہے وہ سول ہوں یا فوجی سرفہرست ہیں۔

آج ملک میں جو کچھ ہورہا ہے وہ سب ایسے ہی حکمرانوں کی بدولت ہے ، امریکہ

سے جان چھڑانے کے نعرے جتنی قوت سے ہمارے ملک میں لگائے جاتے ہیں اتنی کشش سے ہم امریکہ کے قریب ہوتے چلے جارہے ہیں اور آج ہماری یہ حالت ہو گئی ہے کہ ہم امریکی دہشت گرد کو سرعام گرفتار کرنے کے باوجود اسے عزت و وقار سے چھوڑ دیتے ہیں جس کی مثال ریمنڈ ڈیویس ہے۔ جبکہ پاکستان کی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو امریکی 82 سال کی سزا دے دیتے ہیں شائد اس لیئے کہ وہ بے گناہ تھی اور ریمنڈ ڈیویس ایک دہشت گرد تھا جسے رنگے ہاتھوں گرفتار کیا گیا تھا۔

پرویز مشرف کو ایک امریکی (جن کا نام لکھنا میں ضروری نہیں سمجھتا) نے پتھر کے دور میں لے جانے کی دھمکی دی اور عالمی دہشت گردوں کے خلاف کاروائی کے نام پر پاکستان میں اس آپریشن کا آغاز کیا کہ جس سے جان چھڑانا مشکل ہوگیا اور آج پوری قوم اس کا خمیازہ بھگت رہی ہے، جن صاحب نے یہ فیصلہ کیا وہ آرام سے اپنے کیئے کی کھا رہے ہیں۔

مگر ایسا لگتا ہے کہ ملک اور قوم، امریکہ کی بات ماننے کے باوجود پتھر کے دور میں داخل ہوچکی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ بعض لوگ اس بات پر اعتراض کریں اور کہیں کہ یہ تو اس سے بھی بدتر دور ہے کیونکہ اس دور میں بجلی، گیس، پانی کا نظام موجود ہونے کے

باوجود قوم اس سے محروم ہورہی ہے، پتھر کے دور میں تو ان سہولیات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا ہاں البتہ طاقت ور اہلکار جس کو چاہے مار دیا کرتے تھے ، تو آج ہمارے ملک میں کیا ہورہا ہے ؟ آج تو قوانین بھی موجود ہیں پھر بھی ایسی لاقانونیت یہ پتھر کے دور کی ہی تو باتیں ہیں۔

امریکہ کے حوالے سے مجھے یہ سب کچھ اس لیئے لکھنے کا موقع ملا کہ امریکہ اور امریکی افواج کے لوگوں نے ایک بار پھر پاکستان کو ڈرانا اور ساتھ میں پیار کرنا بھی شروع کردیا وہ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ پاکستان سے تعلقات کشیدہ ہیں تو دوسری طرف کہتے ہیں کہ " مگر ہم امداد بند نہیں کریں گے " ۔

ایبٹ آباد میں کیئے گئے مبینہ خود ساختہ آپریشن جس میں اسامہ کو گرفتار کرنے کا دعویٰ کیا گیا تھا کے بعد امریکی صدر بارک اوبامہ نے کہا تھا کہ اگر پاکستان میں کہیں بھی القائدہ یا طالبان لیڈر نظر آئے تو اسی طرح کی کاروائی کی جائے گی لیکن جب ان تنظیموں کے لوگوں نے دو دن بعد ہی پاکستان کی حساس تنصیبات پر کراچی میں حملہ کیا تو امریکہ کے صدر یا اس کے حساس نظام کو ان کا پتہ نہیں چلا۔ آخر کیوں ؟ کیا امریکی کی جاسوسی کا نظام پاکستانی تنصیبات کو نقصان پہنچانے والے افراد کی نشناندہی کرنے سے معذور ہے ؟

پی این یس مہران کراچی میں دہشت گردوں کے حملے کے نتیجے میں جو دو امریکی جہاز تباہ ہوئے امریکہ نے اب اسی طرح کے جہاز پاکستان کو دینے پر رضا مند ہوگیا آخر کیوں ؟

جب پاکستان سے تعلقات کشیدہ ہونے کا واویلہ مچایا جارہا ہے، جب پاکستان کے شمالی اور جنوبی وزیرستان میں روزانہ ڈرون حملے کیئے جارہے ہیں تو پھر یہ محبت کس لیئے ؟ اور اس کے بدلے میں پاکستان سے کیا لینے کی کوشش کی جائے گی؟

امریکہ کو پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کی بہت فکر ہے اکثر و بیشتر وہ ان تنصیبات کا ذکر کرتا رہتا ہے آخر کیوں ؟

مجھ جیسے نا سمجھ لوگ بھی یہ سمجھنے لگے ہیں کہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو بنیاد پرستوں ، اور دہشت گردوں سے زیادہ امریکہ اور اس کی لے پالک دہشت گرد تنظیموں سے خطرہ ہے لیکن کیا ہمارے سیاست دان ، حکمران اور ایجنسیاں یہ بات نہیں سمجھتی؟

پاکستان کے سیاست دانوں خصوصا میاں نواز شریف اور آصف زرداری کو چاہیئے اس نازک موڑ پر صرف اپنے مفاد کے لیئے سیاست کرنے کے بجائے ملک اور قوم کے

لیئے انہیں کچھ کرنا چاہیئے ورنہ وہ دن دور نہیں جب دور حاضر کے سیاست دانوں کا نام تاریخ میں ہمیشہ کے لیئے "سیاہ سیاسی باب" کے طور پر لکھا جائے گا۔

ویسے بھی میاں صاحب سب کو معلوم ہے کہ آپ موجودہ حکومت کے کتنے دوست اور کتنے دشمن ہیں لوگوں کو اندازہ ہے کہ آپ وہ شیر ہیں جو صرف غراتا ہے لیکن حملہ نہیں کرتا۔۔۔۔۔ کیونکہ آپ ابھی پیپلز پارٹی کی حکومت کو گرانا نہیں چاہتے صرف ڈرانا چاہتے ہیں اسی طرح جیسے امریکہ پاکستانی حکمرانوں کو ڈراتا ہے نہ امریکہ موجودہ حکومت کو گرائے گا اور نہ نواز شریف سمیت تمام شور شرابہ کرنے اور انقلاب کی باتیں کرنے والے سیاست دان ایسا چاہیں گے کیونکہ یہ سب اپنے مفاد کا کھیل رہے ہیں۔

ماروی میمن ایک قابل تعریف عوامی نمائندہ

ماروی میمن نے قومی اسمبلی کی نشست اور مسلم لیگ (ق) کی بنیادی رکنیت سے 22 جون کو احتجاجاً استعفیٰ دیدیا انہوں نے قومی اسمبلی کے بجٹ اجلاس کی منظوری کے موقع پر بجٹ کو عوامی امنگوں کے خلاف قرار دیکر ایوان میں زوردار آواز میں تقریر کرتے ہوئے استعفیٰ کا اعلان کیا بعدازاں انہوں نے اسپیکر اسمبلی کو اپنا استعفیٰ بھی پیش کردیا۔میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ مسلم لیگ ق کی حکومت میں شمولیت کی بھی مخالف تھیں انہوں نے کہا کہ پارٹی کے لیڈر اپنے ذاتی مفادات کے لیئے کام کررہے ہیں جبکہ انہوں نے ہمیشہ عوام کے حقوق کی بات کی ہے۔ قومی اسمبلی کے 342 ارکان میں 39 سالہ ماروی میمن واحد رکن اسمبلی ہیں جنھوں نے عوام کے مفادات کو نظر انداز کرنے اور اپنی پارٹی کے رہنماؤں (چوہدری برادران) کے ذاتی مفادات کے لیئے کام کرنے پر حکومت اور اپنی پارٹی سے بیک وقت احتجاج کیا اور ان صفوں سے دور ہوگئیں جو عوام کے نمائندے ہونے کی دعویداروں تو ہیں لیکن عوام کے لیئے کوئی قابل ذکر کام ان صفوں کے ذریعے نہیں ہوا جس کی مثال موجودہ دورِ حکومت کے ساڑے تین سال ہیں جس میں عوام کو

تکلیفوں، مشکلات ،.بڑھتے ہوئے مسائل اور وعدوں و دلاسوں کے سوا کچھ بھی نہیں ملا۔

ماروی میمن چاہتی تو وہ بھی ہمارے منتخب ایوانوں کے روائت کے مطابق روائتی اندازکا احتجاج کرتی اور کچھ دیر کے لیئے اسمبلی سے واک آؤٹ کرجاتی اور کوئی ذاتی کام نمٹاکر واپس ایوان میں آجاتی یا ایک روز کے لیئے اسمبلی کا بائیکاٹ کردیتی اور دوسروں کی طرح یہ ہی دعویٰ کرتی کہ وہ ملک اور قوم کے ساتھ مخلص ہیں تنہا ہونے کے باعث انہیں اس قدم سے بھی انفرادی حیثیت حاصل ہوجاتی لیکن ان کے اس طرح کے عمل کو لوگ ایک نئے ڈرامے سے تعبیر کرتے انہیں بھی مفادپرست اور لوگوں کو بے وقوف بنانے والے سیاست دانوں سے جوڑ دیتے۔
لیکن ماروی میمن کہ استعفیٰ دینے کے اس عمل سے سیاست کا ایک نیا باب شروع ہوا ہے شائد لوگ اب دیگر سیاست دانوں سے بھی اس طرح کے اقدامات کی توقع رکھ سکیں گے۔؟

میرا خیال ہے کہ ماروی کا استعفیٰ قوم کے مفاد کی عکاسی کرتا ہے جبکہ ملک اور قوم کے لیئے ایک بڑی قربانی بھی ثابت ہوتا ہے۔.بڑی قربانی اس لیئے کہ وطن عزیز میں اسمبلیوں اور وزارتوں سے استعفے دینے کی روایت ختم ہوتی جارہی

تھی جس کی وجہ سے قوم کی سیاست دانوں سے توقعات مایوسی میں تبدیل ہونا شروع ہوگئیں تھی۔

ماروی میمن نے سیاسی رہنماؤں اور سیاست دانوں کو خصوصاً انقلاب کی باتیں کرنے ، عوام کے لیئے جلاوطنی کاٹنے ، حقوق کی جدوجہد کا دعویٰ کرنے اور مختلف پارٹیوں کے اندر اپنی آوازتک کو دبالینے والے منتخب نمائندوں کو ایک نیا راستہ دکھایا ہے جو عزت اور وقار کا راستہ ہے اسی راستے سے پتہ چلے گا کہ کون قوم سے اور کون اپنی ذات سے مخلص ہے۔

ماروی میمن قومی اسمبلی کی ایک شیر بن کر نکلی اور اسمبلی کے دیگر اراکین کو پیغام دیا کہ " شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو دن کی زندگی سے بہتر ہے"۔

ماروی نے یہ ثابت کیا کہ عوام سے محبت کرنے اور ان کے لیئے جدجہد کرنے والے ان کے درمیان ہوتے ہیں۔

ماروی کے اس قدم پر پیپلزپارٹی کے لوگ کچھ بھی باتیں کریں لیکن یہ انہیں تسلیم کرنا "پڑے گا کہ ایک خاتون رکن اسمبلی نے ان کے "طاقت ور اور متفقہ

نظام پر بہت زور سے تھپڑ مارا ہے جس کی گرج کئی روز تک ایوان صدر سمیت کئی اہم مقامات پر محسوس کی جاتی رہیں گی۔۔۔۔۔

لیکن بس میں پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین اور صدر آصف علی زرداری سے کہونگا کہ عوام کے لیئے اب تو کچھ کرلیں قوم کی ایک بیٹی نے آپ کی گرتی ہوئی دیواروں کو ایک زور کا دھکا دیا ہے، نواز شریف اور دیگر کی باتیں تو آپ گزشتہ تین ساڑھے تین سالوں سے کررہے ہیں اب قوم کے لیئے اور ملک کی بہتری کے لیئے بھی کچھ کرلیں ورنہ ایسی کئی ماروی کا جنم ہوسکتا ہیں جن کے جوش ولولے اور غصے کے آگے کسی کا بھی ٹھہرنا اور چین کی بانسری بجانا مشکل ہوجائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور ہاں خدارا ماروی میمن کی خصوصی حفاظت کا انتظام بھی کیجیئے کیونکہ کچھ لوگ بلاوجہ بھی ایشو کھڑا کرسکتے ہیں، ویسے آپ کے گھر میں بھی دو ماروی موجود ہیں اللہ انہیں بھی ماروی میمن کی طرح عوام دوست بنائے اور ہمیشہ تینوں کو خوش رکھے آمین۔

متحدہ کی حکومت سے علیحدگی کا حتمی فیصلہ

متحدہ قومی موومنٹ 27 جون کو بالآخر حکومت سے علیحدہ ہوگئی اور اب اس کی حکومت میں واپسی کے امکانات بھی نہیں ہیں متحدہ نے ماضی قریب میں حکومت سے علیحدگی کی دھمکیوں سے ہٹ کر اس مرتبہ ایک ہی نشت میں ہر سطح سے حکومت سے علیحدگی کا اعلان کیا اور اس فیصلے پر تیزی سے عمل درآمد بھی شروع کردیا، گورنر سندھ عشرت العباد اپنا استعفیٰ صدر کو بھجوانے کے ساتھ ہی نہ صرف گورنر ہاؤس بلکہ ملک کو ہی چھوڑ دیا لیکن وہ پاکستان کی تاریخ میں طویل عرصے تک گورنر سندھ کی ذمہ درایاں احسن طریقے سے نبھانے کا اعزاز حاصل کر گئے۔ اطلاعات کے مطابق وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ دبئی سے لندن چلے جائیں گے۔ عشرت العباد کی اچانک اس طرح کی ہجرت سے بھی یہ بات واضع ہوجاتی ہے کہ اب پیپلزپارٹی اور متحدہ میں دوریاں پیدا ہوگئیں ہیں اور یہ دوریاں اب کسی نئے جمہوری سیٹ اپ کے آنے تک سمٹیں گی نہیں۔

ویسے تو متحدہ کے قائد الطاف حسین کی اتوار کی شام کی تقریر سے ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ متحد اب حتمی طور پر پیلزپارٹی سے اتحاد ختم کردے گی۔ الطاف حسین نے اپنے روایتی جوشیلے انداز بیان کے دوران واضع الفاظ میں کہا تھا کہ

آج سے حکومت کی تباہی کا آغاز ہوگیا ہے" ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ظلم اور بے حسی کے اس حکومتی باب کی کیسے تباہی ہوتی ہے ؟ متحدہ اگر چند ماہ قبل حکومتی رویئے پر احتجاج کرتے ہوئے اپنی صفوں کو حکومت سے دور لے جاتی تو آج تک حکومت تباہی نہیں بلکہ شائد ختم ہی ہوچکی ہوتی اور عوام اچھی تبدیلی کی توقعات پر نئے حکومتی سیٹ اپ کا انتظار کر رہے ہوتے ۔

لیکن اب صدر آصف زرداری کی" قاتل لیگ" کو حکومتی نشتوں پر جگہ ملنے کے بعد حکومت کے فوری خاتمے کے امکانات معدوم ہوگئے ہیں۔

پیپلز پارٹی نے مسلم لیگ ق کو اتحاد میں شامل کرنے کا کڑوا گھونٹ صرف اس لیئے ہی لیا تھا کہ متحدہ کی جانب سے آئندہ کبھی بھی اسی طرح کی کسی کاروائی کے رد عمل سے بچنے اور اپنی حکومت کو پہنچنے والے فوری نقصان سے بچایا جاسکے اس لیئے پیپلز پارٹی نے حکومتی سیٹ اپ کسی بھی طرح برقرار رکھنے کے لئے مسلم لیگ ق کو اپنے ساتھ شامل کرلیا تھا اور مطلوبہ نشتیں پیشگی طور پر پوری کرلیں تھیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عوامی امنگوں اور توقعات کے مطابق مسلم لیگ نواز، پیپلز پارٹی کی حکومت کے خاتمے یا اس کی تباہی کے لیئے کس طرح اور کیا شیئر کرتی ہے جس سے لوگوں کو یہ یقین آجائے کہ نواز شریف اور ان کی پارٹی بھی حکومتی پارٹی سے منفی اقدامات اور عوام کی امنگوں کے مطابق فیصلے نہ کرنے سے عوام کی طرح بیزار ہیں اور وہ جھوٹ اور فریب کی سیاست سے نفرت کرتے ہیں۔

حکومت کے خاتمے کے لیئے عوامی خیالات اور خواہشات پر مبنی حکومتی دیواروں کی پہلی اینٹ گرانے کا سہرا تو ماروی میمن کو جاتا ہے جنہوں نے رکن قومی اسمبلی کی حیثیت سے اسی ماہ کی 21 تاریخ کو استعفیٰ دیکر حکومت کو گرانے کے کام کا آغاز کردیا تھا۔

ملک کی جو صورتحال آج ہوچکی ہے اس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی عوامی اور جمہوری حکومت ہونے کے باوجود عوام اور لفظ جمہوریت کا روزانہ یہ مذاق بن رہا ہے عوام اور ملک کو درپیش مسائل کے خاتمے کے لیئے تقریبا ساڑھے تین سالہ دور میں حکومت نے کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا اس لیئے عوام کی اکثریت کی اب یہ ہی خواہش ہے کہ حکومت کی "چھٹی ہوجائے"۔

لیکن ایک سوال سب ہی کے ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ آزاد کشمیر کے انتخابات کے

دوران حکومت نے ملک اور قوم کے ساتھ ایسا کیا کر دیا تھا کہ متحدہ قومی موومنٹ نے فوری طور پر حکومت سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کیا نہ کوئی الٹیمیٹم اور نہ ہی کوئی دھمکی دی بس حکومت سے علیحدہ ہو گئی ؟ یہ بات اہم ہے کہ متحدہ کے رہنماء ڈاکٹر فاروق ستار نے اعتراف کیا کہ ہم کو بہت پہلے ہی حکومت سے الگ ہو جانا چاہیئے تھا۔

آزاد کشمیر کی نئی حکومت کے قیام کے لیئے ہونے والے انتخابات کے دوران سیاسی جماعتوں کے فیصلہ کن حیرت انگیز رویہ سے پاکستانی قوم یہ سوچ سکتی ہے کہ ان پارٹیوں کو پاکستانی عوام سے زیادہ اپنے اور اپنی پارٹی کے مفادات عزیز ہیں۔

اگر متحدہ کو پیپلز پارٹی کی حکومت نے آزاد کشمیر کے الیکشنز سے دستبردار ہونے کے لیئے دباؤ ڈالا تھا تو بہتر یہ ہوتا کہ اس صورتحال سے عوام کو آگاہ کیا جاتا نہ کہ خود انتخابات کے بائیکاٹ کے اعلان کے بعد ایک قدم آگے کی طرف چلے جاتے۔

متحدہ بائیکاٹ اور احتجاج کا خاصہ تجربہ رکھتی ہے لیکن قوم کو آزاد کشمیر کے انتخابات کی دو سیٹوں کے حوالے سے متحدہ کا پاکستان کی حکومت سے اس طرح

کے غیر متوقع احتجاج اور حکومت سے الگ ہو جانے کے فیصلے کی کوئی امید نہیں تھی کیونکہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ متحدہ ایک مضبوط اور منظم جماعت ہے اس کا ووٹ بنک بھی محفوظ ہونے کا دعویٰ بھی موجود ہے تو بہتر نہ ہوتا کہ حکومت کے دباؤ کا ووٹ کی طاقت سے جواب دیا جاتا ؟۔ مجھے یقین ہے کہ اگر متحدہ ایسا کرتی تو اس اقدام سے پیپلز پارٹی زیادہ سہم جاتی اور متحدہ کی سیاسی بصیرت کی بھی قوم ایک بار پھر تعریف کیئے بغیر نہ رہتی۔

پاکستان سے مخلص سیاسی جماعتوں کو یہ بات بھی مدِ نظر رکھنا چاہیئے کہ بھارت ،آزاد کشمیر میں ہونے والے انتخابات کے دوران کسی بھی طرح کی بد نظمی ، بدعنوانی یا ان انتخابات سے سیاسی جماعتوں کے بائیکاٹ کو ایشو بنا کر اپنے مقاصد حاصل کر سکتا ہے جو ملک و قوم کی عزت ، بقاء اور سب سے بڑھ کر پاکستان کے کشمیر کاز کے لیئے نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔

ملک اور عوام کی خراب صورتحال کا ذمہ دار کون؟

میں جب یہ کہتا ہوں کہ لوگ ،اکثر سیاست دانوں ، ان کی باتوں اور ان کی چالوں سے تنگ آچکے ہیں اور جمہوریت کے نام سے بھی انہیں نفرت ہونے لگی ہے تو ممکن ہے مجھے بعض لوگ آمریت کا حامی یا غیر جمہوری قوتوں کا آلہ کار سمجھتے ہوں لیکن دراصل نہ تو میں دانشورانہ باتیں کرنے کا عادی ہوں اور نہ ہی عوام کو فوری فائدہ نہ پہنچانے والی باتوں کو پسند کرتا ہوں، میں تو بس وہی لکھتا ہوں جو دیکھتا، سنتا اور محسوس کرتا ہوں مجھے کسی بھی سیاسی پارٹی اور کسی بھی سیاست دان سے کوئی غرض نہیں ہے، مجھے تو سیاست دانوں کی کسی بھی بات کا کوئی اعتبار بھی نہیں ہوتا میں ان کی باتوں اور دعووں کو اب صرف اسی طرح سنتا ہوں جیسے کسی لاابالی مگر جذباتی بچے کی گفتگو سنی جاتی ہو جذباتی بچہ جو بغیر سوچے سمجھے.بڑی.بڑی باتیں کرتا رہتا ہے کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کی باتوں کو کسی نے سنجیدگی سے سن بھی لیا تو اس کی باتوں یا دعووں کے پورا نہ ہونے پر اسے کوئی کچھ بھی نہیں کہے گا اور اسے کچھ لوگ بچہ سمجھ کر، تو بہت سے معصوم سمجھ کر اور کوئی بے وقوف سمجھ کر معاف کرتے رہیں گے۔۔۔۔پھر جس طرح کسی پالتوں کتے سے محبت ہو جاتی ہے اسی طرح لوگ اس سے بھی محبت کرتے رہیں گے اسے آزماتے رہیں گے اس وقت تک جب تک وہ اپنے آپ کو آزمائش کے لیئے پیش کرتا رہے

گا۔

لیکن میں مایوس نہیں ہوں کیونکہ میں الحمداللہ مسلمان ہوں اور اللہ کی ذات پر یقین ہونے کے ساتھ اس کی ہدایت کے مطابق جینا جانتا ہوں مجھے یقین ہے کہ اللہ سب سے بڑی چال چلنے والا اور بڑی تدبیروں والا ہے میں تو سیاسی شخصیات سے بھی مایوس نہیں ہوں جن کے بارے میں اوپر میں نے لکھا ہے کیونکہ نہ جانے کب انہیں اللہ سیدھے راستے کی طرف موڑ دے اور نہ جانے کب انہیں سرخرو بھی کر دے۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ ہدایت اسے ہی دیتا ہے جو دل میں خوف خدا رکھتا ہے جسے دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر ہوتی ہے۔

کراچی سمیت ملک کی جو صورتحال ہو گئی ہے صرف اور صرف مفاد پرستی کے باعث ہوئی ہے ہمارے حکمران اور سیاست دان جمہوریت اور سیاست کے نام پر عوام کو صرف دھوکہ دے رہے ہیں اور ملک کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ سیاست میں سب جائز ہے دراصل بے حس اور مفاد پرست سیاست دانوں کا نعرہ ہے یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ان کا فارمولہ ہے۔ جس طرح تاجروں کے لیئے یہ بات کہی جاتی ہے کہ شرعاً آٹے میں نمک کے برابر منافع لینا جائز ہے اسی طرح سیاست دانوں نے

سیاست کے نام پر آٹے میں نمک کے مساوی عوام کے لیئے کچھ کر دینے کو جائز جان لیا ہے اور اسے عوامی اور ملکی سیاست کا نام دیدیا ہے۔

اگر ہم موجودہ بڑے بڑے سیاست دانوں اور ان کی جماعتوں کا جائزہ لیں تو قوم اور ملک کے لیئے کوئی ایک بھی ایسا نظر نہیں آئے گا جسے نظریاتی کہا جاسکے ہاں یہ ضرور ہے کہ تقریبا سارے ہی نظریہ ضرورت کے نام پر اپنی ذاتی ضروریات کو ترجیح دے رہے ہیں اور اسی کے لیئے مصروف عمل ہیں۔

ملک میں حکومتوں سے چمٹی رہنے یا حکومت قائم کرلینے والی جماعتوں یا حکومتوں کے قیام کے لیئے جھوٹے اور کھوٹے دعوے کرتے ہوئے سرگرم جماعتوں میں پیپلز پارٹی، مسلم لیگ نواز، مسلم لیگ ق، مسلم لیگ فنکشنل ، اے این پی اور ایم کیو ایم ہے ان تمام جماعتوں نے عوام اور ملک کو بہت کچھ دینے کے بجائے ان سے بہت کچھ حاصل کرلیا ہے جس جماعت نے عوام کے لیئے جتنے بڑے دعوے کیئے اتنا ہی کچھ عوام سے لے لیا یقین نہ آئے تو کراچی اور پشاور کی صورتحال دیکھ کر یا وہاں کے لوگوں سے سنکر اندازہ لگالیں۔

اب کسی کے پاس کوئی بھی نظریہ نہیں ہے روٹی ، کپڑا اور مکان کی بات کرنے والی پارٹی اب تینوں ہی سے عوام کو محروم کرنے میں مصروف ہے حکومت میں آنے

کے بعد اس نے کرپشن کے نئے ریکارڈ قائم کیئے ہیں جس کی مثال نہیں ملتی۔

ملک پر حکمرانی کے خواب دیکھنے والی جماعت مسلم لیگ نواز صرف اپنے ہی آبائی صوبے پنجاب تک محدود ہو کر رہ گئی وہ وفاقی حکومت کے اقدامات سے اس قدر نالاں ہیں کہ وہ اسے گرانے کے لیئے سنجیدہ کوشش ہی نہیں کرنا چاہتی کیونکہ اسے یہ بھی یقین ہے کہ اگر وفاقی سیٹ اپ ختم ہوا تو پنجاب کی حکمرانی بھی نہیں بچ سکے گی۔

عوامی نیشنل پارٹی پختونوں کے حق کے لیئے سرگرم رہی ہے لیکن اس پارٹی کے اکثر لیڈر اپنے صوبے میں ہی نہیں رہتے اپنے نصیب کی گولی کا خود انتخاب کرنے والے اب اپنے ہی عوام کو گولیوں اور بموں کے سائے میں چھوڑ گئے ہیں کیونکہ صوبے میں امن وامان کی جو صورتحال ہے وہ انتہائی خراب ہے اور لیڈروں کو بہرحال زندہ رہنا ہے صوبے کے تقریبا تمام ہی شہروں میں لوگ صرف اللہ توکل پر زندگی گذار رہے ہیں یہ لوگ گھر سے نکلتے ہیں تو انہیں خود واپسی کا یقین نہیں ہوتا۔ لیکن اے این پی نہ صرف صوبے میں حکمرانی کر رہی ہے بلکہ وفاق میں بھی حکومت کے مزے لے رہی ہے۔

مسلم لیگ ق پرویز مشرف کے دور میں آٹھ سال تک حکومت کرتی رہی اور 2008 کے

الیکشن میں عبرتناک شکست سے دوچار ہوئی بعد ازاں ملک کے صدر آصف زرداری نے انہیں قاتل لیگ کا بھی خطاب دیا لیکن وہ ہی ذاتی مفادات نے قاتل لیگ کو آصف زرداری کا ہم نوالہ اور ہم پیالہ بنادیا اور وہ بھی حکومت کا حصہ بن گئی اس طرح حکومت تو طاقت ور ہو گئی لیکن وہ عوام جن کے نام پر یہ پارٹیاں سیاست کرتی ہیں ان کی حالت مزید بگڑ گئی۔ لیکن دونوں پارٹی کے لوگوں کی پانچوں انگلیاں اور سر کڑاہی میں ہے ان کے خوب مزے ہیں۔

مسلم لیگ ق کا ویسے بھی عام عوام سے کوئی خاص تعلق نظر نہیں آتا کیونکہ ان کے آس پاس صرف خواص ہی موجود ہوتے ہیں۔

مسلم لیگ فنکشنل کی بات میں اس لیئے نہیں کرنا چاہتا کہ وہ اپنے روحانی عمل سے چل رہی ہے یہ اور بات ہے کہ اس روحانی عمل سے بے چاری غریب عوام کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے یہ پارٹی میں بھی صرف خاص لوگوں کی پارٹی کہلاتی ہے اور پیر پگاڑہ کی "پیری مریدی" کے باعث چل رہی ہے۔

متحدہ قومی موومنٹ جسکی سیاست اور حق پرستی کے بارے میں سچ لکھنا بہت آسان ہوتا اگر سچ جھوٹ کہلاتا۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ متحدہ قومی موومنٹ ملک کی وہ واحد جماعت ہے جو پیپلز پارٹی کے موجودہ اور سابقہ ادوار میں حکومت میں

رہنے کے باوجود اپوزیشن کا کردار بھی ادا کرتی رہی۔۔۔۔اسے ہم تاریخیں رقم کرنے والی پارٹی کہہ سکتے ہیں ،اس کا غصہ جمہوری ادوار میں ہمیشہ ناک پر رہا لیکن اس نے ہمیشہ ہی عوام کے لیئے حکومت کا ساتھ دیا اب یہ ساتھ دینے کا صلہ عوام کو کیا ملا۔۔۔؟ اس کا جواب وہ ہی ہے جو متحدہ کے لوگ خود کہتے ہیں کہ ان کے پاس اختیارات ہی نہیں تھے ۔اب ایک بار پھر وہ حکومت سے باہر ہیں اور اپوزیشن کی سیٹوں پر بیٹھنے کے لیئے بے چین ہے لیکن سندھ کی تقسیم کی باتیں بھی ان ہی کی صفوں سے آرہی ہیں حالانکہ کراچی میں امن وامان کی صورتحال تو ان کے حکومت میں رہتے ہوئے بھی اچھی نہیں تھی ٹارگیٹ کلنگ کے واقعات عام تھے اور روزانہ دس بارہ افراد ہلاک ہوجایا کرتے تھے نہ متحدہ کو معلوم تھا کہ کون ہیں ٹارگٹ کلرز اور نہ پیپلز پارٹی کی حکومت کو؟اب پھر ایسا عوام کے ساتھ کیا ہوگیا کہ سندھ کی تقسیم کی باتیں شروع ہوگئیں۔

متحدہ کے اپوزیشن میں جانے کے ساتھ ہی ہنگامی بنیادوں کراچی میں کمشنر نظام کی بحالی اور شہری حکومتوں کا خاتمہ کرنے میں حکومت نے جس تیزی کا مظاہرہ کیا اس سے ذاتی خواہشات اور مفادات کی بوآرہی تھی، ممکن ہے متحدہ کو اس عمل سے خدشہ ہو کہ سندھ تقسیم ہوجائے گا حالانکہ اب سندھ کون تقسیم کرے گا یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ اب سندھ دھرتی کے خلاف ماضی میں سرگرم رہنے والی قوتیں بھی بظاہر سندھ کی حامی نظرآتی ہیں۔

جماعت اسلامی طویل عرصے سے حکومت میں نہیں ہے لیکن عوام کے لیئے اس کی تحریک سڑکوں پر نظر آتی ہے لیکن نہ جانے کیوں عام لوگ وں کی بڑی تعداد اس جماعت سے اب تک دور کیوں ہے۔

تحریک انصاف بھی تیزی سے عوام میں مقبول ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے میرا خیال ہے کہ عمران خان اپنا ہدف جلد حاصل کرلیں گے اور کسی حد تک کامیاب بھی ہو جائیں گے لیکن انہیں مزید کامیابیوں کے لیئے اپنے اندر کے ڈکٹیٹر اور کرکٹر کو کٹم کرنا ہوگا۔

بہر حال میرا سوال صرف یہ ہی ہے کہ کیا ہم آج بھی صرف قربانیاں ہی دیتے رہیں گے اور ہمارے سیاست دان ملک اور عوام کے حقوق کے نام پر صرف قربانیاں لیتے رہیں گے ؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس پہل بڑے بڑے لیڈرز کی طرف سے ہو جائے ؟؟؟؟

اگر ایسا ہوگیا تو میں مان جاؤں گا کہ ہمارے سیاست دان عوام اور ملک کے لیئے سیاست کرتے ہیں ان کا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے وہ تو عوام کے لیئے اپنی ذات کو ہی ختم کرچکے ہیں۔

سندھ میں لگائی جانے والی تازہ آگ کے ذمہ دار ذوالفقار مرزا یا کوئی اور۔۔۔۔۔؟

پیپلز پارٹی کے جیالے و سندھ کے صوبائی وزیر ذوالفقار مرزا نے صوبہ کی کشیدہ صورتحال اور متحدہ کی ناراضگی کو مزید ہوا دینے کے لیئے 13 جولائی کی شب جو جذباتی بیان دیا تھا اس پر تقریباً 12 گھنٹے بعد ہی انہوں نے معذرت کرلی جو ایک اچھا عمل ہے لیکن انہوں نے جو زبانی تیر چلایا تھا اس کے نتیجے میں خدشات کے عین مطابق کراچی سمیت پورا سندھ بدھ اور جمعرات کی شب سے آتش و آہن کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے اور خدشات ہے کہ ذوالفقار مرزا کی لگائی ہوئی اس آگ کو بجھنے میں وقت لگے گا۔ ذوالفقار مرزا نے " جلتی پر تیل " ڈالنے کے مترادف بیان پہلی بار نہیں دیا بلکہ وہ اس معاملے میں خاصے تجربہ کار اور بدنام بھی ہیں لیکن پیپلز پارٹی اور اس کی قیادت کے لیئے بہت اہم بھی ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ ماضی قریب میں انہیں اسی طرح کے بیانات کے نتیجے میں سندھ سے جبری رخصت پر بھیج دیا گیا تھا اور اس مقصد کے لیئے انہیں صوبہ ہی نہیں بلکہ ملک کو کچھ عرصے کے لیئے چھوڑنا پڑا تھا تاہم انہیں صوبائی وزیر کی تنخواہ اور مراعات قومی خزانے سے دی جارہی تھی ۔ ذوالفقار مرزا نے امریکہ روانہ ہوتے ہوئے جو کچھ

کہا تھا انہوں نے آنے کے بعد پورا کر دیا جس کا خمیازہ نہ صرف کراچی اور سندھ بلکہ ملک کے مختلف شہروں کو بھی بدھ سے بھگتنا پڑ رہا ہے۔

سوال یہ ہے کہ پارٹی کا گراف مزید گرانے ، کشیدگی میں اضافہ کرنے اور مہاجروں یا اردو بولنے والوں کی دل آزاری کرنے والے ذوالفقار مرزا جیسی شخصیات کو کیوں پالا جارہا ہے ؟ ان کے خلاف ملک اور صوبہ نہیں تو خود پارٹی کے مفاد میں کارروائی کیوں نہیں کی جاتی ؟

متحدہ قومی موومنٹ کو ملک کی تمام سیاسی جماعتوں میں ایک منفرد مقام حاصل ہے اسی طرح اس میں کوئی شک نہیں کہ متحدہ کے قائد الطاف حسین بھی دیگر تمام سیاست دانوں کے مقابلے میں اپنی علیحدہ شناخت رکھتے ہیں، کوئی تو جادو ہے ان میں کہ وہ کروڑوں لوگوں سے بیک وقت مخاطب ہوتے ہیں اور یہ تمام افراد ان کے لیئے بغیر سوچے سمجھے سب کچھ کرنے کے لیئے بھی تیار ہو جاتے ہیں، بدھ کی رات سے تادم تحریر کراچی اور سندھ کے شہروں کی جو صورتحال ہے وہ ان کے چاہنے والوں کا رد عمل نہیں تو اور کیا ہے ؟

متحدہ ایک منظم اور طاقتور تنظیم ہے ، سندھ کے سینئر وزیر نے اپنے بیان سے متحدہ اور اس کے کارکنوں کو نہ صرف اپنی طاقت کے اظہار کا موقع فراہم کیا

بلکہ ان کی خاموشی کو کھلا چیلنج دیکر ان کی صفوں کو گرم کر دیا اب یہ گرمی ذوالفقار مرزا کی معافی سے اچانک ہی ٹھنڈی ہوتی نظر نہیں آتی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ متحدہ اب صرف اردو بولنے والوں کی جماعت نہیں رہی اس میں پنجابی ،پٹھان، بلوچی اور دیگر قوموں کے لوگ بھی شامل ہو چکے ہیں لیکن ذوالفقار مرزاکے بیان سے خاصی تکلیف مہاجروں یا اردو بولنے والوں کو ہوئی ہے انہوں نے اپنی نازیبا باتوں سے پاکستان بنانے والوں کی اولادوں ،ملک کی کئی اہم شخصیات اور انصار برنی جیسے انسان دوستوں کا دل دکھایا ہے ان کے اس بیان سے لسانی سیاست کو ہوا بھی مل سکتی ہے اس لیئے پیپلز پارٹی کی قیادت خصوصاآصف علی زرداری پر یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ جنگی بنیادوں پر ایسے اقدامات کریں جس سے لوگوں کو یہ احساس ہو کہ ان کی دل آزاری کا مداوا کیا گیا، اگر ایسا کرنے میں پیپلز پارٹی ناکام رہی تو پھر اسے حکومت چھوڑنے کی تیاری مکمل کر لینی چاہیئے۔

متحدہ قومی موومنٹ کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنا احتجاج سرکاری یا نجی املاک کو نقصان سے دوچار کیئے بغیر کرے کیونکہ پہلے ہی ہمارا ملک نقصانات اور تباہی سے دوچار ہے اس لیئے مزید تباہی سے ملک اور قوم برباد ہو جائے گی اور اس کا فائدہ غیر ملکی اور ملک دشمن قوتوں کو ہوگا اس میں کوئی شک نہیں کہ پڑوسی

ملک پہلے ہی ہمارے وطن پر نادیدہ نظریں گاڑے ہوئے ہے، متحدہ نے شہروں کو بند کردینے والے احتجاج کو نہیں روکا تو ملک کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے اور اس پر بھی بعض لوگ دشمن ملک کے ایجنڈے کو تکمیل کرنے کا الزام لگا سکتے ہیں۔

مجھے معلوم ہے کہ متحدہ نے اپنے کارکنوں یا عوام کو لوگوں کی جان و مال کو نقصان پہنچانے والے احتجاج کی کال نہیں دی تھی لیکن مرزا کے اشتعال انگیز بیان کے بعد کارکنوں کا مشتعل ہونا بھی ایک فطری عمل ہے۔

مگر یہ بات بھی تو اہم ہے کہ بھارت میں ماضی میں جب بھی کچھ ہوا تو کراچی میں بھی دوسرے ہی دن آگ لگادی جاتی رہی، ممبئی میں دو سال قبل اجمل قصاب جیسے دہشت گردوں کی کارروائی کے نتیجے میں ممبئی تین دن کے لیئے بند ہوگیا تھا لیکن نہ جانے کیوں کراچی بھی تین دن کے لیے بند کردیا گیا تھا یہ محض اتفاق بھی ہو سکتا ہے کہ ممبئی حملے کے فوری بعد کراچی کے اورنگی ٹاؤن میں حالات خراب ہوگئے تھے اور کراچی کو احتجاج کرکے بھی بند کردیا گیا تھا۔ لیکن کل سے پیدا ہونے والی صورتحال کو بھارت کے شہر ممبئی میں گذشتہ روز (بدھ کو) ہونے والے تین دھماکوں کے واقعے سے بھی جوڑا جاسکتا ہے اوراس کے پیچھے ان تمام فریقوں خصوصاً سندھ کے سینئر وزیر کے ملوث ہونے کا بھی شبہ ظاہر

کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس بار ساری صورتحال کے وہ ہی تن تنہا ذمہ دار نظر آتے ہیں۔

ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام صورتحال کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو بھی حرکت میں آنے کی ہدایت کی جائے اور پہلے سے موجود اطلاعات کو سامنے رکھ کر مزید تحقیقات کی جائے اور ملوث افراد چاہے وہ کتنے ہی بااثر اور طاقت ور کیوں نہ ہو سخت ترین کاروائی کی جائے کیونکہ یہ ہی وقت کا اولین تقاضہ ہے۔

حکمرانوں اور سیاسی جماعتوں کو چاہئے کہ اپنی ترجیحات عوامی امنگوں کے مطابق بنائے نہ کہ ذاتی مفادات کے مطابق، موجودہ حکومت اس لحاظ سے زیادہ خوش قسمت ہے کہ اسے اپنی ترجیحات کے تعین اور اس پر عمل کرنے کے لئے مکمل آزادی حاصل ہے جبکہ ماضی میں کسی بھی جمہوری حکومت کو یہ سہولت حاصل نہیں تھی جس کی وجہ جنرل کیانی ہیں جنھوں نے آرمی چیف کا چارج سنبھالتے ہوئے ہی یہ اعلان کردیا تھا کہ وہ سیاسی معاملات میں مداخلت نہیں کرینگے فوج صرف وہ ہی کرے گی جو اس کا اپنا کام ہے انہوں نے آرمی کو بھی یہ حکم دے دیا تھا اور فوجیوں کے سیاست دانوں سے ملاقاتوں پر پابندی عائد کردی تھی۔ لیکن لگتا ہے کہ پاک فوج کی اس پالیسی غلط فائدہ اٹھایا جارہا ہے اور حکومت عوام کے

مسائل کے سدباب کے بجائے اپنے ذاتی ایجنڈے کو مکمل کرنے میں مصروف ہے جبکہ عوام کا جینا دوبھر ہوگیا ہے۔ اسی طرح سیاسی جماعتیں بھی حقیقی اپوزیشن کا کردار ادا کرنے کے بجائے صرف بیان بازی سے کام لے رہیں ہیں۔

ہائے رے سیاست, واہ رے سیاست دان

یقین کریں کہ دور حاضر کے سیاست دانوں اور سیاست سے اب گھبراہٹ سی ہونے لگی ہے اور اس بارے میں کچھ بھی لکھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔دنیا بھر میں ہر بات اصولوں کی بنیادوں پر کہی جاتی ہے اور ہر مسئلے کو اصول پر پرکھا جاتا ہے ہر ملک میں سیاست نظریے یا اصولوں کی بنیاد پر ہوتی ہے لیکن ہمارے ملک کی سیاست اور سیاسی پارٹیوں کے نہ کوئی اصول اور نہ کوئی ضابطے باقی ہیں، نظریہ اور ایماندارانہ سیاست سے تو یہ بالکل ہی پاک ہیں ۔ایسی سیاست سے چمٹے افراد بلاجھجک اور بے شرمی سے یہ کہنے لگے ہیں کہ" سیاست میں سب جائز ہے" تو پھر ان لوگوں کے پیچھے موجود یا ان کے حمایتوں کے دماغی توازن پر بھی شک ہونے لگتا ہے۔اب ہمارے ملک کی سیاست میں نہ صرف کریمنل لوگ داخل ہوچکے ہیں بلکہ دھڑلے سے فروغ بھی پارہے ہیں ایسی صورت میں سیاست میں کرپشن تو ایک معمولی سی بات بن رہ گئی ہے بلکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں کوئی مفاد پرست اسے سیاست کا حصہ ہی قرار نہ دیدے اور سیاست میں سب جائز کی بانسری بجاتا رہے اور ایسی ہی تحاریک کو چلانے کے لئے سرگرم نہ ہوجائے۔ بہرحال قوم کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کرپٹ ، بے اصول اور بے حس لوگوں پر

مشتمل جمہوریت کے موجودہ دور میں تاریخ میں کچھ ایسا بھی ہوگیا کہ اپوزیشن میں موجود جماعت کا اہم اور حلف یافتہ کھلاڑی گورنر کے عہدے پر فائز ہوگیا، کھلاڑی اس لئے کہ یہ کھیل ہی تو ہو رہا ہے ملک اور قوم کے ساتھ۔۔۔۔ کھیل کھیلنے والے کھلاڑی نہیں تو اور کیا کہلائیں گے؟

گورنر، صدر مملکت کا صوبے میں نمائندہ کہلاتا ہے اور اب تک تو جو بھی پارٹی مرکزی سطح پر اقتدار میں رہی اسی کا یا اس کا حمایتی ہی صوبائی گورنر رہا لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ سندھ کے گورنر عشرت العباد ایسے گورنر ہیں جن کی پارٹی متحدہ قومی موومنٹ اب حکومتی بنچوں سے دور ہو کر حزب اختلاف کی بنچوں پر جا بیٹھی ہے۔۔۔۔۔۔ ویسے اس پارٹی کی بھی ایک نرالی روایت رہی ہے کہ وہ حکومت میں رہتے ہوئے بھی اپوزیشن کا کردار ادا کرتی تھی اور اس بات کا اظہار ایک سے زائد مرتبہ اس تحریک کے ساتھی اور قائد دونوں ہی کرتے رہے ہیں۔۔۔۔۔

بہرحال ڈاکٹر عشرت العباد کو یہ بھی اعزاز حاصل ہوگیا ہے کہ ان کی پارٹی کے حکومت میں نہ ہونے کے باوجود وہ وہ گورنر بدستور ہیں، گزشتہ آٹھ سال سے اس منصب پر فائز رہنے کا اعزاز تو وہ پہلے ہی پا چکے ہیں۔۔۔۔۔ شائد انقلابی تحاریک میں ایسا ہی ہوتا ہو؟ یا اب ہونے لگے گا؟ اسے بھی تو ہم انقلاب کی

ایک قسم کہہ سکتے ہیں؟؟؟؟؟
ویسے میری اس بات پر یقین بھی نہ کریں نہ جانے کب وہ اچانک ہی دوبارہ حکومت میں شامل ہوجائیں جیسے کہ چند روز قبل ہوا کہ میں اپنی سمجھ کے مطابق یہ لکھ دیا تھا کہ اب ذوالفقار مرزا کی لگائی ہوئی یہ آگ جلد ہی بجھتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ مگر آگ تو ایسی بجھی جیسے لگی ہی نہیں تھی۔۔۔۔
گزشتہ ساڑھے تین سالہ دور میں پیپلز پارٹی اور اس کی حکومت نے فرینڈز بنانے کا جس سرگرمی کا مظاہرہ کیا ہے اگر اتنی ہی سرگرمی ملک اور قوم سے دوستی کے اظہار کے لئے دکھاتی تو یہ دونوں کی بڑی خوش قسمتی ہوتی۔۔۔۔۔
چلیں پوری قوم نہ سہی قوم کے لیڈر ہونے کے دعویدار تو حکومت کے دوست ہیں ۔۔۔ پہلے تو صرف مسلم لیگ نواز کو فرینڈلی اپوزیشن کہا جاتا تھا اب متحدہ بھی اس لائن میں کھڑی ہو گئی لیکن ہم سب کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ متحدہ تو حکومت میں رہتے ہوئے بھی اپوزیشن کا سخت کردار ادا کر رہی تھی تو اب کیسا کردار ادا کرے گی؟
حکومت اور ان کے اتحادیوں کے اعمال کی سیاہی تو ملک کے کسی بھی ادارے کو

دیکھنے سے نظر آجاتی ہے ،آصف علی زرداری ، ان کے دوست اور ان کے لاڈلے وچہیتے وزراء کچھ بھی کہتے رہیں ، کیسا بھی کام کرتے رہیں اور کتنی ہی خوش خبریاں سناتے رہیں، جو کچھ انہوں نے اپنے اس جمہوری دور میں بویا اسے ان کو کاٹنا ہی پڑے گا اور یہ خدا کا نظام بھی ہے جو لوگ حکومتی نشستوں پر سو جاتے ہیں قوم انہیں اب گھروں پر ہی سلانے کا ارادہ رکھتی ہے اور جو محفلوں میں اپنے مخالفین کو مغلظات تک بکتے ہیں انہیں قوم ان ہی کے ساتھ بیٹھا دیکھ رہی ہے۔

یہ سچ ہے کہ سیاست میں سب کچھ جائز بنانے والوں کو بہت جلد اپنی شکست کے مزے لوٹ کر اپنی صفحوں کو خود ہی گولا بھی کرنا پڑے گا اور آنے والے وقت میں کئی سیاسی فنکاروں کو حقیقی سیاست دانوں کے سامنے جھکنا ہی نہیں بلکہ چاٹنا بھی پڑے گا ورنہ ایک طویل تاریخی نہیں بلکہ تاریکی کے لئے انہیں تیار رہنا پڑے گا۔

الحمداللہ ملک اور قوم کے لئے اچھی نشانیاں واضع ہونا شروع ہو گئیں ہیں ،جب مفاد پرستوں کو اچھے اور برے کی تمیز نہ رہے تو سمجھ لیں کہ اب ان جیسوں کا چل چلاؤ ہے،ان کی عقل پر پتھر اور آنکھوں پر پردہ پڑچکا ہے اور اب ان کے پاس کوئی چالیں باقی نہیں ہیں۔۔۔بے شک سب سے بڑی چال چلنے والا تو اللہ ہے

۔جس نے یہ دنیا قائم کی اور سب ہی کو لوٹ کر اس کے سامنے جانا ہے۔

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جناب جسٹس چوہدری افتخار اور ان کے اقدامات و احکامات ابھی تو روشنی کی ایک معمولی سی کرن ہے جو جلد ہی اس ملک کو مکمل روشن کردے گی اور جہالت اور لوٹ مار کی چنگاری کو ہمیشہ کے لیئے بجھا ڈالے گی۔

مجھے اللہ کی ذات پر پورا یقین ہے کہ آنے والا وقت ملک اور قوم کے لئے بہت ہی اچھا ہوگا جب بڑی بڑی باتیں نہیں نہ ہی دعوے ہونگے بلکہ ملک اور قوم کے مفاد میں بڑے بڑے کام ہونگے بس اس کے لئے قوم کو استغفار کا ورد اور اللہ تعالیٰ سے ملک اور قوم کی خوشحالی کے لئے اجتماعی اور انفرادی دعائیں کرنی ہوگی اور عملاً برائی کو روکنے کے لیئے اپنے تئیں جو بھی کر سکتے ہیں کرنا ہوگا۔۔۔۔ کم از کم برے کو برا کہہ نہیں سکتے تو سمجھنا تو ہوگا۔

کراچی آخر کب تک آگ و خون کی لپیٹ میں رہے گا؟

جب معاشرے سے اللہ کا خوف ختم ہو جائے تو ہر طرح کی برائی عام ہونے لگتی ہے اخلاقیات، شرم وحیاء اچھے برے کی تمیز اور انسانیت ختم ہو جاتی ہے اور جب انسانوں کی تکالیف میں اضافہ ہوتا ہے تو اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے اور جب عذاب الٰہی آتا ہے تو کچھ بھی باقی نہیں رہتا سب کچھ مٹ جاتا ہے سب ہی ختم ہو جاتا ہے۔۔۔۔ مگر ہمیں اللہ کی رحمتوں اور کرامتوں کی امید رکھنی چاہئے کیونکہ مایوسی کفر ہے اور ہمیشہ استغفار کے ورد کو جاری رکھنا چاہیئے اور اللہ پر یقین کے ساتھ اس سے مانگتے رہنا اور اس ڈرتے ہوئے رہنا چاہیئے۔۔۔۔۔ویسے بھی ہم صرف اللہ توکل ہی تو زندگی گزار رہے ہیں۔!

کراچی میں گزشتہ چار روز سے جو آگ لگی ہوئی ہے اس کا سلسلہ ایک دو سال سے نہیں 1984/85 سے شروع ہوا تھا اس دوران صرف پرویز مشرف کا دور ایسا رہا جس میں ہر چند روز یا چند ماہ بعد شہر کے حالات خراب نہیں ہوئے بلکہ تقریباً شہر پر امن کہلانے لگا تھا لیکن پرویز مشرف کے اقتدار کے آخری ایام میں آزاد عدلیہ کی بحالی کی تحریک کے دوران موجودہ چیف جسٹس کی آمد کے موقع پر جو کچھ کراچی میں ہوا اسے شائد ہی کسی سیاسی، غیر سیاسی، خاص اور عام شخصیت بھول

پائی ہوگی۔ لیکن نہ تو اس دن کے واقعات میں ملوث افراد کو پکڑا جاسکا اور نہ ہی اس طرح کے واقعات کا سدباب کیا جاسکا۔ افسوس اس بات پر ہے کہ حساس ادارے کراچی کے واقعات کے حوالے سے سب کچھ جانتے بھی ہیں اور وقتاً فوقتاً اس کا اظہار بھی ان اداروں کی مختلف سطحوں سے کیا جاتا رہا لیکن اس کے باوجود اس کے آج بھی کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کراچی میں کب تک مستقل طور امن ہوگا اور اس حوالے سے اس کا مستقبل کیا ہوگا ہے؟

ماضی میں حقوق کی جدوجہد کے نام پر کراچی یہں طاقت کے توازن کی بات کی جاتی رہی اس طاقت کے منظم ہونے سے قبل تک کراچی میں سکون تھا شہری رات گئے تک بلاخوف وخطر ہر جگہ چلے جایا کرتے تھے جن بھوت کے علاوہ شائد ہی کسی کو کوئی اور خوف ہوتا ہوگا، آپ یقین کریں کہ اس وقت لوگ اپنے گھروں کو باقاعدہ مقفل کئے بغیر ہی کہیں قریبی علاقے میں چلے جایا کرتے تھے اس مقصد کے لئے صرف دروازے پر لگی کنڈی کو لگانے پر ہی اکتفا کرتے تھے۔

حقوق کی جدوجہد کی وہ تحریک آج بھی چل رہی ہے اور اسی تحریک کے سب سے زیادہ نوجوان حقوق کی جدوجہد میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

اس تحریک کے لوگ حصوں میں بٹ چکے ہیں اس جدوجہد سے واضع طور پر صرف ہزاروں لاشیں گری ہیں گر رہیں ہیں جبکہ دوسری طرف لگتا ایسا ہے کہ نامعلوم نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد روزانہ ہی دانستہ یا نہ دانستہ طور پر قاتلوں کی صف میں شامل ہو رہی ہے۔ایسے نوجوانوں میں مجبور افراد کی بڑی تعداد شامل ہے جو کسی نہ کسی مجبوری کے باعث مافیا کے ہاتھ لگ کر ان کی بات ماننے پر مجبور ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ موت کا خوف سب کو ایک ایسے مقام پر کھڑا کردیتا ہے جہاں " آگے کنواں پیچھے کھائی " کے مصداق صورتحال ہوتی ہے لیکن اگر اللہ کا خوف ہو تو پھر ایسا شخص کنواں یا کھائی میں گرنے کے خوف کے بجائے موت کے خوف کو نکال کر ایک تیسرے راستے کا انتخاب اللہ کی دی ہوئی عقل اور دانش کے مطابق کرتا ہے چاہے اسے اس راستے پر موت آجائے، اسے مرنے سے زیادہ شہادت کے رتبے پر فائز ہونے کا جذبہ ہوتا ہے اور وہ اس طرح بڑے گناہوں سے صاف بچ جاتا ہے۔ (لیکن شہادت کا راستہ وہ نہیں جو ہمارے ملک میں اپنے ہی نہتے اور بے قصور لوگوں کو خودکش حملوں (کے ذریعے مار کر اور خود بھی مر کر حاصل کرنے کی غلط روایت کے مطابق ہے

یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ خوف صرف اس مافیا سے تعلق رکھنے اور روزانہ ہی

گناہوں کے دلدل میں پھنستے چلے جانے والے افراد ہی کو نہیں ہے بلکہ یہ خوف اب پورے معاشرے میں سرایت کرگیاہے یہ ہی خوف تو ہے جس کی وجہ سے بڑے بڑے سیاستدان اور دانشور سب کچھ جاننے کے باوجود سیدھی اور کھری بات کرنے سے گریز کرتے ہیں حکمرانوں کو اپنی حکومتیں گرنے یا امن وامان کی صورتحال بگڑ جانے کے ساتھ جان سے بھی ہاتھ دھونے کاخطرہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ کوئی بولڈ اسٹیپ نہیں لیتے، لیکن ایسا کب تک ہوگا؟ کراچی بلکہ اب تو صوبے کے عوام کب تک بے چینی کی کیفیت میں مبتلا رہیں گے ؟

سب جانتے ہیں کہ کراچی پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، خدانہ خواستہ اسے کچھ ہوا تو پورا ملک مفلوج ہوسکتا ہے۔یہ بات سب اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں اور ملٹری اسٹبلشمنٹ بھی بخوبی اس سے واقف ہیں لیکن اس کے باوجود کراچی کو امن وامان کے حوالے سے نظر انداز کیا جارہا ہے یا سنجیدگی سے اس کا حل تلاش نہیں کیا جارہا ہے۔

متحدہ قومی موومنٹ کی تحریک نے کراچی کو ترقی دلانے میں اپنا کردار ادا کیا لیکن لگتا ہے کہ غیر ملکی قوتیں کسی طرح ان کے اندر داخل ہوکر ان کو بدنام کرنے میں لگی ہوئی ہیں بہرحال مجھے تو حیرت اس بات پر بھی ہوتی ہے کہ متحدہ قومی موومنٹ جس کے قائد ایک ہی اشارے پر وہ بھی بذریعہ فون لاکھوں کے مجمعے

کو خاموش کرا سکتے ہیں تو اپنے شہر اور صوبے میں گڑبڑ پھیلانے والوں اور قتل و غارت گری کرنے والوں کو کیوں نہیں روک سکتے ؟؟؟ ان کی جماعت میں ایسے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو ان کی ایک آواز پر کچھ بھی کرنے تیار ہو جاتی ہے تو کیا ٹارگیٹ کلرز کو یہ نہیں پکڑ سکتی؟؟؟ یہ سوال صرف میرے ہی ذہن میں نہیں بلکہ ہر باشعور شخص کے ذہن میں ہے۔

مجھے یاد ہے کہ کراچی میں کسی سیاسی جماعت نے شہر کی گلیوں، محلوں اور سڑکوں کو عملاً آئینہ کی طرح صاف کیا تو صرف الطاف حسین کی جماعت تھی اور کسی کو نہ ہی پہلے نہ ہی بعد میں اس طرح کی مہم کا خیال ہے۔ الطاف حسین کے حکم پر نہ صرف عام افراد بلکہ معاشرے کے پڑھے لکھے اور خاص افراد بھی جھاڑو تھامے سڑکوں پر تھے، اپنے شہر سے محبت کا عملاً مظاہرہ کراچی میں رہنے والے افراد نے اس پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

جناب الطاف بھائی مجھے اور کراچی کے سب ہی باشندوں کو اس زمانے کا کراچی چاہیئے جب آپ اپنی ہنڈا ففٹی پر لانڈھی کے لیبر اسکوائر اور ڈیفنس سمیت ہر علاقے میں چلے جایا کرتے تھے اور جلسے کرکے اطمینان سے واپس آجایا کرتے تھے۔

اس وقت تو کسی کو کسی پٹھان ، پنجابی ، بلوچی یا مہاجر کا کوئی خوف نہیں تھا ھاں آپ کی جدوجہد کے باعث بقول آپ ہی کے اسٹبلشمنٹ آپ کی آپ کے ساتھیوں کے پیچھے پڑی رہتی تھی میں الطاف بھائی سے اس شہر کے امن کے لئے ایک صحافی نہیں بلکہ ایک فالج کے مریض کی حیثیت سے یہ کہونگا کہ آپ تو اللہ سے ڈرنے والے انسان بھی ہیں اور ہر جلسے سے پہلے اللہ کی عظیم کتاب قرآن پاک کی تلاوت بھی کرتے ہیں خدارا اللہ نے جو طاقت آپ کو دی ہے اسے شہر اور صوبے کے امن کے لیئے استعمال کرکے کروڑوں لوگوں کی دعائیں لے لیں اور اپنے اور اپنی والدہ مرحومہ کے لیئے اجر عظیم کا ذریعہ بنے آپ کے اشارے پر جان دینے والے کارکنوں کو قاتلوں پر نظر رکھنے اور انہیں پکڑنے کی ہدایت کردیں ۔اللہ آپ کو اس کا بڑا اجر دے گا۔

حکومت سے بھی میں یہ کہونگا کہ وہ متحدہ کے ساتھ ملکر کراچی کا امن بحال کرنے کے لئے سنجیدہ اقدامات کریں نہ کہ اشتعال پھیلانے والے بیانات سے صورتحال کو مزید خراب کریں۔

ہمارے ذہنی مریض حکمران

ہمارے حکمرانوں کا رویہ ایسے بے حس، ضدی اور اکھڑ مزاج بچے کی طرح ہے جو اپنی مرضی کی بات سنتا اور اپنی غرض سے کسی سے بات کرتا ہے اسے کسی کی تکلیف ،پریشانی اور دکھ درد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا،ایسے بچے کو ماہر امراض ، نفسیاتی مریض یا Abnormal کہتے ہیں اور مرض کی شدت کی صورت میں اسے عام لوگوں سے دور رکھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

ملک میں حکومت سے وابستہ تقریبا تمام ہی اہم اور قابل ذکر شخصیات کا جائزہ لیا جائے تو یہ سب بھی تقریباً نفسیاتی مریض ہی لگتے ہیں صدر مملکت آصف زرداری تو ڈیکلیئرڈ ذہنی مریض ہیں جن کے بارے میں ان کے اپنوں کی جانب سے یہ موقف اختیار کیا جاچکاہے کہ وہ" ذہنی مریض" ہیں ، یہ زیادہ پرانی بات نہیں بلکہ بے نظیر بھٹو کی زندگی کے آخری دنوں کی بات ہے جب عدالت میں ان کے (آصف زرداری)
مقدمات زیر سماعت تھے اور وہ علاج کی غرض سے جیل سے سیدھا لندن چلے گئے تھے بعد ازاں انہیں صدر منتخب کرلیاگیا،اس عمل سے ان کے چاہنے والوں کی ذہنی صحت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ویسے تو ہمارے ملک کے بیشتر سیاست دان بھی اپنے آپ کو انتہائی ذہین اور چالاک سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بھی ایک دلیل سمجھی جاتی ہے بے وقوفی کی۔؟

ایسی صورت میں کوئی بھی یہ تبصرہ کرسکتا ہے کہ بیوقوف قوم کے پاگل ہی لیڈر ہونگے۔ ممکن ہے اس بات سے بہت سارے لوگ اختلاف کریں لیکن اگر غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ واقعی یہ لوگ پاگل پن کی حد تک بے وقوف ہیں اور پھر بھی ہر ایک کو بیوقوف بنانے میں مصروف ہیں، ہمارے سیاست دانوں کی اکثریت کے پاس دولت اتنی ہے کہ ان کا پورا خاندان اگر صرف بیٹھ کر کھائے تو یہ ان لوگوں کی پوری زندگی کے لئے بہت ثابت ہوگی مگر دولت جمع کرنے کی ہوس انہیں اقتدار سے ہمیشہ ہی چپکے رہنے پر مجبور کردیتی ہے جسے یہ لوگ قوم کا مفاد کہتے ہیں، قوم روز مرتی اور روز جیتی کے مصداق زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور یہ دولت کے پوجاری پیسے کی لالچ میں جھوٹ ، بے ایمانی اور منافقت کو اپنا اصل زیور سمجھ بیٹھے ہیں۔ یہ ہی تو ان کا پاگل پن ہے ،اپنے آپ کو مسلمان اور مسلمانوں کے لیڈر کہلانے والے یہ بے حس انسان اللہ کے عذاب کو جاننے اور دیکھنے کے باوجود اس سے نہیں ڈرتے اور ہر قدم پر جھوٹ ، ہر جملے میں منافقت اور ہر انداز میں مکاری ان کی زندگی کا اصل مقصد بن کر رہ گیا ہے۔ جو اپنی زندگی کے اصل مقصد کو نہ جان سکے وہ کس حد تک پاگل اور بیوقوف ہوگا اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

فی زمانہ دولت کی ہوس عام بات ہو گئی ہے لیکن دنیا بھر میں دولت کمانے کے جو طریقے رائج ہیں ہمارے ملک کی اشرافیہ اس سے ایک قدم آگے ہے بلکہ وہ اقتدار میں آتی ہی دولت اکھٹا کرنے اور باہر کے ممالک میں ڈپازٹ کرانے کے لیئے۔ دنیا بھر کے لوگ انسانیت کی خدمت کے لیئے اپنے مذاہب کے مطابق اخراجات بھی کرتے ہیں لیکن ہمارے ہاں یہ روایت بھی صرف عام افراد تک محدود ہے سیاست دانوں اور حکمرانوں کی اکثریت تو ملک کی سروسیز حاصل کرنے کے بدلے میں ٹیکس بھی ادا نہیں کرتی، بعض شخصیات کو تو بجلی اور ٹیلی فون کا بل جمع کرنے کی بھی عادت نہیں ہے اس طرح، یہ ملک کے خزانے پر بھی بوجھ بنے ہوئے ہیں لیکن اپنے آپ کو عوام کا خادم کہتے ہیں، حالانکہ ملک اور قوم کی غلامی کے قابل بھی یہ نہیں ہیں۔

میں یہ کہتا ہوں کہ کوئی تو ایسا آمر یا جمہوریت کا چمپیئن آئے جو اس ملک میں ایسا قانون بنائے کہ کوئی بھی سیاست دان اور بیوروکریٹ ملک سے باہر سرمایہ منتقل نہ کرسکے اور اگر عام آدمی بھی یہ کرے تو اس سے جواب طلب کیا جائے کہ پہلے یہ تو بتاؤ کہ یہ دولت کہاں سے آئی اور اس پر کتنا ٹیکس ادا کیا؟

ایسا قانون جمہوریت کے دیوانے نہیں بنا سکتے کیونکہ وہ تو اپنے ساتھی سیاست دانوں کے مفادات کی رکھوالی کرنے کے لیئے اقتدار میں آتے ہیں یہ کام اگر کوئی ہمارے ملک میں کرسکتا ہے تو وہ آمریا ڈکیٹیٹر ہی کر سکتا ہے چاہے اس کا تعلق آرمی سے ہو یا سول سروس سے یا عام شہری ہی کیوں نہ ہو۔

ایسا قانون کہ ملک کا پیسہ ملک میں خرچ ہو۔اور ہر طرح کے چندے کی رقوم و عطیات بھی باہر نہ جاسکے کیونکہ چندے اور عطیات کی سب سے پہلے ہمیں اور ہماری قوم کو ضرورت ہے۔

لیکن کیا یہ میری خواہش پوری ہو سکتی ہے جو سیاست دان اور حکمران اپنے مفادات کی خاطر ملک کی عدلیہ کے ساتھ محاذ آرائی کرنے پر اتر آئے ، عدلیہ کے احکامات ماننے سے انکار کردے اور اپنے ہی ملک کے اہم ترین ادارے کی ساکھ کو متاثر کرنے میں لگ جائے وہ حکمران ملک اور قوم کو مشکلات سے نکالنے والے قوانین کیسے بنا سکتے ہیں ؟ موجودہ حکمران تو موجودہ قوانین پر ہی عمل کرلیں تو ہی بہت بڑی بات ہوگی۔مگر یہ سب تو ذہنی مریض ہیں انہیں وہ ہی اچھا لگتا ہے جو ان کے مطلب کا ہو لیکن ان ذہنی مریضوں کو عام افراد سے دور کون کرے گا

پاکستان ایک حقیقت ہے اور یہ ہمیشہ قائم رہے گا انشاء اللہ

معین اللہ خان کراچی کا نوجوان صحافی ہے سلیکٹیڈ کالم اور تحریریں اپنے ساتھیوں اور سینئر صحافیوں کو ای میل کے ذریعے بھیجنا اس کا مشغلہ ہے لگتا ہے کہ وہ ایسا کرکے "باخبر دوستوں " کو اپ ڈیٹ رکھنا چاہتا ہے، کوئی ہو نہ ہو میں ان کی ای میل کے باعث اپ ڈیٹ ہوجاتا ہوں ان کی میل سے بعض اوقات تاریخی تقاریر اور واقعات کی یادیں بھی تازہ ہوجاتی ہیں۔

حال ہی میں معین نے مجھے قائد اعظم محمد علی جناح کی یادگار تقریر کی ایک ویڈیو کلپ بھیجی اس ویڈیو میں بانی پاکستان کہہ رہے تھے کہ " پاکستان ایک حقیقت ہے اور یہ ہمیشہ قائم رہے گا انشاء اللہ، آیئے پاکستان اور قوم کی ترقی کے لیئے قربانی میں اپنا حصہ ڈالیں"۔

محمد علی جناح کے ان الفاظ پر غور کریں اور آج کی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو رونے کو دل چاہتا ہے قائد اعظم نے ہمیشہ ملک اور قوم کی ترقی کی بات کی اور اپنی زبان سے ملک کے ہمیشہ قائم رہنے کی نوید سنائی یقینا یہ ہی ان کی دعا بھی ہوگی لیکن ہمارے آج کے سیاست دان ملک توڑنے کی باتیں کرتے

ہیں اور ان کے خلاف کوئی بھی ایکشن نہیں لیتا!۔
مستعفی صوبائی وزیر اور رکن سندھ اسمبلی ذوالفقار مرزا کا حالیہ پریس کانفرنس ییں واضع الفاظ میں یہ الزام لگاناکہ لندن میں ہونے والی ایک ملاقات میں الطاف حسین نے پیر مظہر الحق کی موجودگی میں ہم سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ " امریکہ نے پاکستان توڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے میں اور میری جماعت اس فیصلے میں امریکہ کے ساتھ ہے"۔
یہ الزام انتہائی سنگین ہے لیکن قرآن پر ہاتھ رکھ کر اگر کوئی ایسی بات کہے تو کم از کم مجھ میں اس بات کو تسلیم نہ کرنے کی ہمت نہیں ہے بلکہ میری طرح لاکھوں افراد اس بات کو سچ ہی تسلیم کرچکے ہونگے، سوال یہ ہے کہ ذوالفقار مرزا اور پیر مظہر الحق نے یہ بات سنکر فوری طور پر کیا ردعمل کیا تھا؟
خاموش ہوگئے ؟ ملک کی اہم اور ذمہ دار شخصیات کو آگاہ کیا؟ اور اگر انہوں نے اس بات سے پہلے ہی کیا انھوں نے ملک کے صدر جو ان کے دوست بھی ہیں کو اس بات سے آگاہ کردیا تھا ؟ تو پھر صدر نے کسی قسم کا ایکشن کیوں نہیں لیا تھا ؟
سب سے اہم بات یہ کہ اتنی اہم بات پر خود ذوالفقار مرزا طویل عرصے تک کیوں

خاموش رہے؟ اوراب انہوں نے کن حالات اور وجوہات کی بناء پر یہ انکشافات کرنے پر مجبور ہوئے؟

چونکہ ذوالفقار مرزا طویل عرصے سے متنازعہ شخصیت بنے ہوئے ہیں اس لیئے لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خود کسی کے "آلہ کار" بنے ہوئے ہیں اور کسی کا اسکرپٹ پڑھ رہے ہیں!

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس بات کا نوٹس ہی نہیں لیا جائے اور اسے ایک بیوقوف کی بات کہہ کر نظرانداز کردیا جائے، یہ سچ ہے کہ پیپلزپارٹی کی موجودہ حکومت میں بڑے بڑے فنکار اور بڑے بڑے بیوقوف شامل ہیں جس کی وجہ اس حکومت کی ڈور جس شخصیت کے پاس ہے وہ ماضی میں نہ صرف فنکار تھا بلکہ ڈکلیئرڈ پاگل بھی تھا، آصف زرادری کے وکلاء نے خود ان کی لندن میں موجودگی کے دوران عدالت میں یہ سرٹیفیکٹ پیش کیا تھاکے وہ ابھی ذہنی طور پر صحیح نہیں ہیں۔

ذوالفیقار مرزاکے بیان کے بعد سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جناب افتخار ملک کو ازخود نوٹس لینا چاہیئے جبکہ آرمی چیف جنرل کیانی کو بھی فوجی بنیادوں پر کاروائی کرنی چاہیئے کیونکہ اب معاملہ کسی سیاسی جماعت کی ناراضگی یا سیاسی

مداخلت کا نہیں پاکستان کی سالمیت کا ہے۔
ذوالفقار مرزا تو سابق وزیر داخلہ ہیں اور حکومتی جماعت کے اہم ترین عنصر بھی ہیں، ان کی باتوں کو ہر صورت میں اہمیت دینے کی ضرورت ہے کیونکہ انہوں نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر یہ باتیں کہی ہیں بہرحال ہم سب کو یہ بات بھی مدِ نظر رکھنی چاہیے کہ اگر آئندہ کوئی بھی قرآن ہاتھ میں لیکر آتا ہے تو اسے چیک کیا جائے کہ وہ باوضو بھی ہے یا نہیں اور جذدان میں بند کتاب واقعی قرآن پاک ہے؟ کیونکہ ہمارے ملک کے بعض سیاست دان قوم کی سادگی اور ان پر یقین سے بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔
ہم سب کو قرآن پاک کے تقدس کا لازمی اور ہر صورت خیال رکھنا چاہئے، ملک کے خلاف سازش اور اسے توڑنے کے منصوبے کو افشاء کرنے کے لیئے قرآن کو درمیان میں لانا یقینا کوئی بری بات نہیں لیکن کیا اس انکشاف پر اس طرح کی خاموشی محب وطن جرنیل اور آزاد عدلیہ کو زیب دیتی ہے؟ تاحال حکومت اور پیپلز پارٹی نے اس بیان پر کوئی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا البتہ یہ خبر آئی ہے کہ ذوالفقار مرزا کو پیپلز پارٹی سے اس بیان کے بعد برطرف کردیا گیا ہے۔
متحدہ قومی موومنٹ بھی ذوالفقار مرزا کے بیان پر روایت سے ہٹ کر خاموش ہے

اور اس طرح کے رد عمل کا اظہار نہیں کیا جو اس نے ذوالفقار مرزا کے پہلے بیانات پر کیا تھا وہ حیرت انگیز طور پر چپ ہے شائد وہ اپنے قائد الطاف حسین کی اچانک بیماری کی وجہ سے سکتے میں ہیں! اس کی وجہ شائد یہ ہو کہ متحدہ کے کارکنوں نے طویل عرصے بعد اپنے قائد کی اس طرح کی بیماری کے بارے میں سنا ہے؟

مجھے یقین ہے کہ متحدہ کو مضبوط اور منظم کرنے کے لئے جو لوگ سرگرم رہے وہ سب کے سب پاکستان کو مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں اور ملک کی سلامتی کے لئے وہ ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے بھی ہمیشہ تیار رہیں گے، یہ اور بات ہے کہ" منزل نہیں قائد چاہئے" کا نعرہ لگانے والے بھی اب بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہونگے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ملک توڑنے اور ملک کے اہم ترین ادارے کو ختم کرنے کے سے متعلق برطانوی وزیر اعظم کو لکھے جانے والے خط پر وہ نہ صرف تاحال حیران ہونگے بلکہ اسے فوری طور پر اتنی آسانی سے تسلیم بھی نہیں کریں گے جس کی وجہ ان کی الطاف حسین سے اندھی محبت ہے۔

لیکن اگر یہ باتین درست تسلیم کرلی جاتی ہے تو اس سے "متحدہ کو تاریخی اور مثالی" نقصان ہوگا، اس نقصان کی تلافی اور تنظیم کو منظم رکھنے کے لئے ڈاکٹر فاروق ستار کی خدمات، سیاسی بصیرت، تجربہ ذہانت اور ان کے جذبہ حب

الاوطنی سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

ویسے بھی متحدہ کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے اور لندن سیکریٹریٹ سے جو مبہم خبریں مل رہیں ہیں وہ بھی متحدہ کی صفوں میں ہلچل کا باعث ہے ایسے میں صرف فاروق ستار ہی ایک ایسی شخصیت نظر آتی ہیں جن سے متحدہ اور اس کے چاہنے والوں کو بہت امیدیں ہیں اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ" خرابی صحت "کی وجہ سے الطاف حسین تنظیم سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کرکے ڈاکٹر فاروق ستار کو اہم تنظیمی ذمہ داریاں سونپ دیں۔

ادھر پیپلز پارٹی کے سابقہ جیالے وزیر کے انکشافات جسے تجزیہ نگار انصار عباسی نے ذلفی لیکس قرار دیا ہے کہ بعد سندھ میں پیپلز پارٹی کو شدید نقصان ہونے کا خدشہ ہے بلکہ بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ وہ سندھ میں پیپلز پارٹی کو ٹوٹتا ہوا دیکھ رہے ہیں لیکن کراچی میں ذوالفقار مرزا کی پوزیشن مضبوط اور ان کی قدر میں اضافہ ہوتا نظر آتا ہے۔ جبکہ متحدہ کا مجمہ بھی جو کافی دن سے لگا نہیں، لگتا ہے کہ اس پر بھی اثر پڑا ہے متحدہ کو چاہنے والوں کو بھی یقینا ذوالفقار مرزا کی باتوں سے شدید دھچکا لگا ہوگااور وہ بھی اپنے رہنماؤں کی طرف سے اس حوالے قرآن پر ہاتھ رکھ کر ضروری وضاحت کے ئے جانے کے منتظر ہونگے لیکن چونکہ براہ راست الطاف حسین پر الزام لگایا گیا ہے اس لئے

پاکستان توڑے جانے کے منصوبے سے متعلق وضاحت شائد وہ خود ہی کریں، ذوالفقار مرزا کی دو گھنٹے طویل تقریر کے بعد شہر میں بھی حیرت انگیز طور پر سکون رہا تاہم خوف کے بادل بارش کے بادلوں سے زیادہ گہرے ہو گئے تھے جو تا حال کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔

پاکستان کا آنے والا کل ملک کے سیاست دانوں کی سیاسی کوششوں سے کہیں زیادہ روشن نظر آتا ہے۔

انگریزوں کے سائے میں یا ان کی آشیر باد سے متعدد بار پاکستان کے خلاف سازشیں کی گئیں اور وہ سب کی سب ناکام ہو گئیں، مجھے تو بس قائد اعظم کی بات سے اتفاق ہے کہ پاکستان ہمیشہ کے لیئے بنا ہے اور یہ اس خطے پر ہمیشہ رہے گا انشاء اللہ۔

بس وہ وقت آنے کو ہے

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومتوں کا محتاط جائزہ لیا جائے تو نتیجہ عجیب مضحکہ خیز نکلے گا کہ ہمارے جمہوری ملک میں جمہوری حکومتیں جب بھی اقتدار میں آئیں عوامی مسائل میں اضافہ اور سہولیات میں کمی لیکر آئی اگرچہ جمہوریت پسندوں کو ملک کی تاریخ میں مجموعی طور پر حکومتیں بنانے اور کرنے کا موقعہ آمروں یا غیر جمہوری قوتوں کے مقابلے میں کم ملا ہے لیکن جب جب بھی انہیں یہ موقعہ معصوم عوام نے فراہم کیا ان لوگوں نے ان ہی کا نام استعمال کرکے خالصتا لوٹ مار کی ان جمہوری ادوار میں نہ خارجہ پالیسی بہتر بنائی جا سکی نہ عوام کو ریلیف پہنچانے والے منصوبوں پر عمل درآمد کرایا جاسکا اس کے باوجود لوگ ملک کے نام کی ساکھ کے لئے جمہوریت کو دیکھتے رہے اور طلب کرتے رہے لیکن اس بار قوم جمہوریت ، جمہوریت کے چمپئن سیاست دانوں سے تنگ آچکی ہے وہ یہ سمجھنے پر حق بجانب ہے کہ ہمارے سیاست دان آئیڈیل جمہوریت کے لائق نہیں ہیں کم از کم وہ سیاست دان جو حکومتوں کے مزے مسلسل لوٹ رہے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ ملک کی بہتری کے لیئے اب ایسا قانون بنانا چاہئے کہ جو سیاسی جماعتیں دو یا دو سے زیادہ مرتبہ حکومت کرچکیں ہیں ان پر آئندہ

انتخابات میں حصہ لینے پر کم از کم دس سال کی پابندی ہونی چاہئے اور ایسی سیاسی شخصیات پر بھی جو دو ادوار میں حکومتوں کا حصہ رہے ہیں ان پر بھی آئندہ دس سال کے لئے کسی بھی عہدے کے لئے انتخابات میں حصہ لینے اور جمہوری دور میں کسی بھی سیاسی عہدے پر فائز ہونے پر پابندی ہونی چاہئے لیکن یہ کڑوے اور سخت فیصلے کون کرے گا؟ مجھے یقین ہے کہ جس کسی سیاسی یا غیر سیاسی شخصیت کو جو اپنی ذات کے بجائے ملک اور قوم سے محبت کرتا ہے وہ یہ فیصلہ کرا سکتا ہے اور اس کی حمایت کرنے میں بھی اسے کوئی عار محسوس نہیں ہوگی۔ اگر اس طرح کا فیصلہ ایک بار ہو جائے تو ہمارے ملک میں خود ہی پولیٹکل ریفارمز ہو جائے گی اور ملک جلد ہی ترقی کے خوبصورت راستے کی طرف گامزن ہونے لگے گا۔

ملک میں حکمراں سیاسی جماعتیں جمہوریت کے نام پر جو کچھ کر رہی ہیں اسکے نتیجے میں ملک نہ صرف بین الاقوامی طور پر بدنام ہو رہا ہے بلکہ اب اس کا استحکام بھی خطرے میں پڑ گیا ہے موجودہ حکومت تو بے حسی اور بے شرمی کے نئے ریکارڈ قائم کر چکی ہے مگر بضد ہے کہ وہ پانچ سال پورے کرے گی اس مقصد کے لئے ملک کا کچھ بھی ہو جائے انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے انہیں صرف اپنے ذاتی مفادات سے دلچسپی ہے ، لوگ مریں یا تڑپیں، انہیں گولیاں لگیں یا وہ ڈاکوؤں کے ہاتھوں لوٹ مار کا شکار ہوں، انہیں پانی ، بجلی ، گیس ملیں یا نہ ملیں ان حکمرانوں اس بات سے کوئی غرض نہیں حد تو یہ ہے کہ ملک توڑے جانے کی

باتیں انکے اپنے حمایتیوں کی جانب سے بھی ہو تو تب بھی انہیں وہ اس طرح نظرانداز کر رہے ہیں جیسے وہ کسی اور ملک کی باتیں ہوں اور پاکستان سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں ہو۔ایسے سیاست دانوں سے اگر قوم نے اب بھی جان نہیں چھڑائی تو یہ سیاست دان ملک سمیت انہیں فروخت بھی کر سکتے ہیں۔

پاکستان کی محب وطنی سے پاک ان ظالم شخصیات کا ایجنڈا کسی طور پر بھی پاکستان اور پاکستانیوں کی سلامتی پر مبنی نہیں لگتا وہ تو بس عوام کو بے وقوف بنا کر ٹائم پاس کر رہے ہیں۔

لیکن اب وہ وقت آگیا ہے جب ہم کو ٹرینیں بند ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش نہیں بیٹھنا چاہیئے بلکہ ان کی مفاد پرستی کے پلیٹ فارم کو ہمیشہ کے لئے اکھاڑ پھینکنا چاہیئے اب بجلی اور گیس کی لوڈشیڈنگ کے جواب میں ان کے خلاف دھوکہ دہی کے مقدمات بنانے چاہیئے تاکہ آئندہ کوئی بھی قوم کے ساتھ کرائے کے بجلی گھروں کا کھیل ،کھیلنے کا تصور بھی نہ کر سکے،اور اب ان کے لیے اقتدار کے دروازے بند کرکے جیلوں کی راہ ہموار کر دینی چاہیئے تاکہ بے گناہ لوگ رہائی پا سکیں اور ملک ترقی کر سکے۔

ان حکمرانوں پر ڈینگی مچھر کا بھی اثر نہیں ہوتا اس ہونے والے جانی نقصانات

سے انہیں صرف بیان بازی تک دلچسپی ہے انہیں شائد اس مہلک بیماری کے ڈر کا بھی خدشہ نہیں ہے کیونکہ ایسا لگتا ہے کہ ان سیاست دانوں کا زہر اس ڈینگی مچھر کے زہر سے زیادہ خطرناک ہے۔

ملک کے عوام ان دنوں سڑکوں پر آ چکے ہیں، صرف ملک کے سب سے بڑے شہر ہی میں نہیں بلکہ ملک کے سب سے بڑے صوبے میں بھی لوگ بجلی کے حصول کے لئے ان دنوں سڑکوں پر ہیں لیکن حکمران اقتدار کے ایوانوں میں مست ہیں جبکہ دوسری طرف امریکہ اس اعتماد کے ساتھ پاکستان کو دھمکیوں پر دھمکیاں دیئے جا رہا ہے کہ پاکستان میں تو ان کی اپنی حمایت یافتہ حکومت موجود ہے ملک کے صدر آصف زرداری امریکہ کے مشکور ہیں اس لئے یہ ہی موقعہ ہے جب پاکستان کو مکمل قابو میں کیا جا سکتا ہے۔

مگر شائد امریکہ یہ بھول گیا ہے کہ پاکستان کی فوج وہ فوج ہے جس کی پالیسی کے باعث امریکہ کو ایک بار نہیں کئی بار جھکنا پڑا اور ایک بار پھر امریکہ کو جھکنا پڑے گا کیونکہ امریکہ کو پاکستان سے جو توقعات تھی وہ اب کبھی پوری نہیں ہوگی اور امریکہ کو پہلے کی طرح ایک بار پھر عالمی دہشت گردوں کی گرفتاری کے لیئے پاکستان کی عسکری قوت کے سامنے گھٹنے ٹیکنا پڑیں گے وہ وقت بس آنے کو ہے (انشاءاللہ) جب موجودہ حکومت کو سہارہ دینے والا" نہ رہے

گا بانس اور نہ بجے گی بانسری"۔

امریکہ اور ہماری بے شرم حکومتی جماعتیں

ہم یہ سمجھنے لگیں کہ امریکہ اپنی شرارتوں اور خباثتوں سے بعض آجائے گا تو یہ ہماری غلط فہمی ہوگی ۔دنیا پر حکمرانی کا نشہ یا دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچانے کی خواہش اسے ہمیشہ ہی سے اوچھی حرکتوں پر مجبور کئے رکھتی ہے جب سے حقیقی سپرپاور کی زمین پر امریکہ کا جنم ہوا اس وقت سے یہ اپنے مخالفین کے پیچھے پڑا ہوا ہے، یہ جتنا کمزور ہوتا جارہا ہے اس قدر اپنے آپ کو طاقتور ظاہر کرنے کے لئے بے تکی باتیں کررہاہے اور بے تکے الزامات لگارہاہے ، دنیا میں امن کے نام پراس کی دہشت پر مبنی مسلمان ہی نہیں بلکہ انسان دشمنی جیسی کاروائیاں بڑھتی جارہی ہیں،اس کی کوشش ہے کہ مسلم ممالک کو دباؤ میں رکھا جائے لیکن یہ اللہ کا عطا کردہ مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اور اسکے ماننے والوں کی تا قیامت حفاظت کرتا رہے گا جبکہ اس کے مخالفین دن بدن کمزور اور ذلیل و خوار ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ وہ اپنے کرتوتوں کے بدلے خطرناک انجام کو پہنچ جائیں گے اور اس انجام تک وہ راہ راست پر نہیں آسکیں گے کیونکہ اللہ نے ان کی آنکھوں پر پٹیاں اور دلوں پر مہر لگادی ہے،تاہم جو امریکی اللہ کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر چلنے لگیں گے وہ کامیاب ہوجائیں گے اور قیامت کے روز اللہ کے پسندیدہ لوگوں میں شامل ہونگے ، انشاءاللہ۔

امریکہ افغانستان میں پھنس جانے اور عراق میں مسلسل ناکامی کے بعد اپنے ظالمانہ دائرہ کو وسعت دیکر ایران اور پاکستان کی طرف نظریں جمائے ہوئے ہے حالانکہ اسے اس بات کا خاصہ ڈر ہے کہ پاکستان اور ایران سے جارحانہ رویہ خود امریکہ کے لئے تباہی و بربادی کا باعث بن سکتا ہے لیکن طاقت کے نشے میں جب کوئی بھی مست ہوجائے تو وہ خود ہی اپنی موت مرجاتا ہے اور اس کی مرحلہ وار موت کا آغاز ہوگیا ہے یہ تڑپ تڑپ کر ختم ہو جائے گا۔

امریکہ نے حال ہی میں پاکستان کو دباؤ میں لینے کے لئے حقانی نیٹ ورک کا شوشہ چھوڑا حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ حقانی، کون ہیں اور کس کی پیداوار ہیں، ماضی میں جو امریکہ کے اپنے تھے وہ آج اس کے لئے دشمن بن گئے ہیں تو اس میں پاکستان یا کسی اور اسلامی ملک کا قصور نہیں بلکہ خود امریکہ کا ظالمانہ رویہ ہے امریکہ بہت عرصے سے اپنے مفاد کے لئے مختلف گروہوں کو استعمال کرتا چلا آرہا اور مقصد ختم ہونے کے بعد خود ہی ایسے گروہوں کا مخالف بن جاتا ہے تاکہ کوئی اس کی کمزوری نہ پکڑ سکے اور اس کی چالوں کا راز فاش نہ ہو سکے۔

امریکی شہر نیویارک میں مقیم سینئر پاکستانی مندوب عبداللہ حسین ہارون نے

امریکہ اور امریکیوں کو یاد دلاتے ہوئے کہا کہ حقانی امریکہ کے سابق صدر ریگن کی پیداوار ہیں انھوں نے پاکستانیوں کا دفاع کرتے ہوئے یہ بھی یاد دلایا ہے کہ پاکستانی امن پسند ہیں اور ویتنام جنگ ختم کرانے کے لئے دروازہ کھولنے والا پہلا ملک پاکستان ہی تھا۔

عبداللہ حسین ہارون کی اس بات سے امریکہ کو یہ جان لینا چاہیے کہ پاکستان اپنی سرزمین کے تحفظ اور پاکستانیوں کی حفاظت کے لیئے نہ صرف پاکستان بلکہ دیگر کئی ممالک کے دروازے امریکہ کا اور امریکیوں کے لیئے بند بھی کرا سکتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ امریکہ نے پاکستان کی مفاد پرست سیاسی شخصیات سے ملکر ملک کے اندر بہت گڑ بڑ مچا رکھی ہے اور طالبان کے کئی گروپ کو بھی خود ہی نہ صرف جنم دیا بلکہ اسے پاکستان کو کمزور کرنے کے لیئے استعمال بھی کر رہا ہے۔ملک میں ان دنوں جس قدر امریکہ کی مداخلت کا سلسلہ چل رہا ہے اس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی اور اس کی بنیادی وجہ امریکی نواز موجودہ حکومت ہے،امریکہ کی چال یہ بھی ہے کہ کسی بھی طرح پاکستانی افواج کو بدنام کردیا جائے ملک کی خفیہ ایجنسی کا نام مٹادیا جائے تاکہ باقی گھناوئنے منصوبے پر عمل درآمد آسان ہوجائے،یہ بات سب ہی کو یاد ہوگی کہ آئی ایس آئی کو کنٹرول کرنے کا

ایشو سب سے پہلے موجودہ کرپٹ حکومت نے ہی اٹھایا تھا یقیناً یہ امریکہ کے اشارے کا ہی باعث تھا۔

امریکا کا بنیادی مقصد پاکستان کو اندورنی طور پر کمزور کر دینا ہے اور وہ اس کوشش میں برسوں سے کوشاں ہے، اس مقصد کے لئے امریکہ کی یہ ہی کوشش رہی ہے کہ پاکستان میں جمہوریت کو ختم کریا جائے لیکن جب اسے محسوس ہوا کہ غیر جمہوری حکومت اس کے لئے وہ فوائد نہیں پہنچا سکتی جو یہاں کی کرپٹ حکومت پہنچا سکتی ہے اس مقصد کے لیئے امریکہ نے طویل منصوبہ بندی کی اور ڈکلئیرڈ کرپٹ افراد پر مبنی حکومت کے قیام کو یقینی بنایا، پھر آصف زرداری نے صدر بننے کے بعد امریکہ کا شکریہ بھی ادا کیا کہ یہ سب ان ہی کی مرہون منت ممکن ہوا۔

زرداری حکومت کے قیام کے بعد ملک ییں جو کچھ، سیاسی، معاشی اور انتظامی طور پر ہو رہا ہے وہ صرف اور صرف امریکہ کی پشت پناہی اور اس کے دیئے گئے اسکرپٹ کے عین مطابق چل رہا ہے۔

معاشی بدحال سے تنگ عوام بجلی، گیس اور روزگار جیسی بنیادی سہولیات سے محروم ہو کر سڑکوں پر نکل آئی ہے لیکن حکومت سے جڑی ہوئی سیاسی جماعتیں بے

حسی اور بے غیرتی کا لبادہ اوڑھ کر اپنے مفادات کے حصول کے لیئے سرگرم ہے۔آصف زرداراور ان کی ٹیم کو یقین ہے کہ ان کی حکومت کو ختم کرنے کا جس قوت کے سربراہ سے ڈر تھا وہ بھی امریکہ کے ہاتھوں"   " ہوچکے ہیں اس لئے وہ کوئی دلیرانہ فیصلہ کرنے کے اہل ہی نہیں رہے جبکہ جمہوریت اور عوام کے حقوق کے نام پر جو سیاسی جماعتیں اس حکومت کو سپورٹ کررہی ہیں وہ بھی پہلے ہی امریکہ کی محبت میں" ہیجڑے" جیسی ہوگئی ہیں اس لیئے اس حکومت کا پانچ سال پورے ہوئے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

لیکن پانچ سال بعد یا اس سے قبل ہی محب وطن عنصر کیا کرے گا اس سے کم از کم پاکستانی قوم مکمل طور پر مطمئین ہے انہیں توقع ہے کہ آنے والا وقت پاکستان کا اپنا ہوگا،امریکہ نواز سیاست دانوں کا نہیں اور نہ ہی امریکہ کا نام لینے والا یہاں کوئی ہوگا۔

پیپلز پارٹی اقتدار کے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہے؟

پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن بے نظیر بھٹو کے 2007 میں قتل کے بعد اب لگتا ہے کہ ظالم قوتیں بے نظیر بھٹو کے بیٹے بلاول بھٹو کے پیچھے پڑ گئی ہیں ابتدائی طور پر وہ اپنے مخبر کے ذریعے یہ اطلاعات عام کر رہی ہیں کہ القائدہ اور طالبان نے بلاول بھٹو کے اغواء کا منصوبہ بنایا ہے بے نظیر بھٹو کے قتل سے قبل بے نظیر بھٹو کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ القائدہ یا طالبان کی طرف سے انکو قتل کرنے کی دھمکیاں مل رہی ہیں اس طرح کی خبریں اس وقت تک چلتی رہیں جب تک بے نظیر اپنی جان سے چلی نہ گئیں لیکن بعد میں کیا ہوا؟ صرف پیپلز پارٹی کے اقتدار کی راہ ہموار ہوئی اور آصف زرداری کے صدر بننے کے باوجود بے نظیر کے قاتلوں کو کچھ بھی پتہ نہیں چل سکا آصف زرداری اور ان کی ٹیم ملک اور قوم کے مفادات اور مسائل سے بے پرواہ ہو کر حکومت کرنے میں مست ہیں انہیں نہ بے نظیر کے قاتلوں کو انجام تک پہنچانے کی فکر ہے اور نہ ہی دہشت گردوں سے ملک کو پاک کرنے کا تجسس ہے۔

وفاقی وزیر داخلہ جس کی بنیادی ذمہ داری امن و امان کی صورتحال بہتر سے بہتر بنانا اور لوگوں کی جان و مال کا تحفظ کرنا ہے لیکن گذشتہ پونے چار

سال سے یہ صاحب جو ذمہ داری احسن طریقے سے نبھا رہے ہیں وہ متحدہ اور حکومت کے درمیان ایک ثالث کے کردار سے زیادہ نہیں لگتی، حالانکہ دنیا بھر میں وزیر داخلہ دہشت گردوں یا پھر حکومت مخالف تنظیموں کے درمیان معاملات طے کرانے کا کام اپنی ذمہ داریوں کے طور پر کرتا ہے تاکہ امن و امان رہے لیکن متحدہ نہ تو دہشت گرد جماعت ہے اور نہ ہی حکومت مخالف پھر بھی معمولی ناراضگی ہو تو وزیر داخلہ متحدہ کو منانے کے لئے ان کے درمیان پہنچ جاتے ہیں اس کام کے لئے وہ جتنے دورے لندن کے کرتے ہیں اس سے لوگوں شبہ ہوتا ہے کہ ملک صاحب وزیر داخلہ یا پیپلز پارٹی کے رہنماء نہیں بلکہ متحدہ کے پے رول پر ہیں اور احسن طریقے سے اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں ہاں البتہ اس کام سے فرصت مل جائے تو وہ لوگوں کو تسلیاں دینے اور بعض سیاسی شخصیات کو ڈرانے کا کام انجام دینے لگتے ہیں ان دنوں وہ جامعہ کراچی کی اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد بلاول بھٹو کے اغواء کئے جانے کے منصوبے کو افشاء کرتے ہوئے پھر رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ القاعدہ یا طالبان بلاول بھٹو کو اغواء کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ بلاول سے متعلق ان کی باتوں سے ایسا لگتا ہے کہ بلاول بھٹو کے اغواء کا منصوبہ بنانے والوں نے انہیں خود یہ اطلاع دی یا ان کے ساتھ ملکر منصوبہ بنایا؟

عام پاکستانی کی طرح میں بھی اسی بات پر خوش ہوں کہ ہمارے وزیر داخلہ کو

!معلوم تو چل گیا کہ عالمی دہشت گرد کیا پلاننگ کر رہے ہیں

میں تو کہتا ہوں کہ امریکہ کو چاہئے کہ عبدالرحمان ملک کی خدمات "کھل کر" صرف امریکہ کے لیئے حاصل کرلے تاکہ وہ پہلے ہی القائدہ یا طالبان کے مستقبل کے منصوبوں کے بارے بیں ملک صاحب کے ذریعے باخبر ہوکے ویسے بھی امریکہ کی اصل لڑائی تو صرف القائدہ یا طالبان ہی سے ہے باقی سب تو امریکہ کی مٹھی میں ہے، ویسے ملک صاحب کو بھی لوگ" امریکہ کا آدمی "کہتے ہیں۔

یہ بات میرے سمجھ سے باہر ہے کہ بلاول بھٹو سے متعلق اطلاعات کا ذکر کرتے وزیر داخلہ نے یہ ضروری وضاحت کیوں کی کہ ان کا کسی غیر ملکی ایجنسی یا بلیک واٹر سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ وضاحت کرتے ہوئے ملک صاحب نے یہ بھی پیشکش کی کہ اگر ان کا تعلق بلیک واٹر سے ثابت ہوجائے تو انہیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔

ملک کی موجودہ صورتحال میں کوئی بھی کسی بھی طرح ہنسی مذاق کرسکتا ہے، وزیر داخلہ تو وہ "شے" ہیں جن کے کچھ بولنے سے قبل ہی لوگوں کو ہنسی مذاق سوجھنے لگتا ہے اور بہت کو ہنسی آنے لگتی ہے، بعض افراد تو ان کا اور ان کے ایک دوست کا چہرہ ٹی وی پر دیکھنے کے ساتھ ہی ہنسنے لگتے ہیں۔۔۔۔ چلو کچھ اور

!نہیں تو کم از کم ہمارے حکمراں قوم کو ہنسنے کا موقع تو خوب فراہم کر رہے ہیں۔۔۔
وزیر داخلہ کا کہنا ہے کہ سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے صاحب زادے شہباز تاثیر کو اغواء کنندگان نے افغان بارڈر کے قریب علاقے میں رکھا ہوا ہے اور وہ زندہ ہیں۔کیا بات ہے ہمارے ملک کے وزیر داخلہ کی کہ وہ اطلاعات پوری رکھتے ہیں مگر ان اطلاعات پر مزید کیا کارروائی کرنا ہے شائد انہیں پتہ ہی نہیں۔۔۔؟
موجودہ حکومت جسے میں ہر لحاظ سے کرپٹ کہتا ہوں اس لیئے کہ اس حکومت نے جمہوری سسٹم کو ہی کرپٹ کردیا ہے اس حکومت کے " ساتھی بھائیوں " پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ انھوں نے تو اخلاقی اقدار کو بھی نہیں بخشا، جب وہ غراتے ہیں تو کہتے ہیں کہ
"کل سے حکومت کی تباہی کا آغاز ہوجائے گا "
ملک کو بچانے کے لئے کرپٹ حکمرانوں سے نجات دلانا ضروری ہے، فوج کے محب " وطن جرنیل اگر مارشل لاء طرز جیسی کارروائی کریں گے ہم ساتھ دیں گے

اور جب یہ پیار کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ " پیپلز پارٹی کے خلاف اندر سے سازش کی جارہی ہے اس سازش سے نمٹنے کے لئے ہماری ضرورت پڑی تو جان کی پرواہ کئے بغیر عہد وفا نبھائیں گے "۔

انقلاب کی باتیں کرنے والے یہ لوگ معصوم نوجوانوں کو اپنے آپ سے شرمندہ کرنے کے باوجود جھوٹ، منافقت اور مکاری پر ڈٹے ہوئے ہیں حالانکہ اب نوجوان انہیں خود اچھی طرح جان گئے ہیں۔

موجودہ حکومت کی ترجیحات تو سب ہی کو معلوم ہے ان دنوں وہ صرف اپنے پانچ سال پورے کرنے

کی فکر میں ہے اقتدار کے آخری دنوں کا مزا چائے کی آخری گھونٹ سے کم نہیں ہوتا وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کو اقتدار کے ان آخری دنوں کی طلب کے ساتھ جیل کے آخری ایام کی یادیں بھی پریشان کرتی ہونگی تب ہی تو وہ انتہائی جذباتی انداز میں یہ کہنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ اسمبلیاں نہیں ٹوٹیں گی ہم پانچ سال پورے کریں گے، مجھے بھی یہ ہی لگتا ہے کہ اسمبلیاں نہیں ٹوٹیں گی لیکن آئندہ پیپلز پارٹی کو اقتدار میں آنے کا موقع بھی آسانی سے نہیں ملے گا خود پیپلز پارٹی کے لیڈرز کو بھی اندازہ ہے کہ اس دور کے بعد انہیں اقتدار ملنا مشکل ہے، اگرچہ ذوالفقار مرزا کی شکل میں سندھ کارڈ محفوظ

رکھنے کی کوشش جاری ہے اور کراچی کے لیاری کی روایتی نشست کو بھی سنبھالنا ان کی مجبوری ہے اس وجہ سے ذوالفقار مرزا سے بہتر کوئی اور شخصیت فی الحال دستیاب بھی نہیں ہے یہ سچ ہے کہ کراچی میں امن قائم کرنے کے لئے ذوالفقار مرزا کی جدوجہد کو اہل کراچی قدر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور ہمیشہ دیکھتے رہیں گے۔

عمران خان قوم کی نئی امید۔۔۔۔لیکن؟

پاکستان تحریکِ انصاف کے لاہور میں ہونے والے جلسے کو منعقد ہوئے اگرچہ چند ایام گذر چکے ہیں لیکن اس کی بازگشت تاحال ملک کے تمام ہی شہروں میں سنائی دے رہی ہے ،کالم نویس اور بڑے بڑے دانشور بھی عمران خان کے اس شو کی تعریف کر رہے ہیں اور مجموعی طور پر سب کا خیال ہے کہ تحریکِ انصاف کے اس جلسے سے یہ بات واضع ہو گئی ہے کہ ملک کی سیاست میں جلد ہی تبدیلی آنے والی ہے، بعض نے یہ بھی کہا کہ عمران خان یہ بھی ثابت کرنے میں کسی طرح کامیاب ہو گئے ہیں کہ ان کی پارٹی ملک کی تیسری بڑی پارٹی اور وہ خود تیسرے بڑے سیاست دان کے طور پر سامنے آرہے ہیں۔

لاہور کے علامہ اقبال پارک میں مینارِ پاکستان کے سائے یں اب تک ہونے والے جلسوں میں اس جلسے کو گذشتہ نصف صدی کا سب سے بڑا جلسہ بھی قرار دیا جارہا ہے۔ اگر ہم اسے سچ مان لیں تو اس سے قبل قراداد پاکستان کی منظوری کے موقع پر ہونے والا اجتماع تاریخی طور پر سب سے بڑا تھا جس میں پاکستان کے قیام کی منظوری حاصل کی گئی تھی اور اب عمران خان نے اپنی پارٹی کے پہلے بڑے تاریخی جلسے میں ملک کے کرپٹ سیاست دانوں کو للکار کر اور انہیں اپنے اثاثے ظاہر کرنے کا مطالبہ کرکے پاکستان کو نئے اور کرپشن سے پاک

ایماندارانہ نظام کے حامل پاکستان کی نوید سنائی ہے۔ عمران کا یہ کہنا کہ تحریک انصاف اثاثے ظاہر نہ کرنے پر کرپٹ سیاست دانوں کا احتساب کریگی اور ضرورت پڑی تو ایسے سیاست دانوں کا گھیرا تنگ کرنے کے لئے سول نافرمانی کی تحریک بھی چلائی جائے گی۔ عمران خان کا یہ عزم خالصتاً پاکستان سے محبت اور پاکستان کے استحکام کے لئے محسوس ہوتا ہے۔

ماضی کے نامور کرکٹر کو اب لوگ دنیائے سیاست کے انقلابی سیاست دان کے طور پر دیکھ رہے ہیں لوگوں کو ان سے اسی طرح کے انقلابی اقدامات کی توقع ہے۔

اس طرح کی توقعات قوم کو ان سے کیوں ہے ؟ انہیں اور انکی تحریک کو موجودہ جمہوری دور میں اس قدر تیزی سے مقبولیت کیوں حاصل ہو رہی ہے یا ہوئی ہے ؟

25 نومبر 1952 لاہور کے سول انجینئر اکرام اللہ خان نیازی کے گھر پیدا ہونے والے عمران خان نیازی جو زمانہ طالبعلمی تک ایک عام سے شرمیلے نوجوان تھے، 1971 سے 1992 تک کرکٹ کے میدان میں چھکے چوکے لگانے اور وکٹیں گرانے میں مصروف رہے لیکن جب انہوں نے اپریل 1996 میں پاکستان تحریکِ انصاف کی بنیاد

رکھی تو لوگوں کی اکثریت نے ان کی حوصلہ افزائی کے بجائے حوصلہ شکنی کی وہ مختلف شہروں میں جا کر اپنی تحریک کا پیغام پہنچاتے بلکہ اپنے اپ کو ایک سیاست دان کی حیثیت سے متعارف کراتے ان ہی دنوں میری ان سے پہلی ملاقات کراچی کے فیریئر روڈ پر اردو بازار کے قریب موجود کراچی یونین آف جرنلسٹس کے دفتر میں ہوئی تھی اس وقت میں میں کے یو جے کا نائب صدر تھا، میں نے ان سے کہا خان صاحب آپ کے ارادے بہت نیک لگتے ہیں اور آپ کی باتیں بھی بہت اچھی ہیں لیکن ہمارے ملک کے سیاست دان جو کچھ کر رہے ہیں اس کے باعث اب کسی نئے سیاسی کھلاڑی پر لوگ اعتماد کرنے کے لیئے تیار نہیں ہیں اور آپ کے پاس تو کارکن بھی نہیں ہیں؟ عمران خان نے میری بات بہت تحمل سے سنی اور کہا "یہ بات درست ہے کہ لوگوں کو اب سیاست دانوں پر بھروسہ نہیں رہا، نئے سیاست دانوں پر لوگ اتنی آسانی سے اعتماد نہیں کریں گے لیکن مجھے امید ہے کہ لوگ بہت جلد میری سیاست کے مقصد اور تحریک انصاف کے منشور اور مقصد کی تعریف کرنے لگیں گے اور بہت جلد میں لوگوں کی توقعات پر پورا اتر جاؤں گا، بس آپ دیکھیئے موجودہ سیاست دانوں کا سحر عام لوگوں کے دل سے اتر جائے"۔

مجھے 30 اکتوبر کے جلسے کے وقت عمران خان کی یہ باتیں شدت سے یاد آ رہی ہیں، مجھے عمران میں وہ مستقل مزاجی نظر آئی جو آج کے سیاست دانوں اور سیاست میں ختم چکی ہے جس کے نتیجے میں وہ سیاست ہی ختم ہو کر رہ گئی جو صرف عوام کے

لئے اور عوام کے حقوق کے لئے کی جاتی تھی ،آج کے سیاست کے چمپیئن عوام کے حقوق کی تو بات کرتے ہیں لیکن ضرورت پڑنے پر عوام کے بجائے حکمرانوں کا ساتھ دیتے ہیں ۔

عمران خان کا جلسہ اس قدر کامیاب ہونے کی اصل وجہ لوگوں کی ان سیاست دانوں سے مایوسی اور بداعتمادی ہے جو مسلسل اقتدار میں عوام مسائل کے حل کے نام پر آتے ہیں لیکن عوام کے مسائل حل کرنا تو کجا ان کے مسائل میں مسلسل اضافہ کا باعث بن رہے ہیں، عمران خان کی مقبولیت میں تیزی سے ہونے والا اضافہ دراصل ہمارے موجودہ جمہوری اور غیر جمہوری دور کے حکومتی اور حکومتی ساتھیوں کی ناقص کارکردگی، بڑھتی ہوئی کرپشن اوراپنے اختیارات کے باعث شہریوں کی جانیں تک لینے کے درپے ہونے کا ردِ عمل ہے، یہ ساست دان عوام کو انکے حقوق دلانے کی باتیں اور عوام کے حقوق کے نام پر انقلاب کی باتیں تو کرتیں ہیں لیکن ان کے مسائل کے سدِباب سے زیادہ اپنے مفادات کے حصول کی جدوجہد میں مصروف نظر آتے ہیں، حکمرانوں کو کرپٹ کہہ کر کرپشن ختم کرنے کا مطالبہ اور کرپشن کے خاتمے کے لئے انقلاب کی باتیں کرنے والے یہ لوگ وقت آنے پر اسی کرپٹ حکومت کا تحفظ کرتے ہوئے نظر آئے۔ ایسی صورتحال میں عوام کو کسیموجودہ سیاسی شخصیات میں سے کسی حقیقی

رہنماء کی تلاش تھی جو نہ صرف عوام کے احساسات کو سمجھتا ہو بلکہ ان مسائل کو حل کرنے میں مستقل مزاج بھی ہو، جو اپنے منشور سے ہٹ کر بات نہ کرتا ہو اور جو بغیر کسی لالچ اور مفاد کے سیاست کرنا چاہتا ہے۔لوگوں کو ایسے میں عمران خان ہی نظر آیا جو ظالم قوتوں کے سامنے ڈٹ کر ان کا مقابلہ بھی کرنا جانتا ہے۔

پوری قوم کو عمران خان کے روپ یں اب ان کا حقیقی رہنماء نظر آرہا ہے۔ تحریک انصاف جس طرح حکومت اور حکومتی ساتھیوں کے عوام دشمن رویئے کے باعث تیزی سے ان کی جگہوں پر بڑھتی ہوئی نظر آرہی ہے اسی طرح خود ان سیاست دانوں کو بھی جو بہت عرصے سے لوگوں خصوصا نوجوانوں کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے تھے اپنی صفیں سمٹتی اور سکڑتی ہوئی نظر آنے لگی ہیں۔

عمران خان نے کامیاب جلسہ کروا کر نہ صرف ملکی بلکہ غیر ملکی قوتوں کو بھی یہ پیغام دیا ہے کہ اب عوام جاگ چکی ہے اور کسی دہشت گردی یا کسی کرپشن کے نام پر اب وہ ان کی مزید محتاج نہیں رہے گی اور نہ ہی کسی سے ڈرے گی۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر عمران خان اپنی جد جہد کو مزید تیز کرنے اور ملک کو جلد سے جلد عوام کو بے وقوف بنانے والے سیاست دانوں سے چھٹکارہ دلانے کے

لئے ملک کی ایسی سیاسی و مذہبی جماعتوں اور سیاسی، مذہبی اور سماجی شخصیات کو اپنے ساتھ شامل کرلیں یا ان سے اتحاد کرلیں تو کم از کم مجھے یہ یقین ہے کہ ملک سالوں میں نہیں بلکہ دنوں میں ترقی کی طرف گامزن ہونے لگے گا۔

لیکن مجھے ڈر ان ظالم قوتوں سے جو طویل عرصے سے پاکستان کی محب وطن شخصیات کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں جو اپنے مفادات کے لیئے پاک وطن میں موجود اپنے ایجنٹوں کے ذریئے کچھ بھی کرا سکتی ہے۔اللہ عمران خان کی حفاظت کرے اور انہیں ہمیشہ صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے آمین۔

مجھے اللہ تعالیٰ سے یقین ہے کہ عمران خان اور ان کی جماعت ضرور کامیابیوں کی بلندیوں کو چھوئے گی اگر وہ ملک اور قوم کے لیئے مکمل ایمانداری سے جدو جہد کرتے رہیں گے یہ ہی نہیں بلکہ وہ تمام جماعتیں جو اللہ سے ڈرتی ہوئی عوام کی خدمت کرینگی اللہ انہیں، ضرور کامیاب کرے گا، یہ ہر پاکستانی کی خواہش ہی نہیں دعا بھی ہے۔پوری قوم کو آنے والے پاکستان کے بہترین دنوں کا انتظار ہے قوم اپنی خواہش کا اظہار لاہور کے جلسے میں شرکت کرکے کرچکی ہے بس اس خواہش کی تکمیل ہونا باقی ہے۔

صاف سچ "بولنے والے حکمران"

عیدالاضحیٰ کے خیریت کے ساتھ گزرنے کے بعد میرا موڈ الحمداللہ بہت اچھا ہے اور میرا دل طنز ومزاح سے بھرپور کالم لکھنے کو مچل رہا ہے تاکہ لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ اور منہ میں سیخ کباب کا مزا بدستور رہے ویسے اس بار کم از کم کراچی میں کھالوں کی روایتی چھینا جھپٹی بھی دیکھنے میں نہیں آئی جس کی وجہ سے بھی شہریوں کے چہرے کچھ زیادہ ہی کھلے ہوئے ہیں لیکن بعض حساس باشندے عید کے دنوں میں قربانی کی کھالیں ہاتھ میں لیئے حیران وپریشان بھی نظر آئے ان کی نظریں یہ سوال کررہی تھیں کہ " بھائی یہ کھال کس کو دینی ہے ؟کیا واقعی یہ کھال اپنی مرضی سے کسی کو بھی دیدیں؟ سچ بتاؤ یار یہ کوئی بھیانک مذاق تو نہیں ہے ؟"۔۔۔۔۔۔ہم سے تو جس نے بھی یہ سوال کیا ہم نے یہ ہی جواب دیا کہ بھائی یہ تاریخی دن آگئے ہیں اب ہم کم از کم قربانی کے جانوروں کی کھالوں کے بارے میں تو اپنی مرضی کا فیصلہ کر سکتے ہیں مگر محتاط افراد یہ ہی کہتے رہے کہ " کہیں مروامت دینا انور بھائی" کیونکہ سارے "بھائیوں" کو معلوم ہے کہ ہم نے مہنگائی کے باوجود جانور خریدنے کی جرات کی ہے۔ ویسے لوگوں کو ہنسنے ہنسانے اور مسکرانے کا جتنا موقع موجودہ جمہوری دور

میں مل رہا ہے میرا خیال ہے کہ ماضی کے سیاست دان اس صلاحیت کا اظہار کرنے میں گذشتہ 60 سالوں میں ناکام رہے، اس سے قبل جو بھی حکومت آئی وہ اس طرح نہ ہنساتی تھیں اور نہ ہی لوگوں کو مسکرانے اور مذاق کرنے کا موقعہ دیتی تھی۔۔۔بے چاری ماضی کی حکومتیں۔۔۔۔اب یہ بات بھی تو واضح ہے کہ ماضی میں سیاسی اداکار نہیں تھے سب سے بڑھ کر ان کو پہچاننے والوں کی بھی کمی تھی۔

موجودہ دور میں عوام کے لئے حکمران رات رات بھر "مذاق رات" کرتے ہیں اور بعد میں بتایا جاتا ہے کہ مذاکرات بغیر کسی نتیجے کے ختم ہوگئے۔

لیکن اب تو پوری قوم کو سیاست دانوں کی وجہ سے مزاحیہ فنکاروں کی کمی کا احساس ہی نہیں ہوتا، چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ کسی معاملے تو ہم خود کفیل ہوئے۔

ہمارے سیاست دان خصوصا حکومتی شخصیات قوم کو ہنسنے اور ہنسانے کا جو تاریخی موقع فراہم کر رہے ہیں اس پر دل چاہتا ہے کہ ان کے منہ کو چوم لیں۔۔۔۔لیکن اپنے منہ سے نہیں بلکہ کسی بھاری چیز سے۔

موجودہ حکومت کے بارے میں یہ تاثر ہے کہ اس کو اب مزید نہیں چلنا چاہئے بلکہ انہیں چلنا چاہئے جو ماضی میں چلا کرتی تھیں مثلاً ٹرینوں کو اور جن

کو اترنا ہے انہیں اڑنے دینا چاہئے مگر ہمارے ملک میں ہوائی جہازوں کے بجائے حکمران اتر رہے ہیں آپ کو یقین نہیں آئے تو ان کی باتیں سن لیں اور ان کی گاڑیوں کو دیکھ لیں۔

بہر حال حکومت چلتی رہے گی اور اپنی مدت کے باقی دن پورے کرے گی یہ میں نہیں کہہ رہا بلکہ آصف زرداری کہتے ہیں ان کا مزید کہنا یہ ہے کہ الیکشن وقت پر ہونگے نہ تو ایک دن پہلے ہونگے اور نہ ہی ایک دن بعد ہونگے ، صدر زرداری کی اس بات سے ہم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ آئندہ حکومت وقت کی پابندی کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔

کاش ایسا ہی ہو جائے مجھے وقت کی پابندی پر ایک بات یاد آگئی پچھلے دنوں ایک اسکول میں جھوٹ کے موضوع پر تقاریر کا مقابلہ ہو رہا تھا اس مقابلے کے دوران ایک بچے نے معصومیت سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے حکمران اپنی سچائی کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہو رہے ہیں یہ جملہ سنتے ہی پورا جلسہ گاہ قہقہوں سے گونج اٹھا بچہ گھبرا گیا اس نے رک کر کہا نہیں ہمارے سیاست دان اور حکمران جھوٹ سے واقف ہی نہیں ہے، شرکاہ میں سے کسی نے مقرر بچے سے کہا آپ نے بالکل ٹھیک کہا اب قوم کو سچ سننے کی عادت ہی نہیں رہی تو اس میں سیاست دانوں کیا قصور ہے۔

سچ کیا ہے اس کا فیصلہ کون کرے گا، وفاقی وزیر داخلہ عبدالرحمان ملک صاحب تو ایسا کچھ بولتے ہیں کہ غیر ملکی بھی حیران ہوجاتے ہیں، ابھی چند روز قبل انہوں نے لندن کے کمشنر کی اس بات کو ہی جھٹلادیا کہ کراچی سے دو افراد کو عمران فاروق قتل کیس میں گرفتار کیا گیا ہے انہوں نے واضح انداز میں کہا کہ نہیں کراچی سے کوئی گرفتاری عمران فاررق قتل کیس میں نہیں کی گئی جبکہ اسی حوالے سندھ کے وزیر داخلہ منظور وسان نے کہا تھا کہ مجھے علم نہیں یہ معاملہ وفاقی حکومت کا ہے وہ ہی اس بارے میں کچھ بتا سکتی ہے۔ اب دونوں شخصیات میں سے کون سچے ہیں اور لندن والوں کو اس معاملے میں جھوٹ بولنے ضرورت کیوں پڑھ گئی ؟اس بات پر آپ خود فیصلہ کریں۔۔۔۔۔۔۔۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہم لوگ کتنے سچے ہیں اور سچ سننے کے عادی ہیں!

مجھے یقین ہے کہ اگر سچ کی طرح جھوٹ بولنے والی حکومتوں کا دنیا میں کہیں مقابلہ ہو تو ہماری موجود حکومت سے وابستہ شخصیات ہر کٹیگری میں اول پوزیشن حاصل کریں گے وزیر داخلہ ملک صاحب اور ان کے دوست تو ممکن ہے خصوصی ایوارڈ کے مستحق قرار پائیں کہ مشکلات کے باوجود وہ ایسا سچ بولتے ہیں کہ انہیں خود شائد اپنے اوپر حیرت ہوتی ہو۔۔۔۔۔۔جب وفاقی وزیر داخلہ اتنا سچا انسان

ہو تو پھر قوم کو اور کچھ سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔؟

اسمبلیوں کے ٹوٹنے کا وقت آگیا؟

متعدد لوگوں کی طرح مجھے بھی اللہ کی ذات سے پورا یقین ہے کہ پاکستان کے اچھے دن بس شروع ہونے والے ہیں، پیپلز پارٹی کی حکومت کے بارے میں ان کے اپنے لوگوں کی بڑھتی ہوئی مخالفت کے باعث اس کی بے چینی ، متحدہ قومی موومنٹ کی بوکھلاہٹ ، ان کی صفحوں ہیں تشویش اوران کے کارکنوں میں پائی جانے والی غیر یقینی کی کیفیت، عمران خان اور تحریکِ انصاف کی اچانک غیر معمولی مقبولیت اور سب سے بڑ کر عسکری قیادت کی سرگرمیاں اس بات کی نوید سنا رہی ہے کہ ملک کے برے دن ختم ہونے والے ہیں۔

اگرچہ امیر جماعت اسلامی پاکستان منور حسن نے کہا ہے کہ وسط مدتی انتخابات کا وقت گزر چکا اوراب کل مدتی انتخابات کا انعقاد بھی مشکوک ہے جبکہ چند روز قبل بلاول ہاؤس کراچی میں اپنی پارٹی کے سینئر کارکنوں اورارا کین اسمبلی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ انتخابات وقت مقررہ پر ہی ہونگے نہ ایک دن پہلے اور نہ ایک دن بعد ہونگے۔

لاہور میں 30 اکتوبر کو ہونے والے تحریکِ انصاف کے جلسے کے بعد پیپلز پارٹی

کو اس وقت شدید دھچکا لگا جب سابق وفاقی وزیر خارجہ اور پیپلز پارٹی کے دیرینہ لیڈر مخدوم شاہ محمود قریشی نے پیپلز پارٹی سے علیحدگی اور تحریکِ انصاف یا مسلم لیگ نواز میں شامل ہونے کا اشارہ دیا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت سے قوم کو ایک دو دن نہیں بلکہ ساڑھے تین سال سے زائد عرصے میں مایوسی ہوئی لوگوں کو اگرچہ اس حکومت سے آصف زرداری کے صدر بننے کے بعد سے کوئی خاص توقعات بھی نہیں تھی لیکن اس قدر مہنگائی، بیروزگاری، امن و امان کی خراب صورتحال اور سیلابی کرپشن کی صورتحال نے انہیں بے انتہا مایوس کیا جس کے نتیجے میں لوگ نئی قیادت کی طرف دیکھنے لگے اور قیادت کی تبدیلی کی امنگ اس قدر بڑی کہ کل کے کرکٹر عمران خان سے وہ توقعات لگا بیٹھے جو کسی انقلابی لیڈر سے ہوتی ہے، پھر لاہور میں ہونے والے تحریکِ انصاف کے جلسے میں بڑی تعداد میں شرکت کرکے لوگوں نے عمران خان سے محبت سے زیادہ موجودہ حکمرانوں سے نفرت اور مایوسی کا واضح اظہار کیا۔

یہ ہی حقیقت ہے کہ یہ جلسہ حکمرانوں کے اقدامات کے خلاف لوگوں میں پائے جانے والے غصے کا ردِ عمل ہی تھا لوگوں نے جمہوری انداز میں ہر قوت کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ اب تبدیلی چاہتے ہیں۔

اگر ہم یہاں امیر جماعت اسلامی کے خدشات کی بات کریں تو اس کے امکانات بھی

ہیں کیونکہ ماضی میں آصف زرداری نے جو بات زور دیکر کی وہ بات پوری نہیں کی،ان کا یہ کہنا کہ انتخابات شیڈول سے ایک دن پہلے نہ ہی ایک بات ہونگے لیکن جو قوت ان کی اس حکومت کو عوام کی شدید مخالفت کے باوجود سہارہ دیتی رہی بلکہ غیر معمولی طور پر سپورٹ کرتی رہی اس اہم ترین عنصر کو بھی بدنام کرنے کے لئے آصف زرداری اور ان کی ٹیم سرگرم نظر آئی تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جمہوریت کے نام پر اس حکومت کو مزید برداشت کیا جائے گا؟ مجھے آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کی دو دن کے دوران آصف زرداری اور وزیر اعظم گیلانی سے دو ملاقاتوں سے بھی اس بات کا اندازہ ہورہا ہے کہ آرمی چیف اس بات سے شدید ناراض ہیں کہ حکومت کی امریکہ میں مقرر کردہ شخصیت نے مبینہ طور پر اپنی حکومت کے تحفظ کے لئے ملک کے اہم ترین ادارے کو بلاوجہ گھسیٹنے کی کوشش کی اور اس کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔

حالانکہ چند ماہ قبل وزیر اعظم یوسف گیلانی یہ بھی انکشاف کر چکے ہیں کہ پہلی بار اسٹیبلشمنٹ اور موجود حکومت کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہے۔

ملک میں جو حالات ہیں جن میں خاص طور پاکستان نژاد تاجر و صحافی منصور اعجاز اور پاکستان میں امریکی سفیر حسین حقانی سے جڑے معاملات ، ذوالفقار مرزا کے ملک کے خلاف کی جانے والی سازشوں کے انکشافات ، ملک میں بڑھتی ہوئی

کرپشن اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کے باعث مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آئندہ چند روز میں صدر اسمبلیاں توڑنے پر " مجبور" ہو جائیں گے اور اسمبلیاں توڑ کر نئے انتخابات کی تاریخ اور عبوری حکومت کے قیام کا اعلان از خود صدر آصف زرداری کرینگے۔

ایسا اس لئے نہیں ہوگا کہ فوج اور حکومت کے درمیان ہم آہنگی ہے بلکہ اس لئے ہوگا کہ عسکری قیادت ہر گز جمہوری نظام کو ختم کرنے کا الزام اپنے سر نہیں لینا چاہتی اور نہ چاہے گی۔

بہرحال اسی طرح پاکستان کے اچھے دنوں کی شروعات ہو جائے گی۔

زرداری صاحب اب اقتدار سے چمٹے رہنا سہی نہیں

مہمند ایجنسی میں پاک فوج کی چیک پوسٹوں پر نیٹو کے حملے کے حوالے سے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ یہ حملہ پاکستان ،پاکستانی قوم ،حکومت اور عسکری طاقت کو چیک کرنے کے لئے کیا گیا ہے ۔امریکہ پاکستان کو کمزور سے کمزور تر کرنے کے لئے اس طرح کی کارروائیاں برسوں سے کر رہا ہے جبکہ ہم سب برسوں سے معمولی احتجاج کرنے کے بعد کسی نئے واقعے کی نظر ہو جاتے ہیں بلکہ ایک منصوبے کے تحت قوم کو نئے معاملات، حادثات اور حالات کی نظر کر دیا جاتا ہے نہ ہم سمجھ پا رہے ہیں اور نہ ہی امریکہ اور اس کی اپنی عالمی قوتیں پاک وطن کے خلاف سازشوں سے بعض آ رہی ہیں۔ امریکہ پاکستان کے خلاف دوستی کی آڑ میں جو دشمنی کر رہا ہے اس کا اظہار متعدد مرتبہ ہو چکا ہے لیکن اب شائد امریکہ نے کھل کر پاکستان سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے نیٹو کا پاک فوج پر حملہ اسی بات کا اشارہ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ لیکن ہمارے حکمران آج بھی مصلحتوں کا شکار ہیں ان کی سوچیں اقتدار کے استحکام سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی ہیں جس طرح مرد کی کمزوری ایک عورت ہوتی ہے اسی طرح ہمارے ملک کے سیاست دانوں اور جرنیلوں کی کمزوری حکومت یا اقتدار ہے۔ اقتدار سے چمٹے ان نام نہاد وطن پرستوں نے

اپنے مفادات کے لئے ہمیشہ ملک کو ہی نقصان سے دوچار کیا اور قوم کو بیوقوف بنایا۔
نئے نعروں اور وعدوں کے ساتھ اقتدار میں آکر یہ لوگ سب سے پہلے ان ہی نعروں اور وعدوں کا گلا گھونٹتے ہیں۔
پرویز مشرف سے جب قوم تنگ آنے لگی تو انہوں نے امریکہ کے مفاد میں پوری قوم سے اس دھمکی کا ذکر کرکے جو ایک امریکی رچرڈ ہالبروک نے ان کے کان میں دی تھی پاکستان میں امریکی فوجوں کو داخل ہونے اور اپنی مرضی سے جو چاہے وہ کرنے کی اجازت دیدی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امریکا اب پاکستان کے لئے بھارت سے زیادہ خطرناک نظر آنے لگا ہے۔
لیکن یہ سب تیزی سے نہیں بہت آہستہ آہستہ اور منصوبہ بندی کے ساتھ کیا جارہا ہے امریکہ ہمارے لالچی حکمرانوں سے اپنے مفادات کا حصول اس وقت تیز کردیتا ہے جب اسے یقین ہوجاتا ہے کہ قوم اب حکومت سے مایوس ہورہی ہے اور تبدیلی کی خواہشمند ہے۔ پرویز مشرف کے ساتھ بھی امریکہ نے ایسا ہی کیا اور ان کے اقتدار کے آخری ایام میں انہیں صدر کی حیثیت سے بدستور دیکھنے کا جھانسہ دیکر جو ممکن ہوا وہ ان سے حاصل کرگیا اور پھر ان کی طرف بڑنے والی

نفرت پر پاکستان کا اندرونی معاملا کہہ کر ان سے منہ موڑ لیا۔ (حالانکہ 2008 کے الیکشن جس میں پیپلز پارٹی بھاری نشستیں لیکر کامیاب ہوئی کے بعد بھی امریکہ پرویز مشرف کو اقتدار رہنے کا دلاسا دیتا رہا امریکی سینیٹر شیلا لی جیکسن نے خود اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے واشنگٹن میں ہونے والے اجلاس کو بتایا تھا کہ ان کی صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف سے بات ہوئی ہے اور وہ پیپلز پارٹی کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہیں بس ہم کو (نواز شریف پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے

پرویز مشرف کو جانا تھا وہ چلے گئے لیکن اپنے ساتھ رسوائی لیکر گئے۔ پرویز مشرف کی رخصتی کے ساتھ ہی امریکہ کو ایک ایسے وفادار کی بھی تلاش تھی جو پاکستان سے زیادہ خالصتا امریکہ کا وفادار ہو تاکہ پرویز مشرف کے رخصت ہونے کے بعد امریکہ کا "مفاداتی پروگرام" وقتی طور پر بھی متاثر نہ ہوسکے، سو وہ پرویز مشرف کی رخصتی سے قبل ہی آصف زرداری کے روپ میں انہیں مل گیا یہ محض اتفاق نہیں ہے بلکہ ایک سازش ہی تو تھی کہ بے نظیر کا سر عام 27 دسمبر 2007 کو قتل ہوگیا اور ملک کے لوگوں کی خواہشات کے برعکس ایک ایسی جمہوریت آئی جو اپنے ابتدائی دنوں ہی سے مشکوک رہی بے نظیر اگر زندہ رہتی تو ایسی حکومت نہیں آتی کہ جس صدر اپنی پارٹی کا بھی سربراہ انسان سے زیادہ Abnormal ہوتا بلکہ بے نظیر کی زندگی میں تو آصف زرداری ایک کچھ بھی نہیں تھے یقین

نہ آئے تو اس وقت عدالتوں میں پیش کئے جانے والے ان کے دستاویزات دیکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن وہ امریکہ کی نظر میں اہم ترین تھے امریکہ نے کھل کر ان کی سپورٹ کی اور خود آصف زرداری اقتدار کے اعلیٰ ترین منصب پر بیٹھنے کی لالچ میں اپنی مقتولہ بیوی کے قاتلوں کی گرفتاری تو کجا ان کے قتل کا مقدمہ تک درج کرانا بھول گئے تھے۔

پیپلز پارٹی کی حکومت اور آصف زرداری کے صدر بننے میں امریکہ کا کتنا کردار تھا اس کا اندازہ تو آصف زرداری کی طرف سے امریکہ کو شکریہ کا فون اور پیغام بھیجنے سے ہی کیا جا سکتا ہے (اس معاملے کو وکی لیک افشا کر چکی ہے)۔

پھر ملک میں کیا نہیں ہوا امریکہ کی خفیہ ایجنسی بلیک واٹر کے آنے کی اطلاع اور پھر لاہور میں ریمنڈ ڈیویس کی سرعام دو نوجوانوں کو قتل کرنے کے الزام میں رنگے ہاتھوں گرفتاری اور اس کی حکومت کے اشارے اور قانونی مدد کے عوض باعزت رہائی۔

مجھے یہاں ریمنڈ کی رہائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے بلکہ اس کی گرفتاری کا ذکر میرے لئے زیادہ اہم ہے میں تو امریکہ کی چال کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ اس نے ریمنڈ ڈیویس کو آخر کس مقصد کے لئے یہاں بھیجا تھا؟ یہ معاملہ ہمیشہ

کے لئے فائلوں میں دفن کردیا گیا۔

کیا اس طرح کی مثال کسی اور ملک میں ممکن ہے کہ کوئی غیر ملکی قتل کے الزام میں گرفتار ہوجائے اور مزے سے رہائی پا کر اپنے ملک واپس بھی چلا جائے؟

ساتھ ساتھ امریکہ کی جانب سے ڈرون حملوں میں شدت آنا اور جارحانہ کارروائیوں میں اضافہ ہونا ملک کو کمزور کرنے کی سازش نہیں تو اور کیا ہے؟

پیپلز پارٹی کی حکومت کے ساتھ امریکہ وہ ہی کچھ کررہا ہے جو اس نے پرویز مشرف کے ساتھ کیا تھا امریکی حکام اور پالیسی سازوں کو یقین ہوگیا ہے کہ قوم اب پیپلز پارٹی کی حکومت سے ہی نہیں بلکہ جمہوریت سے ہی مایوس ہو گئی ہے تب ہی امریکہ نے ملک اور عسکری قوت کی بدنامی کے لئے اپنے لے پالک پاکستانی منصور اعجاز اور حسین حقانی کے میمو کا اسکینڈل چلایا اور لیکن اس معاملے میں توقع کے خلاف پاکستان کی عسکری قیادت کے ردِ عمل کو دیکھتے ہوئے اس نے مہمند ایجنسی میں وہ ہی کیا جو انگریز اپنی کالونیوں کے ساتھ کیا کرتے تھے کہ انہیں مزید ڈرایا اور سبق سکھایا جائے۔

پوری قوم امریکہ کی مہمند ایجنسی پر حملے کے لئے احتجاج کررہی ہے لیکن آصف

زرداری کو ان کی جمہوری حکومت کے خلاف ہونے سازش نے پریشان کیا ہوا ہے۔ ظاہر ہے امریکی کارروائیوں سے ان پر کیا اثر ہوگا امریکہ نے کوئی ان کی ذات پر تو حملہ کیا نہیں یا ان کے مفادات پر تو ضرب نہیں لگائی کہ وہ احتجاج کریں انہیں تو بس ان کے اقتدار کی فکر ہے؟

صدر آصف زرداری نے ملک کے ایسے حالات میں جب غیر ملکی فوجیں ملک پر حملے کررہی ہیں اور ملک سازشوں کا شکار ہے یہ بیان دیکر کہ غیر جمہوری قوتیں ایک بار پھر ہماری جمہوری حکومت کے خلاف سازش کررہی ہیں یہ ثابت کردیا کہ ان کو ملک کی سلامتی سے زیادہ ان کی حکومت کی سلامتی زیادہ عزیز ہے۔

پیپلز پارٹی والوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر ان حالات میں بھی وہ اپنے اقتدار کی لالچ میں رہیں گے تو وہ ملک کے ساتھ اچھا نہیں کریں گے اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ آصف زرداری از خود اپنی حکومت کے خاتمے اور اسمبلیاں توڑنے کا "نیک کام" انجام دیدیں اور اپنے آپ کو اور ملک کو قوم کے حوالے کردیں اسی میں ملک، قوم اور ان کی اپنی بھلائی ہوگی ویسے حیرت ہے اس بات پر کہ اس قدر برے حالات کے باوجود حق پرستوں کی جانب سے مارشل لاء طرز جیسے اقدامات کے مطالبے کی آواز نہیں آرہی حیرت تو ان سیاسی جماعتوں پر بھی ہیں جو اب بھی اس حکومت کا ساتھ دے رہے ہیں جس نے عوام کو تو کچھ نہیں دیا اب

ملک کی عزت اور وقار کا بھی خیال نہیں رکھ رہی۔

سوال یہ بھی ہے کہ جو کچھ ہماری حکومتیں، سیاسی پارٹیاں اور اسٹیبلشمنٹ کر رہی ہیں،اس سے قوم کو کیا حاصل ہو رہا ہے؟اور ملک کہاں جارہا ہے؟

64 سالوں میں اگر قوم کو کچھ ملا ہے تو نئے اور دلچسپ ایشوز لیکن ملک کے حصے میں صرف بدنامی آئی؟

تحریک انصاف کی مقبولیت اور پیپلز پارٹی کی جگ ہنسائی

بات کرتے ہیں بے نظیر بھٹو کی چوتھی برسی کے موقعہ پر نوڈیرو لاڑکانہ میں ہونے والے پیپلز پارٹی کے جلسے عام اور 25 دسمبر کو کراچی میں ہونے والے تحریک انصاف کے پہلے بڑے جلسے کی، جس کی کامیابی کی مبارکباد متحدہ کے قائد الطاف حسین نے بھی دی جبکہ اس کی کامیابی سے ملک کی بڑی جماعتوں خصوصا پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نواز میں بے چینی اور توڑ پھوڑ کا آغاز بھی ہوگیا۔

لیکن ملک کے حالات دیکھ کر میرے ذہن میں سوال ابھر رہا ہے کہ " چور اگر سپاہی بن جائے تو کیا مدعی خاموش ہو کر چپ چاپ تماشہ دیکھتا رہے گا؟اس سوال کا جواب ہم پڑھنے والوں پر چھوڑتے ہیں کیونکہ حکمران تو ابھی مصروف ہیں اپنے مفاداتی معاملات کو سلجھانے میں۔

صدر آصف علی زرداری نے اپنی اہلیہ کی چوتھی برسی پر اپنے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "ہماری سیاست موروثی سیاست نہیں ہے" پھر انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ" سیاسی دوستوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ بی بی کا قرضہ آصفہ اتارے گی"۔ میرے سمجھ میں نہیں آرہا کہ زرداری صاحب بے نظیر کے کس قرض کی بات

کر رہے تھے ؟یقینا وہ کوئی سیاسی یا حکومتی قرض کی بات نہیں کر رہے ہونگے بلکہ ان کااشارہ بے نظیر کے کسی ذاتی قرض کی طرف ہوگا، وہ سیاسی قرض کی بات کس طرح آصفہ کی طرف بڑھا سکتے ہیں کیونکہ ان کی سیاست تو موروثی نہیں ہے! بہر حال حکومت نے ملک اور قوم کے ساتھ گزشتہ چار سال سے جو رویہ اختیار کیا ہوا ہے وہ عام طور پر اپنی وراثتی جاگیر کے ساتھ ہی ہوتا ہے ،جب چاہا ملک سے باہر چلے گئے اور جب چاہا ملک کے کسی بھی ادارے کو نقصان پہنچادیا اور اپنا من مانا فیصلہ سونپ دیا، جو چاہے قدم اٹھالیااور پھر بغیر کسی شرمندگی کے واپس لے لیا، سچ تو یہ ہے کہ حکمرانوں نے ملک کے ادارے اور پوری قوم کواپنی جاگیر سمجھ لیا ہے۔

وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی ایک سال قبل تک کہا کرتے تھے کہ فوج اور حکومت میں مکمل ہم آہنگی ہے جبکہ چند روز قبل انتہائی جذباتی انداز میں کہا کہ ایک بار پھر جمہوری حکومت کے خلاف سازشیں کی جارہی ہیں۔ قوم یہ سوچنے پر حق بجانب ہے کہ کیا ایسی ہوتیں ہیں حکومتیں ، کیا یہ ہی ہوتی ہے جمہوریت جس میں نہ قوم کی فکر نہ قومی اور اہم اداروں کی پرواہ ، بس اپنی من مانی کی جائے اور ساری ذمہ داری پارلیمنٹ پر ڈال دی جائے۔

پاکستان تحریک انصاف نے 25 دسمبر کو کراچی میں کامیاب جلسہ کا انعقاد کرکے

سیاست کے میدان میں جو ہلچل مچائی اس کی بازگشت ملک کے ہر حصے میں ہے،اس سے قبل لاہور اور پھر قصور میں تحریک انصاف نے کامیاب جلسوں کا انعقاد کرکے سیاسی جماعتوں کی صفحوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا شاہ محمود قریشی، جہانگیر ترین، مخدوم جاوید ہاشمی اور اب سردار آصف کی تحریک انصاف میں شمولیت سے جہاں پیپلز پارٹی اور نواز شریف کو تاریخی نقصان کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہیں پر اس تیزی سے پرانے سیاسی کھلاڑیوں کے عمران خان کی قیادت کو تسلیم کرنے اور ان کی پارٹی کا حصہ بننے پر بعض دانشور اور سیاسی ذہن رکھنے والے لوگ یہ ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ تحریک انصاف کی اچانک مہینوں اور سالوں کے بجائے دنوں میں تیزی سے مقبولیت کے اس نئے کھیل میں اسٹیبلشمنٹ کا ہاتھ نہیں ہے۔اس طرح اپنی سرگرمیوں کے تیز کرنے کے ساتھ ہی عمران خان اور تحریک انصاف پر اسٹیبلشمنٹ کی سپورٹ کے الزامات تحریک انصاف کے لئے کسی بدشگونی اور بدنامی سے کم نہیں ہیں اس کے لئے عمران خان کو آنے والے دنوں میں اس تاثر کو ختم کرنے کے لئے اپنی حکمت عملی تبدیل کرنا اور اپنی جدوجہد کو نئے طریقے سے چلانا ہوگی۔

عمران خان واضع طور پر اور ایک سے زائد بار یہ کہہ چکے ہیں کہ ان کی پارٹی میں صرف اس کے لئے جگہ ہے جو اپنے اثاثے ظاہر کرے گا، کراچی کے جلسے میں انہوں نے اس جملے کو معمولی سی ترمیم کے بعد کچھ اس طرح کہا کہ "ہم کسی

ایسے شخص کو ٹکٹ نہیں دیں گے جو اپنے اثاثے ظاہر نہیں کرے گا انہوں نے کہا کہ میری ٹیم میں کوئی سفارشی نہیں ہوگا چاہے کوئی جتنی چمچہ گیری کرلے لیکن بغیر میرٹ کوئی آگے نہیں آئے گا"۔عمران خان کے دعوؤں اور بیانات میں آنے والی ترامیم کونوٹ کیا جارہا ہے اور اسی وجہ سے اس بات کا امکان ہے کہ عمران خان کو دیگر سیاست دانوں کی طرح قوم کوزیادہ عرصے تک بیوقوف بنانے اور لگی لپٹی کہنے کا موقعہ نہیں ملے گا۔

جمہوریت کے چمپیئنز اور عمران خان کے لئے لوگ بہت تکلیف اور مشکلات میں آخری موقعہ فراہم کرنے پر تیار ہوئے ہیں اس لئے عمران خان کو اپنے ساتھ ہجوم کا اظہار کرنے کے بجائے کروڑوں پاکستانیوں کے لئے اور پاکستان کی حقیقی خوشحالی کے لئے عملاًسرگرم ہوجانا چاہیئے آئندہ انتخابات کے انعقادتک شوکت خانم میموریل ہسپتال کی طرح مزید ہسپتال یا کلینک اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے مختلف اداروں کے قیام کو یقینی بنانا چاہیئے اور جلسوں پر رقوم کے ضیاع کے بجائے ملک اور قوم کی ترقی کے لئے تحریک کو فعال کرنا چاہیئے۔

اگر عمران خان اس خوش فہمی میں ہیں کہ لوگ ان سے ایک سیاست دان اور ایک سابق کرکٹر کی حیثیت سے محبت کررہے ہیں یا ان کے دعووں اور باتوں کی وجہ سے ان کے قریب آرہے ہیں تو یہ ان کی بھول اور خوش فہمی سے زیادہ اور کچھ نہیں

ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جمہوریت کے " آزمودہ کھلاڑیوں " اور موجودہ ڈکٹیٹر شپ سے بدتر " جمہوری حکومت سے لوگ تنگ آچکے ہیں، مہنگائی، بجلی، گیس، روزگار، رہائش" تعلیم اور صحت کی سہولیات سے محروم قوم اپنے جمہوری اور پرامن احتجاجی رد عمل کے طور پر اور جمہوری طریقے سے حکومت کی تبدیلی کے لئے تحریک انصاف اور عمران خان کے قریب آرہی ہے اور یقین نہ کرنے کے باوجود کوئی اور دوسرا میدان میں نہ ہونے کے باعث لوگ ان سے اب تک صرف توقعات وابستہ کئے ہوئے ہیں۔

بہرحال لوگوں نے عمران خان اور تحریک انصاف میں اپنی دلچسپی کا اظہار کرکے کراچی کو "اپنا علاقہ " سمجھنے والوں کو بھی پیغام دیدیا ہے کہ اگر شفاف انتخابات کو یقینی بنایا گیا اور اس مقصد کے لئے فوج کی نگرانی میں انتخابات کرائے گئے تو کئی سیاسی جماعتوں کی اصلیت بھی سامنے آجائے گی، یہ اور بات ہے کہ شفاف انتخابات کے خوف سے یا دھاندلی کرائے جانے کے مواقع نہ ملنے کے خدشات سے ہی کچھ پارٹیاں الیکشن کا بائیکاٹ کردیں۔ لیکن حقیقی جمہوری حکومت اسی وقت وجود میں آسکتی ہے جب شفاف اور منصفانہ اور ایماندارانہ انتخابات ہوں۔

کراچی کے ساتھ جیالوں اور حق پرستوں کا مذاق

مجھے آج کراچی سے محبت کرنے والے ،اس شہر کے حقوق کے لئے سڑکوں پر نکلنے والے عبدالستار افغانی مرحوم بہت یاد آرہے ہیں جنھوں نے موٹر وہیکل ٹیکس کے حصول کے لئے 1987 میں سندھ اسمبلی تک مارچ کیا احتجاج کیا۔مجھے دنیا کے کم عمر ترین میئر کا اعزاز حاصل کرنے والے ڈاکٹر فاروق ستار کی قائد کے شہر کے لیئے کی جانے والی جدوجہد اس شہر کے لیئے " روڈ یوزر ٹیکس "(سڑکوں کو استعمال کرنے کا ٹیکس) کے حصول سمیت کئی حقوق کے حصول کے لئے کی جانے والی کوششیں یاد آرہی ہیں، فہیم زمان خاں کا وہ دور بھی یاد آرہا ہے جب وہ کسی منتخب کونسل کے میئر کی طرح ایڈمنسٹریٹر کے فرائض ادا کرتے ہوئے لانگ لائف منصوبے کا آغاز کیا اور کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن کے دائرہ میں آنے والی 28 بڑی سڑکوں شہر کی تاریخ میں پہلی بار طویل مدت کے لئے کارآمد بنانے کے کام کا آغاز کیا جس کے نتیجے شہر کی بڑی سڑکیں جو اس قبل جگہ جگہ سے ہر چند ماہ بعد ٹوٹ جایا کرتی تھی اب پائیدار اور کشادہ نظر آتی ہے، یہ فہیم زمان کا ہی دور تھا جنھوں نے 1996 میں سفاری پارک کی کشادہ اراضی کے ایک حصے پر نجی شعبے کی مدد سے الہ دین پارک قائم کیا اور حقیقی سفاری ایریا تخلیق کرکے کھلے ماحول میں قیمتی جانور چھوڑے۔

ان دونوں کے ادوار میں جب بھی ڈاکٹر فاروق ستار اور فہیم زمان سے میری ملاقات یا فون پر بات ہوئی تو ہماری گفتگو کا موضوع شہر اور شہر کی ترقی رہا۔

کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن ، کراچی ڈیویلپمنٹ اتھارٹی، کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ، کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی، لیاری ڈیویلپمنٹ اتھارٹی، ملیر ڈیویلپمنٹ اتھارٹی اور پانچوں اضلاع شرقی، غربی، جنوبی، وسطی اور ملیر کی ڈسٹرکٹ میونسپل کارپوریشن کراچی کے اہم ادارے ہوا کرتے تھے، کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن (کے ایم سی)کا ان اداروں سے براہ راست تعلق تھا، کسی ادارے کو کوئی بھی معاملہ ہو وہ کے ایم سی سے لا تعلق ہو کر کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا اسی طرح منتخب میئر ہو یا تقرر کردہ ایڈمنسٹریٹر شہر کراچی کا ہر ادارہ اس کو جواب دہ تھا یا ہر ادارے میں کے ایم سی کی نمائندگی ہوا کرتی تھی، آکٹرائے ٹیکس کے باعث کے ایم سی کی اپنی آمدنی سالانہ اربوں روپے ہوا کرتی تھی کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ، کراچی بلڈنگ کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی بلدیہ کراچی کے زیر نگرانی کام کرتی تھی اور ان کا بجٹ تک کے ایم سی کونسل منظور کیا کرتی تھی وہ دور یقیناً سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ سسٹم سے بہت بہتر تھا۔

سیاسی کھلاڑیوں نے جمہوری دور بحال ہونے پر سب سے پہلے بلدیات کے اس بنیادی جمہوری نظام پر حملہ کیا ایسے حملے ہر جمہوری دور کا خاصا رہے ہیں کبھی بھی ملک میں جمہوری حکومتوں نے بنیادی جمہوری نظام کو استحکام دینے یا اس کے تسلسل کے لئے انتخابات نہیں کرائے۔

ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کے اس نظام کو جو ڈکٹیٹر کم ڈیموکریسی کے دور میں 2001 شروع کیا گیا تھا کی مدت ختم ہونے پر پیپلز پارٹی کی موجودہ حکومت نے اس نظام پر اعتراضات کرتے ہوئے پرانا نظام بحال کرنے کا شوشہ چھوڑا اور نہ تو عملاً پرانا سسٹم بحال کیا گیا اور نہ ہی ڈسٹرکٹ گونمنٹ کا متنازعہ نظام مکمل طور پر ختم کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں کراچی خصوصی طور پر ایک انوکھا شہر بن کر سامنے آگیا جہاں کوئی افسر، کوئی سیاستدان اس بات کی وضاحت نہیں کرسکتا کہ شہر میں کونسا اور کس طرح کا بلدیاتی نظام کام کررہا ہے بس یہ کہا جاسکتا ہے کہ مخلوط حکومت کے اتحادیوں متحدہ اور پیپلز پارٹی میں اختلاف کے باعث نہ تو پرانا نظام اپنی پرانی حیثیت میں بحال ہوسکا اور نہ ہی ضلعی حکومت کا نظام مکمل طور پر ختم ہوسکا تاہم بلدیات کے نظام کو تبدیل کرنے کے نام پر اس پرانے قدیم نظام کی دھجیاں اڑادی گئیں۔ ڈسٹرکٹ گورنمنٹ نظام جو تقریباً 9 سال چلا اس نو سالہ نظام کے تحت سب سے زیادہ نقصان کراچی کو پہنچا اور آج بھی پہنچ رہا ہے لیکن کوئی بھی نہیں ہے جو اس حوالے سے سنجیدہ

کوشش کررہا ہو۔

سندھ گورنمنٹ نے ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کے قیام کے دوران جو کہ اختیارات کی نچلی سطح پر تقسیم کا نظام تھا پانی کی فراہمی اور سیوریج کے نکاسی کے ادارے کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ اور شہر کی عمارتوں کو کنٹرول کرنے والی اتھارٹی کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کو اپنے کنٹرول میں کرلیا اور شہر کے حقوق پر ڈاکہ ڈال دیا لیکن نہ تو حق پرست اس پر کچھ بولے اور نہ ہی دیگر سیاسی جماعتوں نے شور مچایا جس کے باعث ان اداروں کی سالانہ آمدنی براہ راست سندھ حکومت کے پاس چلی گئی جبکہ ان کا مکمل کنڑول صوبائی حکمرانوں کے ہاتھ آگیا جس کے باعث ان اداورں میں چن چن کر کرپٹ افسران کو ایم ڈی اور ڈی جی تعینات کیا جارہا ہے جبکہ کے ایم سی کراچی کا ذمہ دار ادارہ ہونے کے باوجود غیر ذمہ دار ہوگیا بلکہ غیر متعلقہ ہوگیا یہ سب کچھ کراچی اور اس کے اداروں کے ساتھ مذاق نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

پیپلز پارٹی اور متحدہ کے بلدیاتی نظام کے حوالے سے متعدد اجلاس ہوئے لیکن بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہوگئے اور یہ سلسلہ جاری ہے جبکہ دوسری طرف شہر اپنے ہی لوگوں کی موجودگی میں لاوارث ہوچکا ہے۔ فنانس کی تقسیم کا نظام واضع نہ ہونے کے باعث ہر ماہ کے ایم سی کو مالی بحران کا سامنا کرنا پڑتا ہے جبکہ

انتظامی معاملات ایسے چل رہے ہیں کہ ہنسی آتی ہے۔ کراچی ڈیولپمنٹ اتھارٹی شہری حکومت کے نظام کے تحت ختم معزول ہوچکی تھی لیکن اس کے تمام امور اب تک معزول موجود ہے اس Defunct KDAکے ڈی اے کے نام سے چل رہے ہیں فائلوں میں طرح یہ دنیا کا واحد ادارہ ہے جو معزول ہونے کے باوجود سرگرم ہے۔ شہر کے اٹھارہ ٹاؤن بدستور کام کررہے ہیں یہ جس نظام کا حصہ تھے وہ توریکارڈ کے مطابق ختم ہوچکا ہے لیکن ترقیاتی اور غیر ترقیاتی اخراجات کے فنڈز صوبائی حکومت ابھی تک انہیں ہی بھیج رہی ہے جو دوسری طرف پانچوں ڈی ایم سی کو بحال کیا جاچکا ہے لیکن انہیں کام کرنے کے لئے نہ صرف رقم نہیں مل رہی بلکہ پرانے اختیارات نئے حوالے سے بھی ان میں ابہام پایا جاتا ہے ان ڈسٹرکٹ میونسپل کارپوریشنز کو چلانے کے لئے جو سسٹم چاہئے وہ فی الحال ہوا میں ہے کیونکہ شہر اور شہر کے حقوق کی بات کرنے والے مفاہمتی پالیسی اپنائے ہوئے ہیں۔

میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ شہر اور شہر کے اہم اداروں کی یہ صورتحال ملک کے سب سے بڑے شہر کے ساتھ مذاق کرنے کے مترادف ہے اور یہ صرف اس طرف رخ کررہی ہے جہاں لوگوں میں بے چینی اور تشویش کے سوا کچھ نہیں ہوگا، اگر توجہ نہ دی گئی تو کراچی سے بہت کچھ چھین لیا جائے گا اور اسے صوبے کا حق قرار دے دیا جائے گا لیکن اس کے ذمہ دار صرف صوبہ پرست عناصر ہی نہیں بلکہ شہر

پرست خلا باز بھی ہونگے۔

کیا ہم انقلاب کی طرف گامزن ہیں؟

جمہوریت کے لبادے میں ملبوس اور مسلط حکومت میں سب کچھ غلط نہیں ہو رہا، قوموں کو سبق سکھانے سیدھا راستہ دکھانے کے لئے تاریخ میں ایسے کئی ظالم اور جابر حکمرانوں کے قصے موجود ہیں جنہیں عوام نے اپنی طاقت سے ہٹادیا اور وہ اب افسانوں میں ڈھل چکے ہیں ان کی باقیات لفظ اقتدار سن کر ہی کانپ جاتی ہے یہ کپکپی انہیں اپنے ہی کردہ ظلم کی یاد دلا جاتی ہے۔یہ سب ڈکٹیٹر یا ڈکٹیٹر کے چاہنے والے تھے مگر ہمارے حکمران دو ہاتھ آگے ہیں انہوں نے تو ہمیشہ آمروں کے خلاف جدوجہد کی ،ہمیشہ فوجی سوچ سے تنگ نفرت کی اور اٹھتے بیٹھے ،سوتے جاگتے صرف جمہوریت اور جمہوریت پسندوں کی بات کی اور اب پاک وطن میں ایسی جمہوری حکومت چلا رہے ہیں کہ آمریت بھی شرما جائے۔

قوم کی معصومیت اور خاموشی سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے کا وہ سبق دیا جارہا ہے جسے برسوں یاد رکھا جائے گا،مفاد پرست جو کل تک ملک اور قوم کے لئے آمر کے ساتھ تھے آج زمینداروں اور جاگیرداروں سے قوم کو نجات دلانے کا نعرہ لگاتے ہوئے حکومت سے چمٹے ہوئے ہیں انتہائی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ" ہماری حکومت نہیں ہم تو ملک اور جمہوریت کے لئے اور ظالم جاگیرداروں سے

چھٹکارے کے لئے حکومت میں ہیں"۔

اب وہ وقت تیزی سے آرہا ہے جب عام آدمی اٹھ کھڑا ہوگا، میں تو موجودہ حکومت اور ان کے اتحادیوں کو مبارک باد دونگا کہ وہ اپنی چالوں سے سوتی ہوئی قوم کو جگانے اور انقلاب لانے پر مجبور کررہے ہیں بلکہ کرچکے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بحیشت قوم ہم کرپشن کے دلدل میں پھنس چکے ہیں یہ ہی کرپٹ سوچ شیطان ذہنوں کے حامل حکومتی ٹولہ کی حوصلہ افزائی کررہی ہے اور انہیں جو چاہے وہ کرو" کے مصداق موقعہ فراہم کررہی ہے اور نیک و محب وطن لوگوں کو" خوفزدہ کررہی ہے۔

ملک کے سب سے بڑے صوبہ میں بجلی کے بحران کے باعث سڑکوں پر لوگوں کا احتجاج اور اور سب سے بڑے شہر میں ٹارگٹ کلنگ اور بھتہ مافیا کی کارروائیوں سے پائی جانے اور کرپٹ حکومت اور ان کے منافق اتحادیوں و ساتھیوں کی خاموشی پرامن شہریوں کو انقلاب کا راستہ دکھارہی ہے۔

گمان ہے کہ اس بار انقلاب ایسا ہوگا کہ نام نہاد انقلابیوں کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے، ،جمہوریت پسندوں کی دکانوں پر حقیقت پسندی فروخت ہونے لگے گی

ایک اشارے پر ہجوم کو خاموش کرنے والے دانتوں میں انگلیاں داب نے پر مجبور ہوجائیں گے، جو باہر ہے وہ بھی اندر ہوجائیں گے اور جو اقتدار میں ہیں انہیں باہر جانے کی مہلت نہیں ملے گی (انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا)

مجھے اللہ پر یقین ہے کہ وہ دن آنے والا ہے جب امریکہ پر یقین کرنے والوں کو امریکہ ہی تاراگت کرے گا ماضی کے کئی ظالموں کی طرح وہ بھی ماضی کی کہانی بن جائیں گے اس لیئے کہ اب امریکہ کو ان پر بھروسہ نہیں رہا اب امریکہ اپنی گرتی ہوئی ساکھ کی طرف متوجہ ہوگیا ہے اسے اپنے مفادات کے لئے پاک زمین کا استحکام عزیز ہوگیا ہے وہ اب اپنی چالیں تبدیل کررہا ہے،اور وہ بھی اللہ کے نظام اور اسے سپرپاور ماننے لگا ہے۔

اب ذرا کراچی کے حالیہ واقعات پر نظر ڈالیئے متحدہ سے تعلق رکھنے والے دو بھائیوں کے قتل پر پورا شہر ہی نہیں صوبے کو آگ میں دھکیل دیا گیا لیکن شائد وہ ہدف حاصل نہ ہوا جو انسانیت کے قاتل کا تھا تو تب ہی تو دو پختون نوجوانوں کو نشانہ بنایا گیا تاکہ ایسی آگ لگے جو جلد نہیں بجھ سکے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے صورتحال بہتر کردی دوسری طرف سے ایسا ردِ عمل سامنے نہیں آیا جو دو بھائیوں کی ہلاکت کے بعد سامنے، آیا تھا شائد اے این پی کو قتل کے واقعے پر اپنی طاقت کا اظہار کرنے کی ضرورت نہیں تھی یا پھر

یہ لوگ اس شہر سے زیادہ محبت کرتے ہیں جس نے انہیں سخت ری ایکشن سے روکا ہو آخر انہیں اس شہر نے کاروبار، رہائش اور سب ہی کچھ تو دیا ہے؟

سوال یہ ہے کہ متحدہ قومی موومنٹ اسی وقت کیوں احتجاج کرتی ہے جب اسے اپنی کوئی بات منوانا ہو کارکنوں کا قتل تو اب تقریبا روز کا معمول بن گیا ہے ؟ سیاست کی تاریخ میں متحدہ کے احتجاج ہمیشہ ہی خونی رہے، میں یہ نہیں کہتا کہ اسے متحدہ نے خونی بنایا لیکن مجھے یہ دکھ ضرور ہے کہ اس قدر خون بہنے کے باوجود متحدہ اپنے شہیدوں کے قاتلوں کو گرفتار کرانے میں ناکام رہتی ہے۔۔۔آخر کیوں؟ اپنے قیام سے ابھی تک متحدہ نے کوٹہ سسٹم بھی ختم نہیں کراسکی جو اس کا بنیادی اور دیرینہ مطالبہ تھا اور ہے ۔اور تو اور متحدہ اپنے لاپتہ کارکنوں کا بھی پتہ نہیں لگا سکی جو 92ء اور 96ء کے دوران لاپتہ ہوگئے تھے ایسی بے بسی کیوں ؟ متحدہ آخر حکومت میں رہ کر کیا کچھ حاصل کررہی ہے جو اپوزیشن میں رہ کر حاصل نہیں کرسکتی ؟ اور کس چیز کے کھونے کا ڈر ہے جو متحدہ کے کارکنوں کی جانوں سے زیادہ اہم ہے، جانیں بھی جارہی ہیں اور کچھ حاصل بھی نہیں کیا جارہا ہے پھر بھی حکومت کا ساتھ حیرت ہے ؟ متحدہ اپنے کارکنوں کے قاتلوں کو بھی گرفتار نہیں کراسکتی تو پھر وہ کیوں مسلسل 12 سالوں سے حکومت کا حصہ بنی ہوئی ہے ؟

رہی بات عام مہاجروں کی تو اس سے منہ خود متحدہ نے موڑلیا تھا اور لفظ مہاجر جو پہلے ہر کارکن کی زبان

پر ہوتا تھا سلام کے ساتھ جئے مہاجر کہکر ہاتھ ملایا جاتا تھا، اسے تو "خود جو جھکنے والا نہیں" نے مہاجر قومی موومنٹ کو متحدہ قومی موومنٹ میں تبدیل کرتے ہوئے اپنے آپ کو اردو بولنے والے تسلیم کرلیا تھا اور لفظ مہاجر بولنے والے دھڑے کو غدار قرار دیدیا تھا۔اخر یہ کیسی سیاست ہے یہ سیاسی جماعت بھی ہے یا بقول ایک نوجوان ٹی وی اینکر کے " مافیا" ہے ؟۔

اس سے بڑی شرم کی بات اور کیا ہوگی کہ حکومت میں رہتے ہوئے متحدہ کے کارکن اور عہدیدار قتل ہوجاتے ہیں پر متحدہ حکومت سے احتجاجا الگ ہونے کے بجائے اور قریب چلی جاتی ہے، اور نہ جانے کیا کچھ حاصل کر جاتی ہے جس کے دباؤ کے باعث وہ حکومت سے چمٹی رہنے پر مجبور ہے ؟؟

صدر کے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب سے قبل ایک روزہ احتجاج اور پھر سب کچھ ٹھیک وعدہ پورا نہ کیا تو پھر قتل کا سانحہ اور پھر اس پر طاقت کا اظہار، ایسی طاقت اور قوت کا کیا فائدہ کہ کارکنوں کو بدلے میں اپنی جانوں سے ہی ہاتھ دھونا پڑے ؟ اور پھر عبدالرحمٰن ملک کی آمد پھر خاموشی، ذرا غور تو کریں کہ وزیر داخلہ صاحب اس گھر کے راستے پر اس محلے میں بھی نہیں گئے جہاں دو معصوم و مجبور نوجوان" قائد تیرے لیئے جان بھی قربان " کہتے ہوئے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے وہ سیدھا متحدہ کے پاس جاتے ہیں اور نہ جانے

کیا بات کرتے ہیں کہ متحدہ بھی سب کچھ بھول جاتی ہے ، احتجاج بھی ختم ہو جاتا لیکن شہر میں ایک دوسری پارٹی یا کسی عام فرد کو ٹارگیٹ کر کے ہلاک کر دیا جاتا ہے متحدہ اسے کیسے روک سکتی ہے وہ تو اپنے ذمہ داروں کی بھی حفاظت نہیں کر سکتی ؟

کراچی میں ان دنوں مہاجر لیبریشن آرمی کے نام سے ایک نئی بازگشت سنائی دے رہی ہے جو لوگ اس کے پیچھے ہیں یقینا وہ نڈر، ایماندار اور خوف خدا رکھنے والے نہیں ہیں بلکہ وہ منافقین میں سے ہیں تب ہی تو وہ سامنے نہیں آ رہے لیکن کیا ہماری ایجنسیاں ، پیپلز پارٹی کی پوری حکومت اور خود "سب پہ بھاری آصف زرداری" اس قدر کمزور اور نا اہل ہیں کہ وہ یہ بھی پتہ نہیں لگا سکیں کہ اس لیبریشن آرمی کے پیچھے کون لوگ ہیں ؟ کن لوگوں نے پیپلز پارٹی کی اپنی اراکین سندھ اسمبلی کو دھمکی آمیز خط لکھا ؟ کچھ نہیں تو کم از کم اس خط پر ردِ عمل کے جواب میں چراغ پا ہونے والوں سے یہ تو پوچھا جا سکتا ہے کہ بھائی آپ کیوں چور کی داڑھی میں تنکے کے مصداق وضاحتیں یا شور شرابا کر رہے ہیں ؟

مجھے لگتا ہے کہ پیپلز پارٹی اور ان کے اتحادیوں کی رسیاں ایک ہی جگہ سے ہل رہیں ہیں اور وہاں کے سیکٹر انچارج ڈاکٹر عبدالرحمٰن ملک ہیں جو دکھاوے کے لیئے وفاقی وزیر داخلہ بھی بن بیٹھے ہیں تب ہی تو کوئی سنجیدہ قدم اٹھانے

کے بجائے انہیں ہی آگے کر دیا جاتا ہے۔

مہاجر لیبریشن آرمی کا اچانک وجود کیوں آیا ؟ یہ بھی ایک غور طلب بات ہے۔

ادھر خبر آتی ہے کہ امریکہ بلوچستان میں سالوں سے جاری کشیدگی کو اپنے ایوان میں زیر بحث لاتا ہے اسے الگ ریاست بنانے کی تجویز پر غور کیا جاتا ہے تو دوسری طرف ہمارے حکمران زیر زمین بلوچستان کے سیاسی کھلاڑیوں سے رابطے شروع کر دیتے ہیں جو طویل عرصے سے بلوچستان کے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں پر زیر زمیں رہ کر) جدوجہد کر رہے ہیں) اور ان کے مقدمات تک کی واپسی کا اعلان کر دیا جاتا ہے بس یہ ہی لائن تھی جس نے کراچی میں مہاجر لیبریشن آرمی کے وجود کا باعث بنا۔

امریکا کو کیوں اچانک بلوچستان کے باغیوں سے محبت ہو گئی ؟امریکہ افغانستان ، عراق میں ناکامی کے بعد بھی سیدھے راستے پر نہیں آیا یہ بات حیرت انگیز ہے؟ لیکن کیا امریکہ یہ طے کر چکا ہے کہ پاکستان کو اس طرح کمزور یا خدانخواستہ ختم کر سکتا ہے ! میرا خیال ہے یہ امریکہ کی بھول ہے جس کا یقین اسے جلد ہو جائے گا، بس اس انقلاب کو آنے دو، جو آنے والا ہے ہمارے حکمرانوں کے رویئے کی وجہ سے ، امریکہ کی ہٹ دھرمی اور مسلم دشمنی کی وجہ سے۔

کاش کوئی ہمارے حکمرانوں کو غیرت مندی کا سبق سیکھائے

مجھے نہیں معلوم کہ آنے والے دنوں میں وطن عزیز میں مزید کیا ہوگا، قوم کو کوئی خوشخبری ملے گی یا خدانخواستہ پھر کوئی بری خبر برداشت کرنا پڑے گی ! ۔
فی الحال بات کرتے ہیں طیاروں کے ان حادثات کی جن کا تعلق پاکستان سے نہیں ہے لیکن ان حادثات کے بعد حکمرانوں نے کیا کیا اور عوامی نمائندوں کا کیا ردعمل رہا۔
فروری 2002 میں روسی ساخت کا طیارہ تہران میں گر کر تباہ ہوا اس حادثے میں 117 افراد ہلاک ہوئے حادثے پر ایرانی کابینہ نے اپنے ساتھی رکن احمد قورام سے استعفٰی کا مطالبہ کر دیا۔
کویت کے وزیر ٹرانسپورٹ نے ایران میں ہونے والے طیارے کے حادثات پر اس لئے اپنے آپ کو ذمہ دار قرار دیا کہ شائد یہ حادثات کویت آئیل ٹرمینل کے عملے کی غفلت کا باعث ہوئے ہیں کیونکہ یہ حادثات طیاروں میں آئیل بھرنے کے بعد کی جانے والی پرواز میں ہوئے اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھا اور

عہدے سے استعفی دیدیا۔

میں Smolensk اپریل 2010 میں پولینڈ کا روسی ساخت کا ایک طیارہ روس کے شہر سمیت 96 افراد Lech Kaczynski گر کر تباہ ہوگیا اس حادثے میں پولینڈ کے صدر ہلاک ہوگئے ابتدائی طور پر یہ ہی بتایا گیا تھا کہ یہ حادثہ پائلٹ کی غلطی سے ہوا ہے اس واقعے کی تحقیقات ہوئی اور تحقیقات سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ حادثہ انسانی غلطی کا پیش خیمہ ہے دوسری طرف روس اس حادثے کی ذمہ داری پولش حکومت پر ڈال رہا تھا نے اپنی حکومت کے Donald Tusk پولینڈ کے اس وقت کے وزیر اعظم ڈولینڈ ٹسک کا استعفیٰ منظور کرلیا جو انہوں نے حادثے فوری بعد پیش Bogdan Klich وزیر دفاع کردیا تھا۔

پاکستان میں 65 19 سے اب تک ہوائی جہازوں کے 15 حادثات ہوئے جس میں مجموعی طور پر 978 افراد ہلاک ہوئے اہم بات یہ کہ کسی بھی حادثے کی وجوہات کا نہ تو تعین کیا جاسکا نہ ہی ان کی تحقیقات کا کچھ پتا چل سکا اور نہ ہی کسی کی بھی طرف سے ذمہ داری قبول کرنے یا کسی بھی حکومتی شخصیت کی جانب سے ان حادثات پر اپنے عہدے سے استعفیٰ دینے کی کوئی مثال تاحال قائم کی۔

ملک میں آج تک کسی نے بھی حساس دل رکھنے کا ثبوت دیا اور نہ ہی لوگوں سے

محبت اور اظہار ہمدردی کرنے کے لئے ایسا غیرت مندانہ کام تاریخ میں ابھی تک کیا جس کی مثال بیان کی جاسکے۔

کیونکہ ہمارے حکمران جو کچھ کرکے اقتدار حاصل کرتے ہیں اسے آسانی سے گنوادینا ایک بے وقوفانہ اور ہر طرح سے نقصان دہ سمجھتے ہیں۔

20 اپریل کو بھوجا ائیر لائن کا حادثہ رونماء ہونے کی کوئی اور وجہ ہو یا نہ ہو لیکن ایک بڑی وجہ یہ ضرور ہے کہ آج تک کسی بھی حادثے کے ذمہ داروں کا واضع طور پر تعین نہیں کیا جاسکا اور نہ ہی وجوہات کا پتا چلا کر اسطرح کے حادثات کی روک تھام کے لئے کوئی فیصلہ کن اقدام کیا جاسکا جس کے باعث ایسے حادثات کا سلسلہ جاری ہے نہ جانے کب تک ایسی غلطیوں پر یکمشت سینکڑوں انسانوں کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

ہمارے ہاں اپنی ذمہ داری کسی دوسرے پر ڈالنے یا وقت کو پاس کرنے کے لئے جس قدر حکمران سرگرم رہتے ہیں اگر اتنا ہی وہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے سرگرم ہوجائیں تو شائد اس طرح کے واقعات کا سلسلہ ختم تو ہوجائے جس میں حادثات کے بعد کسی بھی قصوروار کا پتہ بھی نہ چل سکے۔

ملک کی فضائی حدود میں ہوائی جہاز 1946 سے اورینٹیڈ ایئر ویز کے نام سے اڑ رہے تھے یہ ہی اورینٹیڈ ایئر ویز 23 اکتوبر 1946 کو کلکتہ انڈیا میں رجسٹرڈ کرائی گئی اور اسی کو پاکستان کے قیام کے بعد پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائن کمپنی بنا کر مارچ 1955 میں ضم کر دیا گیا. گو کہ اپنے قیام کے صرف دس سال بعد 1965 میں پی آئی اے حادثے کا شکار ہوئی لیکن افسوس آج بھی اس ادارے کی حالت وہ ہے جیسے کل ہی قائم ہوا ہو جبکہ پورا ایوی ایشن کا شعبہ بھی چیونٹی کی طرح رینگ رہا ہے۔ پاکستان میں ایئر کریش کے آٹھ واقعات کا تعلق پی آئی اے سے ہے جبکہ دیگر حادثات کا تعلق نجی یا فورسز سے ہے، ایسا ہی ایک حادثہ 17 اگست 1988 کو ہوا جس میں ملک کے صدر اور آرمی چیف جنرل ضیاء الحق اپنے امریکی "دوستوں" سمیت 30 افراد کے ساتھ چل بسے۔

قوم کو شدید دکھ اس بات کا ہے کہ اس حادثے کے بھی ذمہ داروں کا پتہ نہیں لگایا جا سکا۔ تحقیقات ہوئی اور ہوتی گئی اور بغیر نتیجہ کے نہ جانے کب ختم ہو گئی۔

ذرا غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ بھوجا ایئر لائن کے حادثے کو وزیراعظم یوسف گیلانی نے سپریم کورٹ سے توہین عدالت کی "تاریخی سزا" پانے سے ہونے والی ہلچل کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پس منظر میں ڈال دیا، اگر کوئی غیرت مند وزیراعظم

یا حکومت ہوتی تو ان دونوں واقعات ہی کو" ڈوب مرنے "کا مقام قرار دیکر ملک اور قوم کی جان جو چھوڑ دیتے۔

گیلانی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے قومی اسمبلی میں یہ کہہ گئے کہ انہیں یہ سزا آئین کا تحفظ کرنے پر ملی ہے، انہیں وزارت عظمیٰ سے صرف اسپیکر ہٹا سکتی ہیں اور وہ ہی ان سے استعفیٰ طلب کر سکتی ہیں۔

اگر آئین کے تحت فیصلہ کرنے میں آزاد اور کسی پارٹی کے بجائے قومی اسمبلی کے اسپیکر کی سیٹ پر آزاد شخصیت اس عہدے پر ہوتی تو شائد وزیر اعظم گیلانی کو یہ جملے کہنے کا موقع ہی نہیں ملتا اور وہ سپریم کورٹ کے فیصلے کو ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کا فیصلہ سمجھ کر اسی دن وزیر اعظم کی نااہلی کا نوٹیفیکشن جاری کرکے عدلیہ اور اپنے عہدے کے وقار کی لاج رکھ لیتی۔

بات ملک میں ہوائی جہازوں کے حادثات کی ہو رہی تھی لیکن ہم بحثیت قوم جن کرائسز کا سامنا اور دوسرے دن کر رہے ہیں اس کی سب سے بڑی وجہ ہم خود، ہمارے حکمران اور ہمارے سیاست دان ہیں کاش کوئی انہیں غیرت مند بناسکے اور ہم سب کو کچھ نہ سہی تو کم از کم بے غیرت اور بے حس لوگوں سے نمٹنے کا طریقہ سمجھاسکے!

تاکہ ہم آئندہ ہمیشہ کے لئے ایسے واقعات کا تدارک کر سکیں۔

شیطان کے ماننے والے

ہم سب انڈر کنٹرول ہیں اور ہمارا کوئی نظام بھی آزاد نہیں ہے ، حکومتیں صرف پاکستان ہی کی نہیں بلکہ امریکہ کی بھی خود مختار اور آزاد نہیں ہیں اور یہ کسی کے اشارے پر قائم ہوتی ، چلتی اور پھر ختم ہوجاتی ہیں یہ لوگ دنیا کے سپرپاور ہیں بس یوں سمجھ لیں کہ امریکہ کی حکومتیں بھی ان ہی کی محتاج تھیں ، ہیں اور رہینگی اور اس وقت تک رہے گی جب تک پوری دنیا کا بینکنگ نظام ان کے کنٹرول میں ہوگا۔
سوال یہ ہے کہ یہ کون لوگ ہیں جو دنیا کے اصل بادشاہ بنے ہوئے ہیں ؟ کیا کرتے ہیں ،ان اصل مقصد کیا ہے ؟اور آخر ان کا کوئی کچھ بھی کیوں نہیں بگاڑ سکتا؟
مسعود انور ، کراچی کا نامور اور ایماندار صحافی ہے تحقیق اس کا مشن رہا اور ہے اوپر جو سوالات میں نے اٹھائے ہیں ان کے جواب کے لئے مسعود نے " جنگوں کے سوداگر " کے عنوان سے ایک کتاب لکھ ڈالی یہ کتاب عام کتابوں سے ہٹ کر اس لئے ہے کہ یہ مکمل تحقیق کے بعد لکھی ہے۔

جاننے والوں کو پتا ہے کہ مسعود اور انور کتنے دیرینہ اور پکے دوست ہیں اس لیئے اس کی تحریر کے حوالے سے میں مزید تعریف ان ہی وجوہات کی بناء پر نہیں کر سکتا لیکن دنیا کی معاشی صورتحال پر نظر ڈالی جائے تو مسعود کی تحریر میں بہت جان نظر آتی ہے اس کی کتاب میں دئے گئے دلائل معاشیات اور سیاست کے طالبعلموں کو چونکا دینے کے لئے کافی ہیں یہ ایک حساس دستاویز کی بھی شکل رکھتے ہیں جنہیں خاص طور پر کرپشن میں ڈوبے ہوئے ہمارے تقریبا سارے ہی سیاست دانوں ، بیورو کریٹ اور تاجروں کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے پیش کیا جا سکتا ہے۔

مسعود نے جنگوں کے سوداگر میں لکھا ہے کہ دنیا پر راج کرنے والوں کا تعلق کسی مذہب اور فرقے سے نہیں ہیں بلکہ یہ وہی سود خور ہیں جنھوں نے دنیا پر کنٹرول کرنے کے لئے تین ہزار سال قبل منصوبہ شروع کیا تھا جس پر نظر ثانی ایک صراف باؤئر کی دکان پر ہوئی اس سازش کے تحت الومیناتی نامی تنظیم قائم کی گئی اس کا سربراہ یہودی تھا اس کے قیام کے بعد دنیا پر قبضہ کی ساش شروع ہو گئی۔ جنگوں کے سوداگروں کے مصنف کا کہنا ہے کہ تمام کلیت پسند ریاستیں محض اس لئے وجود میں لائی گئیں کہ یہاں پر الومیناتی بلاشرکت غیرے کام کر سکے۔کتاب میں تحقیق سے یہ بات بھی ثابت کی گئی ہے کہ جب بھی کوئی قوم ان سود خوروں کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیتی ہے تو اس ملک میں نقلاب آ جاتا ہے

یا پھر اس کو جنگ کی آگ میں دھکیل دیا جاتا ہے اور اس معاملے میں کوئی رحم نہیں کیا جاتا۔ مسعود نے واضع کیا ہے کہ دنیا پر حکمرانی کی سازش کرنے والے یہ لوگ کسی خاص مذہب سے نہیں بلکہ شیطان کے ماننے والے ہیں۔

مسعود کی اس کتاب کو اگر ہم پاک وطن کی صورتحال کو سامنے رکھ کر غور کریں تو یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ ہمارے ملک کے بڑے بڑے سیاست دان، تاجر، سرمایہ دار اور جرنیلوں کا تعلق بھی ان ہی شیطان کے ماننے والوں یا الومیناتی کو ماننے والوں سے ہے۔ کیونکہ بظاہر وہ اپنے آپ کو مضبوط اور مستحکم کر رہے ہیں لیکن حقیقت میں وہ الومیناتی تنظیم کا مضبوط بنا رہے ہیں۔ ملک کی بعض سیاسی جماعتوں پر نظر ڈالیں تو لگتا یہ ہے کہ ان کے کارکنوں کو موت کے سوا کچھ نہیں ملا، سیاست یا تحریک کی جدوجہد میں دیرپا اور زیادہ فائدہ اٹھانے والے صرف چند ایک ہیں جبکہ صرف دو وقت کی روٹی اور سکون کی تلاش میں اپنا سب کچھ گنوا دینے والے ہزاروں بلکہ لاکھوں میں ہیں۔

جبکہ دوسری طرف ملک کی بہتری کے نام پر کی جانے والی جدوجہد کے نتیجے میں ملک مسلسل پیچھے کی طرف بڑھ رہا ہے اور اب تو لگتا ہے کہ ہم واقعی پتھر کے

دور میں داخل ہونے کو ہیں۔

جب روشنی کے لیئے بجلی نہ ملے ، گاڑیوں کے لئے پیٹرول ،ڈیزل اور گیس نہ ملے ، لوگ گاڑیوں کے بجائے پیدل یا سائیکل پر جانے پر غور کرنے لگیں ، شہروں میں تاریکی ، پارکوں گلیوں ، بازاروں اور کاروباری مراکز میں سناٹا اور خوف کا راج ہو حکومت اپنے مفادات کے لئے ملک اور قوم کی فکر سے لا تعلق ہو کر پر سرار سرگرمیوں میں مصروف ہو جائے تو یہ دور تو اس قدیم دور سے بھی خراب ہوا جس میں حکومت نام کی کوئی چیز ہوا تو کرتی تھی۔

ہمارے ملک میں تو اللہ کو ماننے والے اور اللہ کا نام لے لیکر جھوٹ بولنے والوں کی کثرت ہے ہمارے سیاست دان ملک اور قوم کے لئے جدوجہد کرنے کا بار بار عزم کرتے ہیں مگر پھر کیا وجہ ہے کہ ملک پیچھے اور قوم اپنی ہی موت مرنے پر مجبور ہو گئی ہے؟

اس کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ سب جعلی ہیں ان کے مقاصد کچھ اور ہیں ان کی جدوجہد کا پھل صرف وہ ہی کھا رہے ہیں ، کل تک جو موٹر سائیکل بھی نہیں رکھتے تھے آج وہ سیاست کے نام پر بڑی بڑی گاڑیوں کے مالک کیسے بن گئے اگر انہیں اسمبلی کی تنخواہوں اور مراعات نے امیر بنا دیا تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا

انہوں نے ان اسمبلیوں سے قوم کو بھی کچھ لیکر دیا؟
کیا قوم کے ووٹوں کا قرض ہمارے سیاست دان، حکمران اور اراکین اسمبلی ادا کر رہے ہیں؟جو حکمران کھلے عام عدلیہ کی توہین کریں، قانون کا مذاق اڑائیں،اور قوم کے مطالبے اور عدالتوں کے نوٹس لینے کے باوجود ڈھٹائی سے من مانے فیصلے کرتے رہیں، لوگوں کی زندگی کے راستے تنگ کر دیں۔۔۔وہ الوہیناتی کے ماننے والے نہیں تو اور کیا ہیں انہیں ہی تو شیطان کا دوست کہا جاتا ہے۔

قانون کی حکمرانی میں پاکستان کا نام بلند کرنے والے چیف جسٹس افتخار چوہدری

انٹر نیشنل کونسل آف جیورسٹ نے چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری کو ورلڈ جیورسٹ ایوارڈ 2012 دینے کا اعلان کیا ہے اعلان کرتے ہوئے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ ایوارڈ چیف جسٹس پاکستان کو اس لئے دیا جارہا ہے کہ افتخار چوہدری نے رکاوٹوں کے باوجود اپنے ملک میں انصاف کی فراہمی کے لئے بلاخوف وخطر انتھک اقدامات اور کوششیں کیں ۔

یہ ایوارڈ 28 مئی کو لندن میں ہونے والے تقریب میں .برطانوی سپریم کورٹ کے صدر لارڈ فلپس جسٹس افتخار چوہدری کو پیش کریں گے۔

اس سے قبل یہ ایوارڈ عالمی عدالت انصاف کی صدر جسٹس روزالین ہیگینز ،برطانیہ کے چیف جسٹس لارڈ فلپس ،چیف جسٹس کینیڈا بیورلے میک لیکلن ، عالمی عدالت انصاف کے نائب صدر جسٹس عون الخصاد کو دیا جاچکا ہے۔

چیف جسٹس افتخار چوہدری کے لئے مذکورہ ایوارڈ کا اعلان اس وقت کیا گیا جب پاکستان کی عدلیہ پر کرپٹ ، مفاد پرست اور انصاف کے تقاضوں سے نابلد عناصر

شدید تنقید کر رہے ہیں عدلیہ کے تقدس کو بالائے طاق رکھ کر جو منہ میں آیا وہ بولے جا رہے ہیں ، ایسے لوگوں کو نہ تو توہین عدالت کا ڈر اور نہ ہی ملک کے اہم ادارے کی ساکھ متاثر ہونے کا خدشہ ۔انہیں تو صرف اپنے اور اپنے سیاسی اتحادیوں کی فکر ہے ، اس فکر میں وہ ایسے بیانات دیئے جا رہے ہیں کہ جو ان کے اپنے گلے میں اٹک سکتے ہیں۔

کرپشن کی گندگی میں لپٹے ہوئے پاکستان کی پاک زمین کو آلودہ کرنے والے عناصر کچھ بھی کہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے قانونی فیصلوں کو دنیا نے تسلیم کرلیا ہے انٹر نیشنل کونسل آف جیورسٹ کی جانب سے انہیں "ورلڈ جیورسٹ ایوارڈ" دینا اس بات کا اعتراف ہے کہ پاکستان میں عدالتیں آزاد ہوگئیں ہیں اور یہاں لوگوں کو انصاف ملنے لگا ہے ،ملک اور ملک کے لوگوں کو غیر قانونی اور غیر اصولی راستوں کی طرف لے جانے والوں کا قانونی احتساب شروع ہوگیا ہے۔

جس ملک میں انصاف نہ ہو وہ ملک اندر سے دیمک زدہ لکڑی کی طرح ہو جاتا ہے اور جہاں انصاف اور قانون کا بول بالا ہو اس پر کوئی بھی میلی نظر ڈالنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

نڈر، غیر جانبدار اور ایماندار منصف کے طور پر اپنی حیثیت دنیا بھر میں منوا کر صرف اپنا ہی نہیں بلکہ پاکستان کا نام قانون کی حکمرانی والے ملک کے طور پر افشاء کردیا، اب دنیا ہمارے وطن پر غیر قانونی سرگرمیوں والے ملک کا الزام نہیں لگا سکتی۔ چیف جسٹس افتخار چوہدری جب حاضر سروس جنرل اور ملک کے صدر پرویز مشرف کی بڑی بڑی پیشکش کو ٹھکرا کر ان کے سامنے ڈٹ گئے تھے اور غیر آئینی بات تسلیم کرنے سے انکار کرچکے تھے تب ہی دیس کی محبت کا دل رکھنے والے خوش ہوگئے تھے اور ان کے منہ سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا تھا کہ " کوئی تو ہے جس نے فوجی جرنیل کو اس کی اصل حیثیت بتادی ہے"۔ چیف جسٹس افتخار چوہدری اور جنرل مشرف کی بات ماننے سے انکار کرکے اگرچہ خود نومبر 2007 کو پرویز مشرف کے حکم سے معطل ہوگئے تھے لیکن سچ تو یہ ہے کہ 3 انہوں نے اسی وقت عدلیہ کی "طاقت اور وقار" کا جھنڈا گاڑ دیا تھا اور یہ اعلان کردیا تھا کہ اب اس ملک میں آمریت زدہ فیصلے کوئی نہیں کراسکے گا۔

چیف جسٹس چوہدری افتخار کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے آزاد عدلیہ کے لئے جدوجہد کا آغاز کرنے کے لئے سب سے پہلے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا اور بلاشرکت غیرے جرنیل کے سامنے اصولوں پر ڈٹ گئے شائد وہ ہی گھڑی تھی جس نے پاکستان میں انصاف کی بالادستی کی نوید سنائی تھی، لیکن آزاد عدلیہ

کی جدوجہد میں ان کے ساتھ وکلاء جس خصوصاً اعتزاز احسن بھی شامل تھے جو کردار ادا کیا تھا وہ یقیناً قابل ستائش تھا۔

اعتزاز احسن آج کہاں کھڑے ہیں سب جانتے ہیں، میں مجھے ان پر زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں اس لئے بھی کہ ان کے بارے میں تو پہلے ہی بہت کچھ لکھا اور کہا جارہا ہے بہرحال وہ ایک ماہر اور پروفیشنل قانون دان ہیں لیکن وہ ایک سزا یافتہ وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کے وکیل بھی۔۔۔

چیف جسٹس افتخار چوہدری 12 دسمبر 1948 کو کوئٹہ بلوچستان میں پیدا ہوئے، ان کے والد چوہدری جان محمد پولیس آفیسر تھے جو تقسیم ہند کے وقت بھارت سے ہجرت کرکے فیصل آباد پنجاب میں آگئے وہاں سے کوئٹہ بلوچستان منتقل ہو گئے تھے۔افتخار چوہدری میں وکالت کا پیشہ اختیار کیا 1976 میں ہائی کورٹ اور 1986 میں سپریم 1974 کورٹ کے وکیل بنے 1989 میں اس وقت کے وزیر اعلیٰ اکبر بگٹی کے حکم پر بلوچستان کے ایڈوکیٹ جنرل مقرر ہوئے اور بعد ازاں 6 نومبر کو بلوچستان ہائی کورٹ کے ایڈیشنل جج مقرر ہوئے، 22 اپریل 1999 کو چیف جسٹس بلوچستان تعینات ہوئے۔ مارچ 2009 کو اپنے عہدے پر بحال ہو کر پاکستان اسٹیل کی نجکاری کے سمیٹ کئی 16

مقدمات پر فیصلے سنائے انہیں ہارڈ ورڈ لاء اسکول کی طرف سے میڈل آف فریڈم ایواڈ دیا گیا وہ پہلے پاکستانی اور دنیا کی تیسری شخصیت ہیں جنہیں یہ ایوارڈ حاصل کرنے کا اعزاز حاصل ہوا اس سے قبل نیلسن منڈیلا اور اولیور ہل کو یہ ایوراڈ دیا گیا تھا۔ ٹائم میگزین نے 2012 میں دنیا کی سو بااثر شخصیات کی فہرست میں چیف جسٹس افتخار کا نام بھی شام کیا ہوا ہے۔

عدلیہ کے حوالے سے پاکستان کا نام بلند کرنے والے چیف جسٹس افتخار چوہدری جیسی شخصیات کی ہمارے ملک کو ہر شعبے میں ضرورت ہے لیکن کیا موجودہ حکمرانوں اور سیاست دانوں کی موجودگی میں یہ ممکن ہوگا کہ مزید ایسی شخصیات سامنے آئیں؟ یہ سوچنا پوری قوم کی ذمہ داری ہے۔

آخر حکومت نے ذلت اور رسوائی کا کیا ہدف رکھا ہے؟

مجھے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو رہا ہے کہ موجودہ حکومت اور حکومت میں شامل جماعتوں نے اپنی " ذلت اور رسوائی " کا کیا ہدف رکھا ہوا ہے کہ جسے حاصل کرنے کے بعد ملک اور قوم کو اپنے چنگل سے آزاد کردے گی۔

مہذب معاشرے میں تو یہ تصور ہی نہیں کہ مقدمات قائم ہونے، الزامات لگنے اور گرفتار ہونے کے بعد کسی بھی عہدے کے لئے اپنے آپ کو عوام کے سامنے پیش کیا جائے یا عہدے پر رہا جائے ، ہمارے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی تو عدالت پہنچے ، سزا کا حکم سنا اور تاریخ میں پہلی بار ججز کے سامنے ہی مجرم کی حیثیت سے سزا مکمل کی اور مسکراتے ہوئے واپس سرکاری گاڑی میں بیٹھ کر فاتحانہ انداز میں وزیراعظم ہاؤس پہنچ گئے نہ انہیں شرم آئی نہ ان کے ساتھیوں کو اور نہ ہی ان کے حمایتوں کو !

یہ ہے پیپلز پارٹی کی حکومت جس کے ساتھیوں میں بنیاد پرست علماء جمعیت علمائے پاکستان (ف) ملک کے نامور چوہدری برادران ، غیرت مند پٹھانوں کی نمائندہ پارٹی ہونے کی دعویدار عوامی نیشنل پارٹی اور ملک اور قوم کے لیئے

جانوں کی قربانی دینے کی تسلسل سے دعویٰ کرنے والی متحدہ قومی موومنٹ بھی شامل ہے۔

شائد گیلانی صاحب اور ان کے تمام حمایتوں و ساتھیوں کا خیال ہوگا کہ وزیر اعظم کو توہین عدالت پر کم از کم چھ ماہ قید کی سزا ہوگی ، عدالت کے حکم پر پولیس انہیں کورٹ سے براہ راست جیل لے جائے گی اور پھر وہ جیل میں رہ کر (جیسے مجرم گیلانی کی طرف سے دیگر اور وہ خود ہی کہہ چکے تھے) وزیر اعظم کے فرائض انجام دیں گے اور ضرورت کے تحت جیل کو عارضی وزیر اعظم ہاؤس یا کیمپ ڈکلیئر کر دیا جائے گا اس طرح وہ چھ ماہ عزت " کے ساتھ گزار کر فاتحانہ انداز میں جیل سے باہر آئیں گے اور حکومت کے " بقیہ ایام گزارنے میں مصروف ہو جائیں گے۔

توہین عدالت کے مقدمے میں سپریم کورٹ کے فیصلے پر تبصرہ کرنا میری صحافتی ذمہ داروں میں شامل نہیں ہے میں عدلیہ کے فیصلے کو من و عن تسلیم کرنے پر یا اس پر عدالت ہی کا سہارہ لینے پر یقین رکھتا ہوں ہاں البتہ میں مجرم یوسف رضا گیلانی کو یہ ضرور یاد دلانا چاہوں گا کہ عدالت زیادہ سے زیادہ سزا دینے کا اختیار رکھتے ہوئے انتہائی کم سزا دی تو اس پر اللہ کا اور عدلیہ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کیونکہ بہرحال عدلیہ نے اس ملک کی عزت کا

بھی خیال رکھا اور یہ چھوٹ کسی یوسف گیلانی کو نہیں بلکہ وزیراعظم کے عہدے کو دی گئی ہوگی ؟اس کا مطلب یہ نہیں کہ عدالت کے فیصلے پر تبصرہ کیا جائے اور کہا جائے کہ مجھے 32 سال کی نہیں بلکہ ۵ سکینڈ کی سزا ملی ہے میرا خیال ہے کہ اس طرح کے بیانات توہین عدالت کا باعث بن رہے ہیں اور عدالت ان پر سخت نوٹس لے سکتی ہے۔

وزیراعظم گیلانی کو توہین عدالت کی سزا ملنے کے بعد قوم کے حساس دل رکھنے والے اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہے ہیں اور شرمندہ ہیں کہ بہرحال یہ قوم کا انتخاب ہیں۔

سزا کے بعد وزارت عظمٰی سے یوسف رضا گیلانی کے استعفٰی نہ دینے اور مجرم قرار پانے کے باوجود ڈھٹائی سے وزیراعظم کی سیٹ سے چمٹا رہنا کوئی سیاسی روایت نہیں ہے اور نہ ہی یہ بات سیاسی اور اخلاقی طور پر درست سمجھی جارہی ہے ہاں اس سے ہٹ دھرمی اور نفسیاتی مرض کی نشاندہی ضرور ہورہی ہے، یہ شک کرنا غلط بھی نہیں ہوگا کہ یوسف رضا گیلانی نفسیاتی مریض ہیں کیونکہ جس شخصیت نے انہیں وزیراعظم کی حیثیت سے چنا تھا وہ ہیں آصف رداری ان کے اپنے طبّی دستاویزات کے مطابق وہ نفسیاتی مریض رہ چکے ہیں۔

ایک نفسیاتی مریض کسی اور کو سمجھے یا نہ سمجھے یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ وہ دوسرے پاگل یا نفسیاتی مریض کو ضرور پہچانتا اور سمجھتا ہے۔

ملک کی اپوزیشن مسلم لیگ نواز جو کہ سب سے بڑے صوبے پنجاب کی تن تنہا مالک بنی ہوئی ہے وزیر اعظم کو سزا ملنے کے بعد گرتی ہوئی دیواروں کو ایک دھکا اور دینے کے لئے اس بار کچھ زیادہ ہی جذباتی نظر آتی ہے لیکن ان کے غصے اور اشتعال کا کوئی بھروسہ نہیں ماضی کی طرح میاں نواز شریف انتہائی جذباتی تقریروں اور جلسوں کے بعد اچانک لندن جا سکتے ہیں انہیں اپنا چیک اپ یا پھر کسی کی عیادت کرنے کے لئے بیرونِ ممالک کا دورہ کرنا پڑ سکتا ہے ویسے بھی میاں شریف اینڈ کمپنی وقت سے پہلے پنجاب کو ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتے اور اب تو عمران خان نے بھی ان کی تحریک کے لیئے اپنی سونامی کو ان کے مجمعے میں لے جانے کے لیئے یہ ہی شرط لگادی ہے کہ پہلے اسمبلیوں سے استعفیٰ دیں۔ عمران خان کو بھی یہ ہی خدشہ بلکہ یقین ہے کہ وہ وقت ضائع کرنے کے لیئے فرینڈلی اپوزیشن کے اسکرپٹ پر عمل پیرا ہیں۔

تاہم کراچی کے علاقے لیاری کی صورتحال حکومت کے لیئے کچھ نہ سہی اس علاقے سے پیپلز پارٹی کا جنازہ نکلنے کی خبر دے رہی ہے جو پارٹی کے لیئے ذلت اور رسوائی سے کم نہیں ہے ویسے اس حوالے سے چھوٹے موٹے منظر تو بہت عرصے سے

جیالے دیکھ رہے ہیں لیکن اب ان کو یقین ہوگیا ہے کہ وزیر داخلہ کے روپ میں ملک کے سیکٹر انچارج اے آر ملک نے اپنا کام پورا کرکے پیپلز پارٹی کو لیاری سے ختم کردیا ہے۔

اگر یہ بات سچ تسلیم کرلی جائے کہ انہوں نے ایسے اقدامات کیئے ہیں جس کے باعث حکومت میں رہتے ہوئے پی پی پی کا ایک بہت بڑا اور دیرینہ حلقہ اور وہاں کے لوگ پیپلز پارٹی سے علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کیوں کیا گیا؟ وزیر داخلہ اس معاملے میں ہمیشہ کیوں سرگرم اور متنازعہ رہے؟ کہیں وہ اس لیاری کو کسی اور جماعت کے کنٹرول میں تو نہیں دینا چاہتے تھے یا ہیں؟ اس بارے میں آئیندہ کبھی تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

ذلت اور رسوائی کے دلدل میں جانے والے حکمرانوں کا تذکرہ کالم کا اصل مقصد ہے اس تناظر میں مجھے سیاست سے دور رہنے والے اور فوج کو سیاست سے دور رکھنے کا عزم کرنے والے آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کا ذکر مجبوراً کرنا پڑ رہا ہے میں ان کو سلام پیش کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے کئی مواقع ملنے کے باوجود اس طرح کا روایتی ایکشن نہیں لیا جو اس سے قبل فوج کی جانب سے حکومت کا تختہ الٹ کر لیا جاتا رہا حالانکہ اب جو حالات اس ملک کے ہیں وہ ماضی

ہیں کبھی بھی نہیں رہے۔

جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف نے تو 1999ء میں یہ کہکر ملک کا نظام سنبھال لیا تھا کہ " آئین بچانا ضروری ہے یا ملک بچانا" جبکہ آج یہ صورتحال ہے کہ اگر آئین کے تحفظ میں رہے تو موجودہ حکمران جو اپنا اور قانون کا مذاق اڑانے کے لیئے کوئی موقعہ ضائع نہیں کرتے خدانخواستہ ملک کو شدید نقصان سے دوچار نہ کردیں۔

ملک کے اداروں کا نقصان اصل میں ملک کا ہی نقصان ہے جو موجودہ حکومت بلا جھجک کررہی ہے جبکہ اداروں کی جو صورتحال ہے اس نے آرمی چیف کو بھی تشویش میں مبتلا کردیا ہے اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگئے ہیں "سب پر لازم ہے کہ آئینی دائرے میں رہیں اور ایسا نظام چاہتے ہیں جس میں سب کے لیئے انصاف ہو"۔

بہت سے دانشوروں اور صحافیوں کا خیال ہے کہ آرمی چیف کا یہ بیان کو حکومت کے لیئے وارننگ ہے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حالیہ اعلیٰ سطحی ملاقاتوں میں آرمی اپنی پالیسی واضع کررہی ہے جبکہ حکومت کو متنبہ کرنے کا سلسلہ بھی شروع کردیا گیا ہے لیکن حکومت اور حکمران طاقت کے نشے میں مست ہیں انہیں ملک اور

قوم کی فکر ہے اور نہ ہی اپنی عزت اور وقار کی، یہ مقبولیت سے گرتے ہوئے مشہور اور اب بدنامی کے دن گذار رہے ہیں شائد یہ حکمران اور ان کے تمام ساتھی "گیدڑ کی سو دن کی زندگی" پر یقین رکھتے ہیں، لیکن ابھی بہت محب وطن شیر ہیں جن سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ گیدڑوں کو مزید چانس نہیں دیں گے۔

لیاری آپریشن ہدف کیا تھا ناکامی کیوں ہوئی؟

سوال یہ ہورہا ہے کہ لیاری میں ۴ مئی تک ہونے والا آٹھ روزہ پولیس آپریشن آخر کیوں کیا گیا؟اس کے مقاصد کیا تھے ؟اور اس کے پیچھے کیا عوامل تھے ؟آٹھ روزہ اس پولیس ایکشن میں 35افراد کی ہلاکتوں اور متعدد کے زخمی ہونے کے ذمہ دار کون ہیں ؟کیا ان کے خلاف بھی کارروائی کی جائے گی؟

اس انوکھے پولیس ایکشن میں کم و بیش 32لاکھ روپے خرچ کئے گئے اور پولیس کی طرف سے ایک لاکھ سے زیادہ گولیاں چلائی گئیں اے کے 47 اور جی تھری رائفل کا کھل کر استعمال کیا گیا، پورا لیاری ہر قسم کی سرگرمیوں سے آٹھ دن تک محروم رہا، کراچی ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے لوگ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھے کہ آخر اس "جنگ" کے پیچھے کن اہداف کا حصول تھا؟

سب نے دیکھا کہ فلمی ہیرو یا ولن کی طرح ایس ایس پی چوہدری اسلم پولیس فورس کے ساتھ گلیوں میں گھوم رہے تھے ان کا لباس اس بات کا گواہ تھا کہ وہ سی آئی ڈی والے ہیں۔لیکن ان کی کاروائی کا ماسوائے جانی اور مالی نقصان کے کچھ بھی نتیجہ نہیں نکلا اور آپریشن کے تحت جن کو گرفتار کرنا تھا وہ تو ہزاروں

لوگوں کے احتجاجی مظاہرے کی قیادت میں مصروف رہے اور چوہدری صاحب کی چوہدراہٹ کو چڑاتے رہے کوئی اور ملک ہوتا تو ناکام کاروائی پر آپریشن کو گرفتار کرلیا جاتا اور متعدد پولیس افسران کو معطل کرکے محکمہ جاتی کاروائی کا آغاز کردیا جاتا لیکن خوش قسمت ہیں یہ پولیس افسران کا تعلق سندہ پولیس سے ہے اور وہ پاکستانی ہیں جہاں ہر بااثر شخص کو ہر قانون اور قاعدے سے استثناء حاصل کرنے کا اختیار خود اس کے ہاتھ میں ہے ،یا یوں سمجھ لیا جائے کہ وہ خود اپنے آپ کو ہر طرح کی پکڑ سے محفوظ کرسکتا ہے۔

پورا کراچی 30/29 سال سے اسلحہ کی نوک پر ہے پرویز مشرف کے دور حکومت کے علاوہ اس دوران جو بھی حکومتیں رہیں جو بھی نظام رہا امن وامان کی صورتحال ناگفتہ بہ رہی لیاری جیسا پولیس ایکشن پہلی بار ہی لوگوں نے دیکھا۔جب تک لیاری میں گولیاں چلتی رہیں پورا شہر ٹارگیٹ کلنگ سے محفوظ رہا جیسے ہی لیاری میں سکون ہوا شہر کے دیگر علاقوں میں دہشت گردی کی کارروائیاں شروع ہوگئیں۔۔۔۔۔آخر کیوں؟ تاثر ملتاہے کہ سیاست کی آڑ میں کھل کر دہشت گردی کرنے ،بات بات پر احتجاج کرنے اور حکومتوں کو بلیک میل کرنے والی سیاسی جماعت اس آپریشن کی پروڈیوسر تھی کیونکہ یہ آپریشن بھی اسی طرح ختم ہوگیا جیسے اس جماعت کی دیگر مطالبات

وقتی طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔

بس آر ملک کی آمد کا انتظار ہوتا ہے وہ پہنچتے ہیں پرانی باتیں نئے انداز سے کرتے ہیں اور سب معمول پر آ جاتا ہے۔ لیاری میں ایسا ہی نہیں تو اور پھر کیا ہوا؟ وفاقی وزیر داخلہ اے آر ملک لیاری کے واقعات پر بھی کراچی آتے ہیں اور بڑے بڑے دعوے کرکے شہریوں کو ایک بار پھر ہنسنے کو موقع فراہم کرکے چلے جاتے ہیں، یہ بات خوش آئند ہے کہ سنجیدہ کرداروں کے روپ میں مسخرے ارکان کابینہ کا حصہ ہیں ورنہ تو لوگ صرف رونے پر ہی مجبور ہوتے ۔

لیاری آپریشن دراصل شرپسندوں کے نام پر وہاں کے مزاحمت کاروں کے خلاف تھا اور ان مزاحمت کاروں سے اسے خالی کرانے کی ایک ناکام کوشش تھا۔

اسے ان قدیم لیاری والوں سے خالی کرانے یا ان کی اواز کو دبانے کی کوشش کی گئی ؟اس کوشش میں کامیابی ہوتی تو کس کو فائدہ پہنچتا؟اور کس کے لئے لیاری کو فتح کرنے کا موقع ملتا؟میں بوجوہ یہ وضاحت کرنے سے قاصر ہوں کہ کون اس علاقے کو فتح کرپاتا یا کس کے لیئے راستہ ہموار کرنی کی کوششیں کی جارہی تھی البتہ میرا خیال ہے کہ لیاری میں اس طرح کے آپریشن سے سب سے شدید نقصان پیپلز پارٹی کو پہنچتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے پیپلز پارٹی کو نقصان پہنچ چکا

ہے۔

پیپلز پارٹی جو بنیادی طور پر کراچی کے کسی علاقے میں تھی تو وہ لیاری تھا اور یہ حقیقت ہے کہ یہی حکومتی جماعت کا مضبوط گڑھ کہلاتا تھا یہاں سے بے نظیر بھٹو اور ان کے نامزد کردہ ہی کامیاب ہو کر ایوانوں میں پہنچتے رہے جبکہ متحدہ قومی موومنٹ کو ہمیشہ ہی اس علاقے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اسے یہ بھی صدمہ رہا کہ کوئی کونسلر بھی وہ اس علاقے سے نہیں جتوا سکے۔

شائد یہ ہی وجہ ہے کہ متحدہ اس آپریشن کی حمایت کرتی رہی جبکہ دوسری طرف پیپلز پارٹی کے موجودہ حکومتی سیٹ اپ میں "شاہ سے زیادہ شاہ" کے وفاداروں نے غلط مشورے دے کر لیاری میں آپریشن کرایا اور پیپلز پارٹی کو اس علاقے سے ہمیشہ کے لیئے رخصت کرنے کے لیئے راہ ہموار کردی اور یہ ہی راہ آنے والے دنوں میں پیپلز پارٹی کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردے گی لیکن اس وقت لیاری کے لوگوں کے خلاف دہشت گردوں کے نام پر کارروائی کرنے والے "زرداری سے زیادہ زر" کے وفادار بہت دور نکل جائیں گے اور اس کا خمیازہ پیپلز پارٹی اور اس کے حقیقی رہنماؤں کو بھگتنا پڑے گا۔

لیاری دوبارہ پیپلز پارٹی کا گڑھ بن سکتا ہے،اس سے ناراض لوگ دوبارہ راضی

ہو کر ایک بار پھر اس کے لیئے جان تک دینے تیار ہو سکتے ہیں اس کے لیئے پیپلز پارٹی کے مخلص رہنماؤ ں اور موجودہ حکومت کی پسندیدہ شخصیات کو جنگی بنیادوں پر ایسے اقدامات کرنے ہونگے جس سے علاقے میں پولیس آپریشن کے دوران جاں بحق اور زخمی ہونے والے افراد کا مداوا ہو کے املاک کے نقصان کی مثالی تلافی ہو کے ساتھ ہی پیپلز پارٹی اور موجودہ حکومت نے جن افراد کو دلی صدمہ سے دوچار کیا ہوا نہیں گلے لگائے اور اس واقعے کی تحقیقات کرکے ذمہ داروں کی نشاندہی کرکے ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے، اگر ایسا نہیں ہوا تو پیپلز پارٹی کا یہ قلعہ ٹکڑے ہو کر مسلم لیگ نواز، جماعت اسلامی، متحدہ قومی موومنٹ اور تحریک انصاف کے حلقوں میں تبدیل ہو سکتا ہے

۔

کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ یا کرپشن کی دوکان

پیپلز پارٹی کا دورِ حکومت تیزی سے اپنی ہی کرپشن کی دلدل میں دھنسا جارہا ہے، سزا یافتہ وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی اور ان کے کرپٹ ہمنوا اب جلد ہی جانے کو ہیں تاہم یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ یہ واحد سیاہ دور ہے جس میں حج جیسے مقدس فریضہ کے معاملات میں بھی بدعنوانی کی گئیں اگرچہ اس کیس میں ذمہ دار وفاقی وزیر اپنے الزامات کی سزا بھگت رہے ہیں لیکن اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حکمرانوں نے کرپٹ لوگوں کا سخت محاسبہ بھی کیا، کیونکہ حکمران تو ہر عوامی کام کی طرف صرف اس لئے متوجہ رہے اور شائد ہیں بھی کہ انہیں اس میں " آمدنی " کا یقین تھا اور ہے۔ سندھ میں پیپلز پارٹی کے اپنے مخلص اور دیرینہ رہنماؤں کو ان کے ہدف کے مطابق شائد ہی کچھ ملا ہو کیونکہ یہاں ریکارڈ پر تو وزیر اعلیٰ قائم علی شاہ ہیں لیکن وزیر اعلیٰ کے اصل اختیارات کوئی ٹپی صاحب استعمال کر رہے ہیں یہ صاحب انتہائی بااثر ہیں اور ہونگے بھی کیوں نہیں ماضی کے مسٹر ٹین پرسنٹ نے براہ راست ان پر پورا ہاتھ رکھا ہوا ہے یوں کہا جائے کہ ان صاحب کا بس نہیں چلتا کہ اپنے آپ کو صدر ہی کہہ دیں۔

کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ پوری کراچی کو پانی کی فراہمی اور نکاسی کا ذمہ دار ادارہ ہے یہ ادارہ کرپٹ عناصر کے لیئے ہمیشہ سے سونے کی چڑیا کے مترادف رہا جبکہ اس کے منصوبے سونے کی کان کے مساوی رہے ملکی اور غیر ملکی فنڈز سے جس قدر کرپشن اس ادارے میں کی گئی ہے شائد ہی اس قدر کسی اور ادارے میں ہوئی ہو!

کرپٹ عناصر نے اس ادارے کے قیام یعنی 1982 کے بعد سے اب تک اربوں روپے کے پروجیکٹ زمین میں دفن کیئے ہوئے ہیں اس ادارے کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں جتنا زیادہ کرپشن کا ماہر انجینئر یا افسر ہوگا اس قدر ہر ایک کی آنکھ کا تارہ ہوگا حکومت کسی کی بھی ہو کرپٹ افسران ان تک پہنچنے کا راستہ جانتے ہیں یہ افسران کہتے ہیں کہ " ہمیں بس کے فٹ بورڈ پر پیر رکھنے کی جگہ مل جائے سیٹ ہم خود حاصل کرلیں گے "۔ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ کرپٹ انجینئرز کو حکومتی شخصیات نے "سینئر" قرار دیکر ایم ڈی تک تعینات کردیا۔

اگر کوئی اتھارٹی واٹر بورڈ کے تمام منصوبوں کی تحقیقات کرے تو اربوں روپے کی کرپشن اور کرپٹ عناصر کا پتہ لگایا جاسکتا ہے لیکن ایسا کئے جانے کا بہت کم امکان ہے کیونکہ وطن عزیز میں بدعنوان عناصر کی ڈوریں منتخب اور بااثر افراد سے جا ملتی ہیں۔

پیپلز پارٹی کے چار سالہ دور کے دوران واٹر بورڈ کو سونے کی کان جان کر چھوڑے اور بیلچے کی مدد سے رقم اکٹھا کرنے والوں میں صرف ادارے کے ایم ڈی اور دیگر افسران ہی نہیں بلکہ صوبائی حکومت کی ذمہ دار شخصیات اور خود ساختہ وزیراعلیٰ بنے بیٹھے ٹپی صاحب بھی براہ راست ملوث ہیں۔

میں صوبائی وزیر سراج درانی کو بھی اس لئے الزام دیتا ہوں کہ انہوں نے ایک جونیئر افسر کو ایم ڈی بنا کر نہ صرف قوائد وضوابط کا مذاق اڑایا ہے بلکہ سینئر افسران کی دل شکنی کی ہے ایسا عمل عموا کرپشن کی راہ ہموار کرنے کے مترادف ہوتا ہے، یہ کون نہیں جانتا کہ موجودہ ایم ڈی واٹر بورڈ مصباح الدین "نیب زدہ" افسر ہیں ۔انہیں احتساب عدالت سے سزا بھی ہوچکی تھی تاہم فیصلے کے خلاف کی گئی اپیل کے باعث وہ بری ہو گئے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ حکومت نے ان میں کیا خوبی دیکھی کہ انہیں ایم ڈی کے عہدے پر فائز کردیا گیا۔ادارے کا سربراہ اگر بہتر ہو تو ادارہ ترقی کرتا ہے اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی پر لوگوں کی نذر میں قابل تعریف بن جاتا ہے۔مگر واٹر بورڈ کے پمپنگ اسٹیشنز اگر بجلی کی لوڈشیڈنگ کی لپیٹ میں آئے تو وہ اس کرپٹ دور میں، ہائیڈرینٹ کی کروڑوں روپے ماہانہ آمدنی خسارے کا باعث

بنی تو اسی دور میں ،ادارہ اپنے کنٹرول میں.برسوں سے موجود سینکڑوں ایکڑ اراضی سے محروم ہوا تو وہ بھی حکمرانوں کے چہیتے افسران کے دور میں اور تو اور ادارے کے مرکزی دفتر میں آتش زدگی کا واقعہ جس میں اہم ریکارڈ جل گیا وہ بھی ان ہی کرپشن زدہ ایام میں۔

مجھے سمجھ نہیں آتا کہ لوگ اللہ کی طرف سے ملنے والی چھوٹ کو کچھ اور کیوں سمجھنے لگتے ہیں اور سدھرنے کے بجائے مزید کیوں بگڑ جاتے ہیں، ہمارے ملک کی جو حالت ہے وہ ہماری قوم اور حکمرانوں کے رویئے کی عکاسی نہیں تو اور کیا ہے؟بحثیت قوم شائد ہمیں جینے کا بھی حق نہیں لیکن دوسروں کے حقوق چھیننے کے لیئے ہم انتہائی چوکنا رہتے ہیں۔

جس ادارے کا میں ذکر کر رہا ہوں وہاں کے افسران اپنے دفاتر اور گھروں میں اپنے ادارے کا پانی بھی نہیں پینا چاہتے وہ پانی جس کی وجہ سے وہ.بڑی.بڑی گاڑیوں میں گھومتے ہیں، ان کی میزوں پر منرل واٹر کی رنگ.برنگی بوتلیں ان کی کارکردگی کا مذاق اڑاتی رہتی ہیں اور یہ " کھوکھے اور پیٹی "کے حصول میں مصروف رہ کر شہریوں کو پینے کا صاف پانی فراہم کرنے کے دعوے کرتے ہیں۔

گلشن اقبال میں واقعہ سی او ڈی فلٹر پلانٹ کے آس پاس کی کروڑوں روپے کی واٹر

بورڈ کی اراضی اگر آج کسی اور کے قبضے میں چلی گئی ہے تو اس میں لینڈ مافیا سے زیادہ واٹر بورڈ کے متعلقہ بینا افسران کا قصور ہے جو آنکھیں کھلے رکھنے کے باوجود "آنکھوں کے ساتھ زبانیں" بھی بند رکھنے کا ہنر بخوبی جانتے ہیں۔

واٹر بورڈ ان دنوں زیرِ زمیں پانی کو پینے کے قابل بنانے کے لیئے چھ ارب روپے کی لاگت سے ایک بڑے منصوبے پر کام کر رہا ہے، منصوبہ شیڈول کے تحت اس سال مارچ تک مکمل ہو جانا چاہیئے تھا جبکہ اس پر کام کا آغاز گذشتہ سال مئی میں ہوا تھا۔ اربوں روپے کے اخراجات کے باوجود ابھی تک یہ اس قابل بھی نہیں ہو سکا کہ اسے دیکھنے سے یہ یقین ہو جائے کہ یہ کبھی مکمل ہو سکے گا! اہم بات یہ ہے کہ ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل نے اس منصوبے کا ٹھیکہ دینے کے حوالے سے منصوبے کے ابتداء ہی میں اعتراض کر دیا تھا کہ اس میں سنگین نوعیت کی خلاف ورزیاں کی گئیں ہیں۔ دوسری طرف ماہرین کو اعتراض ہے کہ جس بڑی رقم سے یہ منصوبہ مکمل کیا جا رہا ہے اس کے مساوی اخراجات سے ماضی میں یومیہ ایک سو ملین گیلن پانی کی فراہمی کا منصوبہ مکمل کیا جا چکا ہے جبکہ اس منصوبے سے شہر کو یومیہ صرف دس ملین گیلن پانی مل سکے گا۔

منصوبے کے لیئے جس تیزی سے فنڈز ٹھیکیدار فرم کو جاری کئے جا رہے ہیں اگر اسی رفتار سے منصوبے پر عمل درآمد بھی ہوتا تو کچھ سمجھ میں آتا کہ کام

ہورہا ہے۔اطلاعات کے مطابق اس منصوبے کا ٹھیکہ دیتے وقت بھی سنگین نوعیت کی خلاف ورزی کی گئیں،اور ٹھیکیدار کو بل کا اجراء کرتے وقت بھی ایسا ہی کچھ کیا جارہا ہے واٹر بورڈ کا سربراہ ایسا کرنے پر مبینہ طور پر اس لیئے مجبور ہے کہ وہ ایم ڈی کی سیٹ پر، حکمرانوں کی پوری آشیرباد کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔

مصباح فرید کو ایم ڈی تعینات کرتے وقت صوبائی وزیر سراج درانی نے کہا تھا کہ وہ ادارے کے سینئر ترین انجینئر ہیں جبکہ انجینئر مشکورالحسن، فرید سومرو، علی محمد پلیجو، عمران آصف، قطب شیخ ،افتخار احمد خان ، جمیل اختراور عبدالرحیم کتھی ان سے سینئر ہیں۔

ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ کراچی واٹر بورڈ کو نجی شعبے کے حوالے کرنے کے لیئے بھی تیاریاں کی جارہی ہیں سستے پانی کی فراہمی کے ادارے کی پرائیوٹائزیشن ہوئی یا اس پر کسی قسم کا کام جاری ہے تو یہ عمل ملک کے سب سے بڑے شہر کے ساتھ " بڑی سازش" سے کم نہیں ہوگا اور اس کام میں شہر دشمن قوتیں ہی سرگرم ہوسکتی ہیں ویسے بھی دنیا بھر میں پانی کی فراہمی اور سیوریج کی نکاسی کی ذمہ داری حکومت پر ہوتی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ماضی میں بھی اس ادارے کی نجکاری کا منصوبہ بنایا گیا

تھا لیکن اسے پوری قوت سے ختم کر دیا گیا اس لیئے مجھے یقین ہے کہ آئندہ بھی اس طرح کے منصوبے کو شروع ہونے سے قبل ہی دفن کر دیا جائے گا۔

مہاجر صوبہ کی بازگشت اور نواب شاہ کا واقعہ

سپریم کورٹ نے 24 مئی کو این آئی سی ایل کیس کی سماعت کرتے ہوئے ریمارکس دیئے کہ "اب بادشاہ سلامت کا دور نہیں رہا اب اقتدار عوام کی ملکیت ہے، ججز نے سوال کیا کہ چوراچکوں کو اس لئے عہدے دیئے جاتے ہیں کہ یہ حکومت کا استحقاق ہے"۔

قومی اخبارات میں سپریم کورٹ کی کارروائی کی یہ خبر فرنٹ پیج پر شہہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی لیکن اس کے ساتھ ہی اسی روز جس خبر کو اخبارت نے ہیڈ لائن بنایا وہ خبر کسی بادشاہ کی تو نہیں البتہ" ملکہ" کے فیصلے کی تھی۔ قومی اسمبلی کی اسپیکر فہمیدہ مرزا نے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کے خلاف سپریم کورٹ کے مختصر اور تفصیلی فیصلے اور مولوی اقبال حیدر ایڈوکیٹ کی جانب سے وزیراعظم کی نااہلی کے لیئے بجھوائے گئے ریفرنس پر فیصلہ صادر کیا ہے اور کہا ہے کہ کسی طور پر نااہلی کا ریفرنس الیکشن کمیشن کو نہیں بجھوایا جائے گا۔

ان کے اس فیصلے پر بہت کچھ لکھا اور کہا جارہا ہے تبصروں اور تحریوں کا سلسلہ بھی جاری ہے، یہ حقیقت ہے کہ ان کا یہ تفصیلی فیصلہ بادشاہوں کے دور

کی کسی "بیوہ ملکہ" کا لگتا ہے جو اپنے بادشاہ کی بے وقت موت پر کچھ بھی سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو کر اپنی من مانی کرتی ہے۔ وطن عزیز میں گذشتہ چار سالوں سے جو کچھ حکمرانوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے وہ بادشاہوں کا کھیل نہیں تو اور کیا ہے؟ چلو مان لیتے ہیں کہ یہ بادشاہوں کا کھیل نہیں ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ " بد معاشوں کی ہٹ دھرمی ہے "!۔ جس کا جو بس چلے وہ کیئے جا رہا ہے عدالت کے احکامات پر عمل نہ کرنا تو اب ان کے لئے کوئی بری بات ہی نہیں ہے، غنڈے اس طرح کی حرکتیں نہیں تو اور کیا کرتے ہیں؟

جو اس ملک کے صدر ہیں اصل "بادشاہ گیری یا داداگری" تو انہوں نے شروع کی ہوئی ہے، ملک کے صدر بھی بن گئے اور پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین کے عہدے سے بھی دستبردار نہیں ہوئے۔

ان کے ساتھیوں اور ان کے مفاداتی حصہ داروں نے جمہوریت کی آڑ میں دستور کا اس طرح مذاق اڑانے پر کوئی ردِ عمل نہیں کیا، ظاہر ہے، کرمنلز کے ٹولے میں کیا کبھی کسی نے اپنے سردار کے خلاف آواز اٹھائی ہے؟

میں عام آدمی ہوں اور محبِ وطن بھی، بھوکا رہ جاؤں گا لیکن ملک کو نقصان پہنچانے والے افراد کو بغیر کچھ کہے، بغیر مزاحمت کئے اور بغیر رد عمل کیئے

نہیں رہ سکتا، صرف میں ہی نہیں اب تو لاکھوں بلکہ کروڑوں لوگ میری ہی طرح سوچ رہے اور ملک کے لیئے فکر کر رہے ہیں۔

ملک میں صرف مہنگائی ، بیروزگاری، بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ ہی نہیں بلکہ وہ سب کچھ چل رہا وہ نہ تو بادشاہوں کے دور میں ہوا ہے اور نہ ہی کسی ڈکٹیٹرشپ اور جمہوریت میں ہوا اور نہ ہی سول مارشل لاء لگانے والے ذوالفیقار علی بھٹو اور فوجی مارشل لاء نافظ کرنے والے ضیاء الحق کے دور میں ہوا بس یوں سمجھیے جو کچھ اس وقت ملک میں ہو رہا ہے وہ انوکھا اور مثالی ہو رہا ہے جس کے نتیجے میں ملک ، قوم اور جمہوریت بدنام ہو رہی ہے، اور ان کا مذاق بن رہا ہے۔ جمہوریت کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ منتخب ہو گئے تو قوم کے ساتھ کچھ بھی کرتے رہا جائے۔ اگر قوم سے اپنے رہنماؤں کو پہنچاننے میں غلطی ہو گئی ہے تو اس کی سزا ملک اور قوم دونوں کو دی جائے ۔ عدالت کے فیصلوں کو تسلیم کرنے اور سمجھنے کے بجائے ان پر بحث کی جائے اور لوگوں کو اپنے غلط فیصلے پر نظرثانی کا موقع بھی نہ دیا جائے بلکہ اسے ملزم آصف زرداری اور مجرم یوسف رضا گیلانی کے رحم و کرم پر چھوڑدیا جائے ؟

ملک میں اگر کچھ سہی چل رہا ہے تو وہ عدلیہ اور اس کا نظام ۔ اس نظام پر بھی کرپٹ عناصر غالب آنے کی مسلسل کوشش کر رہے ہیں۔ اسپیکر قومی اسمبلی

فہمیدہ مرزا کی جانب سے مجرم وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کے خلاف ریفرنس نہ بھجوانے کا فیصلہ عدلیہ کے فیصلے پر غلبہ اور اسے نیچے دکھانے کی کوشش نہیں تو اور کیا ہے ؟میری نظر میں عدلیہ کے فیصلوں پر عمل درآمد نہ کرواکر اور نہ کرکے حکومت توہین عدالت کی مرتکب ہورہی ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ حکومت اور اس کے ماتحت ادارے آخر کیا کررہے ہیں؟آرمی چیف بھی کہہ چکے ہیں کہ ایسا نظام چاہئے جو اداروں میں تصادم کا باعث نہ ہواور آئینی طور پر سب کو انصاف ملے، اس کا مطلب تو واضع تھا کہ وہ حکومتی اقدامات سے مطمئین نہیں ہیں۔

لیکن لگتا ہے کہ حکومت اور اس کے اتحادی وہ کچھ کرنا چاہتے ہیں جس کے نتیجے میں ملک مے ں مارشل لاء لگ جائے اور پھر الزام لگایا جائے کہ غیر جمہوری قوتوں نے جمہوری نظام کو پٹڑی سے اتار دیا ہے۔جمہوری حکومت پر نظر ڈالیں تو ایوان صدر سے لیکر ہر دفتر میں کوئی ایک شخص سانپ کی طرح پھن پھیلائے بیٹھا ہے اور مخصوص اشاروں سے معاملات نمٹا رہاہے اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ اس کے آس پاس کیا چل رہاہے اور کون کیا کررہاہے؟بس اسے اپنے مفادات سے مطلب ہے۔

صدر زرداری تقریبا ہر پندرہ بیس دن بعد (اگر ملک میں رہیں تو) کراچی آتے ہیں اور کراچی ہی نہیں پورے سندھ کی صورتحال کا جائزہ لیتے ہیں لیکن ان کے سامنے وہ مسکین بوڑھا بیٹھا ہوتا ہے جو اگر نشے میں نہ ہو تب بھی صوبے اور کراچی کی صورتحال کی وضاحت نہیں کرسکتا کیونکہ اس شخص کے پاس تو کسی ڈپٹی کمشنر اور ایس پی کو ہٹانے تک کے اختیار نہیں ہیں جن صاحب کے پاس اختیار ہے وہ تاحال خفیہ ہیں اور خفیہ ہاتھ کی طرح صوبے کے نظامِ حکومت پر مسلط ہیں اور یہ ہی ہے ڈکٹیٹر شپ اور

ڈکٹیٹر ہے ں۔ کراچی اور نوابشاہ میں کیا ہوا کوئی اس ان کو کوئی سروکار نہیں اور آنے والے دنوں میں جو خطرے کی بو آرہی ہے اس سے بھی مسکین اور چالاک حکمرانوں کو کوئی غرض نہیں، نئے ایشوز پیدا ہوگئے ہیں۔

نئے صوبوں کے قیام کے مطالبات پنجاب اور خیبر پختونخواہ کے لوگوں نے بھی کیئے اور نئے صوبوں کا قیام کسی بھی طور پر ناجائز نہیں ہے دنیا کے ممالک میں نئے صوبوں اور ڈویژنوں کا قیام ترقی اور مسائل کے سدباب کا سبب رہا پاکستان میں بھی نئے صوبے بننے چاہیئے لیکن لسانی بنیادوں پر صوبوں کا قیام تعصب کو ہوا دیتا ہے سندھ، پنجاب اور بلوچستان صوبے کی موجودگی میں سرائیکی، ہزارہ اور سندھ میں مہاجر صوبے کے قیام کے مطالبات نہ ناجائز ہے اور نہ ہی انوکھی بات ہے بلکہ یہ ایک فطری ردِ عمل ہے۔ لیکن صوبوں کے قیام

کی جدوجہد کو کسی طور پر بھی خونی نہیں ہونا چاہیئے اس طرح کی جدوجہد مکمل طور پر پرامن رہنی چاہیئے۔

سوال یہ بھی ہے کہ سندھ میں نئے صوبے کو قیام کو "سندھ کی تقسیم" سے کیوں تعبیر کیا جارہا ہے؟ اگر نئے صوبے کے قیام سے کوئی صوبہ تقسیم ہوتا ہے تو پنجاب میں سرائیکی اور پختونخواہ ییں ہزارہ صوبے کے مطالبات کے دوران اس طرح کی باہیں کیوں نہیں کی گئیں کہ یہ پنجاب اور پختونخواہ کو باٹنے یا تقسیم کرنے کی سازش ہے؟

میرا خیال ہے کہ سندھ میں بھی پنجاب اور پختونخواہ کی طرح ایک نئے صوبے کی ضرورت ہے۔دکھ اس بات کا ہے کہ سندھ میں نئے صوبے کے قیام کی جدوجہد ملک کے اندر کسی نئے ملک کے قیام کی طرز پر ہورہی ہے اور اس پر ردِ عمل بھی اسی طرح کا کیا جارہا ہے؟ نیا صوبہ کسی بھی ملک میں پرامن جدوجہد کے ذریعے بن سکتا ہے اور بنتا رہا ہے پھر سندھ میں ایسا کیوں نہیں ہوسکتا،نئے صوبے کی مخالفت کرنے والوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ پاکستان کے قیام کے بعد صوبوں کا قیام عمل میں لایا گیا تھا تو کیا پاکستان جس وجہ سے یا جن کی وجہ سے قائم ہوا ان کا بھی کوئی صوبہ بنایا گیا تھا؟ اور اگر نہیں بنا یا گیا تھا تو اب جب سرائیکی اور ہزارہ صوبے کے قیام پر کوئی واضع اعتراض نہیں ہے تو پھر

مہاجر صوبے کے قیام پر اعتراض کیوں ہے۔
بہرحال مہاجر صوبے کی بازگشت بیں جمعہ 25 مئی کو نوابشاہ میں کراچی سے اٹک جانے والی بس پر فائرنگ کا واقعہ سندھ کی خطرناک صورتحال کی نشاندہی کرتا ہے بے وقوف سے بے وقوف آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ کیا سازش تھی کہ نوابشاہ میں یہ واقعہ رونماء ہوا، ابتدائی طور پر یہ افواہ پھیلائی گئی کہ اردو بولنے والوں کو نواب شاہ میں نشانہ بنایا گیا ہے،اس سازش کے پیچھے کون تھے یہ معلوم کرنا پولیس اور دیگر تحقیقاتی اداروں کا کام ہے لیکن لگتا ایسا ہے کہ ایک منظم منصوبہ بندی کے تحت یہ گھناؤنی کارروائی کی گئی تھی تاکہ کراچی میں ایسی آگ لگے جو باآسانی نہ بجھ سکے اور مہاجر صوبہ کی آواز کو تقویت پہنچے ساتھ ہی سندھیوں اور مہاجروں کے درمیان نفرت کی وہ آگ لگے جو 1987 تا 1990 لگی رہی جس نے سینکڑوں افراد کو ہمیشہ کی نیند سلا چکی ہے۔
اس آگ کی تپش سے اردو بولنے والے مہاجر اور سندھی واضع طور پر تقسیم ہوگئے جو اس سے قبل کئی برسوں سے پیار و محبت سے رہ رہے تھے سندھیوں اور مہاجروں کی یہ چپقلش بہت مشکل سے اور کئی سالوں کی جدوجہد کے بعد باالاخر ختم ہو گئی تھی لیکن لسانی بنیادوں پر نئے یعنی کہ ہزارہ اور سرائیکی جیسے صوبے بنانے کے مطالبے نے مہاجر صوبے کے نعرے اور مطالبے کی احیاء کردی اس نعرے کے پیچھے جو بھی سیاسی پارٹی ہے اب تک کھل کر سامنے نہیں آئی اور شائد یہ ہی اس پارٹی کی

سیاست ہے۔

مہاجر صوبے کی بازگشت میں نوابشاہ میں جو واقعہ رونماء ہوا اس سے حساس اور دیگر اداروں کی آنکھیں کھل جانی چاہئے کہ سندھ میں کیا ہونے والا ہے؟ متحدہ قومی موومنٹ سمیت تمام سیاسی جماعتوں نے اس کی مذمت کی اور اپنی تشویش کا اظہار کیا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا صدر مملکت آصف زرداری اپنے آبائی علاقے کو خون سے رنگنے والوں اور پورے سندھ کے خلاف سازش کرنے والوں کا پتہ چلا کر ان کو انجام تک پہنچا سکیں گے؟

یہ واقعہ کسی اور کو چیلنج کرتا ہو یا نہیں آصف زرداری کی اپنی حثییت کو ضرور چیلنج کرتا ہے۔

آرمی کے سابق کلرک ریاض ملک کا اب کیا ہوگا؟

اللہ کا نظام یہ ہے کہ جب وہ کسی کو چھوٹ دیتا ہے تو ایک حد تک اور جب وہ پکڑتا ہے تو پھر ہلچل مچ جاتی ہے۔بڑے۔بڑے بت گرجاتے ہیں،زمین پر خود کو سب کچھ سمجھنے والے اپنی حقیقت تسلیم کرنے لگتے ہیں ایسے لوگ کسی مرض میں مبتلا نہ بھی ہو تب بھی علاج کے بہانے ملک سے باہر بھاگنے پر مجبور ہوجاتے ہیں ان کے پاس سب کچھ ہوتا ہے لیکن نہ اپنی زمین ہوتی ہے نہ اپنا وطن ہوتا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنے آپ کو سہی ثابت کرنے کے لیئے مکروہ چالیں چلتے ہیں۔

ریاض ملک حسین عام آدمی نہیں ہیں وہ تو شائد عام طور پر عام لوگوں سے ملتے بھی نہیں،وہ پاکستان کے بارویں امیر ترین شخص ہیں ان کے کل اثاثوں کی تعداد آٹھ سو ملین ڈالر ہے،ضرورت پڑنے پر یا حکمرانوں کے اشارے پر وہ روپے پیسے کو پانی کا طرح بہادیتے ہیں،وہ کبھی کبھار "خود ساختہ مہان" ہونے کا ثبوت بھی چھوڑ جاتے ہیں،ابھی چند روز پرانی بات تو ہے ریاض ملک حسین نے ملک کے صدر آصف زرداری کے کہنے پر صومالی قزاقوں کے لئے سولہ کروڑ روپے ادا کردیئے تاکہ وہ یرغمالیوں کو رہا کرسکیں،گو کہ انہوں نے بھتہ ادا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

یہ رقم آصف زرداری خود بھی اپنے ذاتی اثاثوں سے ادا کر سکتے تھے کیونکہ ریکارڈ کے مطابق آصف زرداری ملک کے دوسرے امیر ترین شخص ہیں۔۔۔۔ (بہر حال حکم چلانے میں جو مزا آتا ہے وہ کم از کم بھاری رقوم کو بغیر کسی منافع کے خرچ کرنے سے کیسے آسکتا ہے)۔

ملک ریاض حسین جدی پشتی امیر نہیں ہیں وہ تو 19/18 سال کی عمر میں ایک معمولی سے کلرک تھے لیکن وہ معمولی ادارے کے نہیں بلکہ آرمی کے شعبہ انجینئرنگ کے کلرک تھے، یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کس کے ماتحت تھے کہ اس نے انہیں وہ گر سکھائے جو شائد وہ خود نہیں سیکھ پایا ہوگا!

1980/82میں عام بلڈر کی حیثیت سے بزنس شروع کرنے والا ملک ریاض حسین کس طرح آج ملک کی امیر ترین شخصیات میں شامل ہوگیا یہ معاملہ ابھی جواب طلب ہے شائد آنے والے دنوں میں "ڈھول کا پول کھل جائے"۔

ملک ریاض صرف آصف زرداری کی گڈ بک میں شامل نہیں ہیں بلکہ وہ اس سے قبل مرزا اسلم بیگ ،چوہدری برادران اور متعدد سیاست دانوں اور بیوروکریٹس کے بھی چہیتے رہے ہیں، ملک کے بااثر ادارے کے تو متعدد ریٹائرڈ افسران ان کے اپنے

ملازم ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ ملک ریاض کا قد اونچا کرنے اور انکی کمزرویوں کو چھپانے کے لیئے اخبارات اور ٹی وی سے وابستہ صحافیوں اور دیگر لوگوں کا بھی پورا تعاون شامل رہا ہے اور اسی تعاون اور مشورے نے اب ملک ریاض کو اس بند گلی میں پہنچادیا ہے جہاں سے آگے جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

چیف جسٹس پاکستان جسٹس جناب افتخار چوہدری جنہیں حال ہی میں انٹر نیشنل کونسل آف جیورسٹ نے ورلڈ جیورسٹ ایوارڈ 2012 دیا ہے اور جنھوں نے پاکستان میں عدلیہ کے وقار کو بلند کیا بلکہ ملک میں آزاد عدلیہ کی احیاء کی ہے کے بیٹے ارسلان افتخار کے خلاف الزامات لگا کر ملک میں ایک نیا ایشو کھڑا کیا گیا ہے یہ تو ہر کوئی جانتا اور سمجھتا ہے کہ موجودہ حکومت نئے ایشوز کریٹ کرنے میں کس قدر ماہر اور فعال رہتی ہے۔

وطن عزیز میں جب ملزم شخص صدر اور مجرم وزیراعظم رہ سکتا ہے اور قدم قدم پر کرپشن کے بریکر ہوں تو کوئی بھی کسی پر بھی شک کر سکتا ہے، لیکن کیچڑ اچھل کر اسی پر واضع ہو جاتا ہے جو خود پاک صاف ہو۔

چیف جسٹس پر جو گذر رہی ہے وہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے فرعون کے گھر موسیٰ اور رحمٰن کے گھر شیطان پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

چیف جسٹس جناب افتخار چوہدری کو قرآن اور سنت کے مطابق جو فیصلے کرنا تھے انھوں نے کیئے اور ایک سچے اور پکے مسلمان ہونے کا ثبوت دیکر اسلامی روایات کو زندہ کیا۔اس دور میں جب ہر آدمی اپنے آپ کو اور اپنے بیٹوں کو ہر الزام اور ہر قانون سے بچانے میں مصروف ہے وہاں چیف جسٹس افتخار چوہدری کا اپنے بیٹے کے خلاف الزامات پر از خود نوٹس لینا اور ذاتی طور پر اپنے لخت جگر کو گھر سے نکال دینا انتہائی قابل تعریف اقدام ہے ایسے اقدامات تو ہمارے یہاں خواب بنتے جا رہے تھے۔

ارسلان کا مقدمہ عدالت میں ہے اس پر بہت تبصرے ہو رہے ہیں جو میرے خیال میں غلط ہیں لیکن میں اس کیس پر تبصرہ نہیں کرونگا بلکہ میں صرف یہ ہی لکھنا چاہوں گا کہ یہ معاملہ اٹھانے والے ،اس پر غیر معمولی طور پر شور شرابہ کرنے والے اور اس کے پیچھے جو بھی عناصر ہیں وہ کسی بھی طور پر ملک اور قوم کے مخلص نہیں ہیں،انہیں نہ ملک کی اور نہ ہی اپنی عزت کا خیال ہے وہ تو بس چالیں چلتے ہیں یا ریس کے گھوڑوں کی طرح صرف اشارے جانتے ہیں انہیں سوار سے بھی کوئی غرض نہیں ہوتی۔لیکن کبھی کبھار ریس لگانے والا بھی گھڑ سوار سے

زیادہ ذلت کے ساتھ پورے مجمے کے سامنے میدان میں گر پڑتا ہے۔

جسٹس افتخار چوہدری نے اپنے بیٹے کے خلاف کارروائی کا آغاز کرکے نہ صرف عدلیہ کا بلکہ اپنا اور ملک کا وقار اور شان میں بھی اضافہ کیا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عدلیہ کے خلاف ناکام سازش کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟

ریاض ملک کے لئے آصف زرداری کی خدمات

اکبر جمال گذشتہ 18 سال سے امریکہ میں مقیم ہے وہ ہر سال دو سال بعد پاکستان آتا ہے اور پھر واپس امریکہ چلا جاتا ہے طویل عرصے سے امریکہ کو " جائے ذریعہ معاش " بنائے رکھنے کے باوجود اس نے نہ خود امریکن شہریت حاصل کی نہ ہی اپنی فیملی کے کسی ممبر کو امریکی شہری بنایا، کئی بار کی طرح آج بھی اس کا فون آنے پر میں نے اس سے یہ سوال دہرایا کہ آخر تم نے وہاں کی شہریت کیوں حاصل نہیں کی ؟ ، اس نے ہر بار طرح اس مرتبہ بھی مجھے یہ ہی جواب دیا کہ میں پاکستانی ہوں اور صرف پاکستانی ہی رہنا چاہتا ہوں ، بس مجھے سٹیزن شپ مل گئی اور اگر پاکستان میں صحافیوں کو اچھی تنخواہیں ملتی تو میں کبھی بھی یہاں آ کر عام سی نوکری کرنے کے بجائے پاکستان میں ہی رہتا اور صحافت کرتا نہ کہ یہاں رہ کر مفت میں پاکستانی اخبارات کے لئے کام کرتا۔

ابھی میں اس سے مزید کچھ دریافت کرتا اس نے بے تکلفی سے پوچھا کہ "انور یہ پاکستانی میڈیا میں کیا تماشہ چل رہا ہے ، ایک بلڈر کو چیف جسٹس کے بیٹے ڈاکٹر ارسلان افتخار کے ساتھ کھڑا کرکے کس کی تذلیل کی جارہی ہے ؟

یار انور چیف جسٹس افتخار چوہدری کی وجہ سے یہاں پاکستان کا نام اور وقار بہت بلند ہوا ہے جس کی وجہ ہماری بھی عزت بڑھی ہے، اپنے ملک میں ایک یہ ہی تو شخصیت ہیں جن سے بہت سی مثبت اقدامات کی توقع ہے ورنہ تو سب کچھ اللہ توکل ہی چل رہا تھا۔۔۔۔۔۔یار اس معاملے کو آخر اس قدر کیوں کوریج دی جارہی ہے؟اور یہ ملک ریاض کے طیارے کی لینڈنگ سمیت ہر شے کو آخر میڈیا کیوں کور کرہا ہے ؟ یار بھائی بتانا آخر باقاعدہ شکایت سے قبل میڈیا نے اس سارے معاملے کو کیوں اہمیت دی ہے ؟کیا یہ اخبارات اور ٹی وی کو بہت اشتہارات دینے والی پارٹی ہے؟ یا کچھ اور نوازشیں بھی یہ کرتا رہتا ہے؟

اکبر سوالات پر سوالات کئے جارہا تھا میرے کچھ کہنے سے قبل وہ دوبارہ بولنا شروع کردیتا اس کے لہجے میں پاکستان کے بارے میں فکرانگیزی واضع تھی۔

اس نے کہا کہ یار میں شاہین صہبائی صاحب سے بھی بات کرونگا کہ آخر ان کے ادارے نے یہ ایشو کیوں اور کن کی خواہشات پر اٹھایا؟اور اسے منظر عام پر لانے سے قبل کیا یہ بھی سوچا تھا کہ ملک اور قوم اور خصوصا عدلیہ کی ساکھ کا کیا ہوگا جو بڑی مشکل سے اب تو بہتر ہوئی تھی؟

اکبر کا غصہ بڑھتا جارہا تھا ایک لمبی سانس لیکر پھر اس نے سوالات شروع

کردیئے کہ بھائی کوئی ہے جو یہ بتائے کہ یہ کونسی صحافت ہے کہ وہ خبر نشر کردو یا چھاپ دو جس میں عام لوگ زیادہ دلچپی لیں چاہیں خبر کے دستاویزی ثبوت آپ کے ہاتھ میں ہوں یا نہ ہوں؟ کیا صرف کوئی چیز دیکھنے سے ہی اتنی بڑی خبریں چھاپنے اور نشر کرنے کا سلسلہ اپنے ملک میں شروع ہوچکا ہے؟

یار میرا دل چاہ رہا ہے کہ کامران خان کو فون کروں اور اس سے پوچھو کہ اگر صرف کچھ دیکھنے ہی سے خبر نشر کرنے اور چھاپنے کے تقاضے پورے ہوجاتے ہیں تو اپنے دفتر کے سے متصل گلیوں کو غیر قانونی طور پر رکاوٹیں کھڑی کرکے بند کئے جانے کی خبر کیوں نہیں چلاتے؟ ان گلیوں کے تقریباً بند ہوجانے سے ریلوے کالونی کے لوگوں کی مشکلات سے کیوں حکمرانوں اور عوام کو آگاہ نہیں کیا جاتا؟

اس کی زبان رکتے ہی میں نے کہا بھائی اکبر! اس نے میری بات کاٹی اور کہا بھائی وائی مت بول یار ابھی غصہ آرہا ہے اور یہ جو کراچی میں کھلے عام ہوتا ہے کیا یہ ساری خبریں اور فوٹیجز میڈیا پر اب دکھائی جارہی ہیں؟

نہیں نہ اس نے پھر سوال کیا اور خود ہی بولنا شروع کردیا مجھے معلوم ہے "تو" کیا جواب دیگا، تجھے تو فالج کے اٹیک کے بعد کوئی ٹی وی اور اخبار

دفتر میں بھی گھسنے نہیں دیتا ہوگا؟

میں نے کہا اکبر اب میری بھی سن لے میرا بھائی یہ ٹھیک ہے کہ تو سپر پاور ملک سے بات کر رہا ہے اور تجھے اپنے ہی ملک کی فکر ہے۔ مگر میرے دوست اب ہمارے ملک میں وہ صحافت جو الیکٹرونک میڈیا کے آنے سے پہلے ہوا کرتی تھی ایسے ہی نادر ہو گئی ہے جیسے دیگر ضروریات زندگی کی اشیاء۔۔۔۔۔۔۔ صحافتی اصول تو عامل صحافی جانتے ہیں لیکن بھاری تنخواہوں کے دباؤ میں یہ صحافی بھی اب صرف وہ ہی کر رہے ہیں جو مالکان کہتے ہیں اگر وہ ان کی نہ سنیں تو انہیں کوئی چپڑاسی آکر دفتر کے گیٹ سے باہر کر دیتا ہے۔

اب تو کہیں سے پٹاخے کی آواز آئی تو چینل مقابلے کے چکر میں اتنی ہی خبر چلا دیتے ہیں کہ " فلاں علاقے میں دھماکے کی آواز سنی گئی " بعد میں چاہے یہ پتہ چلے کہ وہ گاڑی کا ٹائر برسٹ ہونے کی آواز تھی اور اس سے چاہے کتنا ہی خوف پھیلے ٹی وی چینلز کو اس بات سے کوئی غرض نہیں۔

میں نے کہا اکبر! ارسلان افتخار کا معاملا ایک منظم سازش لگتا ہے جو عدلیہ کے خلاف بلکہ ملک کے خلاف ہے، لیکن اس کے اسکرپٹ رائٹرز کوئی اور نہیں ملک کے ہی خاص لوگ ہیں جو آئندہ الیکشن کی تیاری کے لیئے ضروری سمجھتے ہیں کہ

این آر او کیس ،بلوچستان کے گمشدہ لوگوں کا مقدمہ اور دوہری شہریت سمیت وہ تمام مقدمات کو " حکم امتناعی " مل جائے جو کسی بھی طرح ان کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے ہیں تاکہ ملک پر یوں ہی مسلط رہا جا سکے۔

لگتا یہ ہے کہ اس کام کے لیئے ریاض ملک نامی ،بزنس ٹائیکون اور میڈیا ٹائیکون کی خدمات خصوصی طور پر حاصل کی گئی ہے لیکن مایوسی کی بات نہیں اللہ سے ڈرنے والوں کی اللہ بھی مدد کرتا ہے اور اللہ جب اپنی چال چلتا ہے تو سب مفاد پرست ،ظالم جابر ڈھیر ہو جاتے ہیں۔

قوم دعا گو ہے کہ اللہ چیف جسٹس پاکستان افتخار چوہدری کو اپنے دین پر رکھے ، انہیں ہمت عطا کرے اور ان کی ہر طرح حفاظت کرے آمین۔

رہی بات ریاض ملک کی تو انہیں راستہ کلیئر دینے کے لیئے آصف زرداری اپنا شیڈول ہی آگے بڑھا دیتے ہیں اور ان کی حفاظت کے لیئے خصوصی انتظامات بھی ،آخر وہ" دوستوں کے دوست ہیں "۔اب دیکھنا یہ ہے کہ آصف زرداری اور ان کے ہمنوا دوستی میں ملک کو کہاں تک لے جاتے ہیں؟ لیکن مجھے خدشہ ہے کہ ریاض ملک کے اس ایشو کے دوران ملک میں خدانخواستہ کوئی بڑا واقعہ رونما نہ ہو جائے اس لئے کم از کم متعلقہ حکام کو اس جانب بھی توجہ دینی چاہیے۔

ملک ریاض صاحب ! وہ دن بھی نہیں رہینگے اور یہ دن بھی نہیں رہیں گے

سپریم کورٹ نے 14 جون کوارسلان افتخارازخود نوٹس کیس نمٹاتے ہوئے اٹارنی جنرل کو قانون حرکت میں لانے کا حکم دیا اور کہا کہ ملک ریاض ان کے داماد سلمان احمد اور چیف جسٹس پاکستان کے بیٹے ارسلان افتخار کے خلاف سخت کارروائی عمل میں لائی جائے سپریم کورٹ نے اپنے ریمارکس میں کہا کہ ملک ریاض نے انصاف خریدنے کی کوشش کی لیکن تسلیم کیا کہ 34 کروڑ روپے خرچ کرنے کے باوجود کامیاب نہیں ہوسکے۔

عدالت نے اپنی کارروائی مکمل کرلی اب دیکھنا ہے کہ اٹارنی جنرل کورٹ کے حکم پر کیا اور کیسی سخت کارروائی کراتے ہیں۔

ارسلان افتخار مقدمہ تو نمٹ گیا بس اس کے ثمرات کا انتظار پوری قوم کو رہے گا۔ لیکن اس کیس کی ابتداء ہی میں ملک ریاض نے " آزاد لیکن اپنی مٹھی میں بند "میڈیا کے بعض سیکشن کی مدد سے اپنی صفائی میں جو کچھ کہا اس کے نتیجے میں توہین عدالت کے مرتکب ہوئے اور یہ کیس ابھی زیر سماعت ہے اس مقدمہ کی آئندہ سماعت 22 جون کو ہوگی۔

توہین عدالت کے نوٹس کے باوجود ملک ریاض حسین ٹی وی چینلز پر اپنا کیس خود ہی لڑتے رہے اس مقصد کے لیئے ان کے مہربان میڈیا پرسنز کا مکمل تعاون دیکھنے میں آیا ملک ریاض قوم کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کرتے رہے اس قوم کے سامنے جو بہت کچھ جانتی اور سمجھتی ہے مگر وہ زبان نہیں رکھتی جو اس پر فوری ردِ عمل کرسکے اور وہ اختیار نہیں رکھتی کہ ان کو روک سکے۔ وہ تو بس مفت میں " سب بکواس " سنتی رہی اور مسکراتی رہی ، اگر ہماری معصوم قوم کچھ کہنے کے قابل ہوتی تو فوری طور پر صرف یہ ہی کہہ پاتی کہ " چینل بھی کمارہا ہے اور چینل والے بھی " کسی نے نوٹ پکڑلئے تو کسی نے وعدے پر ہی خدمات پیش کردیں۔

بحریہ ٹاؤن اور ملک ریاض کے معاملات پر آزاد میڈیا کی گونج میں بعض صحافیوں نے جو کچھ کیا اس کے بعد اس میڈیا کے "اپنے منہ میاں مٹھو" صحافیوں کو اب آزاد اور سچے صحافی ہونے کا دعویٰ کرنے کے بجائے ہمیشہ کے لیئے خاموش ہوجانا چاہئے۔

میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ٹی وی اور اخبارات میں صحافت کا 25 سال کا تجربہ ہونے کے باوجود نہ تو ایسے میڈیا اور نہ ہی ایسے صحافیوں میں میرا نام آتا ہے سچ یہ بھی ہے کہ الحمد اللہ میں تو ان میں شامل ہوں جنہیں کوئی

بھی کسی بھی طرح کی رقم دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ شکر ہے اللہ کا کہ مجھے ایسے "مادر پدر آزاد" میڈیا کے دور سے قبل ہی اللہ نے فالج جیسے خطرناک مرض میں مبتلا کردیا ویسے تو میں ہمیشہ ہی علامہ اقبال کے اس شعر کے مطابق زندگی گذارتا ہوں کہ " اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی"۔

اب مزید بات کرتے ہیں ملک ریاض حسین کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پاکستان کے کھرب پتی بلڈر ملک ریاض کی بے بسی کا عالم تو دیکھئے۔13 جون کو ایک ٹی وی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے کہتے ہیں "آپ لوگ مجھے گولی ماردیں میں مرنے کو تیار ہوں" ساتھ ہی ایک سے زائد مرتبہ یہ بھی بولا کہ اگر مجھے کچھ ہوا تو سپریم کورٹ ذمہ دار ہوگی۔

ملک ریاض مجھے اس انٹرویو کے دوران مجموعی طور پر انتہائی پریشان حال انسان لگے لیکن کبھی کبھی وہ مجھے بے وقوفی کی حد تک سیدھے سادے معصوم آدمی بھی نظر آئے۔

ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی مرضی کے خلاف اور ذہنی و جسمانی صلاحیتوں سے زیادہ ذمہ داری قبول کرلے تو وہ تقریباپاگل ہوجاتا

ہے۔

توہین عدالت کا نوٹس جاری ہونے کے باوجود عدالت کے بارے میں توہین آمیز جملے دہرانا پاگل پن نہیں تو بے وقوفی ضرور ہے۔ ملک ریاض کی بے بسی یہ ہے کہ وہ مرنے کے لیئے بھی تیار ہیں اور لوگوں کو مارنے کی بھی دعوت دے رہے ہیں۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مجھے صدر آصف زرداری کی سپورٹ نہیں ہے البتہ میں ان سے ملتا رہتا ہوں ،تاہم یہ بھی واضع کرتے ہیں کہ میں ان (زرداری) سے ایوان صدر میں ایک ہی بار ملا ہوں، جب ٹی وی اینکر نے پوچھا کہ پھر آپ آصف زرداری سے کہاں ملتے ہیں؟ توانھوں نے معصومیت سے جواب دیا کہ ان (آصف زرداری) کے گھر کی انیکسی میں ملتا ہوں اور ہر دوسرے تیسرے دن ملتا ہوں۔ملک ریاض جذبات میں یہ بھی کہہ گئے کہ جب ایگزیکٹیو کو نہیں چلنے دینگے تو سسٹم کیسے چلے گا؟

مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ ملک ریاض آخر کن مجبوریوں کے باعث اس ڈرامہ کا اہم کردار بننے پر تیار ہوئے کیا وہ واقعی ڈاکٹر ارسلان کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہے تھے یا کسی اور کے ہاتھوں" سرتاپا" پھنس کر یہ سب کچھ کرنے پر

مجبور ہوئے ہیں؟ یہ بات تو آنے والے دنوں میں انشاء اللہ واضح ہو جائے گی کہ عدلیہ کو بدنام کرنے کی ناکام سازش کے پیچھے کون تھا؟ عام خیال یہ ہی ہے کہ جس کو عدلیہ کے فیصلوں سے زیادہ تکلیف پہنچی ہے اور آنے والے دنوں مزید تکالیف کا خدشہ ہے وہ ہی اس سازش کے اصل کردار ہیں۔ کیونکہ انہیں ڈر ہے کہ یہ منصفانہ نظام مزید کچھ دن چلتا رہا تو انہیں ذلت کے ساتھ رخصت ہونا پڑے گا۔

مجھے ملک ریاض سے ہمدردی بھی ہے کیونکہ کروڑوں روپے خرچ کرنے کے باوجود آج وہ جس جگہ کھڑے ہیں اس سے آگے انہیں تاریکی نظر آ رہی ہے۔۔۔ وہ یقینا یہ بھی سوچ رہے ہونگے کہ کوئی کامران، کوئی لقمان، کوئی مسعود اور کوئی سیٹھی ان کی مدد نہیں کرے گا کیونکہ یہ سب زر کے پجاری ہیں ملک صاحب کو پتہ ہے کہ جس معاشرے میں بغیر پیسہ خرچ کئے کچھ بھی نہیں ہوتا وہاں کایا پلٹ جائے تو لوگ اپنی عزت کی حفاظت کے لیئے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔۔۔ روپے پیسے کے لیئے سب کچھ کر جانے والے روپے پیسوں کو پہچاننے سے بھی انکار کر سکتے ہیں۔

ملک صاحب آپ نے جن پر بھاری نوٹ خرچ کئے وہ بے چارے تو اپنی عزتوں کے ساتھ اپنی نوکریاں بھی بچانے کی فکر میں بتلا ہونگے۔ اس لیئے میں آپ سے یہ ہی کہونگا جو بھی ہوا اب عمر کے اس حصے میں سچ کہہ دیں اور آپ سے فائدے اٹھانے

والے ہر شخص کا نام بتادیں اچھا ہوگا کہ آپ ساتھ ساتھ یہ بھی وضاحت کردیں کہ آپ نے ان کو کیوں فائدہ پہنچایا۔۔۔۔ظاہر ہے آپ بزنس مین ہیں گھاٹے کا سودا تو آپ نے بھی نہیں کیا ہوگا؟آپ نے جن کے اشارے پر ملک کے اہم ترین ادارے کو بدنام کرنے کی کوشش کی آخر اس کے بدلے میں انہوں نے بھی تو کچھ دیا ہوگا یا وعدے کئے ہونگے؟

یاد رکھیں جن شخصیات نے آپ کو ایک معمولی میٹرک پاس کلرک سے ملک کا بارہواں امیر ترین آدمی بننے میں کسی بھی طرح مدد کی وہ حضرات اپنی عزت بچانے یا مزید رسوا ہونے سے بچنے کے لئے آپ کو دوبارہ منشی بنا سکتے ہیں۔اس لئے ایسے لوگوں پر اب مزید اعتبار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔۔۔ کیونکہ اب ان کی بھی باری آنے والی ہے ، اس لیئے اب تو تو صرف اللہ ہی آپ کی مدد کرے گا لیکن اس کے لیئے آپ کو توبہ کا راستہ اختیار کرنا ہوگا، سرداروں اور زرداروں سے اب کچھ نہیں ملے گا کیونکہ بقول شاعر

رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔چنان نماند و چنین نیز ہم نخواہد ماند

خوشخبری پہنچی ہے کہ غم کے دن نہیں رہیں گے۔۔۔۔۔۔وہ دن بھی نہیں رہے اور یہ دن بھی نہیں رہیں گے

قصہ دل کے دورے اور ڈاکٹرز کی کارکردگی کا

22 اور23 جون کی شب مجھے "دورے کا سامنا" کرنا پڑا، یہ دورہ کسی غیر ملک کا نہیں تھا بلکہ " دل کا تھا"ہم صحافیوں کو بہترین کارکردگی کے نتیجے میں کبھی کبھی ایسے بھی دورے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ کئی دیگر کی طرح اس دورے کے نتیجے میں میری روح کو پرواز نہیں کرنا پڑا۔۔۔ اللہ ہم سب کو صحت مند زندگی عطا کرے آمین،اور ہرایک کو ایسے دورے سے بچاکر حکمرانوں اور سیاست دانوں اور ان کے چہیتوں کی طرح بیرون ممالک کے دورے کرائے آمین۔

اب میں آپ کو اس دورے سے حاصل ہونے والی معلومات سے آگاہ کروں، یقین کریں کہ مجھے ہارٹ اٹیک ہوا اس کا یقین نہیں آرہا تھا مگر سینے میں عجیب طرح کے درد کے باعث اور بیوی کی مسلسل ضد کی وجہ سے میں نے امن فاؤنڈیشن کی ایمبولینس طلب کرلی اس سے زیادہ کچھ طلب کرنے کا نہ تو اختیار ہے اور نہ ہی حیثیت ،اس پر سوار ہوتے ہی ایمبولینس کے اسٹاف نے مجھے بیٹھنے سے منع کرکے زبردستی لٹادیا اور میں کراچی یونیورسٹی روڈ کے قریب واقعہ (Dow Institute of Health Management) جسے ڈاؤ میڈیکل یونیورسٹی ہسپتال بھی کہا جاتا ہے، پہنچ گیا، میرا اس اسپتال کا پہلا دورہ تھا۔۔۔۔اس لئے اللہ کا شکر ادا کیا

کہ دردِ دل ہی سہی کسی طرح اس عالیشان عمارت کا وزٹ کرنے کا موقعہ تو ملا صحافتی نبض چوکنا ہو گئی معلوم ہوا کہ 2003 میں افتتاح کیئے جانے والے اس منصوبے کے تحت ابھی تک صرف او پی ڈی اور ایمرجنسی فنکشنل ہو سکی ہے لیکن اطمینان ہوا کہ ہنگامی طور پر ڈاکٹر اور دیگر اسٹاف بھی سرگرم ہے ڈاکٹر نے ای سی جی کرانے کے بعد مجھے یقین دلایا کہ " آپ کو ہارٹ اٹیک ہوگیا ہے اس لئے آپ کسی بڑے ہسپتال چلے جائیں " وہ ڈاکٹر مسیحا جیسا ہی تھا بار بار اس نے کہا آپ پریشان نہ ہو لیکن ساتھ ہی اس نے کسی لمحے اپنے اسٹاف کو کہا کہ فوری ایمبولینس کو روک لو کہیں وہ چلے نہ جائے ڈاکٹر کی تشویش اور مجھے تسلی دینے کے انداز سے مجھے واقعی اطمینان ملا اور میں اس سوچ میں گم ہوگیا کہ ایسے بااخلاق انسان ہی حقیقی مسیحا ہوتے ہیں۔

وہاں سے ایمبولینس میں سوار ہوتے ہوئے مجھے ایمبولینس اسٹاف نے کہا کہ بہتر ہے کہ آپ نیشنل انسیٹیوٹ آف ہارٹ ڈیزیز (این آئی سی وی ڈی) چلیں ، لیکن میں نے کہا کہ نہیں کراچی انسیٹیوٹ آف ہارٹ ڈیزیز چلیں انہوں نے کہا لیکن وہاں تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا وہ لوگ تو کچھ نہیں کریں گے لیکن میرے اصرار پر وہ مجھے کے آئی ایچ ڈی لے آئے میں آپ کو یہاں واضع کروں یہ بلدیہ کراچی کا ہسپتال ہے اور صرف سات سال قبل یعنی جون 2005 میں اس کا افتتاح کیا گیا تھا اس ہسپتال کو کراچی کے دوسرے بڑے سرکاری ہسپتال کی حیثیت حاصل ہے اس اسپتال

کی خاص بات یہ بھی ہے کہ یہاں انجیوپلاسٹی اور انجیو گرافی کی نہ صرف سہولیات
کے مقابلے میں کم چارجز پر فراہم کی جاتی NICVD حاصل ہیں بلکہ یہاں یہ سہولیات
ہیں اور شائد یہ ہی وجہ تھی کہ میں نے اس اسپتال پہنچنے کو ترجیح دی۔ بہرحال جب مجھے
یہاں بیڈ پر لٹایا گیا تو ایک نوجوان میرے پاس پہنچا اور اس نے میری ای سی جی نکالی
ساتھ ہی بلڈ پریشر چیک کرکے خاموش چلا گیا اس وقت میرا بلڈ پریشر 130/ 160 تھا
لیکن وہ بغیر کچھ کہے ، پوچھے اور اپنے چہرے سے کوئی اظہار کئے چلا گیا کچھ دیر بعد ایک
اور صاحب یہاں آئے وہ ڈاکٹر جیسے لگے رہے تھے انہوں نے کسی پولیس اہلکار کی طرح
ان کو دکھانے کی ECG مجھ سے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ میں نے ڈاؤ میڈیکل کی
بالکل ECG کوشش کی تو انہوں نے فوری کہا "اسے اپنے ہاتھ میں رکھیں آپ کی
صحیح ہے" میں نے کہا مگر آپ چیک تو کرلیں اسے انہوں نے فوراً کہا اس کی ضرورت
نہیں مجھے پھر میں نے کہا تو اب آپ ہی بتائیں کہ کیا ہوا مجھے؟ ان ڈاکٹر نماء شخص نے
بتایا کہ آپ کا بلڈپریشر بڑھا ہوا ہے ابھی ڈرپ اور انجیکشن لگاتے ہیں کم ہوجائے گا اور
آپ گھر جاکر نیند کی گولی کھاکر سوجانا۔ وہ ڈاکٹر پورا "الٹا" نہیں تھا البتہ الٹے ہاتھ سے
ہوں اس لئے ایک یہ ہی بات میں سینے میں Left Hand لکھ رہا تھا چونکہ میں بھی
شدید درد کے باوجود نوٹ کرسکا لیکن اس کے گفتگو کے انداز سے مجھے زندگی میں پہلی
بھی بدتمیز اور بداخلاق ہوتے ہیں ورنہ میں نے تو Left Hand بار احساس ہوا کہ
آج تک اپنے

شخص کو بھی دیکھا وہ بہت ہی خوش مزاج اور خوش اخلاق نظر Lefty علاوہ جس آیا آپ یقین کریں کہ میں آئینہ بہت کم دیکھتا ہوں اس لئے نہیں کہ مجھے میرا چہرہ اچھا نہیں لگتا بلکہ اس لئے کہ یہ تو " دوسروں کے دیکھنے " کے لئے ہے۔

میں قیام کے بعد مجھے وہاں سے زندہ سلامت رخصت KIHD خیر جی تقریباً ایک گھنٹہ کر دیا گیا، میں اس بات پر ہی خوش تھا کہ زندہ ہوں۔ گھر پہنچ کر میں ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق نیند کی ایک عدد ٹیبلیٹ لی اور سو گیا جب اٹھا تو میرے بستر سے اٹھنے سے قبل ہی سینے میں درد اٹھ رہا تھا، بس پھر کیا میں سوچوں میں ڈوب گیا، میں سوچ رہا تھا کہ کا کہ اسی اثناء میں بیوی کی پیار بھری آواز آئی KIHD کونسا ڈاکٹر صحیح تھا ڈاؤ کا یا ۔۔۔۔۔ (آپ کو تو پتا ہی ہوگا کہ بیویاں ایسے مواقعوں پر خوش اخلاق ہو ہی جاتی ہیں) ۔اس نے پوچھا کیسی طبعیت ہے، میں نے جواب دیا کہ یار درد تو اب بھی ہو رہا ہے، بلڈ پریشر چیک کرنا چاہئے، یہاں میں آپ کو بتا دوں کہ تقریباً تین سال قبل مجھے ہونے والے فالج کے حملے کی وجہ سے میرے گھر پر فرسٹ ایڈ کی تمام سہولیات موجود ہیں بلکہ بیٹی ، چھوٹا بیٹا اور بیگم ڈاکٹر تو نہیں لیکن نرس بن چکے ہیں اللہ نے چاہا تو میری بیٹی اپنی خواہش کے مطابق ڈاکٹر بھی بن جائے گی انشاء اللہ، اس لئے بیگم نے بلڈ پریشر چیک کیا اور تشویشناک انداز میں کہا یہ تو اب بھی بڑھا ہوا ہے۔۔۔۔۔ مجھے اللہ نے ہمت دی جس کی وجہ سے میں نے

فیصلہ کیا کہ اب کل صبح کسی ہسپتال میں کنسلٹنٹ سے رابطہ کریں گے جمعرات سے ہفتے کی صبح تک میں سینے کے درد کی کیفیت میں مبتلا رہا تاہم جب ہفتے کو میں ایک نجی اسپتال پہنچا تو وہاں موجود کنسلٹنٹ ڈاکٹر امان اللہ نے میری دونوں ہسپتالوں کی والوں نے ایڈمٹ نہیں کیا، آپ کے ساتھ D KIH دیکھتے ہی کہا کہ " آپ کو ECG خراب آئی ہیں اگر اس ڈاکٹر نے ڈاؤ ECG بہت زیادتی کی انہوں نے ، آپ کی دونوں کی ای سی جی نہیں دیکھی تو کیا ہوا مگر کراچی ہارٹ ڈینٹرز کی ای سی جی بھی تو ہارٹ اٹیک شو کررہی ہے ! ڈاکٹر امان اللہ کے چہرے پر گہری تشویش اور فکر واضح تھی پھر انہوں نے بغیر وقت ضائع کئے اپنے اسٹاف کو بلایا اور ہنگامی بنیادوں پر میری ٹریٹمنٹ شروع کی اس دوران میرے بچپن کے اور صحافت کے دوست جو میری اصل دولت اور اصل رشتے دار ہیں کو اطلاع ملی سب سے پہلے جیو نیوز کے اظہر حسین، عقیل رانا اسپتال پہنچ گئے فہیم صدیقی نے فون پر رابطہ کیا جب کہ طارق ابوالحسن ، مسعود انور اور موسیٰ کلیم کراچی سے باہر ہونے کی وجہ سے دیگر کو مطلع کرتے رہے پھر ان دوستوں کو ڈاکٹر امان اللہ نے بتایا کہ میری فوری انجیوپلاسٹی ہونا بہت ضروری ہے اور یہ سہولت ان کے اسپتال میں ابھی موجود نہیں ہے جس پر میرے ساتھیوں نے مجھے ملک کے سب سے بڑے دل کے سرکاری اسپتال منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔

یہاں میں قارئین کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس تحریر کا مقصد نہ تو

اپنے دوستوں کی تعریف کرنا ہے اور نہ ہی اپنی بلکہ صرف اور صرف سرکاری اسپتالوں اور وہاں کے علاج معالجہ کے حوالے سے آگاہ کرنا ہے۔

میں اپنے دوستوں کی مدد سے قومی ادارہ برائے امراض قلب پہنچ گیا، یہ اسپتال صحافی ٹریٹمنٹ کا باعث بنا، جس روز مجھے VIP دوستوں کے تعلقات کے نتیجے میں میرے لئے یہاں ایڈمٹ کیا گیا اسی روز رات تقریباً ساڑے گیارہ بجے میری انجیوپلاسٹی کردی گئی میرا پورا خاندان اس ہنگامی علاج پر بہت خوش ہوا 27 جون کو مجھے اسپتال سے چھٹی دیدی گئی میں گھر آگیا اب مجھے دوبارہ لیکن کبھی کبھار سینے میں درد رہنے لگا، میں نے لینا چاہئے اور second opinion فیصلہ کیا جو کچھ علاج میرا ہوا اس کے بارے میں سینے میں ہونے والے درد کے بارے ہیں ڈاکٹر امان اللہ ہی سے رابطہ کرنا چاہئے اس ضمن میں نے اپنے دو ڈاکٹر دوستوں سے بھی رائے لی انہوں نے کہا کہ اچھا ہے اگر کسی اور سے بھی رجوع کرلیا جائے جس کے بعد میں دوبارہ ڈاکٹر امان اللہ کے پاس پہنچ گیا انہوں نے انتہائی اخلاقیات کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرا معائنہ کیا پھر انجیوپلاسٹی کی سی ڈی چیک کی ۔۔۔ سی ڈی چیک کرتے ہوئے ڈاکٹر کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور میں ان کا چہرہ دیکھ کر فکر مند ہوگیا تاہم زیادہ ٹینشن لینے کے بجائے میں نے اپنے اوپر قابو پایا دماغ کو اللہ کی جانب لے گیا کہ وہ ہی سب کچھ کرنے اور بہتر کرنے والا ہے،۔۔۔ ڈاکٹر امان اللہ نے کہا پریشان مت

ہونا ہو سکتا ہے یہ میرا شبہ ہو۔۔۔۔۔۔۔کہ آپ کی انجیو پلاسٹی درست نہیں ہوئی ہے
thallium scan اور شائد اب دوبارہ انجیو پلاسٹی کرنا پڑے۔۔۔۔۔انہوں نے
تجویز کردیا یہ ٹیسٹ انشاء اللہ میں جلد کرالوں گا کیونکہ یہ مجھے کرانا stress test
ہے اس کے بغیر یہ واضح نہیں ہوسکے گا کہ اب کیا "چل رہا ہے میرے من میں"۔
لیکن یقین کریں کہ میں اکثر یہ ہی سوچتا ہوں کہ کراچی انسٹیٹیوٹ ہارٹ ڈیزیز جیسے
اسپتال حکومت نے کیوں رکھے ہوئے ہیں؟؟ کیونکہ بقول کئی ڈاکٹرز کے آپ کے ساتھ
یہاں پر علاج نہیں زیادتی کی گئی ہے۔
لیکن میں سوچتا ہوں کہ اگر انجیو پلاسٹی کی رپورٹ ڈاکٹر امان اللہ کے شبے کے مطابق
نکلی تو پھر کس کس سے شکایت کریں گے اور ان اداروں کے ڈاکٹرز کے بارے میں کیا
کہا جائے گا؟ سچ تو یہ ہے کہ میرے وطن میں سب کچھ اللہ توکل چل رہا ہے صرف
حکمران ہیں جو اپنی" صلاحیتوں" سے چلے جارہے ہیں انہیں کوئی نہیں ہے جو گام دے
اور عوام کی طرف متوجہ کرائے۔

آمریت سے بدتر جمہوریت سے چھٹکارہ کا وقت آگیا؟

ایک بار پھر ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں جس کے نتیجے میں ملک آمریت سے بدتر جمہوریت سے چھٹکارہ پا سکتا ہے، اگر موجودہ حکومت کا تختہ ہوا تو خطرناک رد عمل بھی سامنے آسکتا ہے لیکن عام افراد کی اکثریت جو غربت، مہنگائی، بیروزگاری، امن و امان کی خراب صورتحال اور بجلی کی لوڈشیدنگ جیسے مسائل کو گذشتہ تقریباً ساڑے چار سال سے برداشت کر رہی ہے خوش ہو جائے گی اس بات کا قوی امکان ہے کہ ایسا ہونے پر کروڑوں لوگوں کے چہرے خوشی سے کِھل اٹھیں گے ممکن ہے کہ لوگ حکمرانوں کے جانے پر جگہ جگہ رقص کرتے ہوئے اور جشن مناتے ہوئے نظر آئیں۔ آمریت کے لبادے میں موجود حکومت کے خاتمے پر غم و غصہ کا اظہار اور شدید رد عمل حکومتی ٹولے میں موجود سیاسی پارٹیوں کے جذباتی کارکنوں کی طرف سے کیا جا سکتا ہے لیکن یہ سب کچھ جمہوریت کی محبت میں نہیں بلکہ لوٹ مار، غنڈہ گردی اور کرپشن کے مواقع چھن جانے کے صدمے کے باعث اپنے رہنماؤں کے اشارے پر ہی ہو سکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ میرا خیال یا خوش فہمی ہے یا اس کے امکانات واقعی پیدا

ہو چکے ہیں؟حقیقت یہ ہے کہ مجھے یہ خوش فہمی آج ہونے والے کور کمانڈرز کے اجلاس سے ہوئی ہے،آئی ایس پی آر کے مطابق اجلاس میں فوجی کمانڈرز پیشہ ورانہ امور اور داخلی صورتحال پر غور کریں گے۔ کور کمانڈرز کا یہ اجلاس ایک ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب ملک کے دو اہم ادارے ایک دوسرے کے مدِمقابل آ گئے ہیں جس کے نتیجے میں ملک افرا تفری کا شکار ہو سکتا ہے۔

ملک کے داخلی حالت پر کور کمانڈرز کا اجلاس اس بات کا ثبوت ہے کہ عسکری قیادت کو ملک کی موجودہ صورتحال پر تشویش ہے اور وہ اس صورتحال سے خاموش نہیں بیٹھ سکتی۔یہ حقیقت ہے کہ جب ملک کے سب بڑے صوبے کے لوگ اور وہاں کا وزیر اعلیٰ بھی بجلی کی لوڈشیڈنگ کے باعث سڑک پر احتجاج کرنے پر مجبور ہے اور پنجاب کی سڑکوں پر بارشوں کے باوجود بجلی نہ ہونے کے باعث لوگ سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں جبکہ ملک کے سب سے بڑے شہر میں عام شہری اور تاجر ٹارگیٹ کلنگ اور بھتہ مافیا، سے تنگ ہیں یہاں کے تاجر اپنا کاروبار کراچی سے منتقل کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں، جبکہ بلوچستان اور پختونخواہ کے لوگ امن وامان ،پاور کرائسس اور دیگر ایشوز کی وجہ سے پریشان ہیں ، ایسی صورت میں کسی بھی ادارے کی تشویش بے جا نہیں ہے۔لیکن حکمران صرف اپنے مفادات اور حکومت کو طول دینے میں مصروف ہیں حکومت اور ان کے اتحادی عوام کو درپیش مشکلات سے لاتعلق نظر آتے ہیں، جبکہ ایک حکومت کی اہم اتحادی متحدہ قومی

موومنٹ ان دنوں آنے والے انتخابات کی تیاریوں میں مصروف ہو چکی ہے اور اپنے مستقبل کے اتحادیوں کی تلاش میں سرگرم ہے۔

اسی طرح پیپلز پارٹی کے لیڈرز حکومت اور صدر مملکت کے دفاع کے لیئے سپریم کورٹ میں چلنے والے مقدمات پر عدالت کے باہر زیادہ سرگرم نظر آ رہے ہیں۔

سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی توہین عدالت کے مرتکب ہو کر اپنے تمام عہدوں سے فارغ ہونے کے بعد چند روز قبل یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ اگر دوسرے وزیر اعظم یعنی راجہ پرویز اشرف کو نکالنا ملک توڑنے کے مترادف ہوگا اور ذمہ دار عدلیہ ہوگی ۔۔۔۔ سوال یہ ہے کہ سپریم کورٹ کے حکم پر اگر وزیر اعظم نااہل قرار پائے تو ملک کو کیسے نقصان پہنچے گا؟

کیا پیپلز پارٹی اپنے آپ کو ملک کی بڑی قوت سمجھنے لگی ہے؟

کیا کسی ایک شخصیت کے لئے عدالتی حکم کو نہ ماننا اور اسے بچانے کے لئے آئینی ترامیم کروا دینا پارلیمنٹ اور حکومت کا کام ہوتا ہے؟

کیا یوسف رضا گیلانی کے ایک ٹی وی چینل کو دیئے گئے اس انٹرویو پر کسی نے

ان سے وضاحت طلب نہیں کی؟
کیا یہ دنیا میں کہیں بھی ممکن ہے کہ عدالتی کارروائی کے نتیجے میں "ملک ٹوٹنے" کے مترادف بات ہوجائے؟
6 اگست کو ایک نجی ٹی وی پر سابق وزیراعظم کے انٹرویو کے یہ الفاظ سنکر میں حیران ہوگیا اور سوچنے لگا کہ یہ ہی ہمارے ملک کے سیاست دان ہیں جو اپنے مفادات پر ضرب لگنے پر کچھ بھی کہہ سکتے اور کر سکتے ہیں؟
پیپلز پارٹی اور اس کے اتحادیوں نے گذشتہ سالوں کے دوران ملک اور قوم کے ساتھ جو بھی کیا اور کر رہے ہیں ان کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔
پیپلز پارٹی کے جیالے فیصل رضا عابدی اور شرجیل میمن پارٹی نظم کی خلاف ورزیاں کرنے کے ساتھ عدالت کے بارے میں مسلسل قابل اعتراض بیانات دے رہے ہیں جبکہ پیپلز پارٹی کے تقریبا تمام ہی لیڈر اور منسٹر واضع طور پر یہ دعوی بھی کر رہے ہیں کہ وہ عدالت کا احترام کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ لوگ عدالت سے محاذ ارائی کے بھی مرتکب ہورہے ہیں۔

یہ عمل ملک اور قوم کے ساتھ سیاست کے نام پر مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟

عام لوگوں اور غیر جانب دار تجزیہ کاروں کا موقف یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کی اس جمہوری حکومت نے ملک اور قوم کو آگے کی طرف لے جانے کے بجائے بہت پیچھے کر دیا ہے، یہ حکومت اور اس کے اتحادی اسی طرح حکمرانی کرتے رہے تو ملک کو نہ تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس جمہوری حکومت کو ماضی کے آمرانہ تجربات کو سامنے رکھ کر کسی بھی طرح فارغ کر دیا جائے۔

دارالعلوم کراچی پر رینجرز کا چھاپہ۔ مقصد کیا تھا؟

دارالعلوم کراچی جسے لوگ دارالعلوم کورنگی کے نام سے بھی جانتے ہیں پر رینجرز کے چھاپے کی خبر پر مجھے جس قدر تشویش ہوئی اس سے کہیں زیادہ پریشانی اس بات پر ہوئی کہ دنیا بھر میں ایک بہترین اسلامک یونیورسٹی کی حیثیت سے مشہور اس دارالعلوم پر رینجرز کی کارروائی پر کوئی ردِ عمل کیوں نہیں کیا جارہا؟ ابھی میں ان ہی سوچوں میں گم تھا کہ میرے ہی دماغ نے مجھے جھنجوڑا کہ ردِ عمل؟ وہ جو شہر کی سڑکوں پر نظر آئے، آگ لگادینے والے بیانات جو عموماً سیاست چمکانے کے لئے دیئے جاتے ہیں، کیا اس طرح کے ردِ عمل کی توقع تھی؟ نہیں اس طرح کا ردِ عمل یہ دین دار لوگوں کا شیوا نہیں ہے۔

دارالعلوم کے ہزاروں طلبہ اور سینکڑوں اساتذہ یقیناً غصے میں ہیں لیکن غصے پر قابو پانا اور معاملات کو افہام و تفہیم سے نمٹانا بھی تو وہ اسی مدرسے میں سیکھتے ہیں!

مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا لیکن اہم بات یہ ہے کہ رینجرز نے دارلعلوم پر چھاپہ کیوں اور کس کی اجازت سے مارا؟ وہ یہاں کس کی تلاش میں آئی تھی جو اسے

! کئی گھنٹوں کی تلاشی کے باوجود نہیں مل سکا
مجھے خدشہ ہے کہ یہ کارروائی کوئی سازش کا تھی ،اس لئے اس پوری کارروائی کی مکمل تحقیقات ہونی چاہئے۔
دارلعلوم کراچی قیام پاکستان کی جدوجہد کرنے والے مفتی اعظم پاکستان مولانا شفیع عثمانی رحمۃاللہ علیہ کا پاکستان کے لئے ایک انمول تحفہ ہے جسے انہوں نے دین کی خدمت کے جذبے اور اسلامی تعلیمات کو پھیلانے کے لئے جون 1951 میں قائم کیا تھا ابتدائی طور پر دارالعلوم کراچی نانک واڑہ میں واقع عمارت میں تھا بعد ازاں اسے کورنگی منتقل کردیا گیا اس مقصد کے لئے 56 ایکڑ اراضی حاجی ابرہیم دادا بھائی جو ان دنوں جنوبی افریقہ میں مقیم تھے مفتی شفیع عثمانی رحمۃاللہ علیہ کو دارالعلوم کے لئے بطور عطیہ دی تھی۔دارالعلوم سے اب تک ایک لاکھ سے زائد افراد مفتی ، قاضی، عالم فاضل، محدث، مفسر، فقیہ اور ادیب کی تعلیم حاصل کرکے دنیا بھر میں علوم دینیہ کی تعلیم دینے میں مصروف ہیں جبکہ ہزاروں طلبہ حصول علم میں مصروف ہیں۔
رینجرز کی چھاپہ مار کارروائی پر دارلعلوم کے نائب صدر مفتی تقی عثمانی نے شدید مذمت کی اور کہا کہ رینجرز نے جمعہ کی صبح آٹھ بجے دارالعلوم کا اچانک

محاصرہ کرلیا اور چار گھنٹے تک تلاشی لیتے رہے انہوں نے بتایا کہ رینجرز جس کی نگرانی ایک کرنل کر رہا تھا اس کارروائی کے لئے دارالعلوم کے اسٹاف یا انتظامیہ کو اعتماد میں نہیں لیا گیا انہوں نے بتایا کہ دارالعلوم کی 63 سالہ تاریخ میں ایسا واقعہ پیش نہیں آیا انہوں نے بتایا کہ رینجرز نے یہ کارروائی یوم حضرت علی کے جلوس پر مبینہ خودکش حملے کے ملزمان کی دارالعلوم میں موجودگی کی جھوٹی اطلاع پر کی تھی۔

طلبہ نے رینجرز کی اس کارروائی کو دارالعلوم کے تقدس کو پامال کرنے اور اسے غیر مصدقہ اطلاع پر بدنام کرنے کی کوشش قرار دیا ہے ان کا مطالبہ ہے کہ صدر مملکت اور گورنر سندھ کو اس کا نوٹس لینا چاہئے انہوں نے چیف جسٹس پاکستان سے بھی توقع ظاہر کی کہ وہ اس واقعہ کا نوٹس لیں گے اور آئندہ ایسے واقعات کی روک تھام کے لئے واضح احکامات جاری کریں گے۔

آخر ہم کب آزاد ہونگے؟

14اگست گذر گیا، یہ میرے ملک کا 66 واں یومِ آزادی تھا۔ کل صبح یہں سوچوں کھویا ہوا تھا کہ وہ آگیا اور میرے دل و دماغ میں چھاگیا اور مجھ سے باتیں کرنے لگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
ہاں بھائی !آج منگل کو اپنے ملک کی سالگرہ ہے 65 ویں، مبارک ہو تم کو، اس نے گہری سانس لیتے ہوئے اور فکر مندانہ انداز میں کہا، میں نے کہا ہاں خوش ہو تم ؟ ہاں خوش تو ہوں لیکن شکر بہت ادا کرتا ہوں،اس نے میری طرف دیکھے بغیر جواب دیا ۔۔۔۔مگر سوچ کیا رہے ہو؟ میں نے پوچھا۔۔۔۔وہ بولا سوچ رہا نہیں ، سوچتا ہوں اکثر۔۔۔۔۔وہ کچھ توقف سے بولا یہ سب کیسے ہوگیا ؟کیا، میں نے سوال کیا۔۔۔وہ بولا یار یہ بتاؤ تم نے کبھی مچھلی کا شکار کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں ، مگر کیوں ؟۔۔۔۔۔۔اس نے کہا اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم کو سیاست سے باالکل دلچپی نہیں ! میں نے کہا نہیں بھائی ایسی کوئی بات نہیں ہے ،سیاست سے بہت دلچپی ہے۔۔۔۔۔۔۔اس نے مسکراتے ہوئے مجھے سوالیہ انداز میں دیکھااور کہنے لگا تم کو صرف سیاست کو دیکھنے کی حدتک دلچپی ہوگی؟
بھائی یہ بتاؤ اس سے ہمارے یوم آزادی کا کیا تعلق ہے؟میں نے پوچھا، اس نے

کہا ہمارے یومِ آزادی کا؟؟ وہ پھر مسکرایا اور بولا بھائی "ہمارا یومِ آزادی" پھر وہ کہنا شروع ہوا ہماری آزادی کا دن ۔۔۔ کیا تم پاگل ہو ؟ ۔۔۔ بھائی ابھی صرف ہم اپنے ملک کی یومِ آزادی کی بات کر رہے ہیں، خوشی اس بات کی ہے کہ اس کو آزاد ہو کر 65 سال گذر چکے ہیں ۔۔۔۔ یار یہ تو سب سے بڑا معجزہ ہے ۔۔۔۔۔۔ کیونکہ ۔۔۔ ہم پر حکمرانی کرنے والے یہ سیاستدان ، سرمایہ دار ، جاگیر دار ، تاجر ، بیورو کریٹ اور تو اور امیر اور بااثر افراد تو صرف مچھلی کا شکار کر رہے ہیں پھر بھی ۔۔۔۔۔۔ الحمداللہ اپنا ملک قائم و دائم ہے، اللہ ہمارے ملک کو ہمیشہ قائم رکھے آمین۔

میں اب خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، اس نے کہا کیوں سچ بول رہا ہوں نا ! میں نے کہا ہاں آگے بولو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تم کو پتا ہے مچھلی کا شکار کرنے والے کو تالاب ، دریا یا سمندر سے کوئی غرض نہیں ہوتی وہ تو صرف شکار سے دلچسپی رکھتا ہے ۔۔۔۔۔۔ باالکل ہمارے رہنماؤ ں ان نام نہاد بلکہ خود ساختہ لیڈروں کی طرح ۔۔۔۔۔ اور اگر اس میں بھی اسے ناکامیابی ہوئی تو وہ قریب ہی بیٹھے ماہی گیروں سے مچھلی خرید کر فاتحانہ انداز میں اپنے گھر لوٹ جاتا ہے اور اپنے شکار پر ناکامی کے باوجود خریدی گئی مچھلیوں کو دکھا کر محلے میں اپنے آپ کو بڑا شکاری ظاہر کرتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ کہتے کہتے رک گیا اور کھل کھلا کر ہنسنے لگا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیوں ایسا ہی ہوتا ہے نا ہمارے ایوانوں میں ؟ وہ کھل کھلاتے ہوئے سوال کرنے لگا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں نے پوچھا کیا ہوا ہنس کیوں رہے ہو؟۔۔۔۔۔۔۔ہنستے ہوئے بولا یار۔۔۔یار یہ بھی واقعی بڑے شکاری ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔ میں نے کہا کون بھائی؟ بولا ارے ےار یہ ہی یہ جن لوگوں کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے نا یہ سب مچھلی کے شکار کی طرح معصوم عوام کا شکار کیئے جارہے ہیں۔۔۔۔اس معصوم کی یہ بات سنکر میں خود بھی ہنسنے لگا

۔۔۔۔۔۔اس نے بولا آ گئی نہ ہنسی۔۔بس ہنستے رہو اور شکرادا کرو کہ یہ سیاست دان، بیوروکریٹ،جاگیردار، سرمایہ دار،زمیندار اوراب "بھائی لوگ" بھی معصوم قوم کو کم از کم ہنسنے کا موقعہ تو فراہم کررہے ہیں۔۔۔۔ہمیں مچھلی کی طرح گرفت میں لے رہے ہیں۔۔۔۔۔۔تم ذرا غور تو کرو جیسے بعض لوگ مچھلیوں کو اپنے عقیدے کے مطابق کبھی کبھی دانہ، یا آٹے کے گولیاں ڈالنے کے لئے سمندر، دریا یا تالاب کے گرد پہنچ جاتے ہیں باالکل اسی طرح تو یہ چہرے ووٹ لینے کے لئے ہمارے محلوں میں جمع ہوجاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔یار ہم معصوم لوگوں سے اچھی تو یہ مچھلیاں ہیں جو اپنے شکاریوں سے کبھی کبھار اپنی خوراک تو حاصل کرہی لیتی ہیں۔۔۔۔۔

یہ کہتے ہوئے وہ افسردہ ہوگیا۔۔۔۔کہنے لگا تم اپنی آزادی کی بات کررہے تھے نا؟ ارے آزاد تو اصل میں یہ سیاست دان ہیں جو جاگیردار، سرمایہ دار،زمیندار، بیوروکریٹ اور ، بھائی لوگ ہیں۔ ان پر کوئی قانون ، کوئی اصول

کوئی ضابطہ لاگو نہیں ہوتا اور کوئی بھی ادارہ غیر قانونی ، غیر آئینی ، غیر اصولی اور غیر اخلاقی باتوں سے انہیں نہیں روک سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم بھی کوشش مت کرنا ورنہ مارے جاؤ گے ، یہ تو وہ ہیں جو اپنے مفاد کے لئے آئین اور قانون بھی بدل دیتے ہیں انہیں پاکستان کے غریب اور معصوم لوگوں سے کوئی سرکار نہیں بھائی !

۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ تو بھوکی ننگی ، بہری اور بزدل قوم کو بے وقوف ہی سمجھتے ہیں

۔۔۔۔۔۔کیوں نہیں سمجھیں گے ؟۔۔۔۔۔یہ تو نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو ایسا ہی بنائے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔اس لئے یہ انہیں کچھ بھی سمجھ سکتے ہیں۔۔۔۔کچھ بھی بنا سکتے ہیں۔۔۔ کیونکہ ہم آزاد نہیں ہیں ، ہم 65 سال بعد بھی ان کے ہاتھوں قید میں ہیں یا پھر انہوں نے ہمیں یرغمال بنایا ہوا ہے۔۔۔۔کوئی تو بات ہے کہ ہم آج بھی صرف ملک کی آزادی کا دن ہی منا پا رہے ہیں اور انتظار کر رہے ہیں کہ "آخر ہم کب آزاد ہونگے ؟" ان انگریزوں کے پیروکاروں کے چنگل سے۔۔۔۔؟

وہ معصوم کون تھا جو مجھے بری طرح جھنجھوڑ ڈالا ؟؟؟۔۔۔۔۔شائد کوئی خواب یا میرے اندر کا ایک مخلص پاکستانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جو اپنے معصوم بیٹے کے اس جملے سے کہ " # ابو کیا سوچ رہے ہو چلو جھنڈیاں لگاتے ہیں آج 14 اگست ہے نا؟

ظالم حکمران

"چوہے، بلی کا کھیل" کے محاورے تو سب ہی نے سنیں ہونگے لیکن ہمارے ملک میں ان دنوں جاری" شیر اور گیدڑ" کی لڑائی کے مترادف جاری حکومت اور عدلیہ کی محاذآ رائی کے چرچے ،ایوان صدر اور سیاسی قلعوں سے لیکر عام گلی گلی کوچوں تک ہورہے ہیں اسے بھی کچھ لوگ چوہے بلی کا کھیل سمجھنے لگے ہیں لیکن ہر خاص و عام اس بات کا منتظر ہے کہ آئین اور قانون کی بالادستی کے نام پر اس بے تکی لڑائی کا انجام کیا ہوگا؟

لوگ یہ بات بھی سمجھنا چاہتے ہیں کہ جمہوریت کے دعویدار جانتے بوجھتے ایک شخص کے مفاد کے لئے اپنا سیاسی مستقبل آخر کیوں داؤ پر لگارہے ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ حکومتی ایوانوں سے چپکے ہوئے حکومتی ٹولے کے اراکین قوم کو بے وقوف اور بزدل سمجھتے ہیں، انہیں یقین ہے کہ وہ دوبارہ اقتدار میں آجائیں گے ،یہ ہی قوم ان کا منتخاب کرلے گی۔

یہ ہی وجہ ہے کہ عوام کی خواہشات اور ضرورت کے برعکس یہ جمہوریت کے چمپیئن ملک اور قوم کو نامعلوم مقام کی طرف لے جارہے ہیں، اس منزل پر جہاں انہیں سوائے قید یا پھر ملک سے فرار کا ہی موقعہ مل سکے گا مگر قوم کو کم از کم

ان سے آزادی ضرور مل جائے گی۔

اگست پیر کو کسی قسم کی شرم، حس، غیرت اور احساس سے پاک موجودہ حکومت 27 کے دوسرے وزیراعظم راجہ پرویزاشرف اپنی تقرری کے صرف تقریباًدو ماہ بعد ہی این آر او عمل درآمد کے مقدمے میں عدالت میں پیش ہوئے اور عدالت کی جانب سے سوئس حکام کو خط لکھنے کے حکم پر مہلت طلب کی عدالت نے مقدمے کی سماعت 18 ستمبر تک ملتوی کرتے ہوئے وزیراعظم کو اس روز طلب کرلیااور ریمارکس دیئے کہ " خط تو سوئس حکام کو لکھنا ہوگا"۔

سپریم کورٹ کی جانب سے 22 دن کا وقت ملنے پر وزیراعظم راجہ پرویز فاتحانہ انداز میں عدالت سے باہر آئے جیسے انہوں نے 22مزید دن تک کے لئے صدر آصف زرداری کو سوئس عدالت کے مقدمہ سے بچالیا۔۔۔۔۔۔وزیراعظم کی یہ خوشی بجا ہے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ان کی خوشیاں صدر کی خوشیوں سے مشروط ہے، سوئس عدالت کے مقدمات کھلنے کی صورت میں آصف زرداری ہی نہیں بلکہ ان سمیت تمام ساتھیوں اور ہمنوا کو حکومتی ایوانوں سے جانا پڑے گا۔لیکن ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ ستمبر میں سوئس عدالت میں آصف زرداری کے خلاف درج مقدمات کی " عمر" بھی ختم ہورہی ہے۔

شائد یہ ہی وجہ ہے کہ سندھ کے سابق وزیر داخلہ منظور وسان نے کہا ہے کہ سپریم کورٹ میں این آر او کیس کی آئندہ سماعت سے قبل سوئس عدالت کو آصف زرداری کے خلاف مقدمات دوبار کھولنے کے لیئے خط لکھ دیا جائے گا ممکن ہے کہ منظور وسان درست کہہ رہے ہو ں اور حکومت کی طرف سے خط لکھ دیا جائے ۔ لیکن کیا یہ خط لکھے جانے سے اب سوئس عدالت کے مقدمات کھل سکیں گے ؟ اور کیا آصف زرداری ان مقدمات کی وجہ سے نااہل ہوپائیں گے ؟

یہ وہ سوالات ہیں جس سے پاکستان کی سیاست کا مستقبل وابسطہ ہے اس لئے ابھی انتظار کرنا پڑے گا۔

مجھے خدشہ لگا رہتا ہے کہ آصف زرداری کے خلاف سوئس عدالت کے مقدمات نہ کھل سکے اور این آر او کیس پر عمل درامد نہ ہو سکا تو پھر کیا ہوگا؟

آصف زرداری صدر کے عہدے اور پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین بدستور رہے تو ڈر ہے کہ ان کی پوری اتحادی ٹیم اسی طرح قوم پر مسلط رہے گی ،اور یہ ہی نہیں بلکہ آئندہ الیکشن کے بعد یہ ہی ٹولہ اپنے روایتی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے دوبارہ پوری" آب وتاب "کے ساتھ کامیاب بھی ہوسکتا ہے ، بجلی کی لوڈ شیڈنگ ہی کیا مہنگائی بھی چار سو فیصد بڑھ سکتی ہے ، بیروزگاری میں بھی بے پناہ اضافہ ہو سکتا ہے، ٹارگیٹ کلنگ، اغواء بھتہ خوری میں مزید اضافہ

ہو سکتا ہے اور سرکاری اداروں میں کرپشن کو قانونی حیثیت بھی حاصل ہو سکتی ہے بالکل اسی طرح جیسے کرپٹ اور کرمنلز کو قانونی طور پر استثناء حاصل ہے۔

ویسے بھی اب صرف چھ ماہ ہی تو باقی رہ گئے ہیں اس حکومت کی پانچ سالہ مدت کے خاتمے کے لیئے !کاش یہ جمہوری حکومت اپنی پانچ سالہ مدت پوری کرنے کے ریکارڈ کے ساتھ کسی ایک ادارے یا شعبے کی کارکردگی میں اضافہ کا ریکارڈ بھی بنالیتی تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

مجھے موجودہ حکومت اور اس کے اتحادیوں کے دوبارہ کسی بھی طرح مسلط ہوجانے کا ڈر اس لیئے نہیں ہے کہ یہ اچھی، منظم اور متحد جماعتوں کا اتحاد ہے بلکہ اس لیئے ہے کہ قوم بھی تو ابھی تک اپنی دھن میں میں مگن ہے، جس کا جو دل چاہتا ہے کیئے جارہا ہے، کنڈا کنکشن بھی کھلے عام چل رہا ہے تو بجلی کے میٹرز میں ٹمپرنگ کا سلسلہ بھی جاری ہے،

ناپ تول میں چوری، منافع خوری، ٹیکس چوری، قانون کی خلاف ورزی کے خلاف ہر کوئی بولتا ہے مگر اسی طرح ہر ایک ہی ٹریفک سگنل سمیت تمام ہی قوانین پر کسی نہ کسی بہانے عمل کرنے سے گریز کرتا ہوا نظر آتا ہے،اخلاقیات کا حال یہ ہے کہ کسی کو سلام کا جواب بھی مکمل نہیں دیا جاتا، کسی کا حال احوال پوچھنے کا تو وقت ہی نہیں ہے، کوئی راہ گیر راستہ پوچھے تو اول تو اس کی بات ہی نہیں سنتے اور کسی کی بات سن لی تو اسے غلط راستہ بتا دیا جاتا ہے، جب قوم نہ سدھرے تو پھر ایسے

ہی حکمران مسلط ہونگے ، یہ بات میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے ، "جب معاشرے .برائیاں .بڑھ جائیں گی اور لوگ بے راہ روی کا شکار ہو جائیں گے تو تم پر ظالم حکمران مسلط کر دیئے جائیں گے"۔

ڈاکٹر پرویز محمود کا قتل

ڈاکٹر پرویز محمود 16 ستمبر کی رات قتل کر دیئے گئے بہت عرصے سے انہیں اپنی لسٹ پر رکھ کر موقعہ کی تلاش کرنے والے قاتل باالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے، ڈاکٹر پرویز شہید ہو گئے۔ اللہ ان کو شہادت کے اعلیٰ ترین درجات پر فائز کرے آمین۔

ڈاکٹر پرویز عام انسان نہیں تھے، وہ سیاسی، سماجی اور جہادی شخصیت تھے وہ عملی زندگی گذارنے پر یقین رکھتے تھے انہیں موت سے ڈر نہیں لگتا تھا بلکہ وہ ہر دم موت کے لئے تیار رہتے تھے وہ برائی کو مٹانے کے لیئے جہاد کر رہے تھے ان سے جب کہا جاتا کہ آپ احتیاط کریں ڈاکٹر صاحب تو ان کا جواب ہوتا تھا" مرنا تو ایک دن ہے نا، کیا میں احتیاط کے نام پر ظالموں کے ڈر سے ملک اور شہر چھوڑ دوں اور تو اور میں اپنے چاہنے والوں کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں ؟ شہر اور ملک تو وہ چھوڑتا ہے جس کو صرف اپنی زندگی عزیز ہو"۔

ڈاکٹر پرویز مرتے دم تک اپنی بات پر قائم رہے، شہر یا ملک تو کجا انہوں نے اپنا محلّہ بھی نہیں چھوڑا اور پھر وہیں سے ان کا جنازہ آخری منزل کے لیئے اٹھایا گیا، انہوں نے کچھ چھوڑا ہو یا نہ ہو لیکن ایک نڈر شخصیت کی یادیں

چھوڑ دیں۔

مجھے نہیں معلوم کہ ڈاکٹر پرویز کو کس نے اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا ؟لیکن مجھ سمیت متعدد لوگ یہ شبہ ظاہر کر سکتے ہیں کہ انہیں کن لوگوں نے کس تنظیم نے قتل کیا ہے ظاہر ہے ہر کوئی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ جس پارٹی سے انہیں یہ خدشہ رہا ہو کہ انہیں، وہ قتل کر سکتے ہیں، جو گروپ انہیں دھمکیاں دیتا رہا ہو یا جس گروپ کی جانب حساس اداروں نے اشارہ کرکے انہیں احتیاط کرنے کا مشورہ دیا تھا سب کی انگلیاں اسی کی طرف اٹھیں گی لیکن اس بات کا امکان ہے کہ سب کو کچھ علم ہونے کے باوجود پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے قاتلوں تک نہیں پہنچ پائیں گے کیونکہ شائد انہیں ان کے قاتلوں کی گرفتاری کی اجازت نہ ملے، کیونکہ حکومت کی پالیسی نہیں کہ ابھی قاتلوں کو پکڑا جائے۔

دھیمی آواز اور نرم لہجے میں بات کرنے والے ڈاکٹر پرویز، پرویز مشرف کے دورِحکومت میں ناظم آباد ٹاؤن کے ناظم بھی رہ چکے ہیں، صحافتی، سیاسی، سماجی اور جہادی حلقوں میں انہیں "اچھے انسان" کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا اکثریت انہیں عزت واحترام سے دیکھتی تھی وہ دوستو کے دوست تھے ان کا مشغلہ بھی اچھے دوست بنانا اور وسیع تعلقات قائم کرنا تھا یہ ہی وجہ ہے کہ

ان کے پیپلز پارٹی ، مسلم لیگ ، پیپلز امن کمیٹی ، مہاجر قومی موومنٹ ، سندھ ترقی پارٹی ، جئے سندھ ، عوامی تحریک اور دیگر قوم پرست پارٹیوں کے رہنماؤں سے ان کے ایسے تعلقات تھے کہ کوئی انہیں دوست اور کوئی انہیں بھائی کہتا تھا۔

بعض اداروں خصوصاً کراچی کے شہری اداروں کے افسران اور سربراہان سے بھی ان کے ذاتی تعلقات تھے ، کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کے موجودہ ایم ڈی مصباح الدین فرید سے ان کے دیرینہ اور ذاتی تعلقات تھے ۔ اکثر ڈاکٹر پرویز ان افسران کی اپنے طور پر ذاتی مدد بھی کیا کرتے تھے ۔ڈاکٹر پرویز محمود کے تعلقات کسی ذاتی مفاد کے بجائے انسانیت کی خدمت کی غرض سے ہوا کرتے تھے یہ ہی وجہ تھی کہ وہ سب میں یکساں مقبول تھے ،سب ہی یہ جانتے تھے کہ ان کے متحدہ قومی موومنٹ سے تعلقات نہیں تھے ۔

ابھی چند روز قبل کی بات ہے فون پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے کہا " انور بھائی خبریں آرہی ہے کہ میں متحدہ کی ہٹ لسٹ پر ہوں، میں نے کہا آپ احتیاط کریں پرویز بھائی، انھوں نے جواب دیا کہ " کیا احتیاط ؟ اللہ میرے ساتھ ہے جس دن موت آنی ہوگی آجائے گی ، میں بھی ظالموں سے ڈرنے والا نہیں ہوں"۔

پرویز محمود ڈرنے والا نہیں تھا اور ڈرا بھی نہیں، قاتل جو بزدل اور ڈرپوک لوگوں کے پیروکار ہیں کسی کو ختم کرکے یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے فتح حاصل کرلی حالانکہ وہ مسلسل شکست پارہے ہیں اور اپنی زندگی اور آخرت خراب کررہے ہیں،انہیں نا جانے کیوں یہ خوش فہمی ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے حالانکہ وہ اپنے ساتھیوں کی دردناک موت بھی دیکھ رہے ہیں۔مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ نفسیاتی مریض ہیں بلکہ ایسے پاگل ہیں جنہیں ہر چند روز بعد کسی نہ کسی کو قتل کیئے بغیر سکون نہیں ملتا!لیکن انہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ جو لوگ ان کے ہاتھوں اپنی جانوں سے جارہے ہیں ان کے لواحقین کو بھی اسی وقت سکون ملے گاجب وہ ان کی عبرت ناک موت نہیں دیکھ لیتے۔

ظاہر ہے ہر ایک کو ایک دن جانا ہے یہاں تو صرف فرعون ہی کو تا قیامت مہلت دی گئ ہے۔ قاتلوں کو ایک لمحے کے لیئے سوچنا چاہیئے کہ وہ "فرعون کے ساتھی" تو نہیں ہیں؟۔

کراچی میں 1984, 85 کے بعد سے جماعت اسلامی، اے این پی، سنی تحریک، پیپلز پارٹی متحدہ قومی موومنٹ اور مہاجر قومی موومنٹ اور دیگر جماعتوں کے ہزاروں کارکن ،اور اتنی ہی تعداد میں عام افراد ٹارگیٹ کلنگ کا شکار ہوچکے ہیں

لیکن آج بھی کوئی ادارہ اس قابل نہیں کہ کسی کو قاتل ٹھہرا سکے، دلچسپ بات یہ ہے کہ اطلاعات سب کے پاس ہیں اور سب باخبر بھی لیکن جرات کسی میں نہیں کہ کھل کر اس کا اظہار کریں کہ کون لوگوں کو ٹارگیٹ کر رہا ہے، بس یہ ہی وجہ ہے کہ دوست کے روپ میں دشمن کو جب چاہے اور جو چاہے کرنے کا موقع مل رہا ہے۔

گستاخانہ فلم پر احتجاج اور کراچی و پشاور میں دھماکے

امریکہ میں تیار کی جانے والی گستاخانہ فلم کے خلاف دنیا بھر میں احتجاج جاری ہے پاکستان میں بھی بھرپور احتجاج کیا جارہا ہے جمعہ کو حکومتِ پاکستان نے سرکاری سطح پر ملک بھر میں جمعہ کو یومِ عاشق رسول ﷺ منانے اور امریکہ سے احتجاج کرنے کا فیصلہ کیا ہے یہ فیصلہ عوامی توقعات اور خواہشات کے عین مطابق ہے بحثیت اسلامی مملکت یہ پہلے ہی ہوجانا چاہیئے تھااور اب کم از کم حکومت کو پرامن احتجاج کرنے والوں کے خلاف پولیس کے روایتی ایکشن کو روک دینا چاہئے اللہ کے پیارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کو کوئی بھی مسلمان برداشت نہیں کرسکتااور کرنا بھی نہیں چاہیئے پاکستان سرکاری سطح پر اس فلم کے خلاف احتجاج کرکے اس بات کا ثبوت دے گا کہ ہم پہلے مسلمان اور پھر پاکستانی ہیں۔

مسلمان کی حیثیت سے ہم اپنے انبیا اور پیغمبروں کے خلاف کسی بھی قسم کی توہین آمیز بات برداشت نہیں کرسکتے اس لیئے ہمارا احتجاج فطری عمل ہے وطن عزیز کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس احتجاج میں ان کے ساتھ مسیحی کمیونٹی بھی شامل ہے، جمعہ کو احتجاج ہوگا اور بھرپور ہوگا انشاء اللہ۔

اب بات کرتے ہیں امریکہ اور پڑوسی ملک کے کردار کی جو اپنے زرخرید غلاموں کے ذریعے مزاحمت کرکے ملک خصوصاً کراچی میں گڑبڑ کرکے حالات کا رخ موڑنے کے ساتھ اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لئے مزید متحرک ہوجاتے ہیں۔ گستاخانہ فلم بنانے پر امریکہ کے خلاف احتجاج تقریباً تمام ہی سیاسی، مذہبی جماعتیں کررہی ہیں جلوس نکالے اور جلسے منعقد کئے جارہے ہیں صرف وہی احتجاج کرتے ہوئے نظر نہیں آرہے ہیں جن کا نظریہ یہ ہے کہ "نہ کسی کے مذہب کو چھیڑو اور نہ اپنے مذہب کو چھوڑو"۔

ملک بھر میں احتجاج کے سلسلے کے دوران کراچی اور پشاور میں بم دھماکوں کی تخریبی کارروائیاں ہوتی ہیں جس میں معصوم بے گناہ لوگ جاں بحق ہوئے اور دونوں شہروں کی صورتحال یکسر تبدیل ہوگئی یہ ہی مقصد امریکہ کا ہوگا جس میں وہ وقتی طور پر کامیاب بھی ہوگیا ذرا غور کیجئے کہ کراچی میں بم دھماکے کے لیئے پرامن بوہری برادری کے علاقے کا انتخاب کیا گیا تاکہ یہ بھی تاثر دیا جاسکے کے بوہرہ کمیونٹی کے لوگ بھی یہاں محفوظ نہیں ہیں جبکہ یہاں کے لوگ امریکہ کے خلاف احتجاج کرنے میں مصروف ہیں۔

امریکہ اور بھارت اسی طرح اپنے مقاصد حاصل کررہا ہے 26 نومبر 2008 کو بھارت بمبئی کے تاج ہوٹل میں حملے کے دو روز بعد کراچی میں بلاوجہ خونریزی شروع ہوگئی تھی پولیس اور دیگر ادارے آج تک اس بات کا پتہ نہیں لگاسکے کہ وہ

ہنگامہ آرائی کن وجوہات کی بناء پر ہوئی تھی اور اس میں کون ملوث تھا متحدہ قومی موومنٹ اس خون خرابے پر اپنے مخصوص انداز میں احتجاج کرتی رہی نتیجے میں کراچی کم از کم تین دن کے لئے بند ہوگیا بالکل اسی طرح جیسے تاج ہوٹل پر حملے کے بعد بمبئی بند ہوگیا تھا۔

منگل کو نارتھ ناظم آباد میں دھماکہ کرنے والوں کا پیچھا متحدہ قومی موومنٹ کو بھی کرنا چاہئے کیونکہ وہ اس شہر کی اس علاقے کی سب سے زیادہ بااثر جماعت ہے اس دھماکہ سے اس کے اپنے ووٹرز متاثر ہوئے ہیں سب سے اہم بات یہ کہ اس دھماکہ سے بوہرہ کمیونٹی کے لوگ متاثر اور پریشان ہوئے ہیں، ایس ایس پی سنٹرل عاصم قائمخانی کے مطابق دھماکہ میں بوہری کمیونٹی کو نشانہ بنایا گیا ہے، متحدہ کے رہنماء ڈاکٹر فاروق ستار کی قیادت میں ایک وفد نے بوہری برادری کے روحانی پیشوا سیدنا برہان الدین کے صاحبزادے سیدنا مفضل سیف الدین سے دو روز قبل ہی اتوار کو ملاقات کی تھی اور ان سے اتحاد بین المسلمین، مذہبی رواداری اور باہمی دلچسپی کے امور پر گفتگو کی تھی اس ملاقات کے تناظر میں بھی متحدہ کی یہ اخلاقی اور سیاسی ذمہ داری ہے کہ وہ اس واقعہ کا نوٹس لیں اور اس دھماکہ میں ملوث افراد کو گرفتار کرنے کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں اور اپنے ووٹرز کا تحفظ کریں بصورت دیگر لوگ ان کے کردار سے مایوس ہوجائیں گے۔ متحدہ کو چاہیئے کہ صرف حکومت کی طرف سے اعلان

کردہ یوم عاشقِ رسول ﷺ کی حمایت تک محدود نہ رہے بلکہ ملک کی دیگر جماعتوں کی طرح اس معاملے پر بھرپور احتجاج اور ریلیوں کا اہتمام کرے۔

پولیس اور دیگر تحقیقاتی اداروں کو چاہیئے کہ کراچی کے نارتھ ناظم آباد حیدری مارکیٹ اور پشاور میں ہونے والی تخریبی کارروائیوں کی باریک بینی سے تحقیقات کرے نہ کہ مفروضوں اور پرانے واقعات کو مدِ نظر رکھ کر تفتیش کی جائے۔

دہری شہریت اور اے آر ملک کی ڈھٹائی

سپریم کورٹ نے دہری شہریت رکھنے والے اراکین اسمبلی کے مقدمہ کی سماعت کرتے ہوئے 20 ستمبر کو تاریخی فیصلہ سنایا، اس فیصلے کے تحت قومی اسمبلی کے چار، پنجاب اسمبلی کے پانچ اور سندھ اسمبلی کے دو اراکین کو نااہل قرار دیا گیا، عدالت نے اسی سماعت کے دوران وفاقی وزیر داخلہ عبدالرحمان ملک کو سابقہ رکنیت پر نااہل کرکے انہیں بد دیانتی، بے ایمانی اور غلط بیانی کا مرتکب قرار دیا تاہم عدالت نے وضاحت کی کہ آر ملک کی سینٹ کی رکنیت سے نااہلی کا دارومدار سینٹ کے چیئرمین کے ریفرنس پر ہوگا۔

اس فیصلے پر سابق سیکریٹری الیکشن کمیشن کنور دلشاد نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک تاریخی فیصلہ ہے اس میں الیکشن کمیشن کا کوئی عمل دخل نہیں رہا فیصلے سے اے آر ملک کی مشیر اور وزیر بنے رہنے کی اہلیت بھی ختم ہوگئی ہے اور ان سمیت دیگر نااہل قرار دیئے جانے والے اراکین آئندہ کبھی بھی ملک کے کسی حلقے سے انتخاب لڑنے کے اہل نہیں ہونگے۔

اے آر ملک اور نااہل کردہ دیگر اراکین اسمبلی قانون پسند، عدلیہ کے فیصلوں

کو ماننے والے اور حسنِ اخلاق سے شناسا ہوتے تو ملک کی سب سے بڑی عدالت کے فیصلے کے بعد خود ہی استعفے پیش کر دیتے الیکشن کمیشن کی طرف سے ان کی نااہلی کے نوٹیفکیشن کا انتظار نہیں کرتے۔

یہ نااہل لوگ ساڑے چار سے زائد عرصہ اپنے آپ کو قانون پسند اور عدالت کے فیصلوں کو تسلیم کرنے والے ظاہر کرتے رہے جبکہ حقیقت یہ سامنے آئی کہ یہ لوگ تو اپنے ملک سے زیادہ دوسرے ممالک کے وفادار اور ان ہی سے مخلص ہیں۔ بین الاقوامی طور پر کرپشن کے مقدمات میں ملوث بااثر فرد کی آشیرباد کے باعث وزیر داخلہ کے عہدے پر مسلط اے آر ملک کی ڈھٹائی کا عالم تو دیکھئے کہ عدالت کی طرف سے جھوٹا، بددیانت اور بے ایمان قرار (ڈکلیئرڈ) دیئے جانے کے باوجود اہم وزارت چھوڑنے کے بجائے برملا اس بات کا اظہار کر رہے ہیں کہ اس اسمبلی میں کئی اور شخصیات ایسی ہیں جو دوہری شہریت رکھتے ہیں انہوں نے کہا کہ " ابھی بھی پارلیمنٹ میں دوہری شہریت رکھنے والے بہت زیادہ ارکان موجود ہیں"۔ اسے بے حسی کہا جائے یا بے غیرتی وہ کہتے ہیں کہ " سپریم کورٹ میں میرے ساتھ جو کچھ ہوا اس سے میں دکھی نہیں ہوں کیونکہ میں نے زندگی میں مایوس ہونا نہیں سیکھا"۔

ملک صاحب یہ بات تو سب ہی جان گئے ہیں کہ آپ دکھ اور مایوسی کو اپنی ذات سے

دوسروں کے گھروں میں منتقل کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔

آپ تو قوم کی توقعات سے بہت زیادہ "ہٹ دھرمی" کا ثبوت دے رہے ہیں، اللہ آپ کو ہدایت اور صحیح بات سمجھنے کے لئے عقلِ سلیم دے، آمین۔

ملک کے چار سال کے وزارت کے دور پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ انہوں نے ہمیشہ .بروقت صرف "اطلاع " ہی دی، جیسے کہ وہ مزید ممبرز پارلیمنٹ کے بارے ہیں اطلاع دی ہے کہ وہ دوہری شہریت رکھتے ہیں۔اس سے قبل متعدد مرتبہ انہوں نے دہشت گردی کے واقعات ہونے کی اطلاع دی، حال ہی میں کراچی میں ہونے والے بم کے دھماکوں کی بھی انہوں نے ہی سب سے پہلے بلکہ تین چار روز پہلے ہی اطلاع دیدی تھی لیکن انہوں اطلاعات کے باوجود "خونی واقعات " کو نہیں روکا بلکہ اسے روکنے کے لیئے متعلقہ حکام کو خاص ہدایات بھی جاری نہیں کی اور تو اور انہوں نے کسی سے اس بات پر جواب بھی طلب نہیں کیا کہ جب پہلے سے اطلاعات موجود تھیں تو بم کے دھماکوں اور تخریبی کارروائیوں کو کیوں روکا نہیں گیا؟۔ لیکن اے ملک قوم آپ سے یہ سوال پوچھنے پر حق جانب ہے آپ کو تو شائد یہ علم ہوگا بھی نہیں کہ اللہ بھی آپ سے جلد ہی یہ سوال پوچھنے والا ہے۔

آصف زرداری کو میں مشورہ دونگا کہ اے آر ملک کے لئے ایک خصوصی وزارت وزارت مخبر اعلیٰ" تخلیق کی جائے اس وزارت پر وہ بہت کامیاب ہونگے۔"

مجھے توقع ہے کہ سپریم کورٹ وزیر داخلہ کے اس انکشاف کا نوٹس لے گی جس میں انہوں نے کہا کہ دہری شہرت رکھنے والے بہت سے اراکین پارلیمنٹ میں موجود ہیں۔

شکریہ ملک صاحب کہ آپ نے بروقت اطلاع دینے کے اعزاز کو برقرار رکھا۔۔۔۔۔لوگوں کو چھوڑیئے انہوں نے ابھی تک آپ کو "پہچانا" ہی نہیں۔۔۔۔۔

سپریم کورٹ کا دہری شہریت کے حامل افراد کی نااہلی کا حکم ہر خاص و عام محب وطن کے لیئے خوش آئند ہے اس فیصلے سے صرف وہی مایوس ہو سکتا ہے جو اس ملک اور قوم سے مخلص نہ ہو۔ مجھے دانشور کم اینکر عبدالمالک صاحب سے اختلاف ہے جو اپنے پروگرام میں یہ سوال اٹھا رہے تھے کہ جب بیرون ممالک رہائش پذیر پاکستانیوں کو ووٹ دینے کا حق ہے تو دوہری شہرت رکھنے والے پاکستانیوں کو پارلیمنٹ کی رکنیت کا حق کیوں نہیں ہے ؟ مجھ جیسے ادنٰی صحافی کا اس پر جواب یہ ہے کہ بیرون ممالک میں رہنے والے افراد روزگار سے آمدنی حاصل کرکے

پاکستان میں ہی بھیجتے ہیں ان کے مفادات صرف روزگار تک وابستہ ہیں انہوں نے اس ملک کو اپنا جینا مرنا نہیں بنایا اور نہ ہی اس ملک کے عام مستقل رہائش کی طرح اس سے وفاداری کا حلف اٹھایا ہے اور جب کوئی کسی دوسرے ملک کا وفادار ہو جائے تو تب ہی وہ اپنے ملک سے بے وفائی کا اعلان کر دیتا ہے۔ ایسی صورت میں بے وفاؤں کے لیئے ملک کی پارلیمنٹ میں کس طرح داخلے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

میری سپریم کورٹ سے اپیل ہو گی کہ وہ سرکاری اداروں میں ملازمت کرنے والے افسران اور دیگر ملازمین کا ریکارڈ طلب کرے اور دہری شہریت رکھنے والے ہر ملازم کو فوری برطرف کرنے کا حکم جاری کرے کیونکہ گورنمنٹ کی ملازمت کرنے والے افراد ان اراکین پارلیمنٹ سے زیادہ ملک کے لیئے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں جو دوہری شہریت کے حامل ہیں۔

رزاق آباد پولیس ٹریننگ سنٹر کا واقعہ

میر اکرام الحق سندھ پولیس میں ڈپٹی انسپکٹر جنرل تھے ایمانداری اور دیانت داری ان کی زندگی کا مقصد تھا ان کی اہلیہ کشور اکرام الحق بھی گورنمنٹ پاکستان کی اعلیٰ سرکاری افسر تھیں دونوں میاں بیوی کبھی بھی کوئی غیر قانونی کام نہیں کرنا چاہتے تھے اور نہ انہوں نے کیا، مجھ سمیت متعدد لوگ انہیں کہتے تھے " اکرام بھائی آپ لوگ اس سسٹم میں فٹ نہیں ہیں " وہ اس جملے پر مسکراتے اور کہتے کہ اس کا احساس تو ہر فائل اور ہر پانچویں شخص سے مل کر ہوتا ہے مگر کیا کریں جب تک ہمت ہے اسی طرح سرکار کی خدمت کریں گے۔

میر اکرام ڈی آئی جی کی حیثیت سے کوئٹہ بلوچستان میں تعینات کردیئے گئے اور پھر وہاں سے اچانک ہی" خطرناک حالات "کے باعث اہلیہ اور بچوں سمیت ملک کو خیرباد کہہ دیا، وہ خطرناک حالات امن و امان کی خراب صورتحال نہیں تھی بلکہ اس کرپٹ معاشرے کے کرمنل ذہنیت کے سرداروں کی ان کے لیئے پیدا کردہ تھی، اس بارے پھر کبھی اللہ نے چاہا تفصلاً تحریر کرونگا۔

آج میر اکرام الحق کی یاد آنے کی وجہ پولیس ٹریننگ اسکول رزاق آباد کراچی

میں ہونے والا واقعہ ہے جس میں 57 پولیس اہلکار اپنے ہی ٹریننگ سینٹر کا کھانا کھانے کے نتیجے میں بیمار ہوگئے اطلاعات کے مطابق ایک اہلکار جاں بحق بھی ہوگیا (آئی جی سندھ نے اس واقعے میں کسی کی ہلاکت کی تردید کی ہے) ان اہلکاروں کی حالت اتوار کی شب اس وقت بگڑ گئی تھی جب انہوں نے اپنے ٹریننگ اسکول کا کھانا کھایااہلکاروں کو فوری طور پر اسٹیل مل اسپتال اور جناح اسپتال پہنچایا گیااس واقعہ پر پولیس کے رنگروٹوں نے اپنے ہی محکمہ کے خلاف احتجاج کیا توڑ پھوڑ کی اور مین نیشنل ہائی وے کو بند کر دیا۔

کوئی اور ملک ہوتا تو اس واقعہ کی فوری تحقیقات کی جاتی اور ذمہ داروں کا تعین کرکے انہیں سزا دی جاتی اور ان کے خلاف اقدامِ قتل کے الزام کے تحت تعزیرات پاکستان کی دفعہ 307 کے تحت مقدمہ بھی درج کیا جاتا۔ لیکن یہ پاکستان ہے جہاں آئی جی نے صرف اس بات کی تردید کرکے کہ واقعے میں کوئی شخص جان بحق نہیں ہوا یہ کہہ کر اطمینان کا اظہار کیا اور اپنے معاملات میں مصروف ہوگئے۔

ٹریننگ سینٹر کا پرنسپل ایس پی رینک کا افسر ہوتا ہے اور اس کی ذمہ داریوں میں زیر تربیت اہلکاروں کے لیئے بہترین خوراک اور ماحول فراہم کرنا شامل ہوتا ہے۔ مگر جہاں پر " آوا کا آوا ہی بگڑا" ہوا ہو وہاں ذمہ داروں کا فیصلہ

کون کر سکتا ہے؟

اب بات کرتے ہیں میر اکرام الحق کی، یہ 1984 کی بات ہے اس وقت میں صحافت کاطالبعلم تھا تعلیم کے ساتھ ایک مقامی اخبار میں ٹرینی کی حیثیت سے ملازمت بھی کیا کرتا تھا۔ میر اکرام سے بہترین تعلقات کی وجہ بقول میر اکرام یہ تھی کہ ہم دونوں کے والدین کاآبائی تعلق حیدرآباد دکن تھا۔انتہائی کم عمر میر اکرام ایس ایس پی ایسٹ کراچی کی حیثیت سے اپنے دفتر میں بیٹھے فرائض انجام دے رہے تھے اس وقت ڈسٹرکٹ ٹریننگ سنٹر بھی ایس ایس پی کے دائرہ کار میں ہوا کرتا تھا۔

میں ان کے ساتھ باہمی دلچسپی کے امور پر گفتگو کر رہا تھا،ان کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے دفتر میں آنے والے ہر شخص سے فوری ملاقات کرلیا کرتے تھے وہ دوستوں سے گفتگو کے دوران بھی ہر ایک سے ملاقات کرلیتے تھے ،ان کا اردلی بہت ہی کم لوگوں کو یہ کہتا تھا کہ" صاحب میٹنگ میں ہیں"اس روز ایسا ہی ہوا کہ اردلی اندر آیااور بولا ،صاحب ایک رنگروٹ پیش ہونا چاہتا ہے، میر اکرام نے کہا بھیج دو

چند لمحوں بعد ایک نوجوان لڑکا ان کے سامنے آیا سلوٹ کیا اور خاموش کھڑا ہوگیا۔ ایس ایس پی نے شفقت بھرے لہجے میں پوچھا" کیا بات ہے نوجوان، کوئی

مسئلہ ؟" نوجوان نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہنے لگا سر میں بہت پریشان ہوں کیوں کہ میں بہت غریب ہوں اور اس قابل نہیں ہوں کہ روزانہ ایک پاؤ دودھ پی سکوں اور ہمیں اب پھر اچانک روزانہ زبردستی دودھ دیا جانے لگا ہے۔ میر اکرام نے کہا کیوں پریشان ہو اس سے تمھاری غربت کا کیا تعلق ہے ؟ وہ تو آپ کو محکمے کی طرف سے ملتا ہے۔ یہ سن کر رنگروٹ کے آنسو نکل گئے اور اس نے ان ہی بہتے آنسوؤں کے درمیان کہا کہ سر پرانے ایس ایس پی کی آمد پر بھی ہمیں دودھ ملنے لگا تھا لیکن ایک ماہ بعد منشی نے تنخواہ دیتے ہوئے پورے مہینے کے دودھ کی رقم کاٹ لی تھی، احتجاج کیا تو مزید رقم جرمانے کے طور پر کاٹ لی ، اس لیئے صاحب میری درخواست ہے کہ یہ دودھ پلانے کا سلسلہ بند کرادیں ویسے بھی ہم اس لائق نہیں ہیں۔

رنگروٹ کی بات سنکر میر اکرام نے میری طرف دیکھا میں ، میں پولیس کے منشی سسٹم پر مسکرا رہا تھا، انھوں نے رنگروٹ کو اپنے قریب بلایا اور کہا بے فکر ہو جاؤ اب ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ ایس ایس پی کی بات سنکر نوجوان سپاہی حیران کھڑا رہا اور سوالیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

میں نے کہا اکرام بھائی اسے یقین نہیں آ رہا اس کو اطمینان تو دلا دو، جس پر ایس ایس پی نے سپاہی کو کہا کہ اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو میں جہاں بھی

رہوں تم اسی طرح میرے پاس پہنچ جانا۔

اس یقین دہانی کے بعد رنگروٹ تو چلا گیا مگر میری مسکراہٹ جو پولیس کے بد عنوان نظام کی شکایت کر رہی تھی اسے دیکھ کر میر صاحب نے کہا انور یہ ہی یہاں کا نظام ہے بچہ کی شکایت اور فکر بالکل درست تھی۔ انہوں نے بتایا کہ چند روز قبل میں نے ٹریننگ سینٹر کا اچانک دورہ کیا، زیر تربیت پولیس رنگروٹوں سے ملاقات کی، کچن کو چیک کیا اور زیر تربیت کانسٹیبلز کی خوراک کا مینو معلوم کیا، سب کچھ قانون کے مطابق تھا مجھے یہ علم تھا کہ ان کے لیئے آنے والا دودھ ٹریننگ سینٹرز کے انسٹرکٹرز کے گھروں میں چلا جاتا ہے تب ہی میں نے سینٹر کے انچارج سے سختی سے پوچھا دودھ تو روزانہ انہیں پلاتے ہونا؟ اس نے گھبراتے ہوئے کہا ہاں سر بالکل، اس کے گھبراہٹ کو محسوس کرکے میں نے اسے تنبیہ کی کہ مجھے کسی قسم کی کوئی شکایت ملی تو بہت سخت کارروائی کرونگا۔ میر اکرام صاحب نے کہا پتا ہے پھر کیا ہوا؟ میں نے پوچھا کیا ہوا؟ پھر میرے گھر ایک بالٹی دودھ ایک شخص لے آیا، میں نے اس سے دریافت کیا یہ کیا ہے کس بھیجا؟ اس نے کہا کہ صاحب کا حکم تھا میں نے دودھ واپس بھجوایا اور ٹریننگ سینٹر کے ڈی ایس پی کو شوکاز نوٹس اور انسپکٹر کو معطل کرنے کا حکم جاری کیا جس کے بعد یہ دودھ ان کو ملنے لگا جن کا یہ حق تھا۔

میر اکرام جیسے نیک اور انسان دوست افسران اگر آج بھی ہوتے تو رزاق آباد ٹریننگ سنٹر میں یہ افسوسناک واقعہ پیش نہیں آتا مجھے پورا یقین ہے کہ آئی جی فیاض لغاری جو کہ میر اکرام ہی کے بیچ کے ہیں لیکن کبھی کسی ٹریننگ سنٹر کا اچانک دورہ نہیں کیا ہوگا جس کا ثبوت ان سنٹرز کے کچنز کو دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے اسی طرح کا حال پورے ملک کے پولیس نظام کا ہے پولیس افسران اپنے گھروں میں پولیس اہلکاروں سے مالی چوکیدار، باورچی اور سودا وغیرہ لانے کے کام تو کراتے ہیں لیکن ان کی صحت اور ان مسائل کا خیال نہیں رکھتے جس کے نتیجے میں پولیس سسٹم روز بروز خراب ہوتا جارہا ہے اور پولیس اہلکاروں میں احساس محرومی میں اضافہ ہو رہا ہے۔۔

الطاف حسین کا پاکستان کی سیاست سے علیحدگی کا عندیہ

صدر آصف علی زرداری کے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں منگل کو گستاخانہ فلم پر مذمتی خطاب اور گستاخانہ فلم جیسے عمل کو جرم قرار دینے کے مطالبے کے دوسرے ہی دن 26 ستمبر کو متحدہ قومی موومنٹ نے کراچی کے مقامی ہوٹل میں "
عشقِ رسول ﷺ اور ہمارا رویہ "کے عنوان سے کانفرنس کا انعقاد کیا جس سے الطاف حسین نے ٹیلی فونک خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وقت آگیا ہے کہ ملک بھر کے اعتدال پسند ، لبرل ،پروگریسو اور روشن خیال عوام مجرمانہ خاموشی کا قفل توڑ دیں اور پاکستان بچانے کے لئے آگے آئیں اور پاکستان کو مذہبی جنونیوں سے نجات دلا کر اسے ایک امن پسند مہذب ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ ملک بنائیں۔ الطاف حسین نے کہا کہ اگر پاکستان کے عوام نے شعوری بیداری کا مظاہرہ نہ کیا تو پھر میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا کہ میں خود کو پاکستان کی سیاست سے علیحدہ کرلوں۔

الطاف حسین کے ویسے تو اکثر خطاب "تاریخی" ہوتے ہیں لیکن یہ خطاب اس لحاظ سے اہم اور مثالی تھا کہ انہوں نے اس میں اپنی پاکستان کی سیاست سے علیحدگی کا عندیہ دیا ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے پاکستان بچانے کے لئے اعتدال پسند ، روشن خیال ، پروگریسو اور لبرل ذہن کے افراد کو آگے آنے کی دعوت دی۔

مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون سے حالات پیدا ہوئے کہ الطاف حسین نے روشن خیال پروگریسیو، اعتدال پسند اور لبرل افراد کو سامنے آنے کی دعوت دی اور ان کے نہ آنے پر انہوں نے پاکستانی سیاست سے علیحدگی اختیار کرنے کا اعلان کیا ان حالات کی وضاحت تو وہ یا ان کی جماعت ہی کر سکتی ہے۔ ہاں البتہ مجھے یہ معلوم ہے کہ ان کے ہزاروں بلکہ لاکھوں کارکن ان کی ایک آواز پر اکھٹا ہو کر اپنے آپ کو قربان کرنے تک کے لئے بظاہر ہمیشہ تیار لگتے ہیں، ایسی صورت میں الطاف حسین کا لبرل، اعتدال پسند اور روشن خیالوں کے ساتھ نہ دینے پر ملک کی سیاست سے علیحدگی کے سوا اور " کوئی چارہ " نہ ہونے کی بات کرنا باعثِ حیرت ہے۔

حالانکہ اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ اگر الطاف حسین خود ہی پاکستان واپس آ جائیں تو وہ خود بھی پاکستان کو مشکلات اور مسائل سے نکال سکتے ہیں جبکہ ان کے واپس ملک میں آنے سے ان کی تحریک کو بھی بے انتہا آکسیجن ملنے اور کارکنوں کے ساتھ عام لوگوں کو بھی ان کی تحریک کا ساتھ دینے کے لیئے حوصلہ ملے گا۔ رہی بات ان کے لیئے خطرہ کی تو وہ اپنی اتحادی پیپلز پارٹی سے اپنی خصوصی سیکورٹی کا انتظام کرا سکتے ہیں ویسے تو وہ خود " نہ جھکنے والے ہیں اور نہ ہی ڈرنے والے " ہیں تو پھر کیا سوچنا ؟ اپنے چہیتے کارکنوں کو یہ

پیغام دیں اور وطن واپس آنے کا اعلان کر دیں۔
مجھے یقین ہے کہ الطاف حسین کا کوئی کارکن ان کی خواہش کے آگے ضد نہیں کر سکتا۔ اس طرح وہ ملک کو مذہبی جنونیوں سے نجات دلانے کے لیئے خود بھی براہ راست جدوجہد کر سکتے ہیں یا جاری جدوجہد میں حصہ لے سکتے ہیں۔
اب بات کرتے ہیں ان کے خطاب کی جس کی ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ پوری تقریر میں الطاف حسین نے مجموعی طور پر ملک کے مجموعی حالات خصوصاً عشق رسول ﷺ کے موقع پر ہونے والی ہنگامہ آرائی اور دیگر واقعات پر تشویش کا اظہار کیا،بنیاد پسندوں اور مذہبی رجحان رکھنے والے افراد کو ٹارگیٹ کرکے سیکولر، لبرل ،اعتدال پسند اور روشن خیال لوگوں کی حوصلہ افزائی کی اور یہ کہنے کی کوشش کی کہ ان لوگوں کے سامنے آنے اور عملی جدوجہد کرنے سے ہی پاکستان کا مستقبل وابستہ ہے۔
حیرت اس بات پر بھی ہے کہ الطاف حسین نے اپنی تقریر میں پسند کی شادی کرنے پر کاروکاری اور غیرت کے نام پر قتل کے واقعات کی مذمت کی لیکن کراچی میں بلاوجہ ہی نا معلوم " ٹارگیٹ کلرز کے ہاتھوں روزانہ ہی دس بارہ معصوم اور نہتے افراد کی " ہلاکت پر انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہاتاہم الطاف حسین نے کراچی میں یومِ عشق رسول ﷺ کے موقع پر ہونے والی ہنگامہ آرائی پر یہ وضاحت

کرنے کی کوشش کی کہ اس ہنگامہ آرائی اور توڑ پھوڑ کرنے والوں کا تعلق کراچی سے نہیں تھا۔ مجھے نہیں معلوم متحدہ کے قائد نے جو پورے ملک کے ۹۸ فیصد مظلوم لوگوں کے لیڈر ہونے کے دعویدار بھی ہیں صرف کراچی کے لوگوں کا کیس کیوں لڑا اور انہیں ہنگامہ آرائی کے الزام سے بچانے کی کوشش کیوں کی؟

میں یہ نہیں کہتا کہ کراچی کے اکثر لوگ ہی شرپسند اور دہشت گرد ہیں لیکن اس بات سے بھی کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ قائد اعظم کے شہر کے سب ہی باسی چند نامعلوم دہشت گردوں، شرپسندوں، چندہ یا بھتہ مافیا سے تنگ ہیں جنہوں نے ملک کے سب سے بڑے شہر کی دو کروڑ آبادی کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ، حکومت میں رہنے کے باوجود اس شہر کے لوگوں کو ان دہشت گردوں سے آزادی دلانے کے لئے مسلسل ناکام ہے لیکن حکومت کا ساتھ دینا بھی شائد اس کی مجبوری ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یومِ عشق رسول ﷺ پر ہنگامہ کرنے والوں نے آپ ﷺ کی سنت اور قرانی تعلیمات کے خلاف توڑ پھوڑ اور ہنگامہ آرائی کی۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ اس روز یہ سب کچھ کرنے والے " کوئی اور تھے " ۔ ممکن ہے کہ انہوں نے یہ صرف اس لئے ہی کیا ہو کہ مسلمانوں، اسلام کے اصل مجاہدوں اور سچے عاشقینِ رسول ﷺ کو بدنام کیا جاسکے؟ کیونکہ عاشق رسول ﷺ کی صفوں میں گھس کر انہیں بدنام کرنے کا اس سے اچھا موقع انہیں نہ جانے پھر کب ملتا؟۔

وہ لیڈر جو بغیر سوچے سمجھے یومِ عشقِ رسول ﷺ پر ہونے والی ساری شرپسندانہ کارروائیوں کی ذمہ داری عاشقِ رسول ﷺ پر ڈال رہے ہیں انہیں سوچنا چاہیے کہ کہیں کوئی انہیں استعمال تو نہیں کر رہا ہے؟ کہیں کوئی ان سے مسلمانوں کو بدنام کرنے کی سازش تو نہیں کروا رہا؟

پاکستان میں اس روز جو کچھ ہوا اس کی ذمہ دار ہماری حکومت اور حکومت کے اتحادی ہیں کیوں کہ انہوں نے اسے روکنے کی بھی کوئی کوشش نہیں کی۔

خیال آ رہا ہے کہ صدر آصف زرداری کے اقوامِ متحدہ میں گستاخانہ فلم کے خلاف سخت ردِ عمل اور امریکہ کو آئندہ اس طرح کی فلموں کو روکنے کے لیئے اقدامات کرنے کے مطالبہ کے ردِ عمل کے طور پر ہم مسلمانوں اور پاکستانیوں پر شدید تنقید کرائی جا رہی ہے تا کہ اسلام اور ملک دشمن قوتوں کو خوش کیا جا سکے۔

پاکستان ایک مضبوط ملک ہے اس کی حفاظت کرنے والے پاک فوج کے وہ محبِ وطن جرنیل ہیں جنہیں متحدہ کے قائد الطاف حسین نے چند ماہ قبل ملک میں مارشل لاء طرز کے اقدامات کرنے پر ان کا ساتھ دینے کا یقین دلایا تھا اور وہ فوجی جوان ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر یقین کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں اس

لیئے سب کو یقین ہے کہ پاکستان کو کمزور کرنے یا توڑنے کی سازش کرنے والوں کو ان کی سازش سمیت ہی دفن کر دیا جائے گا۔

مفاد پرست سیاست دانوں سے چھٹکارا ناگزیر ہو گیا!

ہمارے ملک کے سیاست دانوں کی اکثریت مفاد پرستوں پر مشتمل ہے اور قوم کا بھی کم و بیش ایسا ہی حال ہے سیاست دانوں کا جائزہ لیں تو صدر آصف زرداری، مسلم لیگ کے میاں نواز شریف، مسلم ق کے چوہدری برادران، متحدہ کے الطاف حسین، بلوچستان نیشنل پارٹی کے اختر مینگل اور دیگر نمبر دو سطح کے بہت سے ایسے نظر آئیں گے جن کے بارے میں مفاد پرستی کے دلائل دینا ان پر مفاد پرستی کا الزام لگانا کوئی مشکل کام نہیں ہے البتہ ان سب کو خود اس الزام سے بچنا بہت مشکل ہو سکتا ہے، عام اصولوں کے تحت یہ لوگ واضح مفاد پرست ہیں۔

ان دنوں سپریم کورٹ میں زیر سماعت دوہری شہریت کا مقدمہ بھی مفاد پرستی کا ایک چھوٹا سا ثبوت ہے،اس مقدمے کی وجہ سے سیاستدانوں کی صفوں میں ہلچل مچی ہوئی ہے اس کی لپیٹ میں آنے والوں میں بے چینی اور اضطراب بڑھ رہا ہے ان کا بس نہیں چل رہا کہ اس عدلیہ کو ہی ختم کر دیں اور پرانی والی لنگڑی لولی عدلیہ کو بحال کر دیں۔

دوہری شہریت کے مقدمے سے عام لوگوں کا کوئی تعلق نہیں جو غریب ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف جانے کی حیثیت نہیں رکھتے انہیں دوہری شہریت سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ یہ سچ ہے کہ دوہری شہریت رکھنے والوں

کی تعداد 70,80 لاکھ ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ تعداد تو ان دو فیصد میں شمار ہو سکتی ہے جو 98 فیصد کے حقوق غصب کر رہے ہیں جنھیں ملک کی اکثریت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔اہم بات یہ ہے کہ دوہری شہریت رکھنے والے تمام افراد کا اس مقدمے سے کوئی تعلق نہیں ہے ابھی تو عدالت نے صرف دوہری شہریت رکھنے والے قومی و صوبائی اسمبلیوں اور سینٹ کے اراکین کا معاملہ اٹھایا ہے کہ آئین اور قانون کے تحت دوہری شہریت رکھنے والا کوئی بھی شخص پاکستان کی کسی بھی اسمبلی کا انتخاب نہیں لڑ سکتا اور نہ ہی رکن رہ سکتا ہے۔

جو لوگ یہ تاثر دے رہے ہیں کہ دوہری شہریت رکھنے والے پاکستان کے انتخابات میں ووٹ ڈالنے کے حق دار نہیں ہیں وہ قوم کو دھوکہ دے رہے ہیں اور معصوم لوگوں سے جھوٹ بول رہے ہیں۔خلافِ آئین اور قانون دوہری شہریت رکھ کر اور اس کیس میں ملوث ہونے کے باوجود اپنے آپ کو محب وطن اور ایماندار و دیانت دار کہنا بے ایمانی اور بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے ؟۔ایسا کہنے والے مفاد پرست نہیں تو پھر کیا کہلائیں گے ؟۔

صدر مملکت آصف زرداری کا سوئس عدالت کا مقدمہ اور سوئس عدالت کو اب تک خط نہ لکھنا مفاد پرستی کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے ؟(سپریم کورٹ کے احکامات کو نہ ماننے پر قانون شکن ہونے کا الزام الگ ہے)۔

این آر کیس اور اس سے فائدہ اٹھانے والے تمام ہی مفاد پرست نہیں تو کیا

ہیں؟این آر او سے کسی عام پاکستانی کو تو کوئی فائدہ نہیں ہوا جبکہ ملک بھی خوامخواہ کی قانونی جنگ میں الجھ کر رہ گیا۔

میاں محمد نواز شریف کا اپریل 2000 میں اس وقت کے چیف ایگزیکٹو پرویز مشرف سے ڈیل کرکے سعودی عرب ازخود جلاوطن ہوجانا، پوری قوم اور اپنے ساتھیوں کو اپنے مفاد کے لیئے فوجی جرنیل کے حوالے کردینا خالصتاً ان کا ذاتی مفاد نہیں تھا تو اور کیا تھا؟اس وقت وہ اس قدر خود غرض بند گئے تھے کہ انہوں نے جیل میں بند مخدوم جاوید ہاشمی کی بھی فکر نہیں کی اور صرف اپنے خاندان کو لیکر ملک کو خدا حافظ کہہ گئے۔ پھر اس وقت آئے جب ملک میں جیسی تیسی جمہوریت آئی اور انہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ اب انہیں گرفتاری سمیت کسی بھی بات کا خطرہ نہیں ہے ان کا یہ رویہ میری نظر میں ذاتی مفاد تھا اور رہے گا۔

اسی طرح آصف علی زرداری بھی دسمبر 2007 ہیں،اسی وقت ملک واپس لوٹے جب ان کی اہلیہ کا قتل ہوا اور ان کے لئے ملک میں حالات سازگار ہوگئے تھے ورنہ تو وہ خود اپنے خلاف درج مقدمات اور فوجی آمر سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ بے نظیر بھٹو کے وطن آنے کے باوجود یہاں آنے سے گریزاں تھے۔ بے نظیر بھٹو کی ناگہانی موت نے حالات کو ایسا بدلا کہ سب سے زیادہ فائدہ آصف زرداری کو ہوا وہ نہ صرف واپس ملک میں آئے بلکہ ملک کے صدر اور پیپلز پارٹی کے بااختیار

شریک چیئرمین بھی بن بیٹھے۔
سیاست دانوں کی مفاد پرستی کے واقعات تو اتنے ہیں کہ اسے ایک نشست میں لکھنا ممکن نہیں ہے، اس کو تحریر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ قوم کو باخبر کیا جائے کہ جنہیں ہم منتخب کرتے ہیں وہ ملک اور قوم کے وفادار نہیں بلکہ صرف اپنی ذات اور اپنے خاندان سے وفادار ہیں اور محبت تو شائد وہ صرف اپنی ذات سے ہی کرتے ہیں باقی ساری باتیں قوم کو بے وقوف بنانے اور اقتدار حاصل کرکے ملک اور قوم کی رقوم بٹورنے کے لیئے ہوتی ہیں، لیکن اس ساری پریکٹس مین اصل قصور ان لوگوں کا ہوتا ہے جو ان مفاد پرستوں کا انتخاب کرتے ہیں اور انہیں لوٹ مار کا موقعہ فراہم کرتے ہیں۔
اب متحدہ کے قائد الطاف حسین کو دیکھئے کہ انہوں نے .برطانیہ کی شہریت خود حاصل کی انہوں نے اس مقصد کے لیئے .برطانیہ حکومت کو درخواست دی ہوگی تب ہی تو ان کو وہاں کی شہریت ملی ، کسی ملک کی شہریت حاصل کرنا اس ملک سے وفاداری کا حلف کا ہی باعث بنتی ہے ایک شخص بیک وقت دو ممالک کا وفادار کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ پاکستان میں تو ہوتا رہا لیکن دنیاکے کسی ملک میں یہ بات تسلیم نہیں کی جاتی الطاف حسین اور ان کے ساتھیوں کا .برطانیہ کی شہریت حاصل کرنا مفاد پرستانہ عمل نہیں ہے تو پھر کیاہے؟

ملک میں اگر کسی جماعت کے سب سے زیادہ کارکن قتل ہوئے تو وہ متحدہ ہے؟ اور ملک کے کسی شہر کے سب سے زیادہ لوگ قتل ہوئے تو وہ کراچی ہے۔اس صورتحال میں تو کراچی ہر ایک کے لیئے خطرناک شہر ہے صرف الطاف حسین کے لیئے نہیں؟میں ان کی دوہری شہریت کا مخالف نہیں اور نہ ہی میں اس حق کا رکھتا ہوں مین تو صرف ملک کے سیاست دانوں اور سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کی دوہری شہریت کا مخالف ہوں ، میں یہ بات پورے یقین سے کہتا ہوں کہ جس کے پاس دوہری شہریت ہے اور وہ اس سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تو اس کا مطلب واضع ہے کہ ایسا شخص پاکستان اور پاکستانی قوم سے مخلص نہیں ہے وہ قوانین کے تحت بھی صرف اس ملک کا وفادار ہوگا جہاں کی شہریت اس نے درخواست دیکراور متعلقہ ملک کی تمام شرائط مان کر حاصل کی۔

اگر متحدہ کے قائد کو پاکستان ، پاکستانیوں اور سب سے بڑھ کر اپنے تحریکی ساتھیوں سے محبت ہے تو برطانیہ کی شہریت فوری چھوڑ دینا چاہیۓ اور اپنے ملک واپس آ جانا چاہیۓ ، اسی عمل سے وہ پاکستان کے سچے اور مخلص لیڈر ہونے کا ثبوت فراہم کر سکیں گے۔

بات ہورہی ہے مفاد پرست سیاست دانوں کی اور اب ذکر کرنا ضروری ہے چوہدری برادارن کا، مجھے نہیں معلوم کہ ان کی سیاست کا اصل مقصد کیا ہے؟ انہوں نے

اب تک اپنی سیاست سے ملک اور قوم کو کیا دیا ؟ان کی جماعت کا طویل دورِ حکومت پرویز مشرف کے ساتھ گذرا جو ہر لحاظ سے آمر تھے ۔ان کا اقتدار میں جمہوری حکومت کو ختم کرکے آنے کا عمل بھی آمرانہ تھااور چوہدری برادران نے ان کا بھرپور ساتھ دیا اگر یہ ان کا ساتھ نہیں دیتے توپرویز مشرف بھی اس قدر آسانی سے تقریبا ساڑے نو سال تک حکومت نہیں کرپاتے۔عام خیال یہ ہی کہ ملک کو جو کچھ نقصان پہنچا اور ملک آج جس مقام پر کھڑا ہے اس کے ذمہ دار پرویز مشرف اور ان کی حکومت ہے ایسی صورت میں چوہدری برادران کس طرح اس الزام سے بچ سکتے ہیں کہ وہ آمریت کو فروغ دینے والے سیاست دان ہیں ؟اس کا مطلب کہ وہ بھی کھلے مفادپرست ہیں؟ ان کی مفادپرستی کا عالم تو یہ ہے کہ اقتدار میں شامل ہونے کی لالچ میں انہوں نے اس آمر نماء خود ساختہ جمہوریت پسند سے ہاتھ ملالیا جو انہیں کم از کم دو سال تک " قاتل لیگ " کہتا رہا۔

یوں یہ ہی کہنا چاہ رہا ہوں کہ یہ لوگ سیاست شائد صرف اپنے مفاد کے لئے ہی کرتے ہیں، ان کی سیاست ہر طرح کے اصولوں اور ضابطوں سے پاک ہے۔

اب لیجئے سردار اختر مینگل کو۔۔۔وہ "سردار بھی ہیں اور مظلوم بھی"؟ میں انہیں مظلوم نہیں کہہ سکتا میرے پاس ان کے لیئے بھی وہ ہی نام ہے جو یہاں دیگر کو دیا ہے ۔ سردار اختر مینگل اس قبیلے کے سردار ہیں جو آج بھی

بلوچستان میں کسمپرسی کی زندگی گذار رہا ہے۔شاہیزئی مینگل قبائل برسوں سے بلوچستان میں آباد ہے اس قبیلے لوگ اس دور میں بھی اپنے سردار کے خلاف حق بات کہنے کی جرات نہیں کرسکتے جبکہ سردار عطااللہ مینگل اور ان کے صاحبزادے کراچی کے ڈیفنس سوسائٹی میں عالیشان بنگلے میں رہتے ہیں جس کا جنریٹر ہی 60 گز پر رکھا ہوا ہے یہ لوگ پورے بلوچستان کے مسائل کی بات اس طرح کرتے ہیں جیسے انہیں اس کا بہت احساس ہو جبکہان کے بارے میں معروف خاتون صحافی نرگس بلوچ کہتی ہیں کہ وہ اپنے قبیلے شاہزئی کی آبادی والے علاقوں جہاں ان کا مکمل کنٹرول ہے نہ تو اسکول قائم ہونے دیتے ہیں نہ ہی یہاں کے لوگوں کو تعلیم کی سہولیات پہنچانا چاہتے ہیں۔

اختر مینگل اور عطااللہ مینگل ایک سے زائد مرتبہ بلوچستان کے وزیر اعلیٰ رہ چکے لیکن انہوں نے اپنے آبائی علاقوں اور وہاں کے لوگوں کی ترقی کے لئے کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا وہاں کے لوگ آج بھی بنیادی سہولیات سے محروم ہیں۔ سردار اختر مینگل طویل عرصے بعد پاکستان آئے اور بلوچستان کے مسائل کے حل کے لیئے چھ نکات پیش کرکے دوبارہ ملک سے چلے گئے ان کے اس اچانک دورے پر بہت کچھ لکھا گیا میرا خیال ہے کہ انہوں نے یہ دورہ بلوچستان یا وہاں کے لوگوں کے مفاد میں نہیں بلکہ اپنے سیاسی مستقبل کے مفاد میں کیا انہیں اندازہ ہے کہ اگر حالات یہ ہی رہے تو وہ آنے والے سالوں میں بھی اقتدار سے

باہر رہیں گے اس لیئے انہوں نے چھ نکات کی آڑ میں اپنے ہم خیال سیاست دانوں سے ملاقات کی تاکہ ائندہ انتخابات میں مناسب اتحادی کو تلاش کیا جاسکے جس کے ساتھ انتخابی اتحاد کرکے بلوچستان میں اپنی حکومت بنائی جاسکے۔ اگر ان لوگوں کو صوبہ یا اپنے لوگوں کا مفاد عزیز ہوتا تو یہ انہیں پریشان حال چھوڑ کر ملک سے باہر نہیں جاتے بلکہ یہاں رہ کر اپنے حقوق کی جدوجہد کرتے چاہے یہاں ان کو جیلوں ہی میں کیوں نہ رہنا پڑے۔

ہمارے ملک کے سیاست دان جیسے بھی ہیں پوری قوم کو خصوصا ان کے پیچھے دوڑنے والوں کو اپنے ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر یہ سوچنا چاہئے کہ ان لوگوں نے مسلسل یا کبھی کبھار ہی اقتدار میں رہ کر آخر ملک اور قوم کو کیا دیا؟؟

لوڈ شیڈنگ، بیروزگاری، مہنگائی اور امن وامان کی ابتر صورتحال تو ان ممالک میں بھی ایسی نہیں ہے جہاں جمہوری ہی نہیں بلکہ جمہوریت کا نام لینے والا بھی نہیں ہے۔

ہمیں آنے والے انتخابات سے قبل ہی یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ان مفاد پرست، دوہری شہریت رکھنے والے، کرپٹ، جھوٹے، بددیانت، قانون شکن اور عدلیہ کے

احکامات نہ ماننے والے سیاست دانوں سے کیسے چھٹکارا حاصل کرنا ہے؟یاد رکھیئے کہ موجودہ دور کے سیاست دانوں خصوصا موجودہ حکومت اور اس کے اتحادیوں سے چھٹکارا ہی پاکستان کی اور ہم سب کی ترقی کا ضامن ہو سکتا ہے۔

ہماری خوش خلقی کا مذاق تو مت اڑایئے

امریکہ کے نشریاتی ادارے وائس آف امریکہ نے اپنی ویب سایئٹ پر ایک رپورٹ شائع کی ہے جس کے مطابق پاکستان دنیا کے 151 خوش ممالک یں سولھویں نمبر پر ہے یہ رپورٹ دراصل لندن کے ایک سماجی ادارے نیو اکنامکس فاؤنڈیشن جو وائس آف امریکہ کے مطابق " بین الاقوامی " ہے نے چند روز قبل اپنی ویب سایئٹ پر " آن لائن " کی تھی۔

مجھے یہ رپورٹ پڑھ کر خوشی اور حیرت ہوئی۔۔۔۔۔پھر میں نے سوچا اب دیکھو ہم تو وہ ہیں جو رپورٹ پڑھ کر ہی خوش ہوجاتے ہیں ہمارا پاکستان اور ہم پاکستانی ایسے نہیں ہیں کہ جو خوشحال ممالک کے باشندے ہونے اور وہاں رہنے کے باوجود بدحال ہیں۔

رپورٹ میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ اس فہرست میں امریکہ کو ایک سو پانچویں نمبر پر رکھا گیا ہے،،برطانیہ 41 ویں اور چین کو خوشحال ممالک میں ساٹھ واں نمبر دیا گیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ اگر اس طرح کا سروے مذکورہ ادارے کی جانب سے دنیا کی بدحال

شخصیات کے بارے میں کیا جاتا تو اس کے نتائج سے یہ ظاہر ہوتا کہ امریکہ کے صدر بارک اوبامہ دنیا کی بدحال شخصیات میں 151 ویں آدمی ہیں۔

حیرت اس بات پر کہ ہم پاکستانی بیروزگاری، مہنگائی، بجلی، گیس کی لوڈشیڈنگ، سیلاب کی تباہ کاریوں اور امن و امان کی خراب صورتحال کے باعث خودکشی تک کرنے پر مجبور ہیں لیکن مذکورہ ادارے کی نظر میں دوسرے ممالک خصوصاً ترقی یافتہ ملکوں سے زیادہ خوش" ہیں۔ حیرت اس بات پر زیادہ ہے کہ امریکی نشریاتی ادارے نے اسے درست " تسلیم کرکے دنیا بھر میں پھیلانے کی کوشش کی۔

مجھے اندازہ لگانا مشکل ہو رہا ہے کہ یہ طنزیہ خبر ہے یا فکریہ ؟ اس سروے کے یہ نتائج میرے لیئے ہی نہیں بلکہ میرے ہم وطنوں کے لیئے بھی تکلیف دہ اور "زخموں پر نمک چھڑکنا" کے مترادف ہے۔

میرا خیال ہے کہ لندن کے اکنامکس فاؤنڈیشن نے پاکستان کے خاص، سیاست دانوں، بیوروکریٹس، تاجروں اور نام نہاد این جی اوز چلانے والوں تک اپنے ریسرچ کو محدود رکھا اور نتائج اخذ کر لیئے تاکہ ہمیں ناخوش اور خدا کے ناشکرے بھی قرار دیا جاسکے ساتھ ہی دنیا بھر میں ہمیں بدنام کیا جاسکے۔

یہ سچ ہے کہ مختلف انٹرنیشنل ویب سائٹس نے ہمارے ملک کے صدر آصف زرداری کو ملک کا دوسرا بڑا امیر ترین شخص قرار دیا ہے اور ان کے اثاثوں کی کل مالیت ایک اعشارہ آٹھ بلین ڈالر بتائی گئی ہے اسی طرح میاں نواز شریف کو فہرست میں چوتھے نمبر کے امیر بتایا گیا ہے، یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکستان کی سیاست میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جن کی آمدنی کے باقاعدہ کوئی ذرائع نہیں ہیں لیکن وہ بھی یا ان کی جماعت بھی کروڑوں ڈالر مالیت کے اثاثے کی مالک ہیں اس کے باوجود وہ شائد اس طرح خوش نہیں ہیں جیسا کہ رپورٹ میں تاثر دیا گیا ہے۔

جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر نئی گاڑی کراچی، اسلام آباد اور لاہور کی سڑکوں پر دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے لیکن یہ بھی ایک سچ ہے کہ جب وہ گاڑی کسی بھی سگنل پر رکتی ہے تو اس کے پیچھے دوڑنے والوں کی تعداد ایک یا دو سے زائد ہوتی ہیں جو اس لیئے گاڑی کے قریب جانا چاہتے ہیں کہ اس کی صفائی کرکے دو یا تین روپے حاصل کرلیں۔

میرے ملک کو جسے خوش قرار دیا گیا ہے میں مہنگائی اور بیروزگاری کی وجہ سے خودکشی کا رجحان بڑھ گیا ہے اس میں 24 فیصد تک کا رواں سال اضافہ ہوا ہے۔

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی رپورٹ کے مطابق جاری سال کی پہلی سہ ماہی میں 392 افراد نے خودکشی کی جس میں دو سو بیاسی مرد اور ایک سو بارہ خواتین تھیں۔ میرا ملک غیروں کی نظر میں "خوش ملک" ہے لیکن یہاں کے تقریباً ہر شہر گاؤں، دیہات اور علاقے روزانہ کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ 24 گھنٹے بجلی سے، محروم رہتے ہیں۔ کیا کوئی اس دور میں بھی بجلی کے بغیر خوش رہ سکتا ہے؟

میرے ملک کو خوشحال ملک قرار دینے والوں کے لیئے عرض ہے کہ یہاں بیروزگاری کا Ratio بڑھ کر 5.5 فیصد ہوگیا جو گذشتہ سال 5.6 فیصد تھا اور یہاں جو روزگار ہے اس کی صورتحال یہ ہے کہ مزدور کی کم از کم تنخواہ آج بھی پانچ ہزار ہے۔ اس تنخواہ میں کوئی کیسے خوش رہ سکتا ہے؟

میرے ملک کے مختلف شہروں خصوصاً کراچی اور پشاور میں فائرنگ اور بم کے دھماکوں سے روزانہ ہی دس بارہ افراد ہلاک ہوجاتے ہیں یا انہیں ٹارگیٹ کرکے ماردیا جاتا ہے۔ ان شہروں کے لوگ نامعلوم دہشت گردوں کے ہاتھوں اپنے اپنے علاقوں اور گھروں میں یرغمال ہوکر رہ گئے ہیں، کیا ان حالات میں بھی کوئی

خوش رہ سکتا ہے؟

میرے ملک میں معاشرتی مسائل اس قدر بڑھ رہے ہیں کہ لوگوں کی زندگی اجیرن ہو گئی ہے پھر بھی ہم پر" خوش رہنے کا الزام" لگایا جا رہا ہے۔یہ بات باعث حیرت نہیں تو اور کیا ہے؟؟۔

میرے ملک کے لوگوں کو ہوٹلوں میں دیکھ کر ان کے خوش ہونے کا اندازہ لگانے والوں کو چاہیئے کہ وہ ہوٹلوں کے باہر سڑک پر بیٹھے ہوئے درجنوں افراد کی طرف بھی ایک نظر ڈالیں جن کے چہرے بچے کچے کھانے کے انتظار میں بھوک سے مرجھا جاتے ہیں۔۔۔کیا کوئی بھوکا بھی خوش رہ سکتا ہے؟۔

میرے ملک کی کاروں اور جیپوں پر نظر ڈالنے والوں کو کسی ہفتے اور اتوار کو سی این جی اسٹیشنوں پر بھی نظر ڈال لینی چاہیئے جو بند رہتے ہیں، ان کے بند رہنے سے لوگ کس طرح "خوش "رہ سکتے ہیں؟ذرا اس کی بھی توضاحت کی جائے؟۔

یہ بات سہی ہے کہ ہم بحیثیت پاکستانی قوم برے سے برے حالات کے باوجود خوش دکھائی دیتے ہیں کیونکہ ہم خوش اخلاق اور خوش مزاج ہیں۔ہمارے چہرے اس لیئے خوشی سے چہکتے ہیں کہ ہمیں ہر حال میں خوش رہنے کا سبق دینِ اسلام نے دیا ہے

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم تن من اور دھن سے خوش ہیں خدا کے لئے ہماری خوش مزاجی، خوش خلقی یا خوش طبعی کا مذاق تو مت اڑائیے۔

ملالہ ایک غازیہ

ملالہ تو قوم کی دعاؤں سے انشاء اللہ بچ جائے گی اور اپنی خواہشات کے مطابق اعلیٰ تعلیم بھی مکمل کرلے گی وہ جب تک زندہ رہے گی "غازیہ" کہلائے گی وہ ہی غازیہ جس کے معنی ہے کافروں سے جنگ کرنے والی ،جنگ ان کافروں سے جو اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں جو مسلمانوں کو چین سے نہیں رہنے دیتے ،جو مسلمانوں کے خلاف سازش کے لیئے کسی اور کو نہیں بلکہ نام نہاد اور سادہ لوح مسلمانوں کو ہی ورغلا کراور ڈرا دھمکا کر استعمال کرتے ہیں۔

صوبہ پختونخواہ کی خوبصورت وادی منگورہ سوات میں 1997 میں اسکول ہیڈ ماسٹر ضیاء الدین یوسف زئی کے گھر پیدا ہونے والی ملالہ یوسف زئی نے 200 9 میں جب وہ آٹھویں جماعت میں پڑھ رہی تھی اپنے آپ کو بین الاقوامی میڈیا میں گل مکئی کے نام سے متعارف کرایا، بارہ سال کی اس عمر میں جب لڑکیاں عام طور پر اپنے آپ یا زیادہ سے زیادہ اپنے والدین اور بہن بھائیوں کی حد تک ہی سوچنے انہیں سمجھنے ، ان ہی سے لڑنے اور پیار کرنے کی صلاحیت و حیثیت رکھتی ہیں ملالہ اپنے علاقے اور صوبہ کے مستقبل کی فکر میں مبتلا تھی اسی فکر کے باعث وہ برطانیہ کے نشریاتی ادارے BBC ویب سائیٹ پر سوات کی امن و امان کی صورتحال

کے بارے میں بلاگ لکھا کرتی تھی جس ماحول میں چاروں طرف سے بارود کی بو آئے ،جہاں ہر طرف مسلح افراد نام نہاد طالبان کے روپ میں نظر آئے جہاں خواتین اور کم عمر لڑکیوں کے شرعی حقوق چھین لیئے جانے کا خوف ہو اور جہاں معصوم لڑکیوں کو اسکول جانے سے تک روکا جائے اس ماحول میں ملائلہ کا امن کے لیئے اور تعلیم کے مناسب ذرائع پیدا کرنے کے لیئے جدوجہد کرنا انتہائی دلیری کی بات تھی ۔

ملائلہ دھمکیوں کے باوجود اپنے مشن کو جاری رکھی ہوئی تھی جس کے نتیجے میں نام نہاد طالبان جنہیں اب ہر کوئی "ظالمان" کہنے پر مجبور ہے نے اسے اپنے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا اور اسے سرعام اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا، ان ظالموں کی فائرنگ سے ملائلہ کی کلاس فیلو دو لڑکیاں شازیہ اور کائنات بھی زخمی ہوئیں جن کی حالات اب بہت بہتر ہے۔

ملائلہ کی جدجہد کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جارہا ہے الیکٹرونک میڈیا بھی خصوصی پروگرام پیش کر رہا ہے۔ ہم سب کو ملائلہ سمیت تمام بچیوں کی حوصلہ افزائی کے لیئے اسی طرح کا رویہ ہمیشہ اختیار کرنا چاہئے ۔ہماری حکومت ،این جی اووز اور غیر ملکی حکام خصوصاً امریکہ جس طرح اب ملالہ کے لیئے فکر مند ہے اگر اسی طرح پہلے بھی فکر مند ہوتا، یہ احساس کرتا کہ ملالہ عام بچی

نہیں ہے بلکہ انتہائی خاص ہے دہشت گرد اسے نشانہ بنا سکتے ہیں اس لیئے اس کی حفاظت بھی مانیا ان اوبامہ اور نتاشا اوبامہ یا کم از کم آصفہ اور بختاور کی طرح کی جانی چاہئے، تو یہ واقعہ پیش نہیں آتا۔

بزدل اور ظالم لوگ اور ان کے گینگ لیڈر نے صرف ایک ملالہ پر حملہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے 14 سالہ طالبہ پر حملہ کرکے اصل میں پاکستان کی بقاء اور اس کے بہترین مستقبل پر حملہ کیا ہے اور اسے مفلوج کرنے کی کوشش کی۔ ان ظالموں نے ملائکہ پر حملہ کرکے اس بات کا ثبوت دینے کی کوشش کی ہے کہ یہاں کوئی حکومت اور کوئی نظام نہیں ہے، سب کچھ ان ہی کے کنٹرول میں ہے جب چاہے جو چاہے یہ کر سکتے ہیں اور انہیں کوئی بھی نہیں روک سکتا کیونکہ وہ ہی " سپر پاور " ہیں۔

میں یہ بات پوری ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں کہ ملائکہ پر حملہ کرنے والے مسلمان نہیں ہو سکتے بلکہ بعض دینی شخصیات تو یہ بھی فتویٰ دے چکی ہیں کہ یہ لوگ "انسان کہلانے کے قابل بھی نہیں ہے"۔

اس لیئے ہمارے اسکالرز یا دانشوروں اور خصوصاً سیاسی لیڈرز کو انہیں مسلمانوں اور بنیاد پرستوں سے نہیں جوڑنا چاہئے یہ تو وہ لوگ ہیں جو اسلام

کا نام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی سازش میں مصروف ہیں اگر ہم انہیں مسلمان قرار دیں گے تو اسلام دشمن قوتوں کا ایک ہدف تو پورا ہو جائے گا کہ وہ ہمیں بدنام کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

یہ بات سب کو یاد رکھنی چاہیے کہ شلوار قمیض اور ٹوپی کوئی بھی پہن سکتا ہے۔اسلام کے دشمن بھی مسلمانوں کا روپ دھار سکتے ہیں حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ شیطان معصوم مسلمانوں کو بہکانے کے لیئے تلاوت بھی بہت اچھی کرتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آیا ہے۔

ملالہ ،تاریخی پشتون خاتون ملالئی جنہیں لوگ "The Afghan Jeanne D'Arc". بھی کہا کرتے تھے کا روپ ہے ، ملالئی مسلمان خاتون تھیں جو 27 جولائی 1880 کو دوسری اینگلو افغان جنگ.برٹش فوج سے لڑتے ہوئے فاتح قرار پائی تھی یہ جنگ میوند کے مقام پر لڑی گئی تھی ملالئی نے.برٹش بمبئی گورنمنٹ کے دور میں اس جنگ میں حصہ لیکر اور دو بدو جنگ لڑ کر.برٹش افواج کو شکست دی تھی لیکن اسلام دشمن غیر ملکی قوتیں آج بھی مسلسل ہم سے اسی طرح لڑ رہی ہیں بس انہوں نے طریقہ کار بدل لیا ہے اب یہ لوگ دہشت گردی بھی خود کرتے ہیں جبکہ دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں اور اسلام کا نام لینے والوں کو کسی نہ کسی طرح

نقصان پہنچا رہے ہیں اس مقصد کے لیئے وہ پہلے ہم مسلمانوں کو ورغلاتے ہیں۔

افغانستان اور عراق میں جب ان کو مسلسل شکست کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے طالبان کے نام سے ہی ایک گروپ تشکیل دیدیا اس گروپ نے آج تک صرف مسلمانوں اور پاکستانیوں کو ہی نقصان پہنچایا ہے یہ گروپ صرف انہیں نقصان پہنچاتا ہے جس سے اس کو خطرہ ہے لیکن لگتا ایسا ہے کہ اس گروہ کو صرف معصوم نہتے عوام اور پاک فوج سے ہی خطرہ ہے پاک فوج کو اپنے لیئے خطرہ سمجھنے والوں پر یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ کسی اور کے آلہِ کار ہیں؟ افغان اور عراق جنگ میں پاکستان کی کمزور پالیسی کی سزا یہ گروہ مسلسل پاکستان کی فوج اور نہتے پاکستانیوں کو کبھی امریکہ کا ساتھ دینے کے نام پر تو کبھی بنیاد پسندوں کی مخالفت کے نام پر دیتا ہے، عسکری یونٹس ،مساجد ،امام بارگاہوں اور ملائکہ جیسے معصوموں پر حملے بھی اسی طرح کے بہانوں سے کیئے جاتے ہیں سوال یہ ہے کہ یہ اسلام دشمنوں کی سازش نہیں تو پھر کیا ہے؟ کیونکہ ان کی اس طرح کی کارروائیوں سے پاکستان اور مسلمانوں کو ہی نقصان پہنچ رہا ہے۔ کیا کوئی مسلمان گروپ اپنے ہی مسلمان بھائیوں اور مسلم ملک کو نقصان پہنچا سکتا ہے؟

طالبان کا ایک گروپ افغانستان میں مسلمانوں کی سلامتی اور تحفظ کے نام پر جنگ لڑ رہا ہے تو دوسری طرف پاکستانی طالبان کے نام سے دوسرا گروپ پاکستان

اور پاکستانی مسلمانوں کو ہی نقصان پہنچارہا ہے، پھر بھی ہم یہ طے نہیں کرپارہے کہ اصل طالبان کون ہیں ؟ اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی جنگ کون لڑرہا ہے؟ پاکستان اور مسلمانوں کو کونسا گروپ نقصان پہنچارہا ہے؟۔

روشن خیال اور اعتدال پسند ایک ملالہ پر حملہ ہو تو پورا مغربی میڈیا سرگرم ہو جاتا ہے، بارک اوبامہ کی نیندیں اڑجاتی ہیں۔برطانوی میڈیا ملالہ کے بعد اب ان کے والد کو ملنے والی دھمکیوں کی بھی خبریں نشر کررہا اور یہ ہی میڈیا پاکستانی طالبان کے اعتراف جرم اور ہر نئے محاذ کی خبر بھی بریک کرتا ہے ،آخر ایسا کیوں ہے ؟ کیا ہمارے خلاف جنگ کرنے والوں کو مغربی میڈیا تک رسائی کے باوجود مغربی ممالک پکڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ؟اگر یہ سچ ہے کہ القائدہ اور طالبان کے اصل گروپ عرب ممالک کے چینل کا سہارہ لیکر اپنے مقاصد پورے کرتے ہیں تو یہ بات کیوں درست نہیں کہ برطانیہ اور امریکی چینلز اور میڈیا کی سپورٹ حاصل کرنے والے ہی پاکستان اور مسلمانوں کے اصل مخالفین ہیں ؟

حیرت تو اس بات پر ہے کہ تحریک طالبان پاکستان کی طرف سے مسلسل ملک اور قوم کو نقصان پہنچانے والی کارروائیوں کے باوجود اسے اب تک ختم کیوں نہیں کیا جاسکا؟
وزیرداخلہ جواب عدالت کی طرف سے جھوٹے بھی قرار پاگئے ہیں وہ

جب ان طالبان سے دہشت گردی نہ کرنے کی درخواست کر سکتے ہیں تو انہیں ختم کیوں نہیں کر سکتے ؟ اگر وہ اس قدر بے بس اور بے اختیار ہیں تو اپنی راہ پاکستانیوں سے علیحدہ کیوں نہیں کر لیتے ؟

پاکستان آرمی نے ملالہ کو علاج کی غرض سے امریکہ یا دبئی نہ بھیجنے کا فیصلہ کرکے اپنی صلاحیتوں کا ثبوت دیا ہے، کیا ایسے ہی جرات اور عقلمندانہ فیصلے دیگر محاذ پر نہیں کیئے جا سکتے ؟

میرا خیال ہے کہ ملالہ حملے کے منصوبہ ساز اپنے منصوبے کو کامیاب نہیں بنا سکے کیونکہ معصوم پیاری پری ملالہ ظالموں کی توقعات کے برعکس بچ گئی شائد ظالمان یہ بھول گئے تھے کہ مارنے والوں سے بچانے والا بڑا ہے، بچانے والا جس کے سامنے سب کو اپنا اعمال نامہ لیئے کھڑا ہونا پڑے گا اور اسی اعمال نامہ پر ملالہ کو جان سے مارنے کی کوشش کا الزام بھی درج ہوگا ملزمان یہاں تو چھپ سکتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے وہ چھپ سکتے ہیں اور نہ ہی اللہ سے کوئی بات چھپا سکتے ہیں ۔

ظالمان کون ہیں ؟ ان کے مقاصد کیا ہیں ؟ وہ پاکستان کو ہی کیوں اپنی کارروائیوں کا ہدف بنائے ہوئے ہیں ؟ ان کے پیروکار کیا ابھی تک پشتون

خاتون ملالئی فتح کا بدلہ لینا چاہتے ہیں؟ اگر ایسی کوئی بات ان کے ذہنوں میں ہے تو
انہیں سوچ لینا چاہیئے کہ ایک ملالہ ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان گھر میں موجود ملالہ، ملالئی
بن کر دشمنوں کے سامنے کھڑے ہوجائے گی اور دوبارہ فتح کے جھنڈے بلند کردے گی
کیونکہ فتح بالآخر مسلمانوں ہی کی ہوگی اور ہر ملالہ اسی طرح ہمیشہ سرخرو ہوتی رہے گی۔

بے چارے سیاست دان

اس قوم کو علم وحکمت کی کیاقدر جو مہنگا جوتا خریدنے میں فخر اور سستی کتابیں لینے میں دقت محسوس کرے۔ایسا کیوں نہ سمجھا جائے کہ اس قوم کو کتابوں سے زیادہ جوتوں کی ضرورت ہے یہ فکر یہ جملہ مجھے صحافی عبدالخالق بٹ نے ایس ایم ایس کیا، مجھے ایسا گمان ہوتا ہے کہ یہ کسی مشہور رائٹر کا جملہ ہے، بہرحال قوم کو اس سے کیا غرض کہ یہ بات پہلی بار کس نے کہی اور کیوں کہی تھی؟

اتنا وقت اگر قوم کے پاس ہوتا اور ہم اتنی باریکیوں میں جانے کے عادی ہوتے تو اب تک یہ پتہ نہیں چلا لیتے کہ ہمارے سیاست دان آخر چاہتے کیا ہیں۔

عبدالخالق کے ایس ایم ایس کو پڑھ کر مجھ پر "دانشوری" کا نشہ سوار ہوگیا ایک صحافی پر زیادہ سے زیادہ ہوشیاری یا پھر دانشوری کا ہی نشہ چڑھ سکتا ہے، ویسے ہم صحافی لوگ بھی عام ہی ہوتے ہیں خوامخواہ ہمیں خاص لوگوں میں شمار کرنے کیا جاتا ہے، اب تو ہم اسی طرح سیاست دانوں کو لڑانے اور مزے لینے کا کام بھی کر رہے ہیں جو معاشرے میں گلی کوچوں میں نظر آتا یقین نہ آئے تو کسی بھی نیوز چینل کا ٹاک شو دیکھ لیں اس شو کو دیکھ کر آپ میری بات پر سو فیصد

اتفاق کرینگے۔

ویسے ہماری حالت اور عزت اور احترام کوئی بھی ہم لوگوں کے دفاتر میں دیکھ سکتے ہیں جہاں سب سے طاقتور اور بااختیار شخص آپ کو چپراسی نظر آئے گا ساتھ ہی ہماری عزت کا ڈھول بھی سننے کو ملے گا۔ ہم بھی پیشہ ورانہ طور پر شاعروں سے کم نہیں ہوتے فرق یہ ہے کہ جب شاعر اپنا تعارف کراتا ہے یا کہیں اچھی شعر شاعری کا " ہنر " دکھا کر جانے لگتا ہے تو بہت عزت اور احترام سے لوگ پوچھتے ہیں کہ " آپ شاعر تو بہت اچھے ہیں ویسے آپ کیا کرتے ہیں؟"

یہ کوئی پرانی بات نہیں صرف 20 سال پرانی بات ہے جب میری شادی کی بات چلی تو رشتے لگانے والی خاتون نے میری بہن سے دریافت کیا کہ تمھارا بھائی پڑھائی تو مکمل کرچکا ہے اور اب سنا ہے صحافی بھی بن گیا ہے مگر یہ تو بتاؤ وہ کچھ اور بھی کرتا ہے مطلب کام کیا کرتا ہے؟

میری بہن نے کہا کہ ارے ہاں صحافت کر رہا ہے، خاتون نے کہا کہ " کوئی اور کام نہیں کرتا؟ پھر کھائے گا اور اپنی دلہن کو کھلائے گا کہاں سے؟ خاتون نے یہ بات اس سادگی میں کہی تھی کہ انہیں یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ ہمعاشرے میں کیا" تیر مارتے " ہیں وہ تو ہماری ظاہری حالت سے ایسا ہی کچھ اندازہ

ہو رہا تھا جس کا اظہار انہوں نے اپنے انداز میں کر دیا۔

یہ تو بھلا کرے الیکٹرونک میڈیا کا جس کے آنے کے بعد صحافی بھی ماشاء اللہ" صاحبِ حیثیت "ہو گئے یقین کریں ورنہ تو اخبار میں تنخواہ کب ملی اور کب ختم ہو گئی پتہ ہی نہیں چل پاتا بس یہ یاد ہے کہ ہر ماہ کسی ایک تاریخ کو" یومِ عید "ہوا کرتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ تنخواہ ملتے ہی قرض جن کا لوٹانا ہے ان کے ناموں کی فہرست آنکھوں کے سامنے چلتا ہے۔ End Cridet ایسے چلنے لگتی تھی جیسے ٹی وی پروگرام کے ختم ہوتے وقت بہرحال بات ہو رہی تھی دانشوری کی اور ایک ایس ایم ایس کی جس کے جواب میں عبدالخالق بٹ کو فوری جواد دیا کہ" بھائی بات حقیقت میں بھی کچھ ایسی لگتی ہے تب ہی تو پوری قوم بوٹوں والوں کے اقتدار میں صراطِ مستقیم پر چلتی ہے بس ہم عوام کے درمیان چند سیاست دان بے چارے" بے چین اور بے قرار" نظر آتے ہیں وہ بھی " صرف اس لیئے کہ اس دور میں بھی ان کو "پچھلے دروازے (Back Door) سے اقتدار میں آنے کا راستہ نہیں مل پایا تھا!۔

سیاست دان آخر کیا چاہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ جواب ملتا ہے کہ اگر کچھ کرتے رہتے تو سال کی ملکی تاریخ بیاں کرنے کے لیئے کوئی ایشو بھی ان کو ۵۶

تلاش کرنا پڑتا۔۔۔۔۔۔۔اتنے سالوں میں مسائل ختم ہو ہی جاتے نہیں ہوتے تو کم از کم ایسے مسائل نہ ہوتے کہ 42 ارکان سے زیادہ کی وفاقی اور دو درجن سے زائد ارکان کی صوبائی کابینہ کی ضرورت ہوتی ؟ویسے کابینہ کے اراکین کی لمبی فہرست کا تعلق ملک کے مسائل سے کم از کم ہمارے ہاں نہیں ہوتا ہمارے پاس تو یہ مستحکم حکومت کا اشارہ ہوتا ہے ہاں البتہ ان کی تعداد کم ہو جائے تو حکومتی مسائل بڑھ سکتے ہیں۔

اس بات کا بھی خدشہ پیدا ہو سکتا ہے کہ حکومت ختم ہونے والی ہے۔اگر یقین نہ آئے تو تجرباتی طور پر حکومت میں شامل اتحادیوں کے وزراء کی تعداد موجودہ تعداد سے نصف کروا کر دیکھ لیں!

بہر حال ہمارے ملک میں حکومتی کنٹرول سے آزاد عدلیہ کی کوشش ہے کہ کابینہ کے اراکین کی تعداد کسی بھی طرح کم ہو جائے تاکہ قوم کے کچھ پیسے بچ جائیں مگر کیا کریں ہمارے ہاں کسی وزیر کو نااہل قرار دیا جائے تو وہ مشیر کے روپ میں سامنے آجاتا ہے، ویسے ایسی سہولت کسی اور ملک میں دستیاب ہونے کی اب تک اطلاع نہیں ہے۔

وطنِ عزیز میں عدلیہ نے تو وفاقی وزیر داخلہ کو جھوٹا، بد دیانت اور بے ایمان بھی قرار دیدیا مگر کیا کیا جائے کہ مذکورہ وفاقی وزیر یہ سمجھنے لگے

ہیں کہ یہ کوئی ایوارڈ یا اعزازی ڈگری ہے جیسے انہیں گذشتہ سال گورنر سندھ نے جامعہ کراچی کی طرف سے پی ایچ ڈی کی ڈگری دی تھی ، بے چارے سیدھے سادھے آدمی ہے ابھی چند روز قبل ہی انہوں نے کہا کہ دھری شہریت والے بہت سے اراکین اس پارلیمنٹ میں موجود ہیں اگر عدالت نے فہرست طلب کی تو عدالت میں پیش کردونگا اور جب عدالت نے "نیکی وہ بھی پوچھ پوچھ " کے مثل کے مترادف اس بیان کا نوٹس لیا اور وزیر موصوف سے فہرست طلب کرلی تو وہ عام الفاظ میں " ہائیں بائیں شائیں " کرنے لگے ، بہرحال لگتا ہے کہ وہ اب اپنے مستقبل سے ڈرنے لگ گئے ہیں؟ مستقبل میں اگر گائے کو" آنکھوں میں چھریاں پھرتی ہوئی نظر آئے" تو وہ بھی ڈر جاتی ہے۔ جیسے ان دنوں ان کی آنکھوں کے سامنے یہ منظر چل رہا ہوگا عیدالاضحیٰ جو قریب ہے۔

وزیر موصوف کی ایک اہم بات یہ ہے کہ یہ جب بھی اپنا ذکر کرواتے ہیں تو ٹائم بہت لیتے ہیں۔

نااہلی کی بات چلی تو مجھے سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی یاد آنے لگے، پرویز مشرف کے دورِ حکمرانی میں انہوں نے جو کچھ بویا وہ آصف زرداری کے دور میں یا پیپلز پارٹی کی حکومت میں کاٹا۔ حالانکہ انہوں نے پرویز مشرف کے دور میں جیل کاٹی تھی، بعض دانشور کہتے ہیں کہ انہوں نے پرویز مشرف کے " لیس

باالکل صحیح ہے" والے دور میں سیاسی طور پر پیپلز پارٹی کے لے لیئے بہت کچھ بویا تھا اس لیئے ضروری تھا کہ اس کا پھل وزیراعظم بن کر ہی کاٹا جائے، سو وہ کسی بھی طرح وزیراعظم بھی بن گئے اور ایک ہی وکٹ پر "آؤٹ" بھی ہو گئے ساتھ ہی آئندہ کے لیئے نااہل بھی قرار پائے کچھ لوگوں نے کہا کہ انہوں نے وزیراعظم کی حیثیت سے رات دن محنت کی تھی اور پرویز مشرف کے دور میں جو کچھ بھی ہوا تھا صرف اس کا حساب برابر کیا تھا اب ان بے چاروں کو کیا معلوم تھا کہ" حساب برابر" کرنے کی بھی اس ملک میں سزا ملتی ہے۔

یوسف رضا گیلانی نے چند روز قبل حیدرآباد میں پیپلز پارٹی کے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ " پیپلز پارٹی کی موجودگی میں سندھ کو کوئی بھی تقسیم نہیں کر سکتا"۔

میں نے ان کے یہ الفاظ بار بار پڑھے اور پھر سوچا کہ ہاں بات تو یہ ہی درست لگتی ہے کہ پیپلز پارٹی موجود ہو اور سندھ کی تقسیم کا کام کوئی اور کرے۔۔۔۔؟۔اب ہمیں بھی جواب مل گیا کہ آخر ہمارے سیاست دان کیا چاہتے ہیں؟۔

قوم سب کو پہچان چکی ہے

سپریم کورٹ آف پاکستان نے جمعہ کو اصغر خان کیس میں تاریخی فیصلہ سنایااس فیصلے میں سپریم کورٹ نے حکم دیا کہ 1990 کے انتخابات میں دھاندلی کرنے پر سابق آرمی چیف مرزا اسلم بیگ اور سابق ڈی جی آئی ایس آئی جنرل ریٹائرڈ اسد درانی کے خلاف کارروائی کی جائے۔ اس فیصلے کی ملک بھر میں دھوم مچی ہوئی ہے فیصلے سے یقینا پاکستان خصوصا وطن عزیز کی عدلیہ کا وقار بلند ہوا ہے۔

سپریم کورٹ کے حکم کے دو دن بعد لاہور میں چوبیس ہزار دو سو نوجوانوں نے دنیا کا سب سے بڑا انسانی جھنڈا بنا کر پاکستان کا نام دنیا بھر میں بلند کر دیا یہ محض اتفاق ہے کہ سپریم کورٹ کے تاریخی فیصلے کے ساتھ ہی لاہور میں نوجوان گینیز بک آف ورلڈ میں اپنا نام درج کرانے کا ریکارڈ قائم کر رہے ہیں لیکن قوم سیاست دانوں اور حکمرانوں کی طرف سے بھی ملک کا نام روشن کرنے کے لیئے ایسے ہی تاریخی اقدامات کی منتظر ہے۔اس مقصد کے لیئے آصف علی زرداری کو سپریم کورٹ کے فیصلے پر پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین کا عہدہ چھوڑ دینا چاہئے یا پھر صدر پاکستان کا،میاں نواز شریف اور دیگر کو 1990 کے انتخابات میں رقم لینے کے الزام میں اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دینا چاہئے ، متحدہ

کے قائد الطاف حسین کو ملک اور قوم سے سچی محبت کا ثبوت دیتے ہوئے میں فوری وطن واپس آجانا چاہیۓ۔ عوامی نیشنل پارٹی کے اسفندیار ولی کو غیرت مند پٹھان اور سچے پاکستانی ہونے کا مظاہرہ کرتے اپنی پارٹی کو ناکام اور بدنام حکومت سے علیحدہ کرلینا چاہیۓ اسی طرح دیگر تمام سیاسی اور تجارتی شخصیات کو بھی اپنی عزت اور حیثیت کے مطابق ملک کا وقار بلند کرنے کے لیئے اقدامات کرنے چاہیۓ۔

لیکن سب سے پہلے سابق چیف آف آرمی جنرل اسلم بیگ اور جنرل اسد درانی کو مزید کارروائی کے لئے اپنے آپ کو از خود متعلقہ حکام کے حوالے کردینا چاہیۓ۔

وہ دن ویسے بھی دور نہیں کہ جب وہ نوجوان جنہوں نے دنیا کا سب سے بڑا پاکستانی جھنڈا بناکر جس اتحاد اور تنظیم کا مظاہرہ کیا ہے وہ جلد ہی ملک کی باگ دوڑ سنبھال لیں گے۔

دلچسپ اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ تمام متعلقہ شخصیات سپریم کورٹ کے فیصلے کو سراہنے اور تسلیم کرنے کے باوجود اس فیصلے کی لپیٹ میں آنے سے بچنے اور اپنے آپ کو بچانے یا مستثنیٰ کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گئی ہیں۔

ملک کے تمام سیاست دان، جرنیل ،تاجر اور عام لوگ سب ہی اس بات کا دعوٰی کرتے ہیں کہ وہ محب وطن، قانون پسند اور ملک سے مخلص ہیں سب ہی کی خواہش ہوتی ہے کہ ملک کی عزت ،وقاراور نام بلند ہو، تو پھر کیا وجہ ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلوں پر عمل درامد کرنے اور کرانے میں ہم لیت و لعل سے کام لیتے ہیں؟ ہمارے وزیر جھوٹے، بددیانت اور بے ایمان قرار دیئے جانے کے باوجود کرسی نہیں چھوڑتے اور کوئی انہیں ہٹاتا بھی نہیں اور شائد ہٹا بھی نہیں سکتا۔۔۔۔ کیوں؟

2008 کے انتخابات کے بعد ملک میں جیسی تیسی جمہوریت قائم ہوئی تو اس وقت کے صدر پرویز مشرف نے خود اقرار کیا کہ ملک میں حقیقی جمہوریت بحال ہو گئی ہے، ہر طرف خصوصاً سیاسی حلقوں میں شادیانے بجنے لگے۔ قوم جو کم از کم پرویز مشرف کے ابتدائی دور تک "ایک ہجوم" بنی ہوئی تھی بے نظیر کے سرعام قتل سے دھل کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی کہ جمہوریت ہی اس ملک کی ضرورت ہے اسی وجہ سے لوگوں نے ملک کی سب سے بڑی پارٹی کو منتخب کرکے ملک اس کے حوالے کر دیا تھا تاکہ ملک ترقی کرے خوشحالی عام آدمی کے چہرے سے ظاہر ہو، ہر طرف ترقیاتی کام ہوتے ہوئے نظر آئے، بیروزگاری کا خاتمہ نہیں تو کم تو ہو جائے ،امن وامان بہتر ہو جائے ،ملک معاشی لحاظ سے دنیا کے دیگر ممالک کے قریب پہنچ جائے لیکن اس

قوم نے جلد ہی دیکھ لیا کہ جمہوریت کے چمپیئن تو آمریت کے کپتانوں سے دو ہاتھ آگے ہیں یہ کھلم کھلا آئین اور قانون کا مذاق اڑا رہے ہیں، یہ لوگ اپنے ساتھ " دھری شہریت" رکھنے والوں کو بٹھا کر اپنے آپ کو ملک اور عوام سے محبت کرنے والا ظاہر کرتے ہیں جبکہ یہ تو وہ ہیں جو اپنی اہلیہ کے قاتلوں کو نہیں پکڑ سکے اور ہر روز لوگوں کی زندگیاں چھین لینے والوں کو جلد پکڑنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لوگ جان گئے ہیں کہ یہ تو وہ ہیں جو جمہوریت بہترین انتقام کا نعرہ لگاتے ہوئے "قاتل لیگ" کو نائب وزیراعظم کی ایک نئی کرسی دے چکے۔ یہ تو اتنے قانون پسند ہیں کہ این آر او جیسے کالے قوانین کو سفید کرنے کے چکر میں رہتے ہیں، لوگوں کو جلد ہی سمجھ میں آگیا کہ یہ سب تو وہ ہیں جو اپنے آپ کو بچانے کے لیئے آئین تک بدل دیتے ہیں پھر بھی قوم یہ امید لگائی بیٹھی ہے کہ یہ ان جرنیلوں کے خلاف کارروائی کریں گے جو سیاست دانوں کو خریدا کرتے تھے اور جنہیں ان ہی سیاست دانوں نے ایوارڈ اور سفارت کاری سے نوازا تھا۔

قوم کو اب یقین کرلینا چاہئے کہ یہ ایسا کچھ کرنے والے نہیں ہیں جس سے ان کا مستقبل تاریک ہوجائے اور ملک روشن، ان کا ایجنڈا ملک اور قوم کو تاریکیوں میں دھکیل کر خود کو ہمیشہ اجالوں میں رکھنا ہے۔

بھلا یہ کسی جرنیل اور ان کے خاص ساتھیوں کے خلاف کیسے کارروائی کر سکتے ہیں

جو حلف کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پرویز مشرف حکومت کے لئے مذاکرات کرنے والی ٹیم کا ممبر تھے ہاں البتہ یہ ممکن ہے کہ ایک بار پھر وہ جرنیل جنھوں نے ماضی میں اپنے پیشرو کے حکم پر غیر آئینی خدمات انجام دیں اور سیاست دانوں سے مذاکرات کئے تھے حرکت میں آ سکتے ہیں جس کی وجہ بھی یہ ہی ہو سکتی ہے کہ سپریم کورٹ کے حکم پر سابق جرنیلوں کا احتساب نہ ہونے پائے۔

ملک کی تاریخ میں کسی بھی جرنیل کے خلاف کارروائی کی کوئی مثال موجود نہیں ہے لیکن جرنلوں کی طرف سے جمہوریت اور جمہوری لوگوں کے خلاف کارروائیوں کی کئی مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں جس کی وجہ شائد یہ ہی ہو کہ یہ لوگ ان نام نہاد جمہوریت پسندوں کو مظلوم بنا کر ظالم کے روپ میں ان کی احیاء کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

متحدہ کا طاقت کا فلسفہ

طاقت کا فلسفہ یہ ہے کہ آپ طاقت ور کا ساتھ دیں کچھ دن بعد آپ بھی اپنے حلقے کے سپر مین بن جائیں گے ۔ 1982 -83 میں آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے چیئرمین الطاف حسین جو اس وقت متحدہ قومی موومنٹ کے قائد ہیں اپنی ہر تقریر میں طاقت کے فلسفے کی بات کرتے تھے ان کی تقریبا ہر تقریر میں طاقت کا ذکر اور مظاہرہ کیا جاتا تھا۔ طاقت کے اظہار کا سلسلہ تو تا حال جاری ہے تاہم اس کا ذکر کم ہوگیا ہے۔

ان ہی دنوں لوگوں کو معلوم ہوا کہ طاقت کے حصول کے لیئے اگر گھر کے ٹی وی اور ریڈیو بھی فروخت کرنا پڑے تو بھی کوئی ہچکاہٹ محسوس نہیں کرنا چاہئے بس کسی بھی طرح طاقتور بن جانا چاہیئے ۔

الطاف حسین اپنی تقاریر میں طاقت رکھنے والی قوتوں کے بارے دلائل سے یہ ثابت کرتے تھے کہ ان کی کامیابی کا راز یہ ہی ہے کہ وہ ہر محاذ پر مقابلے کی طاقت رکھتے ہیں۔اپنے دلائل کی حمایت میں وہ فلسطین میں اسرائیلی فوج کے ظلم ستم کی بھی بات کیا کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ طاقت کے بغیر کوئی بھی قوم کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتی اس لیئے ضروری ہے کہ ریڈیو اور ٹی وی بیچیں

اور اسلحہ خریدیں ۔ ان کی اس مسلسل تبلیغ کے نتیجے میں شہر میں قانونی اور غیر قانونی اسلحہ پھیلتا گیا اب شائد ہی کراچی کا کوئی علاقہ ایسا ہو جہاں اسلحہ کی موجودگی کا اظہار تقریباً ہر روز ہی نہ کیا جاتا ہو، عیدالفطر کا چاند نظر آئے، یا کرکٹ کے میچ میں کامیابی یا ناکامی ہو خطرناک کلاشکوف، رائفل اور ٹی ٹی پستول اور اب تو بم کی موجودگی کا بھی بلاخوف وخطر اظہار کیا جاتا ہے، ہر گلی محلے یہ ثبوت دے رہے ہوتے کہ یہاں اسلحہ موجود ہے۔اسلحہ کی آمد کے ساتھ ہی کراچی کے لوگوں خصوصاً مہاجروں کی پڑھے لکھے ہونے کی دلیل ختم ہو گئی ساتھ ہی جو شناخت اور حیثیت ملی اس سے سب ہی واقف ہیں۔

اسی اسلحہ نے الطاف حسین کے بھائی ناصر حسین اور بھتیجے عارف حسین اور قریبی ساتھیوں عظیم احمد طارق، ایس ایم طارق، خالد بن ولید اور دیگر کئی کی کراچی میں اور ڈاکٹر عمران فاروق کی لندن میں جان لی، اس اسلحے کے خوف سے الطاف حسین اپنی جان کی حفاظت کے لیئے 1992 میں لندن چلے گئے وہ خود تو محفوظ ہو گئے لیکن آج بھی ان کے نئے ،پرانے اور سابقہ ساتھی اسی اسلحہ کی وجہ سے روزانہ ہی اپنی جانوں سے جا رہے ہیں جو زندہ ہیں وہ سانسیں بھی خوف کے عالم میں لیتے ہیں اس اسلحہ کے خطرناک کھیل نے آج تک کسی کو تحفظ فراہم کرنے کے بجائے الٹا نقصان ہی پہنچایا ہے نتیجہ یہ نکلا کہ طاقت کا حصول امن پسند مہاجروں اور ان کے شہر کے لیئے ناسور بن گیا۔اب روزانہ چھ سات معصوم

نہتے افراد اس اسلحہ کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ لیکن اسلحہ کی موجودگی کے باعث طاقت کا مظاہرہ ملک خصوصاً کراچی کے لوگ تسلسل سے اور ہر چند روز بعد دیکھتے ہیں۔ کراچی جہاں 28/29 سال پہلے تک عام لوگ اسلحہ رکھنے کا تصور بھی نہیں کرتے تھے آج وہ ہی اسی اسلحے سے خوفزدہ کی وجہ سے اپنی زندگیوں کو اجیرن بنا چکے ہیں امن پسند افراد کو اسلحہ رکھنا تھا نہ وہ اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے ہاں البتہ گلی محلے کے بدمعاشوں کو اسلحہ کی زیادہ ضرورت تھی نتیجے میں انہوں نے خوب اسلحہ جمع کیا طاقت کا اظہار کرتے رہے جو آج بھی جاری ہے جبکہ شریف النفس لوگ آج اس اسلحہ سے زیادہ خوفزدہ ہیں۔اس طرح شہر امن اور شرپسند لوگوں کے درمیان تقسیم ہوگیا۔امن پسند شہری اپنی جان و مال کی حفاظت کے لیئے ہر مسلح شخص یا اس کے ساتھی کی بات سننے پر مجبور ہیں کیونکہ انہیں مسلح افراد کے شر سے بچانے والا کوئی بھی نظر نہیں آتا۔بہرحال بات ہو رہی تھی طاقت کے فلسفے کی۔

اس فلسفے نے شائد ان کی جماعت کو مہاجر قومی موومنٹ سے متحدہ قومی موومنٹ بننے پر مجبور کرنے کے ساتھ طاقتور اور منظم جماعت کا لیبل تو دیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آج بھی الطاف حسین ،ان کی جماعت اور ان کے ساتھی مظلوم بن کر سہارے کے متلاشی ہیں وہ تمام تحفظات ، شکوے اور شکایتوں کے باوجود حکومت کا ساتھ دینے اور حکومت میں رہنے پر مجبور ہیں حالانکہ طاقت کے حصول نے

انہیں اور انکی پارٹی کو دنیا کی سپر پاور امریکہ کے قریب بھی کر دیا ہے لیکن امریکہ کی حمایتی پارٹیوں میں شامل ہونے کے باوجود خود الطاف حسین اپنے سیاسی مستقبل سے مایوس ہیں اگر مایوس ہونے کی بات غلط ہے تو کم از کم یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ الطاف حسین اپنے سیاسی مستقبل سے مطمئین نہیں ہیں تب ہی تو انھوں نے حال ہی اپنے ٹیلی فونک خطاب میں اس بات کا اعلان کیا ہے کہ " اگر اعتدال پسند، روشن خیال اور لبرل ذہن رکھنے والے ان کا ساتھ نہیں دینگے تو ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا کہ وہ پاکستان کی سیاست سے علیحدگی اختیار کرلیں"۔

ملک کی تاریخ میں بے پناہ طاقت رکھنے والی منظم جماعت کہلانے کے باوجود متحدہ قومی موومنٹ کی یہ بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ متحدہ ہر وہ کام کرنے اور ہر اس ایشو کی حمایت کرنے پر مجبور ہے جو نہ صرف موجودہ حکومت بلکہ امریکہ اور غیر مسلم قوتوں کے مفاد میں ہو؟

پاکستان میں طالبان کی سرگرمیاں ہو یا پھر امریکہ میں تیار کی جانے والی گستاخانہ فلم کا ایشو متحدہ کے لئے" گلے میں پھنسی ہڈی" بن جاتی ہے۔اپنے قیام کے 28 سال بعد بھی باوجود اس کے کہ ہزاروں کارکن اور عام مہاجر طاقت اور حقوق کے حصول کی جدوجہد میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور لاکھوں

کی تعداد اس کے حمایتی ہونے کی دعوؤں کے باوجود متحدہ اسی مقام پر کھڑی ہے جہاں اس کو سہارے یا طاقت کی ضرورت تھی یہ سچ ہے کہ غریب اور متوسط قیادت کو متحدہ نے اسمبلیوں اور اقتدار کے ایوانوں تک پہنچادیا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عام مہاجروں اور دوفیصد طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کے مسائل میں صرف اضافہ ہوا ہے۔ تمام اختیارات اور مسلسل حکومتوں کا حصہ رہنے کے باوجود متحدہ نہ صرف اپنے کارکنوں بلکہ عام لوگوں کی جان و مال کا تحفظ کرنے میں بھی ناکام ہے، ہزاروں افراد کے اجتماعات اور لاکھوں حمایتوں کے دعوؤں کے باوجود کراچی کے شہریوں کے لیئے متحدہ امن اور تحفظ کی علامت نہیں بن سکی تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟ متحدہ اس قابل بھی نہیں بن سکی کے اپنے قائد الطاف حسین کی پاکستان میں حفاظت کرکے جس کے نتیجے میں الطاف حسین" لندن میں رہنے اور وہاں کی شہریت کے فائدے اٹھانے پر مجبور ہوئے"۔

کراچی کے تاجروں نے ٹارگیٹ کلنگ، بھتہ خوری اور امن و امان کی خراب صورتحال کے باعث 3 نومبر کو گورنر اور وزیراعلیٰ ہاؤس پر احتجاجی مظاہرہ و دھرنا اور مسائل حل نہ ہونے پر 10 نومبر کو ہڑتال کا اعلان کیا ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حکومت اور اس کی اتحادی متحدہ اپنے ووٹرز کو وعدوں کے مطابق کچھ بھی نہیں دے سکی، متحدہ منظم اور طاقتور ضرور ہوگی لیکن کس کے لیئے ؟اس سوال کا جواب تاحال مطلوب ہے۔

عوام کی فتح

سپریم کورٹ کے حکم سے 25 اکتوبر کو سی این جی کی قیمتوں میں تاریخی کمی کردی گئ ۔حکومت نے اس کمی کا نوٹیفیکشن بھی جاری کردیا ہے۔گیس کی قیمتوں میں 30روپے 90 پیسے فی کلو کی کمی اگرچہ آزاد عدلیہ کے آزادانہ فیصلے سے ہوئی لیکن فتح غریب عوام کی ہوئی۔جو قوم حکومت کے " کھیل "میں گذشتہ ساڑے چار سال سے شکست کھارہی تھی نہ جانے یہ خوشی کیسے.برداشت کرے گی؟پوری قوم کو موجودہ عدالتی نظام کے ججز صاحبان سے جو توقعات تھی اس کے مطابق ابھی اور ایسی بہت سی خوشخبریاں ملیں گی، بس قوم کو "تیل اور تیل کی دھار" دیکھنے کے لیئے صبر کا مظاہرہ اور عدلیہ کے فیصلوں پر عمل درامد کے لئے اپنا کردار ادا کرنا پڑے گا۔

بہرحال میں سلوٹ پیش کرتا ہوں چیف جسٹس پاکستان چوہدری افتخار کو جو اپنے عمل سے مسلسل یہ ثابت کررہے ہیں کہ منصف اگر ایماندار ہو تو معاشرے سے نا انصافیاں ختم ہونے لگتی ہیں اور قوم کو اس کا حق ملنا شروع ہوجاتا ہے۔

سی این جی کی قیمتوں میں کمی اگرچہ اس کاروبار سے منسلک افراد کے لیئے.بری خبر ہے لیکن اس سے ملک خصوصاً کراچی اور.بڑے شہروں کے شہریوں کو بہت فوائد

حاصل ہونگے، کراچی میں منی بسیں، کوچز اور بعض بسیں بھی سی این جی پر چلنے کی وجہ سے کرایوں میں بھی اضافہ ہوگیا تھا جو اب گیس کی قیمتوں میں کمی کے باعث کم ہوجائے گا اسی طرح متوسط طبقہ جو کاریں اور دیگر گاڑیاں رکھتا ہے کو بھی اس سے فائدہ ہوگا۔

مہنگائی کے بوجھ تلے دب جانے والی عوام اس طرح کی خوشخبریوں کو ایک خواب سمجھنے لگی تھی۔ لیکن عدلیہ نے یہ ثابت کیا کہ وہ صرف سیاست دانوں اور حکمرانوں کے مقدمات سننے اور چلانے میں دلچسپی نہیں رکھتی بلکہ ملک کے عام افراد کی پریشانیوں کا سدباب کرنے اور انہیں انصاف کی فراہمی کے لیئے بھی کوشاں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ عدلیہ کے اقدامات اور فیصلے نئی تاریخ رقم کررہے ہیں۔

یہ بات خوش آئند ہے کہ عدلیہ کے سخت فیصلوں کی وجہ سے قانون کی عملداری بڑھ رہی ہے اور قانون شکن عادی عناصر میں خوفِ قانون بھی پیدا ہو رہا ہے جو موجودہ عدلیہ سے قبل تقریباً ختم ہوچکا تھا اور جس ملک میں عام اور خاص تمام ہی افراد کو قانون کی گرفت میں آنے کا ڈر ہو وہاں ناانصافی کے واقعات

ختم ہو جاتے ہیں۔ سو وہ وقت اب جلد آنے والا ہے۔

چیف جسٹس چوہدری افتخار کی عدلیہ ایک طرف صدر مملکت آصف علی زرداری کے سوئس عدالت کے مقدمات کے حوالے سے متحرک ہے تو دوسری طرف بلوچستان اور کراچی میں امن و امان کی خراب صورتحال کے حوالے سے فکر مند بھی ہے ایسی عدلیہ ملک کی تاریخ میں پہلے کبھی نظر نہیں آئی۔

جمعرات کو پیٹرولیم کی قیمتوں کے حوالے کیس کی سماعت کے دوران سپریم کورٹ کے سامنے جو انکشافات کیئے گئے وہ اس غریب مملکت کے لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیئے کافی ہیں۔ چیئرمین اوگرا نے عدالت کو بتایا کہ آپریٹنگ کاسٹ کی مد ییں سی این جی اسٹیشن کو 20 روپے 80 پیسے فی کلو دیئے جاتے ہیں، عدالت کے سامنے یہ بات بھی آئی ہے کہ سی این جی اسٹیشن قائم کرنے کا لائسنس 90 لاکھ روپے میں فروخت کیا جاتا ہے۔ چیف جسٹس نے دریافت کیا کہ آپریٹنگ کاسٹ کی مد میں اتنی بڑی رقم کیسے دی جاتی ہے جبکہ ایک بڑی کمپنی آپریٹنگ کاسٹ کی مد میں فی کلو ایک روپیہ وصول کرتی ہے؟۔ عدالت نے سماعت کے بعد حکم دیا کہ سی این جی کی قیمتوں کو پیٹرول کی قیمتوں سے منسلک نہیں کیا جا سکتا۔

وطن عزیز میں منظم لوٹ مار کا یہ انکشاف بھری عدالت میں سامنے آگیا اس کی

وجہ صرف چیف جسٹس افتخار چوہدری بنے ۔ یہ وہی جناب افتخار چوہدری ہیں جنہیں پرویز مشرف نے چیف جسٹس کے عہدے سے ۹ مارچ 2007 کو معطل کر دیا تھا بعد ازاں اسی سال 12 مئی کو کراچی آنے سے روک دیا گیا تھااور امن وامان کی ایسی صورتحال پیدا کر دی گئی تھی کہ جناب چیف جسٹس چوہدری افتخار جو ان دنوں عدلیہ کی بحالی کی تحریک کا حصہ تھے ، اس روز پیپلز پارٹی جو اس وقت اپوزیشن کا بڑی جماعت تھی نے ان کے اعزاز میں استقبالیہ کا اہتمام کیا تھا۔اس واقعہ کو کراچی کے لوگ بھلا نہیں پائے ہونگے ؟، ہر کوئی یہ جانتا ہے کہ اس واقعہ میں کونسی جماعت پرویز مشرف کے اشارے پر اچانک ہی اپنا اصل روپ دھار کر سرگرم ہو گئی تھی ؟

چیف جسٹس چوہدری افتخار کی بحالی کی تحریک میں حائل ہونے اور آزاد عدلیہ کی بحالی کی کوششوں کے خلاف مزاحمت کرنے والی اس سیاسی قوت کو اگر وہ واقعی عوام دوست اور عوام کو حقوق دلانے والی جماعت ہے تو اب اس کی آنکھیں کھل جانی چاہیئے ۔ سپریم کورٹ کی جانب سے آج اور آج سے پہلے یکے بعد دیگرے کیئے جانے والے مثبت فیصلوں کے نتیجے میں عام آدمی بھی اس کا قدر دان ہوگیا ہے اس لئے توقع ہے کہ مذکورہ سیاسی جماعت سے تعلق رکھنے والے افراد بھی حق پرست اور مفاد پرست کو پہچان گئے ہونگے ؟۔ ان لوگوں کو اب یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ کل کس کا ساتھ دے رہے تھے ؟

ملک اور قوم کے لئے محبت اور خلوص

کا جذبہ رکھنے والی شخصیت کا یا پھر ملک کو نقصان پہنچانے والی شخصیت کا؟

بات ابھی یہاں ختم نہیں ہوئی سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے نتیجے میں سی این جی ایسو سی ایشن غصہ اور ردِ عمل فطری بات ہے، لیکن انہیں اس بات کا بھی جواب دینا چاہئے کہ وہ اتنے سالوں تک آپریٹنگ کاسٹ کی مد میں فی کلو 20 روپے 80 پیسے صارفین سے زائد وصول کرنا جائز تھا؟۔

مجھے ڈر ہے ان کے درمیان موجود مفاد پرستوں سے جو اس معاملے کو کسی اور جانب بھی لے جا سکتے ہیں، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت ایسے عناصر سے نمٹنے کے لئے فوری سخت اقدامات کرے، اگر کوئی اسٹیشن فیصلے پر عمل نہیں کرے تو اس کا لائسنس فوری طور پر معطل کر دیا جائے ساتھ ہی ہنگامی بنیادوں پر مخلص لوگوں کو ان کے متبادل کے طور پر لائسنس جاری کر دیا جائے تاکہ عام لوگوں کو پریشانی نہ ہو۔

کیا ہم دین دار ہیں؟

الحمد اللہ ہم سب مسلمان ہیں اور مسلمان ملک میں پیدا ہوئے ہیں اسی وجہ سے مسلمانوں کی اکثریت کے درمیان ہی رہتے ہیں۔یہ ہماری خوش قسمتی ہے۔اس کے باوجود ہم لوگ خود ایک دوسرے سے اور اپنے آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ "کیا ہم مسلمان ہیں"؟حقیقت بھی یہ ہی ہے کہ مسلمان ہونے کے باوجود ہم میں سے اکثریت دین دار نہیں ہے۔

حالانکہ دین دار ہی مکمل مسلمان ہوتا ہے یا یوں کہا جائے اللہ کے دین پر عمل کرنے والا ہی سچا پکا مسلمان ہوتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ دین دار کون ہوتا ہے اور دین کیا ہوتا ہے ؟ہم کیسے اچھے اور مکمل مسلمان بن سکتے ہیں؟ایسے مسلمان جسے اللہ نے اپنا دوست قرار دیا ہے۔

اس کے لئے ہم ایک حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" بے شک اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ہے: جو میرے کسی دوست سے دشمنی کرے گا یقینا میرا اس سے اعلانِ جنگ ہے۔ اور میرے بندے کا میرے عائد کردہ فرائض کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرنا مجھے باقی چیزوں سے زیادہ محبوب ہے علاوہ ازیں میرا بندہ مزید نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور وہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں اسے وہ دے دیتا ہوں اور وہ مجھ سے کسی چیز سے پناہ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں"۔ (اللہ ہم سب کو ایسا ہی بنادے، آمین)۔

آپ اس حدیث کو پڑھتے ہوئے سوچ رہے ہونگے کہ یہ حدیث کس کی ہے۔ عرض ہے کہ یہ بخاری شریف کی حدیث اور ہر مستند اور مصدقہ کتابوں میں درج ہے۔(احادیث اور دیگر نیکی کی باتوں کے درمیان ایسے خیالات دراصل شیطانی خیالات ہوتے ہیں اور شیطان کو ہم خود ہی یہ موقع دیتے ہیں کیونکہ عموماً ہمارا ذہن نیک اور اچھی باتیں سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا)

اس حدیث مذکورہ میں اللہ نے اپنے نیک بندوں اور ان پر کئے جانے والے فضائل و

انعامات کا ذکر کیا ہے۔

پانچ وقت کی نماز پڑھنے ، رمضان المبارک میں روزے رکھنے، حج کرنے ، زکواۃ دینے اور جہاد کرنے کا نام دین نہیں ہے۔یہ تو سب حقوق اللہ ہے ۔ اس کی تکمیل کرنے والوں کو بقول علماء کرام عبادت گذار کہا جاتا ہے۔اس سے دین دار کی تکمیل نہیں ہوتی۔

دین کے دو جزو ہیں ۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔

حقوق العباد دین کا اہم ترین حصہ ہے ۔آج معاشرے میں جو کچھ ہورہا ہے اس کی وجہ حقوق العباد سے منہ موڑنا یا گریز کرنا ہے۔ حقوق العباد کے معنی ہے انسانوں کے حقوق یا اللہ کے بندوں کے حقوق انسانوں پر ۔ہم سب پیدائشی طور پر اللہ کے بندے ہیں اور اس کے ہی بتائے یا بنائے ہوئے طریقے سے ہم انسانوں اور تمام مخلوق کی تخلیق ہوئی ہے تاہم اللہ نے ہم انسانوں جنہیں اشرف المخلوقات کا درجہ دیا گیا ہے کی پیدائش سے قبل ہی ہمارے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے ہماری آسانی کے لیئے ہماری ضروریات زندگی کو پیدا کردیا تھا۔

اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کی پیدائش سے قبل ان کی اور ان

کی نسلوں کی ضروریات کی تمام اشیاء، یعنی آسمان زمین، پہاڑ، درخت، پھل، پھول پودے، چرند پرند، سمندر، اور انسانوں کے فائدے اور نقصان کے لیئے سمندری جانور، اور کیڑے موکڑے بھی پیدا کردیئے تھے۔ انسان کی پیدائش اور پرورش کے ساتھ اس کی تدفین کا طریقہ بھی سکھا دیا تھا۔ اللہ نے دنیا کے پہلے مقتول ہابیل جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے چھوٹے صاحبزادے تھے کی تدفین کا طریقہ ایک کوے کے ذریعے بتایا۔ ہابیل کی تدفین قابیل نے کوے کے بتائے ہوئے طریقے سے کی۔ ہم مسلمان آج بھی اسی طریقہ کے مطابق اپنے پیاروں کو سپرد خاک کرتے ہیں لیکن ہم انسانوں ہی میں سے بعض مردہ کو آگ، سپرد، تو بعض کنویں کے منڈیر کے حوالے کرکے چلے جاتے ہیں۔

خیر بات ہو رہی تھی دین دار لوگوں کی، اس دین کی جو اللہ کا دین ہے جسے اسلام کہتے ہیں۔ انسان اللہ کے نظام کے تحت پیدا ہوتا ہے اس لیئے ہم یہ ہی جانتے ہیں کہ انسان پیدائشی طور پر مسلمان ہوتا ہے۔ اللہ کے حکم سے انسان کی تخلیق کے بعد کچھ بھی مزید تخلیق نہیں ہوا۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دنیا کے قیام کی بڑی وجہ انسان کی تخلیق اور اللہ کے دین کا نفاذ ہے۔ دراصل دنیا کا قیام انسانوں کے لیئے ہی وجود میں آیا ہے اور جو کچھ زمین و آسمانوں پر ہے وہ سب انسانوں کے لیئے ہے۔

قرآن شریف میں ارشاد ہے" اور تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین پر ہے سب کو تمھارے ہی کام پر لگا دیا ہے"۔

اللہ نے اپنی آخری کتاب قران پاک میں سب سے زیادہ مرتبہ زکواۃ کا حکم دیا ہے جو کل 82 مرتبہ ہے جب کہ نماز کا حکم 72 بار ہے۔

سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ اللہ نے زکوۃ کی ادائیگی کو اس قدر اہمیت کیوں دی ہے؟ ظاہر ہے اللہ حقوق کی تقسیم مساویانہ چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ بہت بڑا انصاف کرنے والا ہے۔زکوۃ اپنی آمدنی کا اضافی اور بچت کئے ہوئے مال کا صرف ڈھائی فیصد نکالنے کا نام ہے۔

زکواۃ کا تعلق براہ راست انسانوں سے ہے اسے ادا انسان کرتا ہے اور دوسرا انسان وصول کرتا ہے یہ سب اللہ کے حکم کی بدولت اور اس کی رضا کے لیئے ہوتا ہے

جس حدیث کا حوالہ میں نے اوپر دیا ہے اس میں اللہ نے اپنے فرائض کا ذکر کیا ہے یعنی نماز، روزہ، حج، زکواۃ، اور جہاد فی سبیل اللہ۔ اگر غور کیا جائے تو ان پانچوں کا تعلق انسانوں کی فلاح کے لیئے ہے۔

فرض نماز کی ادائیگی کے لئے مردوں کو مساجد جانا ہے، جہاں نماز پڑھنے کے بعد دیگر نمازیوں کی خیر و عافیت دریافت کرنا ہے، یہ عمل حقوق العباد کا باعث ہے۔

رمضان المبارک میں روزے فرض کئے گئے ہیں، روزہ رکھنے کے بعد افطاری کا اہتمام کیا جاتا ہے جس کے نتیجے خریداری معمول سے زیادہ بڑھ جاتی ہے، اس خریداری کے نتیجے میں اور اس ماہ مبارک میں ہر عمل کا ثواب کئی گنا بڑھ جانے کے باعث انسانوں کو غیر معمولی فائدہ پہنچتا ہے۔یہ عمل حقوق العباد سے منسلک ہے۔

زکوۃ کا حکم اس لیئے ہے کہ معاشرے میں کوئی غریب نہ رہے اس مقصد کے لیئے امیر آدمی اللہ کی رضا کے لئے خود بغیر کسی دباؤ اپنی آمدنی کا ایک مخصوص حصہ مستحق شخص کو پہنچا دے۔

حج پر غور کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ حج بھی صرف صاحب حیثیت پر اللہ نے اس لئے فرض کیا ہے کہ صاحب حیثیت اپنے مال کا حصہ دوسرے انسانوں پر خرچ کرے، لوگ جب حج کی ادائیگی کے لیئے جاتے ہیں تو، جہاز کا کرایہ، کھانے پینے کے اخراجات پر ایک بڑی رقم خرچ ہوتی ہے جو دیگر انسانوں کے کام آتی ہے۔ اس عمل

سے حقوق العباد کے کئی مواقع سامنے آتے ہیں۔اسی طرح جہاد بھی صرف انسانوں کے تحفظ اور فائدے کے لئے ہی ہوتا ہے جس سے حقوق العباد کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے کہ ایک انسان اپنے مسلمان بھائی کی حفاظت یا اپنے مسلمان بھائیوں کی سرزمین کے تحفظ کے لیئے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر جہاد کے لیئے نکل پڑتا ہے۔

یہ تو ذکر تھا اللہ کے مقرر کردہ فرائض میں حقوق العباد جیسے اعمال کا جو ان فرائض کی ادائیگی کے دوران "بطورِ بونس" تکمیل کو پہنچتے ہیں۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم عام دنوں اور مواقعوں پر حقوق العباد کو بھول جائیں۔

حقوق العباد میں اخلاق کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے جس کا اندزہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس کا اخلاق صحیح نہیں وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

اس کا مطلب میری نظر میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بداخلاق کو انسان ماننے سے ہی انکار کردیا ہے۔اس لیئے کہ دنیا میں ان سے بڑا اوران کی امت سے عزیز کوئی

انسان نہیں ہے۔ ہم سب کو اپنے اخلاق کو بہتر بنانے کی طرف توجہ دینی چاہئے۔

حدیث ہے کہ کسی کے خوش اخلاق ہونے کا اندازہ لگانے کے لیئے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ طویل سفر کرکے دیکھیں، اس سے لین دین کرکے دیکھیں یا پھر اسے غصے کی حالت میں دیکھیں۔ اگر غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ حج، زکوۃ، روزہ اور زکوۃ بھی انسان کے اخلاق کو جانچنے کا عمل ہے۔ حج کے لئے لمبے سفر کا موقع ملتا ہے، زکوۃ کی ادائیگی مستحق کو ادائیگی کا وقت آتا ہے اور روزہ رکھ کر غصے کے اظہار کو جانچنا کا موقع بھی ملتا ہے۔

بد اخلاقی صرف یہ نہیں کہ آپ کسی دوسرے انسان سے بد تمیزی سے پیش آئیں بلکہ بداخلاقی کا مطلب یہ ہے کہ آپ دوسرے انسان کے حقوق کو نظر انداز کر رہے ہیں یا اس کے حقوق پورے کرنے سے گریزاں ہیں۔ ذرا سوچئے کہ کوئی حج پر جانے کے باوجود مکہ اور مدینہ میں دوسرے انسانوں کو گذرنے کا راستہ یا بیٹھنے کی جگہ دینے سے بھی گریزاں ہو تو وہ کونسی اور کیسی نیکی کما رہا ہوگا؟ کہیں وہ خدا نخواستہ مزید گناہگار تو نہیں ہو رہا؟

اللہ نماز، روزے، زکوۃ، حج اور جہاد جسے حقوق اللہ کہا جاتا ہے کو معاف کردے گا کیونکہ اللہ بہت بڑا معاف کرنے والا ہے لیکن حقوق العباد کی خلاف

وزیوں کو احادیث کے مطابق اللہ معاف نہیں کرے گا اس وقت تک جب تک وہ شخص اسے معاف نہ کردے جس کی حق تلفی کی گئی ہو۔

ہم سب کو سوچنا چاہئے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اپنے اوپر خود ہی کیوں ظلم کر رہے ہیں۔

قرآن میں اللہ کے احکامات نہ ماننے والے کو ظالم کہا گیا ہے۔

حقوق العباد گھر سے شروع ہوتے ہیں اور وہاں تک ہمارے ساتھ رہتے جہاں تک ہمارا دائرہ کار ہے۔ میری نظر میں جھوٹ بولنا دہرا گناہ ہے کیونکہ جھوٹ کا تعلق کسی دوسرے انسان سے ہوتا ہے کوئی بھی شخص اپنے چھوٹے سے مفاد کے لیئے باآسانی جھوٹ کا سہارہ لیتا ہے لیکن ایک بڑے گناہ میں اضافہ کرتا ہے، ہمارے معاشرے میں کس حد تک جھوٹ بولا جاتا ہے آپ خود فیصلہ کرلیں؟ حقوق العباد کی خلاف ورزیوں کی ابتداء ہمارے معاشرے میں جھوٹ سے شروع ہو کر، جعلسازی، دھوکہ دہی، منافقت، بدکاری، فحاشی، زنا اور قتل و غارت گری تک پہنچ جاتی ہے۔

اللہ نے جھوٹ کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے لیکن آج کل جانتے بوجھتے ہوئے بھی جھوٹ بولنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی جارہی۔ کیونکہ وقتی طور پر ہونے والے فائدے کو ہی ہم بہت کچھ سمجھنے لگے ہیں۔

جھوٹی بات کا سہارہ لیکر دوسرے شخص کو دھوکہ تو دے رہے ہیں لیکن اصل میں ہم شیطان کا ساتھ دے رہے ہیں اسے خوش کر رہے ہیں ذرا سوچئے آپ سے خوش ہونے والا آپ کو تنہا کیسے چھوڑ سکتا ہے؟۔ نتیجہ میں شیطان ہر وہ کام کرانے میں مصروف ہو جاتا ہے جس سے انسانیت کو نقصان پہنچے۔ یہ شیطان ہی کا کمال ہوتا ہے کہ وہ دل سخت اور دماغ کو ماؤف کر دیتا ہے جس کے بعد حق اور سچ سمجھ میں ہی نہیں آتا۔

بچے سے غلطی ہو جائے تو والدین اسے بچانے یا اس کی غلطی کو چھپانے کے لیئے جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں نتیجے میں بچے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور پھر وہ خود ہر معاملے میں جھوٹ بولتا ہے، مسلسل غلط بیانی کے باعث شیطان اپنی گرفت تنگ کرتا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کل ایک غلطی کرنے والا آج کا بڑا کرمنل یا ٹارگیٹ کلر بن کر سامنے آتا ہے۔

آپ ذرا اپنے رویئے اور تربیت پر غور کریں کہ ہم اور آپ اسکول جانے والے معصوم بچوں کو کیا درس دیکر اسکول بھیجتے ہیں؟ اکثر گھروں میں مائیں لنچ باکس دیتے ہوئے بچے کو تاکید کرتی ہیں کہ " چپ چاپ بیٹھ کر کھا لینا کسی کے ساتھ کچھ شیئر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ معصوم بچے کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے اور پھر بڑا ہو کر وہ بڑا بخیل بن جاتا ہے جو زکوۃ کی ادائیگی سمیت

ہر معاملے میں اپنی کنجوسی کا اظہار کرتا ہے۔

پڑوسی کے حقوق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر پڑوسی غیر مسلم بھی ہو تو اس حقوق کا خیال رکھو، اس کی صحت اور ضروریات زندگی کے بارے میں ہمیشہ باخبر رہو اور اس کی مدد میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرو۔ رشتے داروں اور عزیزوں سے ملاقات کرتے رہا کرو اور اگر کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی تیمارداری کرو۔ یہ ہیں حقوق العباد جس کی تکمیل کے بعد ہی ہم دین دار یا سچے مسلمان بن پائیں گے۔

اللہ نے کسی ایک بے قصور یا بے گناہ کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے ۔ہمارے معاشرے میں ہر شعبے میں انسانوں کے حقوق کی خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں، یہاں نیک کاموں کی آڑ میں دھڑلے سے منافقت ، جھوٹ اور حق تلفیاں عام ہیں۔ سیاست دان سچ کی طرح جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹ پر ڈٹے رہتے ہیں ۔ حکومت کا یہ حال ہے کہ اس کے وزیر صاحب عدالت کے ذریعے جھوٹے ، بے ایمان اور بد دیانت قرار پائے ہیں مگر پھر بھی پارسا بن کر اہم عہدے سے چپکے ہوئے ہیں۔ عوام کا حال یہ ہے کہ بجلی کے میٹرز کو ٹمپر کرنے ، کنڈا کنکشن سے بجلی حاصل کرنے کو حق سمجھنے لگی ہے۔

ان سب عوامل کے باوجود ہم اپنے آپ کو مسلمان اور دین دار کہہ سکتے ہیں؟

وقت ہے کہ ہم اپنی بداعمالیوں اور بداخلاقیوں کی توبہ کریں اور جن کی حق تلفی کی ان سے معافی مانگ لیں ۔۔ کیونکہ ایک دن ہم کو بھی ہر طرف سے بند اور تاریک قبر میں جانا ہے۔ اگر وہاں کچھ ہوگا تو صرف ہماری دین داری، کیونکہ دنیا اور دنیا والے تو ہم سے بہت دور ہو جائیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کے فرائض کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی پر بھی خصوصی توجہ دی جائے۔ دھوکہ بازوں، جھوٹوں، منافقین اور شعبدہ بازوں کو دین کی دعوت دی جائے اگر وہ دین کی طرف نہیں آتے تو خود ان سے دور ہو جائیں اور اللہ کے دوست بن جائیں۔

خواہشات کا عقل پر غلبہ

مشہور مفکر مجدد الاسلام امام غزالی نے فرمایا تھا کہ جانوروں میں خواہش کی حس ہوتی ہے مگر عقل نہیں ہوتی ،فرشتوں میں عقل ہوتی ہے مگر خواہش نہیں،انسانوں میں خواہش اور عقل دونوں ہوتی ہے، عقل خواہش پر غالب آ جائے توانسان فرشتوں سے افضل اوراگر خواہش عقل پر غالب آ جائے تو انسان جانوروں سے بدتر ہے۔

ہمارے حکمرانوں کی خواہشات عقل پر غالب نظر آتی ہے۔ان کی خواہشات ان کی ذات سے چپکی ہوئی اور رعایا کی ضرویات اور سہولیات سے مبرا ہے۔

حکومت کرتے ہوئے ساڑے چار سال سے زائد عرصہ گذرنے کے بعدان کو معلوم ہوا کہ ملک میں مہنگائی بڑھ رہی ہے قیمتیں آسمان کو چھورہی ہیں اور معیشت کو سدھارنے کے دعوے کتابی ہیں۔

وفاقی کابینہ کے بدھ کو ہونے والے اجلاس جس کی صدارت وزیراعظم راجہ پرویز اشرف نے کی ، ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی پر تشویش کا اظہار کیا گیا جب کہ قیمتوں پر قابو نہ پانے پر وفاقی وزیر خزانہ حفیظ شیخ پر وزراء برس پڑے۔

یہ ایک خبر ہے اوراسے اخبارات نے باالکل ایسے ہی شائع کیا جیسے حکمرانوں کی خواہش اور وزیراطلاعات کی " ایڈوائس " تھی۔

اس خبر کوپڑھنے سے یہ تاثر ملتاہے کہ حکومت اور حکومت میں شامل سارے وزراء اور مشیران عوام کے لیئے شدید پریشان ہیں اس پریشانی سے ان کی رات کی نیندیں اور دن کا سکون غارت ہوگیا ہے۔انہیں زندگی کا مقصد فضول محسوس ہونے لگا ہے۔

لیکن خبر کا دوسرا پیراپڑھتے ہی سمجھ میں آجاتا ہے کہ اس خبر کا اصل مقصد کیا ہے۔ خبر کے اگلے پیرا میں لکھا تھا کہ وزیر خزانہ کو عام انتخابات سے قبل اشیاء خورد نوش میں کمی کرنے کا ٹاسک دے دیا گیااس حوالے سے وزیراعظم نے خصوصی ہدایت بھی جاری کردی ہے۔

"گیڈر کی شامت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف دوڑپڑتا ہے"کا محاورہ ہمارے وزیراعظم اور ان کے تمام ساتھیوں پر صادق آتا ہے۔ انھوں نے اس آمریت سے بدتر جمہوری حکومت کے طویل دور میں جو کچھ کیاہے اس کے باعث لوگوں کے ہاتھوں انہیں اپنی شامت کا ہی ڈر ہے۔آئندہ انتخابات ان موجودہ حکمرانوں سے

عوام کی محبت یا نفرت کا کھلا اظہار ہونگے۔ اگر لوگوں نے ان سے نفرت کا اظہار کر دیا تو پھر موجودہ دور حکومت پیپلز پارٹی کا آخری دور ثابت ہوگا۔
وفاقی کابینہ کے مذکورہ اجلاس کی کارروائی سے بھی یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ آنے والے دنوں سے حکومت پریشان ہیں تب ہی وفاقی وزیر خزانہ کو مہنگائی کو کنٹرول کرنے اور قیمتیں کم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔
خبر کے مطابق وزراء کی برہمی پر وزیر تجارت نے کہا کہ مہنگائی کا ذمہ دار میں نہیں بلکہ پوری حکومت ہے عوامی حکومت کے وزیر نے کہا کہ ساڑھے تین کروڑ لوگوں کو کو ہر ماہ ایک ایک ہزار روپے دیئے جاتے ہیں جبکہ بلوچستان کو چالیس ارب روپے کی جگہ اب ایک سو دس ارب دیئے جاتے ہیں یہ فیصلہ میرا نہیں آپ سب کا ہے۔
اندازہ ہوتا ہے کہ حکمران عوام سے کس حد تک مخلص ہیں، وزیر موصوف کو یہ تو یاد رہا کہ ساڑھے تین کروڑ لوگوں کو ہر ماہ ایک ایک ہزار روپے دیئے جاتے ہیں لیکن شائد یہ یاد نہیں رہا کہ کابینہ کے تمام اراکین اور وزیراعظم کے کل اخراجات کتنے ہیں؟ یہ اخراجات یقیناً ناقبلِ بیان ہونگے۔
وفاقی کابینہ کا اچانک قوم سے ہمدردی اور مخلص ہونے کا اظہار دراصل

انتخابات کی تیاری ہے۔ آخری ایام میں عموماً ایسا رویہ ہی ہوتا ہے۔

صدر آصف زرداری بھی آئندہ الیکشن کی تیاری میں مصروف ہیں اگرچہ انہیں دیگر صوبوں کے ساتھ سندھ کی زیادہ فکر ہے لیکن سندھ کے لئے انہوں نے اپنے "ترپ کے پتے" ماہر کھلاڑی کی طرح چھپا کر رکھے ہوئے ہیں جسے وہ الیکشن کے قریب یا نگراں حکومت کے دور میں ظاہر کریں گے ۔ان کی سیاست کا اصل امتحان بھی آنے والے آئندہ کے انتخابات ہیں۔ اس انتخابات میں بے نظیر کی عدم موجودگی میں کراچی کی لیاری نشست کو حاصل کرنا پوری پارٹی ہی کے لیئے چیلنج ہے ۔اس چیلنج سے نمٹنے کے لیئے شائد انہوں نے سابق وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا اور سینیٹر فیصل رضا عابدی کو چن لیا ہے۔

صدر زرداری کے لئے کراچی میں ٹارگیٹ کلنگ پر پر فوری کنٹرول کرنا بھی ایک چیلنج سے کم نہیں ہے انہیں یہ اندازہ ہے کہ اگر ٹارگیٹ کلر کو انتخابات کے اعلان سے قبل ختم نہیں کیا تو الیکشن کے دوران جیالے بھی ان کا نشانہ بن سکتے ہیں اور خوف کی وہی فضا پیدا ہو سکتی ہے جس کے نتیجے میں عام ووٹر خوف کے عالم میں ووٹ ڈالے گا یا ووٹ نہیں ڈالے گا ۔ایسی صورتحال میں انتخابی عمل کو نقصان اور ان کی پارٹی کو شدید نقصان پہنچ سکتا ہے ۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آصف زرداری ٹارگیٹ کلنگ کے واقعات پر سخت برہم نظر آتے ہیں۔ صدر کو اس بات

کا بھی ڈر ہے کہ امن وامان کے حوالے سے جاری سپریم کورٹ کے از خود نوٹس کیس کی سماعت کا فیصلہ کراچی میں فوجی آپریشن کی راہیں نہ کھول دے۔اس طرح کے فیصلے سے بھی انتخابی عمل متاثر ہو سکتا ہے۔تاہم فوج کی نگرانی میں انتخابات سے شفاف اور منصفانہ انتخابات کا انعقاد یقینی ہوگا اور حقیقی نمائندوں کو سامنے آنے کا موقع ملے گا۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ انتخابات کی بازگشت میں اضافہ کے ساتھ جہاں سیاسی جماعتیں آئندہ کی حکمت عملی اور انتخابات کی تیاریاں شروع کرچکی ہیں وہیں پر متحدہ قومی موومنٹ قائدِ اعظم کے پاکستان کے نام پر ریفرنڈم کرانے کی تیاریوں میں مصروف نظر آتی ہے۔ایسا لگتا ہے کہ متحدہ اس عمل کے ذریعے عام انتخابات کے لیئے تحریکی ساتھیوں اور تحریک کا امتحان لینا چاہتی ہے۔

موجودہ صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو باآسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ملک کے حقیقی مسائل اور عوام کو پرامن و خوشحال ماحول فراہم کرنے کے لیئے صرف سپریم کورٹ ہی سرگرم ہے۔ عوام کے لیئے حکومت یا اپوزیشن کو جو کردار ادا کرنا چاہیئے وہ مجبوراً عدلیہ کو ادا کرنا پڑ رہا ہے۔ قوم کے مسائل اور مشکلات سے بے پرواہ رہنے والی پی پی پی اور اس کے اتحادیوں کی حکومت اپنے وجود کے ساتھ ہی عوام کو ریلیف دینے کے لیئے اقدامات کرتی اور حزب اختلاف

کی جماعت مسلم لیگ نواز " فرینڈلی اپوزیشن " کا کردار ادا کرنے کے بجائے عوام سے مخلص اور حقیقی اپوزیشن کا کردار ادا کرتی تو شائد پھر کسی نئی جماعت کو اقتدار میں لانے کے لیئے لوگ بے چین اور بے قرار نہیں رہتے۔

عوام سمجھتے ہیں کہ ملک بھر میں فوج کی نگرانی میں انتخابات ہوئے تو یہ نہ صرف شفاف منصفانہ اور غیر جانبدارانہ بلکہ پرامن ماحول میں بھی ہو سکیں گے۔

لیکن پیپلز پارٹی، مسلم لیگ نواز اور متحدہ قومی موومنٹ کی جانب سے فوج کی نگرانی میں انتخابات کی مخالفت کیئے جانے کا امکان ہے۔اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ ایسی صورت میں متحدہ انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کردے گی۔انتخابات فوج کی نگرانی میں ہونے سے سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگ غیر موثر ہوجاتے ہیں اور یہ ہی وجہ سیاسی جماعتوں کی طرف سے ایسے انتخابات کی مخالفت کی ہوتی ہے۔

فوج کی نگرانی میں الیکشن کے انعقاد سے سیاسی جماعتوں اور ان کے لیڈروں کی خواہشات کے مطابق نتائج کا حصول نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہوجائے گا۔لیکن جو کچھ نتائج ان انتخابات سے سامنے آئیں گے وہ ایک نئے اور عوام دوست نظام کی

نوید سنائیں گے۔چیف الیکشن کمشنر جسٹس ریٹائرڈ فخرالدین ابراہیم پہلے ہی اس بات کا اشارہ دے چکے ہیں کہ "ضرورت پڑی تو فوج کو کو بھی انتخابات کے لیئے طلب کیا جاسکتا ہے"۔

لیکن یہ ای وقت ممکن ہوگا جب عوام اور سیاسی جماعتیں چاہیں۔

مگر یہ بھی تو ایک حقیقت ہے کہ بد قسمتی سے ہمارے سیاست دانوں کی اکثریت ایسے انسانوں پر مشتمل ہے جن کی عقل پر خواہشات غالب ہیں مگر ہم مجبور ہیں کہ ان جیسوں کو ہی کو برداشت کریں، قوم کے پاس آپشن بھی تو کوئی اور نہیں ہے نا؟۔

قائدِ اعظم کا پاکستان یا...؟

میاں نواز شریف اور ان کی پارٹی فوری انتخابات اور ان انتخابات سے قبل نگراں حکومت کے قیام کے خواہاں ہیں۔ پیپلز پارٹی کے اپنے لوگ اور بعض دیگر سیاست دان بھی اسی طرح کی خواہش رکھتے ہیں کہ جلد سے جلد موجودہ اسمبلیاں ختم کر کے نئے انتخابات کرائے جائے۔ تاہم حکومت کی اہم اتحادی جماعت متحدہ قومی موومنٹ موجودہ حالات میں کسی اور ایجنڈے پر عمل پیرا ہے۔ وہ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے شہر اور ان کے ہی ملک میں ''قائدِ اعظم کا پاکستان'' کی متلاشی ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ الطاف حسین کو اپنی تحریک کے قیام کے 28 سال گزرنے کے بعد خیال آیا کہ یہ پاکستان قائدِ اعظم کا پاکستان نہیں ہے۔ متحدہ اور الطاف حسین عام انتخابات سے قبل ''قائدِ اعظم کا پاکستان'' کے لیے ریفرنڈم کرانا چاہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ موجودہ پاکستان کی حیثیت کو تسلیم کرنے سے کھلم کھلا یا واضح انکار کیے بغیر قائدِ اعظم کے پاکستان کے نام پر قوم کا رخ ایک نئی منزل کی طرف موڑنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ الطاف حسین کے ساتھیوں کو منزل نہیں بلکہ رہنما چاہیے۔

امکان ہے کہ متحدہ ہر موقع اور تقریب کی طرح اِس ریفرنڈم کے نام پر بھی ''تاریخی مجمع'' اکٹھا کرلے گی، اور اس کے ذریعے قائدِ اعظم کے پاکستان کے

لیے بھرپور حمایت حاصل کرنے کا تاثر بھی دے گی۔ ہوسکتا ہے کہ ریفرنڈم کے اختتام پر اسی روز شام متحدہ کے قائد الطاف حسین لندن سے براہِ راست خطاب کرکے یہ اعلان کریں کہ قوم نے ''قائد اعظم کے پاکستان'' کے لیے فیصلہ دے دیا ہے۔ اگر لوگوں نے اس پاکستان کی حمایت بھی کردی تو زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا؟ کیا ملک اس طرف گامزن ہونے لگے گا؟ یا پھر عوام کو مہنگائی، بے روزگاری، منافع خوری، بجلی، گیس کی لوڈشیڈنگ سے نجات مل جائے گی؟

قائد اعظم کا پاکستان'' کے نعرے سے ایسا تاثر ملتا ہے کہ یہ شاید کوئی نیا ملک بنانے کا'' نعرہ ہے۔ یہ وضاحت تو متحدہ یا اس کے لیڈر ہی کرسکتے ہیں، لیکن ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ جو جماعت اپنے مشیر، مشیر پیٹرولیم رکھنے اور ملک کے اقتدار میں حصہ دار ہونے کے باوجود سی این جی کے نرخوں کو حکومتی نوٹیفکیشن کے مطابق کم نہیں کرا سکی وہ کیسے حقیقی طور پر قائد اعظم کا پاکستان بنا پائے گی؟

اس بحث میں پڑنے سے قبل کہ متحدہ کے ریفرنڈم کے نتائج کیا ہوں گے، اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ قائد اعظم کے پاکستان میں اسی عظیم نام سے ایک نئے پاکستان کی ضرورت کیوں پڑی؟ اس ریفرنڈم میں ووٹ کاسٹ کرنے والے کیا قائد اعظم، ان کی سیاسی اور ذاتی زندگی، قائد اعظم کی پاکستان کے قیام کے

حوالے سے جدوجہد اور 1913ء میں ان کے کانگریس سے علیحدگی اختیار کرکے خالصتاً مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ میں شمولیت کے اہم اور تاریخی قدم سے واقف بھی ہیں؟ اگر ووٹ ڈالنے والے ان تاریخی حقائق سے واقف نہیں تو ایسے ووٹ، ووٹرز اور ریفرنڈم کے نتائج کی اہمیت مشکوک ہو جاتی ہے۔

مجھے تو ''قائداعظم کا پاکستان'' کا نعرہ ان ہی کے بنائے ہوئے ملک کے خلاف بڑی سازش لگتا ہے، جیسے ماضی میں جناح پور کے نام سے الگ ریاست بنائے جانے کی سازشوں کی اطلاعات تھیں۔ حیرت اس بات پر ہے کہ ملک کے سیکورٹی ادارے، میڈیا اور حکمران پاکستان کے اندر کسی اور پاکستان کی باتوں پر خاموش کیوں ہیں! یہ قائداعظم کے پاکستان کے حصول کی جدوجہد ہے یا پھر ''قائد کے پاکستان'' کی؟ ہم سب کو سوچنا چاہیے۔

ریفرنڈم میں ووٹ ڈالنے والوں کو یہ بھی سوچ لینا چاہیے کہ متحدہ کہیں اس ریفرنڈم کے ذریعے اپنی طاقت کا اظہار کرنا تو نہیں چاہتی؟ یا پھر عام انتخابات سے قبل وہ اپنے ووٹرز کو جانچنا چاہتی ہے؟ اگر ایسی بات ہے تو یہ اُس کا حق ہے۔ منظم جماعتیں اسی طرح اپنی پارٹیوں کو چیک کرتی ہیں۔

متحدہ کے قائد نے مذکورہ نعرے کے ساتھ قائداعظم کے فرقے کو چھیڑا اور اپنی

مختلف تقاریر میں بار بار یہ کہا کہ قائدِاعظم شیعہ تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو تحریک ''کسی کے مذہب کو نہ چھیڑو اور اپنے مذہب کو نہ چھوڑو'' کا نظریہ رکھتی ہے اور اسی نظریے پر لوگوں کو جمع کرتی ہے اُس کے قائد نے خود ہی قائدِاعظم کے مذہب اور فرقے کی بات کیوں چھیڑی؟ اور پھر کیا وجہ ہے کہ لاکھوں پڑھے لکھے کارکن ہونے کے باوجود کسی ایک نے بھی انہیں تنظیم کی بنیادی پالیسی اور نظریے کی یاد نہیں دلائی!

یہ درست ہے کہ قائدِاعظم تمام مذاہب اور ان کے لوگوں کا احترام کرتے تھے، اور یہ بات بھی حقیقت ہے کہ وہ نہ تو کوئی مفتی تھے اور نہ ہی انتہائی پکے بنیاد پرست۔ لیکن یہ بھی تو سو فیصد سچ ہے کہ قائدِاعظم سیکولر یا لادین نہیں تھے۔ اگر قائدِاعظم محمد علی جناح لادین ہوتے تو برٹش دور میں جب چاروں طرف انگریزوں اور غیر مسلموں کا راج تھا کانگریس چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل کیوں ہوتے؟

بانئِ پاکستان مسلمانوں اور مذہبِ اسلام کے اس قدر شیدائی تھے کہ انہوں نے کانگریس میں ہوتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق کے لیے جدوجہد کی اور آواز اٹھائی، لیکن جب ان کی بات پر توجہ نہیں دی گئی تو انہوں نے اپنی زندگی کی پہلی سیاسی جماعت کو خیرباد کہہ دیا، اور 1913ء میں مسلمانوں کی سیاسی جماعت

مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔

جو لوگ قائدِاعظم کی ذات کو سامنے رکھ کر اور ان سے منسوب غیر معروف باتوں کو ان کے انتقال کے 64 سال بعد مشہور کرکے ان کے اسلامی ملک کو... جو نظریاتی طور پر مسلمانوں اور ان کے نظریے پر قائم ہونے والا تاریخی ملک ہے... اعتدال پسند، روشن خیال اور لبرل یا سیکولر بنانا چاہتے ہیں وہ احمقوں کی جنت میں رہ رہے ہیں۔ اگر غیر ملکی اور اسلام دشمن طاقتوں نے ایسے لیڈروں کو ان کی اپنی ذاتی یا سیاسی زندگی کے عوض یہ ٹاسک دیا ہے کہ وہ پاکستان کو اعتدال پسند، روشن خیال اور سیکولر ملک بنادیں، تو یہ ان کی بھول ہے۔ میں ایسے لیڈروں کو یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان مشہور اور مقبول علماء کرام مجدد ملّت اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ الحدیث مولانا ظفر عثمانی، اور مفتی شفیع عثمانی سمیت اسلام پر جان دینے والے مجاہدین اور ان کے ساتھی قائدِاعظم محمد علی جناح کی فیصلہ کن شخصیت کی جدوجہد کے نتیجے میں قائم ہوا ہے۔ پھر یہاں اسلامی تعلیمات کو جاری رکھنے اور اسلامی نظریے کی وجہ سے پاکستان کی آزادی کے صرف چار سال بعد دارالعلوم کراچی کا قیام عمل میں لایا گیا۔

یہ ملک مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا تحفۂ خاص ہے، اس کی حفاظت بھی اللہ

ہی کر رہا ہے اور سب مسلمانوں کو یقین ہے کہ اللہ ہمیشہ اس ملک اور اس کے باشندوں کی حفاظت کرتا رہے گا۔ جو حصہ اس ملک سے جدا ہوگیا ہے اس میں بھی اللہ ہی کی کوئی مصلحت ہوگی۔ سب کو یقین ہے کہ اس ملک اور یہاں کے باشندوں کے ساتھ منافقت اور مکاری کرنے والوں کا انجام برا ہوگا۔ ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ملک سے بے وفائی کرنے والوں کو اللہ نے اس زمین سے ہی دور کردیا۔ سمجھنے والوں کے لیے یہ بات بہت اہمیت کی حامل ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کے نام کو استعمال کرکے نیا پاکستان بنانے کا نعرہ لگانے والوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ قائداعظم اور ان کے قریبی ساتھی ایسے لیڈر تھے جو قیام پاکستان کے بعد یہاں پر ہی رہے۔ بیماری اور جان کا خوف انہیں نہ زندگی میں اور نہ ہی مرنے کے بعد اس ملک سے دور کرنے میں کامیاب ہوسکا۔ محمد علی جناح نے مسلمانوں کے لیے پاکستان حاصل کرنے کی غرض سے 37 سال کی عمر میں جدوجہد شروع کی تھی۔ وہ تحریکِ پاکستان کی کامیابی اور ملک کے قیام کے بعد سے وفات تک پاکستان میں رہے۔ انہوں نے بیماری کے باوجود لندن یا امریکا جانے کے بجائے پاکستان میں ہی زندگی کے آخری ایام گزارے اور یہیں انتقال کیا۔ اس طرح انہوں نے آخری وقت تک پاکستانیوں کی خدمت کی اور ان ہی کے ساتھ رہے۔ قائداعظم جس تحریک کے لیڈر بنے اس کے کارکنوں سے ایسا نعرہ نہیں لگوایا کہ ''منزل نہیں رہنما چاہیے''۔ بلکہ انہوں نے لوگوں کو

منزل بھی دلائی اور خود بھی منزل پائی۔ وہ بزدل تھے اور نہ ہی منافق ... بلکہ وہ سچے مسلمان اور پکے پاکستانی کے ساتھ ساتھ سچے حق پرست اور وطن پرست تھے۔

بعض لیڈر چیخ چیخ کر یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے کسی رشتے دار کو کوئی بھی عہدہ اور آسائش نہیں دی۔ تو عرض ہے جناب کہ قائداعظم محمد علی جناح تو وہ شخصیت تھے کہ اُن کے بھائی احمد علی جناح جب اُن سے ملاقات کی غرض سے گورنر جنرل ہاؤس پہنچے تو ان سے ملاقات کرنے سے صرف اس لیے انکار کردیا کہ احمد علی جناح نے ایک کاغذ پر اپنے نام کے ساتھ برادر آف محمد علی جناح لکھا تھا۔ جب ان کے سیکریٹری نے اصرار کیا کہ سر ملاقات کرلیں آپ کے بھائی ہیں، تو قائداعظم نے انہیں ڈانٹ دیا اور کہا کہ اس نے میرا نام اپنے نام کے ساتھ کیوں لکھا؟ اگر میں اس سے ملاقات کرلوں گا تو اس کی حوصلہ افزائی ہوگی، پھر وہ ہر ایک پر رعب ڈالے گا، جب کہ میری زندگی پاکستانیوں کے لیے ہے، اب میں اس کا بھائی بعد میں، پہلے پاکستان کا گورنر جنرل ہوں۔

پاکستان کو قائداعظم کا پاکستان بنانے والوں کو چاہیے کہ اپنے نعرے پر غور کریں۔ کہیں وہ ایسا کہہ کر پاکستان کے، قائداعظم کا پاکستان ہونے سے انکار تو نہیں کر رہے؟

قائداعظم اچھے اور سچے مسلمان ہونے کے ساتھ اپنے لوگوں کے

ساتھ مخلص تھے۔ ان کا ہر عمل حق پرستانہ تھا۔ ان کی کابینہ کے کل ارکان دس تھے۔ وہ اپنے ساتھ پروٹوکول پسند نہیں کرتے تھے، نہ ہی رکھتے تھے۔ ان کا پرسنل سیکریٹری ان کے ساتھ گاڑی میں سفر کرتا تھا اور ان کی گاڑی سے آگے کبھی کبھی دو موٹر سائیکل سوار پائلٹ ہوا کرتے تھے۔

پاکستان کو دوبارہ قائدِاعظم کا پاکستان بنانے والوں کو چاہیے کہ وہ قائدِاعظم کی طرح اپنے ہی ''وطن میں جینا تو سیکھ لیں''۔

مجھے ہر نئے ایشو اور نئے نعرے کی طرح اِس بار بھی ڈر ہے کہ کہیں کوئی ''شہادت'' سامنے نہ آجائے۔ کسی معصوم کو قائدِاعظم کے پاکستان کا شہید ہونے کا اعزاز نہ مل جائے۔ اللہ ہم سب کو حق بات سمجھنے، سننے اور برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہماری حفاظت کرے اور ہم سب کو اپنے دین پر رکھے، آمین۔

دفاعی نمائش اور دہشت گردی کی تازہ لہر

کراچی میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی دفاعی نمائش آئیڈیاز 2012 پانچ روز بعد اپنے شیڈول کے مطابق اتوار 11 نومبر کو ختم ہوگئی لیکن کراچی میں جاری آتش و آہن کا خونی کھیل بدستور جاری ہے۔

اس نمائش کے پانچ دنوں کے دوران شہر میں 63 افراد نامعلوم مسلح افراد کے ہاتھوں ہلاک ہوئے لیکن کسی ایک قاتل کو بھی گرفتار نہیں کیا جاسکا۔

میں سوچ رہا ہوں کہ جب دنیا بھر سے اہم وفود کراچی آ رہے تو انہوں نے جدید اسلحہ کی نمائش کے ساتھ اسلحہ کے کھلے عام استعمال کی ہولناک خبریں بھی سنیں ہونگی۔ایسی اطلاعات کی بازگشت میں پرامن اور پرسکون ماحول میں رہنے والے ان غیر ملکی معززین کے دل و دماغ پر کیا کچھ گذرا ہوگا؟ وہ کراچی کے لوگوں کو آتش و آہن کے ماحول میں رہنے پر داد دیئے بغیر بھی نہیں رہ پا رہے ہونگے ساتھ ہی ان سے ہمدردی اور کراچی میں قیام کے دوران اپنی جانوں کے تحفظ کی دعائیں بھی مانگ رہے ہونگے۔

ممکن ہے وہ سوچ رہے ہوں کہ شائد اس شہر میں کوئی حکومت یا حکومت کا کنٹرول نہیں ہے؟ ان غیر ملکیوں کے ذہن میں یہ بات بھی آئی ہوگی کہ اس شہر کے بارے میں تو متحدہ قومی موومنٹ کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ یہ اس کا شہر ہے اور اس پر اس کا مکمل کنٹرول بھی ہے؟ انہوں نے یہاں آنے سے قبل یا بعد میں یہ بھی تو سنا ہوگا کہ اس شہر پر حکومت کی تین اہم اتحادیوں پیپلزپارٹی، متحدہ اور عوامی نیشنل پارٹی کی حکومت ہے۔مجھے اندازہ نہیں کہ ان غیر ملکیوں نے قائد اعظم کے اپنے شہر کی تشویشناک صورتحال پر اور حکمرانوں کے کردار بارے میں کیا تاثر لیا ہوگا؟

دفاعی نمائش کے پانچ روز کے دوران کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں تھا جب شہر میں گولیاں نہ چلیں اور لاشیں نہ گری ہوں۔پہلے روز یعنی 7 نومبر کو گیارہ، دوسرے دن پندرہ، تیسرے دن نو چوتھے دن سولہ اور پانچویں و آخری روز بارہ افراد ٹارگیٹ کلنگ کے عنوان سے مارے گئے۔

ان پانچ دنوں میں کیا کسی غیر ملکی مہمان نے متحدہ کے وزراء سے یہ نہیں پوچھا ہوگا کہ یہ آپ کے کنٹرول والے شہر میں کیوں اور کیسے ہورہا ہے؟ کسی نے بھی اے این پی سے نہیں معلوم کیا ہوگا کہ یہ کون لوگ ہیں جو سرے عام لوگوں کو مار کر چلے جاتے ہیں اور آپ کی حکومت کچھ بھی نہیں کرتی؟ کیا کسی نے بھی

پیپلز پارٹی کے وزراء سے یہ دریافت نہیں کیا کہ آپ کی حکومت کے ہوتے ہوئے لوگوں کی جان و مال کا تحفظ کیوں نہیں ہے؟آخر آپ لوگ کیوں حکومت کر رہے ہیں؟ بھٹو کا فلسفہ تو روٹی کپڑا اور مکان تھا مگر آپ کے دور میں تو صرف لوگوں کی جانیں جا رہی ہیں؟انہیں تحفظ دینے میں ناکام حکومت روٹی، کپڑا اور مکان بھلا کیسے دے سکتی ہے؟

دفاعی نمائش ختم ہو گئی لیکن کراچی کے شہریوں کے تحفظ کے لیئے کسی کے کان پر جوں نہیں رینگ رہی۔

نئے انتخابات ہونے والے ہیں تاہم مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ حکومت میں رہ کر بھی لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کرنے میں ناکام ہو جانے والی متحدہ قومی موومنٹ، عوامی نیشنل پارٹی اور خود پیپلز پارٹی دوبارہ عوام کے سامنے کس منہ سے جائے گی؟ متحدہ کے رہنماء بابر غوری کی بیٹی سے گذشتہ دنوں کار چھینی جا چکی ہے اور اے این پی کے بشیر جان پر قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے جبکہ دونوں جماعتوں کے متعدد رہنماء و سینکڑوں کارکن اور عام افراد نامعلوم دہشت گردوں کی گولیوں کا نشانہ بن چکے ہیں اس کے باوجود حکومت کا ساتھ دیا جا رہا ہے، آخر کیوں؟ عوام اور خود ان جماعتوں کے کارکن یہ سوچنے پر حق بجانب ہیں کہ اگر حکومت میں رہنا اور پیپلز پارٹی کا ساتھ دینا ہی اصل مقصد ہے تو پھر

آنے والے انتخابات میں کسی دوسری جماعت کو ووٹ دیکر کیوں نہ دیکھ لیا جائے؟ ۔متحدہ کئی ایشوز پر متعدد مرتبہ احتجاج اور حکومت سے علیحدگی کی لیئے الٹی میٹم بھی دیتی رہی لیکن اس کے باوجود کیا متحدہ کے مطالبات تسلیم کیئے جارہے ہیں یا کیئے گئے ہیں؟جب مسلسل حکومت اور پیپلز پارٹی کا ساتھ دینے کے باوجود متحدہ،اس کے کارکنوں اور اس کے حمایتوں کو کچھ نہیں مل رہا تو پھر حکومت میں رہنے کا کیا جواز ہے؟ متحدہ وہ جماعت ہے جس نے آمر جنرل پرویز مشرف کا بھی نو سال تک ساتھ دیا اور اب جمہوریت کے استحکام کے لیئے حکومت میں رہنے کی وجہ بیان کرتی ہے؟نو سال آمر کے ساتھ رہنے کے بعد اچانک جمہوریت کی عاشق ہونے والی متحدہ کو کہیں دوبارہ کسی آمر سے محبت ہو گئی تو کیا ہوگا؟یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جمہوریت سے عشق کے نام پر موجودہ آمریت سے بدتر جمہوریت کے معشوق سے ہی چمٹی رہے تو پھر آنے والے دنوں میں ایسا کیا ہوگا جو اس پونے پانچ سال کے دوران اب تک نہیں ہوا؟ ممکن ہے وہ کسی نئے نعرہ کا سہارہ لیکرآنے والے دنوں میں دوبارہ کسی نئے آمر کا ساتھ دینا شروع کردے۔اسی طرح اے این پی ہزاروں شکوے شکایتوں کے باوجود وفاق میں پیپلزپارٹی کا حصہ بنی ہوئی ہے ماسوائے علامتی احتجاج کے وہ کوئی اور قدم حکومت کے خلاف نہیں اٹھاتی یا جمہوری حق ادا نہیں کرتی۔۔آخر کیوں؟مذکورہ دونوں جماعتوں کی ایسی کیا مجبوریاں ہیں یا ایسے کون سے فوائد ہیں کہ انہوں نے پیپلز پارٹی کی حکومت کا آخری وقت تک ساتھ نہیں چھوڑا؟اس بات کی وضاحت

مذکورہ جماعتوں کے غیرت مند اور حق پرست رہنماؤں کو ابھی نہیں تو انتخابات کی مہم کے دوران دینا ہوگا۔ان سوالات کے اطمینان بخش جوابات تک ان کی مستقبل میں کامیابی مشکوک رہے گی۔

انتہائی تکلیف دہ بات یہ ہے کہ متحدہ کے قائد الطاف حسین کی طرف سے" قائداعظم کا پاکستان یا طالبان کا پاکستان "کے نعرے کے ساتھ ہی طالبان بھی کھل کر سامنے آ گئے اور ان طالبان کا یہ بیان ہی شہریوں کے سمجھنے کے لیئے کافی تھا کہ وہ متحدہ سے بدلہ لیں گے ۔ کراچی کے لوگ ان دونوں بیانات کے بعد سے ہی خوفزدہ رہنے لگے تھے انہیں ڈر تھا کہ آنے والے دنوں میں شہر میں خون ریزی کے واقعات بڑھ جائیں گے ۔ان دنوں جو کچھ ہو رہا ہے وہ شہریوں کے خدشات کے مطابق ہی نہیں تو اور کیا ہے؟

مگر" حکومت معہ اہل و عیال " اہل و عیال کو آپ اتحادی بھی کہہ سکتے ہیں "سب کچھ ٹھیک ہے"کہ مزے لے رہی ہے۔ایسی حکومت اور ان کے اتحادیوں کو عوام کو بے وقوف بنانے والی فیملی کا نام نہیں تو کیا نام دیا جائے گا؟

سوال یہ ہے کہ قائدآعظم کا یا طالبان کا پاکستان کا نعرہ؟ کیوں لگایا گیا ؟اس نعرے کے تحت متحدہ نے ریفرنڈم کا اعلان کیا ہوا ہے مجھے نہیں معلوم کہ

الطاف حسین نے آمر جنرل ضیاء الحق کے ریفرنڈم کی طرز پر تقریباً اسی طرح کے ملتے جلتے طرز کے سوال کا انتخاب کیوں کیا؟

19 دسمبر 1984 کو جنرل ضیاء الحق نے اپنے دور کو طول دینے کے لیئے ریفرنڈم کرایا تھا اس ریفرنڈم میں سوال پوچھا گیا تھا کہ کیا آپ ملک میں سنتِ رسول ﷺ کے مطابق اسلامی نظام چاہتے ہیں یا نہیں؟ بحیثیت مسلمان کون ہوگا جو اسلامی نظام کی مخالفت کرے گا؟ سو وہ ہی نتائج برآمد ہوئے جو ضیاء الحق چاہتے تھے اور اس طرح وہ ملک کے پانچ سال کے لیئے صدر بن گئے۔ اسی طرح الطاف حسین کے سوال پر کون ہوگا جو قائدِ اعظم کے پاکستان کی مخالفت کرے گا؟ ایسی صورت میں کہ طالبان پہلے ہی متنازعہ بنے ہوئے ہیں لوگوں کو معلوم ہی نہیں کہ اصلی طالبان کون ہیں اور جعلی کون؟ اسلامی نظام کے مطابق جہاد کون کر رہا ہے؟ اور مفاد پرستی کے تحت اسلامی شعائر کا مذاق اڑانے کا باعث کون بن رہا ہے؟ ایسی صورت میں لوگ قائدِ اعظم کے پاکستان کے لیئے ہی ووٹ دیں گے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ووٹرز نے اسلامی نظام کی مخالفت کردی ہے یا انہوں نے اعتدال پسند، سیکولر اور لبرل پاکستان کی حمایت کی ہے ۔اس لیئے واضح نتائج حاصل کرنے کے لیئے بہتر ہوتا کہ متحدہ کے قائد الطاف حسین واضح سوال کرتے کہ آپ ملک کو نقصان پہنچانے والے طالبان کا پاکستان چاہتے ہیں یا قائدِ اعظم محمد علی جناح کا اسلامی جمہوریہ پاکستان؟ پھر جو بھی نتائج نکلتے وہ کسی

بھی بد گمانی سے پاک اور سب کو قابل قبول ہوتے۔

مجھے نہیں معلوم کہ کراچی میں قتل و غارت گری کے تازہ سلسلے میں کون سے عناصر ملوث ہیں الطاف حسین کے بیان کردہ طالبان یا نامعلوم دہشت گرد؟ میں تو صرف یہ ہی کہہ سکتا ہوں کہ جو بھی دھڑلے سے کھلے عام معصوم انسانوں کی جان لے رہے ہیں وہ انسانوں کے روپ میں شیطان ہیں۔ان شیاطین سے جان چھڑانے کے لیئے پورے ملک کے لوگوں کو جان کی پرواہ کیئے بغیر سامنے آنا پڑے گا اور خوف کے بادلوں کو بھگانا پڑے گا۔

موجودہ حکومت اور نئے انتخابات کی خبریں

ملک کی موجودہ صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو بلا جھجک ایک ہی جملے میں تبصرہ کیا جاسکتا ہے کہ ملک بہت اچھا ہے۔ مگر حکومت کیسی ہے اس سوال پر کتابیں لکھی جا سکتی ہے تاہم چاہنے کے باوجود کوئی ایماندار اور دیانت دار رائٹر اس حکومت کی تعریف میں ایک جملہ بھی نہیں لکھ سکتا۔ معاشرے کی کسی بھی محفل میں اگر حکومت کا ذکر شروع ہو تو اس کے چاہنے والے خاموش رہنے یا پھر جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کی اکثریت اس سوال پر طنزاً مسکرا کر خاموش ہو جاتی ہے۔ ان کے پاس حکومت کے بارے میں لب کشائی کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اس کی وجہ شائد یہ ہو کہ وہ اپنی زبان سے نازیبا جملے نکالنا نہیں چاہتے۔

حکومت نے اصغر خان کیس کا ابتدائی فیصلہ آنے پر شادیانے بجائے اور "عبداللہ کی شادی میں بیگانہ دیوانہ" کی طرح جشن منایا۔ وزیر اعظم راجہ پرویز نے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ تک کہہ دیا تھا کہ یہ فیصلہ جمہوریت کی فتح ہے اور اس فیصلے پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ لیکن ایک ماہ بعد حکومت اس فیصلے کے ان شقوں پر نظر ثانی کی درخواست لیکر سپریم کورٹ پہنچ گئی جو صدر مملکت کے حوالے سے تھے درخواست میں صدر کے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے حوالے سے فیصلے کی

شقوں کے بارے میں نظرثانی کی استدعا کی گئی ہے۔وفاقی حکومت کی درخواست میں موقف اختیار کیا گیا ہے کہ صدر پارلیمنٹ کا حصہ ہیں اور ایک سیاسی جماعت سے وابستہ ہیں،اس لیئے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا قانونی اور آئینی حق رکھتے
ہیں۔درخواست میں سپریم کورٹ کے فیصلے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ فیصلے میں سپریم کورٹ نے وہ سوال اٹھائے ہیں جو درخواست گذار کی استدعا نہیں تھی اور نہ ہی یہ قانونی سوال بنتا ہے۔(مجھے نہیں معلوم یہ اعتراض توہین عدالت کے زمرے میں آتا یا نہیں یہ آنے والا وقت بتائے گا)۔

اس تحریر کا مقصد سپریم کورٹ میں کی جانے والی کارروائیوں کو بحث کرنا نہیں بلکہ حکومت کے رویہ پر بات کرنا ہے۔اس لئے عدالت کے ذکر کو روک کر میں صرف یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ وزیراعظم نے جب سپریم کورٹ کے فیصلے کو قبول کرنے اور اس پر عمل درآمد کرانے کا اعلان کردیا تھا تو پھر نظرثانی کی درخواست کیوں سامنے آ گئی ؟۔صرف صدر آصف زرداری کے مفاد میں یا جمہوری نظام کے خلاف ؟ پیپلزپارٹی کے رہنماؤں خصوصاً وزیراعظم راجہ پرویز کو سوچنا چاہئے کہ ان کا یہ رویہ ملک اور قوم کے ساتھ جمہوریت کے لیئے نقصان دہ تو نہیں ہوگا؟صدر کا غیر جانب دارانہ عہدہ ملک کی سیاست میں آلودہ ہوگیا تو اس کا نقصان کس کو پہنچے گا؟کیا سیاسی آلودگی میں جکڑا ہوا صدر جو آرمی کا چیف کمانڈر بھی ہوتا ہے جمہوری ملک کے جمہوری تقاضے پورے کرپائے گا؟وہ پھر کس

طرح دیگر جماعتوں کی بات کو اہمیت دے گا اور ان کے مطالبات پر منصفانہ فیصلے کرے گا؟

سابق صدر پرویز مشرف اور جنرل ضیاء الحق بااختیار صدور ہونے کے باوجود کسی سیاسی جماعت کے صدارت یا سربراہی قبول نہیں کی تھی تو کیا یہ ان دنوں کی غلطی تھی ؟

اگر ہم پیپلزپارٹی کے موجودہ دور کا جائزہ لیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس دور میں پیپلز پارٹی اور اس کے اتحادیوں کے رہنماوٴں کے مفادات کے حصول کے علاوہ حکومت نے کچھ بھی تو نہیں کیا؟۔اب اپنے دور کے آخری دنوں میں بھی ان ہی اہداف کے حصول کے لیئے سرگرم ہو گئی ہے جو پارٹی رہنماؤں کے مفاد کے لیئے ضروری ہے۔

نیب کے چیئرمین ایڈمرل ریٹائرڈ فصیح بخاری نے کہا کہ کرپشن میں اضافہ ہوگیا ہے ، میں کرپشن کے خلاف لڑوں گا لیکن استعفیٰ نہیں دونگا۔اپوزیشن اور حکومت کی متفقہ رائے سے تقرر کیئے جانے والے نیب کے چیئرمین کے ان جملوں سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حکومت کیا کررہی ہے ،اس کی کارکردگی کااہداف کیا ہے اور وہ کیا چاہتی ہے؟۔

جس حکومت کے دور میں کرپشن میں اضافہ ہو جائے اور کرپشن کے خاتمہ کے لیئے موجود نیب کے افسران کو تحفظ فراہم کرنے کے بجائے انہیں ڈرایا دھمکایا جائے اس حکومت کو کل کے بجائے آج ہی ختم ہو جانا چاہیے۔

حکومت کی ترجیحات کے حوالے سے قوم اس بات پر بے فکر ہے کہ حکومت ان کے لیئے یا ملک کے لیئے کوئی قابلِ تعریف اقدامات کرے گی۔ قوم کو خدشہ ہے کہ اگر یہ کسی طرح دوبارہ اقتدار میں آ گئی تو پھر کیا ہوگا؟

اس حکومت کی خاص بات یہ ہے کہ جس کسی نے ایمانداری کا مظاہرہ کیا اس کی اس نے چھٹی کر دی اور جو قوم سے جھوٹ بولتا رہا یا قوم کو دھوکہ دیتا رہا اس کو عدالت کے حکم کے باوجود کسی بھی طرح سر پر بٹھائے رکھا اور قوم سے کھیلنے کا موقع دیا جاتا رہا۔

ایسے افراد میں اے آر ملک کا نام سر فہرست ہے بلکہ اگر ان کا نام نہیں بھی لیا جائے تو لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ جھوٹا، بے ایمان اور بد دیانت کسے کہا جا رہا ہے۔ قوم کی بد قسمتی ہے کہ تقریباً 17 کروڑ آبادی والے ملک کا کوئی ایک وفاقی وزیر ایسا بھی ہے جسے اس کی عرفیت سے مشہوری مل رہی ہے۔ وزیر موصوف

بہت ہمت اور حوصلے والے وزیر ہیں انہیں جب پہلی بار سندھ کے سابق وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا نے جھوٹے کا لقب دیا تھا اور ان کے بارے میں بتایا تھا کہ" وہ کیلا کھاتے ہوئے کہتا ہے کہ ہے سیب کھا رہا ہوں"۔ اس وقت لوگوں نے اس بیان کو سیاسی مذاق سمجھا لیکن سپریم کورٹ کی طرف سے جب انہیں جھوٹا، بد دیانت اور بے ایمان ڈکلئیر کیا گیا تب لوگوں کو اطمینان ہوا کہ ذوالفیقار مرزا ایک سچا انسان ہے۔
حال ہی میں اے آر ملک نے موٹر سائیکل چلانے پر پابندی لگانے کی کوشش کی تھی جو ہماری عدلیہ کے حکم سے ناکام ہو گئی اس اقدام پر ہر سطح پر تنقید کی گئی جس کی وجہ سے پیپلز پارٹی کے رہنماء اور وفاقی وزیر خورشید شاہ کو وضاحت کرنی پڑی کہ یہ ان کا ذاتی فیصلہ تھا حکومت کا اس فیصلے سے تعلق نہیں تھا۔ مجھے اندازہ نہیں کہ اپنی ذاتی خواہشات کے عوام دشمن فیصلے پر اے آر ملک کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کی جائے گی یا کی گئی؟ ہاں البتہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا بھی نہیں ہوگا کہ موبائیل فون کی بندش اور پھر موٹر سائیکل چلانے کے مضحکہ خیز اور عوام دشمن فیصلے کیوں کیئے گئے؟ یہ یقین مجھے اس لیئے ہے کہ وہ اے آر ملک ہے کوئی فصیح بخاری نہیں، وہ ملک کی طاقتور سول شخصیت کا خاص دوست ہے اور شائد جن کے خاص راز ان کے پاس ہیں ایسے راز جس کے افشاء ہونے سے نہ صرف ملک میں بلکہ پیپلز

پارٹی میں بھی ہلچل مچ جائے گی۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس قسم کے راز ہیں آنے والا وقت اس سے پردہ ضرور اٹھائے گا کیونکہ وقت کسی کا دوست نہیں ہوتا۔

بہرحال موجودہ حالات میں جب عدلیہ کے احکامات پر عمل درآمد نہیں کیا جارہا، عدلیہ کی نگرانی میں انتخابات کے فیصلے پر کس طرح عمل درآمد کیا جائے گا اور کیا ان انتخابات کا انعقاد اپنے وقت پر ہوسکے گا؟ سوچنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے۔

لیکن اگر خوش قسمتی سے یہ انتخابات ہوگئے تو امکان ہے کہ عدلیہ کی نگرانی کے باعث منصفانہ اور شفاف ہی ہونگے۔

ڈرامے بازی، یقین دہانی مگر اب کیا ہوگا؟

محرم کا پہلا عشرہ خوف وہراس کی کیفیت میں ختم ہوا۔ اس دس روز کے دوران ایسا کچھ انوکھا نہیں ہوا جس کے خدشات ظاہر کیئے جارہے تھے یا جس کا واویلہ مچا کر خوف پیدا کیا گیا تھا مطلب یہ ہے کہ وہ ہی کچھ ہوتا رہا جو گذشتہ ساڑے چار سالوں سے بلکہ اس سے پہلے سے ہو رہا ہے۔ بہت کچھ ہونے کا خوف کسی نامعلوم نے نہیں بلکہ ہماری اپنی حکومت نے پیدا کیا تھا۔ اگر کوئی انوکھی بات اس عشرے میں ہوئی تو وہ یہ تھی کہ سات تا دس محرم تک تینوں ایام میں موبائل فونز کو بند رکھا گیا۔

حکومت کی جانب سے کیئے گئے سخت انتظامات "نمک کا گھر ثابت ہوئے" پھر بھی کوشش کی جارہی ہے کہ ان انتظامات اور اقدامات کو درست اور وقت کی ضرورت قرار دیا جائے۔ سندھ کے گورنر نے اے آر ملک کے ان اقدامات کو مزید تنقید سے بچانے کے لیئے علماء کا اجلاس گورنر ہاؤ س میں طلب کیا اور یہ کہنے کی کوشش کی کہ اگر محرم میں یہ اقدامات نہ کیئے جاتے تو بہت زیادہ تباہی ہوتی۔ انہوں نے اپنی حکومتی کمپنی کی تعریف بھی کی ۔ تعریف کیوں نہ کرتے گورنر صاحب نے تو ان اقدامات کے ڈائریکٹر اے آر ملک کو اس سے قبل پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری تک دے چکے ہیں ، تعریف کرنا ان کے لیئے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ لیکن نا جانے

کیوں لوگوں کی ایک بڑی تعداد ان اقدامات سے مطمئین ہونے کے بجائے شکوے اور شکایتیں کرتی ہوئی نظر آئی۔خیال ہے کہ یہ اقدامات دیرپا ثمرات حاصل کرنے کے لیئے کیئے گئے تھے لیکن بہانہ دھماکوں یا دہشت گردی کی کارروائیوں کے خدشات کو بنایا گیا تھاان اقدامات کے ثمرات موجودہ حکومتی ٹولہ انتخابات کے قریب حاصل کرنا چاہتا ہے۔

بعض سیاستدانوں کو خدشہ ہے کہ امن وامان کو بحال رکھنے کا جواز بنا کرالیکشن کے قریب بھی موبائل فون کی سہولت عوام سے چھین لی جائے گی اگر ایسا ہوا توانتخابی عمل متاثر ہوسکتا ہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ امن وامان کی خراب صورتحال کا بہانہ بنا کر انتخابات ملتوی کردیئے جائیں۔

اے آر ملک کے اقدامات کے نتائج سب کے سامنے آچکے ہیں سیکیورٹی کے اقدامات تین دن کے لیئے یا دس دن کے لیئے کیئے گئے تھے اس لیئے شائد بارہ محرم کو اسلام آباد میں صحافی حامد میر پر مبینہ حملے کا واقعہ رونماء ہوا۔اس واقعے کے بارے میں شکوک موجود ہیں اور اس حوالے سے سوالات بھی ہیں۔ بعض افراد اسے ڈرامہ قرادے رہے ہیں اور بعض اسے حکومتی چال۔ مجھے بھی اس واقعہ پر ابتداء ہی سے شبہ تھا لیکن واقعہ کی شام حامد میر نے اپنے پروگرام میں جو سوال اٹھایا اس سے مجھے ان پر ہونے والے مبینہ حملے کے مشکوک ہونے کو مزید

تقویت ملی جبکہ حملے کے حوالے سے شکوک و شبہات کے جنم لینے سے بحثیت صحافی احساس شرمندگی بھی ہے۔

اپنے چینل یا اپنی ذات کی پالیسی کے باعث حامد میر نے کیپٹل ٹاک میں یہ سوال اٹھایا کہ "کیا پاکستان میں دہشت گردی کا ذمہ دار صرف امریکہ ہے" یہ وہی سوال تھا جس نے میرے دل و دماغ کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ موجودہ حالات میں یہ سوال کیا امریکہ کو ہر طرح کی جارحیت اور دہشت گردی سے لا تعلق کرنے کی کوشش ہے؟۔ حامد میر سمیت سب ہی یہ جانتے ہیں کہ امریکہ وطن عزیز میں نہ صرف خفیہ بلکہ کھلی دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہے۔ پھر یہ سوال جب خود ان ہی پر حملہ کرنے کی ناکام مبینہ کوشش کی گئی ہے کے حوالے سے کیوں کیا گیا؟ حامد میر میرے ہم پیشہ ہے لیکن ہمارا شمار تو ان صحافیوں میں ہوتا ہے جو درست نتائج کے لیئے اپنے سگے بھائی پر بھی شک کر سکتے ہیں۔ اس لیئے میں یہ کہنے میں کیوں ہچکچاہٹ سے کام لوں کہ " یہ سوال اور پروگرام اس اسکرپٹ کا حصہ تو نہیں تھا جس کے تحت حامد کی گاڑی کے نیچے سے بم برآمد کیا گیا ہے"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حامد میر غیر معمولی تعلقات رکھنے والے مشہور صحافی ہیں اپنے تعلقات اور صلاحیتوں کے باعث وہ ایک ریجنل اخبار اوصاف سے منسلک

ہونے کے دوران اسامہ بن لادن کا انٹرویو کرکے بین الاقوامی شہرت حاصل کی بعدازاں جیو نیوز جوائن کرکے بحثییت لینکر پرسن اپنی صلاحیتوں کو مزید اجاگر کیا۔ انہوں نے صحافی سے زیادہ ایک لینکر کی حیثیت یں اپنی شناخت بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ ان کا شمار طالبان سے بھی اچھے روابط رکھنے اورالقائدہ تک رسائی حاصل کرنے والے بین الاقوامی صحافیوں میں ہوتا ہے تو دوسری طرف غیر ملکی سفارتی حلقوں میں بھی انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

حامد میر کو چند گھنٹوں کے اندر ہی ملالہ کا فون لندن کے ہسپتال جہاں وہ زیر علاج ہیں موصول ہوجانا بھی اہمیت کا حامل ہے۔جی ہاں وہ ملالہ جس پر چند روز قبل سوات میں طالبان نے قاتلانہ حملہ کیا۔ اس حملے کے بعد اسے تشویشناک حالت میں لندن منتقل کرکے مبینہ طور پر دماغ کا آپریشن کیا گیا لیکن پورے سر پر گولی یا زخم کا نشان نظر نہیں آتا۔ وہ ہی ملالہ جو اپنی قوم کی بچیوں کی تعلیم کے لیئے جدوجہد کررہی تھی لیکن اب وہ وطن واپس نہیں آئے گی اس کے والد کو لندن سفارتخانے میں ملازمت مل جائے گی۔ مجھے ڈر ہے کہ آنے والے دنوں میں کوئی نذر صحافی بھی اس سہولت سے فائدہ اٹھا کر پاکستان کو خیر باد نہ کہہ دے۔؟

حامد میر کو کسی نے مارنے یا ڈرانے کی کوشش کی ہے تو اس کیا وجوہات ہو سکتی ہیں؟ صرف خوف پھیلانا یا پھر حکومت کو پیغام دینا کہ وہ اسلام آباد میں ان کے چہیتے لوگوں کے قریب ہیں؟ لیکن اس سے زیادہ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس واقعہ کی سچائی کس حد تک ہے؟ سوال یہ بھی ہے کہ حامد میر کے ڈرائیور کی غفلت کتنی ہے اور خود حامد میر نے کس حد تک اچھے شہری ہونے کی ذمہ داری ادا کی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ حکومتی اداروں کی غفلت سے زیادہ خود حامد میر یا ان کا ڈرائیور کسی حد تک غفلت و لاپرواہی کا مرتکب ہوا ہو کہ کوئی نامعلوم ان کی گاڑی کے قریب آیا اور بم لگا کر اطمینان سے چلا گیا۔ اور کیا کسی نے بھی نامعلوم کو اسلام آباد جیسے حساس علاقے میں کار کے نیچے کارروائی کرتے ہوئے نہیں دیکھا؟۔

یہ وہ اہم سوالات ہیں جو حامد میر ہی نہیں بلکہ پوری قوم کے تحفظ سے متعلق ہیں۔ اس کے جوابات کسی اور کو نہیں وفاقی وزیر داخلہ، پولیس اور سیکیورٹی سے متعلق اداروں کے افسران کو دینا چاہئے۔ ان ہی پر یہ ذمہ دار عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی تنخواہ و مراعات کے عوض اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ وہ ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں غفلت و لاپرواہی کے مرتکب ہوتے ہیں تو ان کے خلاف بھی قانون کے تحت کارروائی کی جانی چاہئے۔ جب تک ان لوگوں کا احتساب نہیں کیا جائے گا اس وقت تک صحافیوں سمیت کسی کو بھی تحفظ نہیں مل سکتا۔ صرف تحفظ

کی یقین دہانیاں مل سکتی ہیں۔ جیسے اے آر ملک نے حامد میر کو دی ہیں۔

یہ مافیا کی جنگ ہے

سپریم کورٹ کے حکم پر گذشتہ 25 اکتوبر کو سی این جی کی قیمتیں کم کی گئیں تو قوم خوشی سے جھوم اٹھی لوگوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہمارے ملک میں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک دو روپے نہیں بلکہ سی این جی کی قیمتوں میں پورے 30 روپے کی کمی ہو جائے گی ۔اس خوشخبری پر میں نے" عوام کی فتح "کے عنوان سے ان ہی صفحات پر کالم لکھا تھا۔اس کالم میں چیف جسٹس سپریم کورٹ چوہدری افتخار کے اقدامات کی تعریف بھی کی گئ تھی۔ لوگ بھی اس اقدام پر چیف جسٹس کی تعریف کیئے بغیر نہیں رہ پا رہے تھے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ لوگوں کی یہ خوشی تادیر نہ رہ سکی ۔خدشات کے مطابق سی این جی مافیا فاتح عوام سے جنگ کرنے لگی ۔ حکومت جس سے توقع تھی کہ وہ سپریم کورٹ کا فیصلہ تسلیم نہ کرنے والے سی این جی اسٹیشنوں کے خلاف عدالتی حکم کے مطابق سخت کارروائی کرے گی ، تماشائی بنی بیٹھی ہے۔ کراچی سمیت ملک بھر میں سی این جی مافیا سستی سی این جی فروخت کرنے سے معذرت کرکے اسٹیشنوں کو گذشتہ ہفتے سے بند کیا ہوا ہے۔ مگر حکومت ایسی گم سم ہے جیسے اس معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ سی این جی اسٹیشنوں اور صارفین کا مسلہ ہے وہ تو بس ایک تماشائی ہے۔ یقین کریں بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت اس صورتحال سے لطف اندوز

ہو رہی ہے اور اس سارے معاملے کی ذمہ داری عدلیہ پر ڈالنا چاہتی ہے۔ مجھے تو سیاسی جماعتوں کے کردار پر بھی شدید دکھ ہے کہ وہ اس معاملے میں ابھی تک اپنا جمہوری کردار ادا کرنے کے بجائے گونگے بہرے افراد کے گروہ کی طرح صرف آنکھیں پھاڑے معاملات کو سمجھنے کی کوشش کررہی ہے۔ اسے پتا ہی نہیں کہ سی این جی اسٹیشن کیوں بند ہیں۔ حالانکہ اگر سیاسی جماعتیں صارفین کا ساتھ دیں تو صارفین از خود اپنا قانونی حق استعمال کر سکتے ہیں۔

سی این جی مافیا کی ہٹ دھرمی، حکومت کی بے حسی اور سیاسی جماعتوں کی پر اسرار خاموشی سے اس شبہے کو تقویت ملتی ہے کہ یہ صارفین کے خلاف منظم سازش ہے۔ اس میں تنہا سی این جی اسٹیشنوں کے مالکان ہی نہیں بلکہ مذکورہ تمام قوتیں ملوث ہیں۔ یہ سب ملکر اپنے مفاد کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ وہ جنگ جس میں چند روز قبل عوام کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس عوام کو جو مافیا کے ہاتھوں نہ صرف لوٹ مار کا شکار رہے بلکہ یرغمال بھی بنی ہوئی ہے۔ سپریم کورٹ کی جانب سے سی این جی کی قیمتوں پر بے جا منافع لینے کا نوٹس لینااور قیمتوں کو کرنا عوام کی فتح اور منافع خوروں و مافیا کی شکست تھی۔

اگر غور کیا جائے تو پتا چلے گا کہ قوم مختلف مافیار کے چنگل میں اب سے نہیں بلکہ 66 سالوں سے پھنسی ہوئی ہے، یہ مافیا اس قدر منظم ہے کہ وہ اپنے

خلاف ہر قانونی ایکشن کو غیر موثر کر سکتی ہے اور ہر ناجائز بات کو اپنے حق میں منوا سکتی ہے۔ اسے کوئی بھی ناکام نہیں بنا سکتا یہ مافیا ایک ایسو سی ایشن کے روپ میں کام کرتی ہے اس ایسو سی ایشن میں ہر شعبے سے نمائندگی موجود ہے۔

اس مافیا کو ملک کی تاریخ میں پہلی بار اگر کسی سے خوف آیا ہے تو وہ موجودہ عدلیہ ہے۔ اس مافیا کو اندازہ ہوگیا ہے کہ اگر یہ عدالتی نظام رہا تو ان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا ان کی دکانیں بند ہو جائے گی۔ اس لیئے یہ مافیا تجرباتی طور پر سی این جی اسٹیشنوں کو بند رکھ کر اور انہیں کھولنے کے لیئے کردار ادا نہ کر کے عدلیہ کو اس کے اہداف سے ہٹانے کے منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ اسے ڈر ہے کہ اسی طرح عدالتوں کے فیصلے آتے رہے تو پھر سب کچھ ختم ہو جائے گا، دہری شہریت کے فیصلے پر بھی عمل درامد ہوگا، ناجائز ٹیکسیز بھی ختم کرنا پڑیں گے اور جھوٹ مکاری کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اس طرح منافع "آٹا میں نمک کم کے برابر" ہو جائے گا، جس سے انہیں وہ فوئد حاصل نہیں ہونگے جو اب حاصل ہو رہے ہیں۔ انہیں ڈر ہے کہ اگر ایسا ہوا تو مافیا کی ایسو سی ایشن ٹوٹ جائے گی۔

لیکن مجھے اللہ سے اور آنے والے حالات سے پوری توقع ہے کہ مافیاز کا دور ختم

ہونے کو ہے اور عوامی قانونی دور شروع ہونے والا ہے۔ کیونکہ بے ایمانی، شرپسندی اور منافع خوری کا دور ختم ہونے کے لیئے ہی ہوتا ہے اور اب یہ ختم ہونے والا ہے۔

سیاسی جماعتوں کے اہداف؟

میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ بعض بلکہ سیاست دانوں کی اکثریت ملک اور قوم کو کہاں لے جانا چاہتی ہے؟ ان کے اصل اہداف کیا ہیں؟ جھوٹی اور منافقانہ باتوں سے وہ آنے والی نسلوں کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟ کسی ایک پارٹی کی بات کی جائے تو فوراً یہ مؤقف اختیار کیا جاتا ہے کہ ساری جماعتیں ہی ایسی ہی ہیں۔ کسی ایک سمت کو درست کرنے کی کوشش کسی جانب سے ہو تو کہا جاتا ہے کہ نہیں ساری سمتیں ایک ساتھ درست کی جائیں۔ غیر قانونی اسلحہ کے خلاف لمبی لمبی تقاریر کرنے والے اسلحہ کی برآمدگی کے فیصلے کو یہ کہہ کر مسترد کردیتے ہیں کہ پورے ملک میں غیر قانونی اسلحہ کے خلاف کارروائی کی جائے۔ نئی حلقہ بندیوں کی بات کی جائے تو کہا گیا ہے کہ پورے ملک میں نئی حلقہ بندیاں کی جائیں۔ ناجانے ایسی سیاسی جماعتیں اس طرح کے بے تکے مؤقف کے ساتھ کب تک سیاست کرتی رہیں گی؟

یہ سیاست دان سیاست کو عبادت سے بھی جوڑ دیتے ہیں اور سیاست میں سب جائز ہے کی بانسری بھی بجاتے ہیں۔ یہ لوگ تو ان معصوم بچوں سے بھی کہیں زیادہ " بچے " ہیں جو جھوٹی بات کہنے کے انجام سے ڈر کر خاموش ہوجایا کرتے ہیں اور اس جاہل سے بھی بڑے جاہل ہیں جو جھوٹ بولنے کے بعد مزید اسی پر اڑ جاتے ہیں۔

کراچی میں بدامنی کیس کی سماعت کے دوران سپریم کورٹ کے سامنے یہ بات آئی ہے کہ کراچی میں ایک ایسا بھی 120 مربع گز کا مکان ہے جس میں 620 ووٹرز ہیں۔ عدالت نے یہ انکشاف سنکر ریمارکس دیئے کہ " کیا یہ جن کا گھر ہے"؟اسی طرح کے شواہد کی بنیاد پر عدالت نے پورے کراچی میں نئے حلقہ بندیوں اور گھر گھر جاکر ووٹرز کی تصدیق کرنے کا حکم دیا تو اس کی مخالفت کردی گئی اور کہا گیا ہے کہ پورے ملک میں نئی حلقہ بندیاں کرائی جائے۔ عدالت پر مبینہ طور پر یہ بھی الزام لگایا گیا کہ یہ اقدام جمہوریت کے خلاف ہے۔ عدالت کے حکم پر الیکشن کمیشن نے اس بارے میں تمام سیاسی جماعتوں سے مشاورت کی ،سب نے عدالت کے حکم کی تائید کی اس طرح جمہوریت کے تقاضے بھی پورے کرلیئے گئے۔لیکن اس کے باوجود بھی اس فیصلے پر کسی پارٹی کو اعتراض ہو تو کیا کہا جائے؟

میری سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ اپنے آپ کو پورے ملک کی جماعت کہنے والی ایم کیوایم صرف کراچی کی نئی حلقہ بندیوں پر کیوں معترض ہے؟کیا پورے ملک میں موجود اس کے ووٹرز کی اسے کوئی فکر نہیں ہے یاپھر کراچی کے ووٹرز سے وہ زیادہ دلچسپی رکھتی ؟متحدہ عدالت کے نئی حلقہ بندیوں کے فیصلے سے کس حد تک پریشان اور بے چین ہے اس کا اندازہ اتوار ۲ دسمبر کو الطاف حسین کے سخت لہجے میں کی جانے والی دھواں دھار تقریر سے کیا جاسکتا ہے۔ الطاف حسین کی

تقریر کا ہر جملہ عدلیہ پر تنقید سے بھرپور تھا انہوں نے نام لیئے بغیر عدلیہ پر یہ بھی الزام لگانے کی کوشش کی کہ وہ متعصب فیصلے سنا رہی ہے۔ الطاف حسین کے لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ عدلیہ کے اقدامات سے بہت عرصے سے دل میں بہت کچھ دبائے ہوئے تھے۔ الطاف حسین نے لگے ہاتھوں سندھی، مہاجر، مہاجر پٹھان، اور دیگر جھگڑوں کا ذکر کرتے ہوئے اسے سازش قرار دیدیا۔ مگر اس بات کا وہ جواب نہیں دے پائیں گے کہ آخر ان سب واقعات میں متحدہ کیوں فریق بنی رہتی ہے؟ متحدہ کی تشویش اور الطاف حسین کی تقریر کے نتیجے میں اس بات کے خدشات واضع ہوگئے تھے کہ کراچی میں امن وامان کی صورتحال مزید خراب ہو جائے گی۔ ان خدشات کے عین مطابق پیر دسمبر کی صبح ابوالحسن اصفہانی روڈ پر مولانا محمد اسمٰعیل نامعلوم افراد کی فائرنگ سے ۳ شہید ہوگئے۔ جس کے بعد شہر کی صورتحال کشیدہ ہوگئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس خونی کارروائی میں کون دہشت گرد ملوث ہیں لیکن میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ متحدہ، اے این پی اور پیپلز پارٹی کی اتحادی حکومت آئندہ بھی ایسے خطرناک واقعات کو روکنے میں نہ صرف ناکام ہو جائے گی بلکہ روکنے کی کوشش بھی نہیں کرے گی۔ کراچی میں حالات خراب ہوتے ہیں تو پورے ملک پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ انتخابات کے قریب حالات خراب ہونے سے ملک کے سیاسی حالات بھی متاثر ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ امن وامان کی خراب صورتحال کا بہانہ بنا کر الیکشن بھی ملتوی کر دیئے جائیں اگر ایسا ہوا تو پورا جمہوری نظام ہی متاثر ہو سکتا

ہے۔

اس موقف کی ہر کوئی حمایت کرے گا کہ پورے پاکستان میں نئی حلقہ بندیوں اور ووٹرز کی تصدیق کا کام ہونا چاہیۓ۔ لیکن کیا ہی اچھا ہو کہ یہ کام منی پاکستان کہلانے والے کراچی سے شروع کرادیا جائے؟ ہر معاملے میں کراچی کو اہمیت دی جانی چاہیۓ۔نہ کہ صرف کسی ایک پارٹی کے مطالبات پر ،اس کی خواہشات پر ہی عمل درآمد کیا جائے؟۔ ووٹرز کی تصدیق اور نئی حلقہ بندیوں پر اگرچہ متحدہ کے سوا کسی اور سیاسی جماعت کو ئی اعتراض نہیں ہے بلکہ تمام نے ہی سپریم کورٹ کے فیصلے کی تائید کی ہے جبکہ حکومتی جماعت پیپلز پارٹی نے سپریم کورٹ کے فیصلے کی تائید کی اور کہا کہ صرف کراچی ہی نہیں بلکہ پورے سندھ میں غیر منصفانہ حلقہ بندیاں نہیں ہونی چاہیۓ۔ بعض سیاسی جماعتوں نے انتخابات کے دوران پولنگ اسٹیشنوں کے اندر فوج کی موجودگی کا بھی مطالبہ کیااور یہ مؤقف بھی اختیار کیا کہ فوج کی موجودگی میں ہی الیکشن شفاف اور منصفانہ ہوپائیں گے۔

متحدہ یاایم کیوایم کا ووٹرز لسٹ کی گھر گھر جا کر تصدیق اور نئی حلقہ بندیوں کے فیصلے کی مخالفت نے اسے سیاست کے میدان میں تنہا کردیا ہے۔

باالکل اسی طرح جیسے غیر قانونی اسلحہ کی برآمدگی کے لیئے آپریشن کے مطالبے پر ایم کیو ایم تنہا ہو گئی تھی ۔حالانکہ وہ ملک بڑی منظم جماعت ہونے کی دعویدار ہے۔لگتا یہ ہے کہ وہ اپنے دعوے کے برعکس صرف کراچی کی جماعت ہے؟۔

اس میں شک نہیں کہ ایم کیوایم پڑھے لکھے نمائندوں کی جماعت ہے اور اس بات میں بھی کوئی دو رائے نہیں ہے کہ یہ ایک منظم جماعت ہے لیکن اس بات سے بھی کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ متحدہ خود اپنے کارکنوں ، چہیتوں اور حمایتیوں کو بھی تحفظ فراہم نہیں کرپارہی۔ جو سیاسی جماعت اپنے کارکنوں کی حفاظت میں ناکام ہوجائے وہ اپنے لاکھوں ووٹرز کو کیسے تحفظ فراہم کرسکتی ہے ؟ملک کی تاریخ میں سب سے زیادہ ایم کیو ایم کے موجودہ یا سابقہ کارکن نامعلوم قاتلوں کانشانہ بنے ۔پر سرار طور پر غائب ہوجانے والوں کی تعداد الگ ہے۔ایم کیوایم ملک کی وہ واحد جماعت ہے جسے اس کے ہزاروں ہمدردوں اور ساتھیوں نے اپنی جانیں تک دیں لیکن دیگر ساتھیوں ، ہمدردوں اور حمایتوں کو بدلے میں سکون تک نہیں ملا۔

ایسا محسوس ہوتاہے کہ ایم کیوایم اندر سے کمزور تر ہوتی جارہی ہے ،کارکنوں میں انجانا خوف اور بے چینی نمایاں طور پر ہے۔اپنے وجود سے آج تک ایم کیوایم نے اپنے کارکنوں ، اپنے لوگوں ، اور خود اپنے لیئے کیا کچھ حاصل

کیا یا اپنی سیاست کے ذریعے کراچی کے لوگوں کو کیا دیا ؟۔ اس کی وضاحت تو اس کے لیڈر ہی کر سکتے ہیں۔

لوگ ایم کیو ایم یا اس کے لیڈروں سے کتنی محبت کرتے ہیں یہ بات صرف منصفانہ ، شفاف اور بلا خوف وخطر ہونے والے انتخابات کے نتائج سے معلوم ہو گی۔ لیکن انتخابی فہرستوں کی چھان بین اور انتخابی حلقوں کی نئی حد بندیوں کے خبروں سے ایم کیو ایم کو ہونے والی تشویش سے اس بات کا خدشہ ہے کہ ایم

کیو ایم عین وقت پر ان انتخابات کا بائیکاٹ کردے گی۔ ایم کیو ایم اگر انتخابات کا بائیکاٹ کرتی ہے تو اسے یہ کہنے کا موقعہ مل جائے گا کہ انتخابات میں کراچی اور حیدرآباد کی نمائندہ سیاسی جماعت نے حصہ نہیں لیا تھا اس لیئے اسکی نمائندگی کے بغیر ہونے والے انتخابات کے نتائج کو ایم کیو ایم تسلیم نہیں کرتی۔

یہ موجودہ حکومت اور الیکشن کمیشن کی ذمہ داری ہے کہ عام انتخابات کے لیئے ایسا ماحول پیدا کیا جائے جو ایم کیو ایم سمیت تمام سیاسی جماعتوں کے لیئے قابلِ قبول ہو۔ چاہے اس کے لیئے فوج کی نگرانی میں ہی الیکشن کرانا پڑیں۔

دوستوں کے دوست کا انتظار ہے

صوبائی وزیر جیل خانہ جات منظور وسان نے گذشتہ چند روز قبل اعلان کیا تھا کہ قیدیوں کو صبح میں ناشتے میں انڈا دیا جائے گا۔اس اعلان کے بعد کیا ہوا یہ معلوم کرنے کے لیئے یہ لئے سنٹرل جیل کراچی کا دورہ کیا۔ چند قیدیوں سے ملاقات کی اور ان سے ناشتے کے حوالے سے دریافت کیا تو ایک نوجوان قیدی نے مجھے طنزاً مسکراتے ہوئے اس انداز سے دیکھا اور سوال کرنے لگا کہ کیا آپ خوابوں پر یقین کرتے ہیں؟ ابھی میں کوئی جواب دینے کے لیئے لب کشائی کرتا کہ اس نے ایک اور سوال کر ڈالا" آپ کسی یورپی ملک سے آئے ہیں"؟نہیں بھئی میں تو آپ ہی کے شہر کا باشندہ ہوں ۔صحافت کرتا ہوں۔ اس نے لمبی اور ٹھنڈی سانس لی پھر چپ ہوگیا۔بھائی میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ ناشتے میں انڈے ملنے لگے ہیں ، کچھ بہتری آئی ہے؟۔اس سوال پر وہ کھل کھلا کر ہنسنے لگا اور ہنستے ہوئے اپنے دیگر ساتھی قیدیوں کو آواز دیکر بلانے لگا بھائی ان کو بتاؤ انڈے کا فنڈا۔۔۔۔۔۔دیکھتے ہی دیکھتے میرے آس پاس پانچ چھ نوجوان جمع ہوگئے ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ جو وزیر صاحب ہیں نہ ان کا تعلق خوابوں کی دنیا سے ہے۔ وہ ہمیں بھی ایک خوشگوار

خواب سنا کر چلے گئے تھے ۔ ہم سب لوگوں نے تو اس بات کو ایک لطیفہ سمجھ کر سنا اور بھول گئے ۔لیکن حیرت ہوتی ہے آپ صحافیوں پر جنھوں نے منظور وسان کے اعلان کو حقیقی جانا اب روزانہ ہی کوئی نہ کوئی صحافی یہاں انڈے کی تلاش میں ایسا آتا ہے جیسے انہوں نے کبھی انڈا دیکھا ہی نہیں ہو۔ایک دوسرے دبلے پتلے قیدی نے اپنے دوست کی بات کاٹتے ہوئے کہا کہ بھائی آپ یقین کریں کہ یہاں صرف ڈنڈے ملتے ہیں لیکن اس کی وجہ آج تک ہم کو سمجھ نہیں آئی کہ یہ ڈنڈے کس خوشی میں ہمیں کھانے پڑتے ہیں؟میں نے اس نوجوان کی بات سنکر اس سے دریافت کیا کہ آپ لوگوں نے جیل حکام سے دریافت نہیں کیا کہ صوبائی وزیر کے اعلان کے مطابق انڈے کب ملیں گے ؟ اس نے کہا بھائی ان سے پوچھنے کیا کیا ضرورت وہ تو پوری مرغی کھانے میں مصروف رہتے ہیں۔جس دن وزیر موصوف نے جیل کا دورہ کیا تھا اسی روز جیل وارڈن سے یہ کہتے ہوئے سنا گیا تھا کہ " آج انڈے دینے والی مرغی آئی ہے" ۔ یہ سنکر ہم سب بھی خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ وزیر کا وہ خواب نہیں تھا حقیقی اعلان تھا لیکن دوسرے دن پتا چلا کہ کسی بڑے گھر کا جوان گرفتار ہو کر جیل پہنچا ہے ۔ یہ لوگ امیر گھروں کے لوگوں کو انڈے دینے والی مرغی کہا کرتے ہیں۔ویسے تو ایک جیلر نے ہمیں بتایا کہ ملک کی ایک اہم ترین سیاسی شخصیت جو چند سال قبل تک جیل میں مقید رہ کر " طویل سیاسی قیدی "کا اعزاز بھی حاصل کر چکی ہے کا "دور جیل " جیل کے عملے کے لیئے سنہرا دور تھا۔ وہ کہہ رہا تھا آپ یقین کریں کہ ہم سب کو ان سے اس

قدر محبت ہو گئی تھی کہ سب یہ ہی دعا کرتے تھے کہ اللہ کرے یہ ہمیشہ اندر ہی رہیں لیکن کیا کیا جائے کہ وہ جلد ہی جیل سے ہی نہیں بلکہ ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ وہ تو. بھلا کرے بے نظیر بھٹو مرحومہ کا جنہوں نے مرتے وقت بھی اس انسان پر احسان کیا، اپنی جان کیا دی سب کچھ اس کے حوالے کردیا جن کا میں ذکر کررہا ہوں۔ سائیں وہ بھی بڑا آدمی ہے ہم چھوٹوں کی عزت کیا کرتا تھا بس اس کا جیل سے جانا تھا کہ ہم یتیم ہو گئے۔ بے چارہ غریب وارڈن یہ کہتے کہتے رو پڑا۔۔۔۔۔ میں نے اسے تسلی دی صبر کرو دوبارہ ان کے دن آ سکتے ہیں بلکہ وہ خود ہی آ سکتے ہیں یہاں۔ یہ سن کر وہ خوشی سے جھوم اٹھا اور کہنے لگا کہ سچ بتائیں ! ہمیں تو کئی دنوں سے لوگ یہ خوشخبری سنا رہے ہیں لیکن یہ دن بھی نہیں آ رہے اور یقین بھی نہیں آ رہا۔ آپ کو پتا ہے، اس نے مجھ سے سوالیہ انداز میں کہا اور پھر کہتے گیا۔ ان کے دور میں بڑی عیاشی تھی، جیل کے عملے کو ان کی طرف سے ہی اتنا کچھ مل جاتا تھا کہ کسی اور قیدی سے کچھ مانگنے یا ملاقاتیوں سے رشوت لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔

میں نے پوچھا کہ اس دور میں عام قیدیوں کے حالات کیسے تھے ؟ کہا عام تو ہر دور میں جام رہتا ہے بھائی ہاں البتہ ان کی پارٹی سے تعلق رکھنے والوں کے اور انکے دوستوں کے حالات بہت اچھے تھے۔ اس نے کہا آپ یقین کریں کہ جیلر صاحب تو صبح شام ان کا خیال ایسا رکھتے تھے جیسے کہ وہ ان کے بہنوئی ہوں۔

میں نے کہا تو انڈا کبھی بھی قیدیوں کو نہیں ملا؟ اس نے کہا آپ بھی سائیں اب تک انڈے کے چکر میں ہو! چھوڑو اب یہ بتاؤ کیا واقعی وہ دوبارہ "اندر" آجائیں گے؟ سائیں مگر بی بی کی شہادت کے کے بعد وہ اب تبدیل ہوگئے ہونگے یا اب بھی "دوستوں کے دوست" ہیں۔ پتہ نہیں کہ تبدلی ہوئے ہیں یا نہین لکین یہ مجھے معلوم ہے کہ اب بھی وہ دوستوں کے دوست ہیں، ان کے روز وشب سے تو ایسا ہی کچھ لگتا ہے۔ بس دعا کرنا کہ وہ باہر نہ جانے پائیں، میں نے کہا۔

ویسے یہ جو خواب دیکھنے والا وزیر ہے نا یہ بھی میرے علاقے کا ہے اور اس بڑی شخصیت کی طرح دوستوں کا دوست ہے، اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ یہ بھی اپنے لوگوں کے لیئے جو کچھ کرسکتا ہے کر رہا ہے سنا ہے کہ قیدیوں کے کھانے کا ٹھیکہ اس نے اپنے ایک دوست کو دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے کہا پھر کیا ہوگا؟ کچھ نہیں سائیں، اپنا کام تو کوٹہ پر چل رہا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کیسے، بولا سائیں ہم وزیر کے علاقے کا ہے، ہمارے وزیر اپنے گوٹھ کے کتوں کا بھی بہت خیال رکھتے ہیں۔ یہ کراچی کے سیاست دانوں کی طرح نہیں ہیں کہ جو اپنوں کا خیال کرنے کے بجائے ملک کو ہی چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس کا یہ جملہ سنکر میں وہاں سے چل پڑا اور سوچنے لگا کہ ہمارے ملک میں "بڑے سیاست" دان اپنوں کے لیئے فائدہ مند ہی ہوتے ہیں چاہے جیل میں ہوں یا اقتدار میں، ان

کا ہر جگہ انتظار کیا جاتا ہے۔ جبکہ ہمارے ملک کے 98 فیصد غریب لوگوں کو ہر جگہ ہی انڈے کا انتظار رہتا ہے چاہے گھر میں ہوں یا جیل میں، ان کا کوئی سیاست دان بھی دوست نہیں ہوتا اگر کوئی ہوتا ہے تو سیاست میں آنے کے بعد ان کی پہنچ میں نہیں ہوتا۔

خوش فہمی ـــــــــ لیکن؟

ایسا لگتا ہے یا خوش فہمی ہے کہ کراچی میں گذشتہ تین دہائی سے جاری قتل و غارت گری کے تسلسل کے خاتمہ کا وقت قریب ہے۔شائد مکافاتِ عمل کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔ وہ ظلم جس کے حوالے سے متحدہ کے قائد الطاف حسین چیخ چیخ کر دوہائی کرتے تھے اور ظالموں کو مخاطب کر کے کہا کرتے تھے کہ یاد رکھو" ظلم جب بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے"کے مٹنے کا وقت آن پہنچا ہے۔

لندن میں متحدہ کے انٹر نیشنل سیکریٹریٹ پر اسکاٹ لینڈ یارڈ نے چند روز قبل چھاپہ مارا تو دوسری طرف کراچی میں رینجرز اچانک مختلف علاقوں کا محاصرہ کر کے چھاپہ مار کارروائیاں کر رہی ہے۔ ان کارروائیوں کے نتیجے میں ہر علاقے سے" ایک سیاسی جماعت "کے کارکنوں اور عہدیداروں کی گرفتاری اور ان کے قبضے سے خطرناک اسلحہ برآمد ہونے کی خبریں میڈیا پر آرہی ہے۔یہ سیاسی جماعت کون سی ہے اس کا نام لیتے ہوئے میڈیا کیوں خوفزدہ ہے یا خوف کی وجہ سے اس کا نام لیتے ہوئے احتیاط کر رہا ہے؟اس کی وضاحت آنے والے دنوں میں ہو جائے گی۔

خدشات کے عین مطابق چھاپہ مار کارروائیوں کے ساتھ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کا

نیا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی بھتہ وصولی سے جڑے ہوئے واقعات بھی ہونے لگے ہیں۔ رینجرز کی کارروائیوں میں شدت آنے کے ساتھ مزید خدشات موجود ہیں کہ قتل یا نشانہ وار ہلاکتوں میں بھی اضافہ ہوگا۔ جبکہ بھتہ طلبی کی شکایات بھی بڑھ جائیں گی۔ عام خیال یہ ہی ہے کہ یہ سب ردِ عمل کے طور پر ہوگا؟۔ دہشت گرد جو بھی ہوں وہ اپنی طاقت کا اظہار کرنے کا کوئی موقعہ ضائع نہیں ہونے دینا چاہتے۔ انہیں کسی کے مرنے یا پریشان ہونے سے کوئی غرض نہیں ہے۔ وہ صرف اپنی پالیسی کے مطابق ری ایکشن کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے بلکہ انہیں یقین ہے کہ طاقت کا جواب طاقت سے دینے کے نتیجے میں ہی ان کی بقاء ہے۔ قانونی اور غیر قانونی اقدامات اِن کا ایشو نہیں ہے۔ یہ یقین انہیں کیوں ہے؟ یہ ایک لمبی بات ہے لیکن مختصر الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا تحفظ کرنے والے " بہت طاقت ور ہیں "۔ تحفظ کی یہ سہولیات ڈومیسٹک اور انٹر نیشنل دونوں سطح پر بیک وقت انہیں حاصل ہیں۔ مقامی طور پر تحفظ کرنے والے اسمبلیوں میں موجود ہیں اور بین الاقوامی طور بات پہنچے تو سپر پاور امریکہ بھی ان کا پشت پناہ نظر آتا ہے۔ ان لوگوں کو اس بات پر پختہ یقین ہے کہ کچھ بھی کر لو ان کا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، جیل ہو گئی تو پیرول پر رہائی تک کی سہولت ملنے کا انہیں یقین ہے۔ ان کا بھرم ہے کہ ان کا لیڈر، لیڈروں کا باپ ہے، وہ نہ جھکتا ہے نہ ڈرتا ہے اور نہ ہی بکتا ہے۔ ملکی ہی نہیں بلکہ غیر ملکی اہم شخصیات بھی اس کے در پر حاضری دینے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ جسکی وجہ

طاقت ہے اور اس طاقت نے انہیں ہر درد کے علاج تک رسائی دی ہے۔ سوال یہ ہے کہ غیر قانونی، غیر انسانی اور غیر اسلامی کاموں کی سہولت ایسے لوگوں کو کب تک حاصل رہے گی؟۔ شیطانی صفت رکھنے اور کام کرنے والا فرعون تھا، اس کا بھی وقت آیا اور قصہ تمام ہوا۔ رہی آخرت وہ تو تباہ و برباد ہو کر رہے گی۔ یہ ایمان ہے ہر اس شخص کا جو ایک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو تسلیم کرتا ہے۔

لیکن شائد ایسے لوگوں کو آخرت کی بالکل فکر نہیں ہے جو انسانوں کی جان و مال سے کھیل رہے ہیں، جو جھوٹ سچ کی طرح بولتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں قیامت پر اور موت کے بعد کی زندگی پر یقین بھی نہ ہو؟۔ دنیا میں کسی انسان کو اپنا آقا ماننے والوں کو بھلا اللہ اور اس کے نظام پر کیا یقین ہوگا؟

چلیں چھوڑیں بات کرتے ہیں لندن میں ایم کیو ایم کے دفتر پر اسکاٹ لینڈ یارڈ کی کارروائی کی۔

ڈاکٹر عمران فاروق کے قتل کی تحقیقات کے لیئے ایم کیو ایم کے انٹر نیشنل سیکریٹریٹ پر پولیس نے چھاپہ مارا تو سب حیران اور پریشان ہو گئے جبکہ مخالفین کی باچھیں کھل گئیں۔ بہر حال میڈیا ایسی خبر کو کس طرح چھپا سکتا تھا۔

خبر یہ نہیں ہوتی کہ کتے نے کسی انسان کو کاٹ لیا بلکہ صحافتی اصول کے تحت خبر یہ ہے کہ کوئی انسان کتے کو کاٹ لے۔ ویسے میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ایم کیوایم کے دفتر پر چھاپے کی خبر پر اتنا حیران اور پریشان ہونے یا اسے چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟ایم کیوایم بھی تو انسانوں کی پارٹی ہے اور غلطیاں یا غیر قانونی کام اللہ کی زمین پر انسان ہی کرتے ہیں۔ جانوروں میں ایسے کام کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اگر وہ قانونی اور غیر قانونی کی تمیز رکھتے تو وہ جانور نہیں کہلاتے۔ اسکاٹ لینڈیارڈ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے اور ایم کیوایم سے بھی لیکن ایم کیوایم کے دفتر پر چھاپے کی خبر کو اس طرح چھپایا گیا جیسے کسی مقدس یا انوکھی جگہ پر چھاپہ کی خبر ہو۔ پاکستان کے الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا کی اکثریت نے اس خبر کو اس قدر احتیاط سے نشر کیا یا چھاپہ جیسے اس کو خبر بنانا کسی مقدس ہستی یا جگہ کی توہین کا احتمال ہو۔ اس خبر کو چھپانے اور متعلقہ افراد کی طرف سے اس کی تردید کئے جانے سے شکوک شبہات میں اضافہ ہوا۔ بعدازاں متحدہ کے قائد الطاف حسین نے خود ہی وضاحت کے طور پر سارے معاملے کی تصدیق کر دی اور کہا کہ اسکاٹ لینڈ ان کی اجازت سے ان کے دفاتر کی تلاشی لی۔ بہتر ہوتا کہ یہ ہی بات پہلے متحدہ کی طرف سے آجاتی۔؟

بہرحال بی بی سی نے صحافتی تقاضوں کا خیال کیا اور اپنی ویب سائیٹ پر یہ

خبر شائع کی۔ خبر کے مطابق متحدہ کے لندن آفس پر چھاپے کے حوالے سے ایم کیوایم کے ترجمان مصطفیٰ عزیزآبادی نے 8 دسمبر کو بی بی سی کے اس سوال پر کہ کیا لندن میں ایم کیوایم کے قائد الطاف حسین کے بزنس ایڈریس پر پولیس نے چھاپہ مارا ہے؟انہوں نے جواب دیا تھا کہ " ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔

مصطفیٰ علی نے اس حوالے سے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے مزید کہا تھا کہ " کل سے اخبار والے یہ خبر اڑاتے پھر رہے ہیں جبکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔

لیکن بی بی سی نے صحافتی اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنی خبر میں یہ بھی واضع کردیا تھا کہ اسکاٹ لینڈ یارڈ پولیس نے جمعہ کو لندن میں واقع ایم کیوایم کے دفاتر پر چھاپہ مارنے کی تصدیق کی ہے اور بتایا ہے کہ پولیس نے دو روز تک تلاشی کا کام کیا ہے۔ خبر کے مطابق یہ کارروائی ڈاکٹر عمران فاروق کے قتل کی تفتیش کے سلسلے میں کی گئی تھی۔

اس بحث میں پڑھنے اور نہ ہی اس بات کو اہمیت دینے کی ضرورت ہے کہ ایم کیوایم کے ترجمان نے اس واقعہ کی مکمل طور پر تردید کیوں کی تھی ؟۔بس ایم کیو ایم کے بیانات خصوصاً کراچی کے واقعات کے حوالے سے بیانات کو یاد کرنے کی ضرورت ہے۔

ایم کیوایم کے انٹر نیشنل سیکریٹریٹ پر لندن پولیس کی کارروائی کی خبروں کے دوران پاکستان کے وزارتِ خارجہ کے ترجمان کا بیان آیا جو کہ نہ صرف حیرت انگیز بلکہ شرمناک بھی ہے۔ حیرت انگیز اس لیئے کہ وزارت خارجہ کا بیان عموماً بین الاقوامی امور کے خارجی تعلقات کے حوالے سے سامنے آتا ہے۔ لیکن اس بار لندن پولیس کی، مقامی قتل کے سلسلے میں کی جانے والی کارروائی کے باعث آیا ہے۔ اپنے اس بیان میں ترجمان نے کہا کہ ایم کیوایم حکومت کی اہم اتحادی ہونے کے ساتھ ملک کی بڑی سیکولر جماعت بھی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ترجمان نے ایم کیوایم کی اس شناخت کو اس مرحلے پر کیوں واضع کیا جب لندن میں ڈاکٹر عمران فاروق کے قتل کی تحقیقات اہم مرحلے میں داخل ہوچکی ہے۔ ممکن ہے کہ غیر مسلم عالمی قوتوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہو کہ ایم کیوایم امریکہ کی حمایت یافتہ سیاسی جماعت ہے جیسے کہ پیپلزپارٹی کی موجودہ حکومت۔ میرے خیال میں وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے اس طرح کا بیان جاری کرکے ایم کیوایم اور اس کے قائد کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے؟۔ کیونکہ ایم کیوایم کے قائد و بانی کے بارے میں اس کے لاکھوں کا کارکن اور حمایتی یہ ہی سمجھتے ہیں کہ وہ دینِ اسلام کے داعی ہیں۔ کیونکہ الطاف حسین کا اندازِ تلاوت بھی منفرد ہوتا ہے اور وہ اکثر خطاب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ایسی صورت میں کوئی انہیں یا ان کی پارٹی کو سیکولر یا

لادین کیوں کر سمجھے گا؟یقینا وزارتِ خارجہ کا یہ بیان انہیں "بلا وجہ بدنام" کرنے کی کوشش بلکہ سازش ہے۔ لیکن نا جانے کیوں ایم کیوایم یا متحدہ نے اس بیان کی کوئی تردید یا مذمت نہیں کی ۔بس ایک یہ ہی وجہ ہے کہ ہمیں ماننا پڑ رہا ہے کہ ایم کیوایم کو لادین قرار دینا کوئی سازش نہیں ہے بلکہ سب کو خصوصا امریکہ کو یہ یاد دہانی کرانا مقصود ہے کہ ایم کیوایم ایک سیکولر جماعت ہے۔

یاد رہے کہ پرویز مشرف کے روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے دور کے خاتمے کے بعد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سیکولرزم، سوشلزم اور جمہوری لبرلزم نظریات کی سیاسی جماعتوں کی حکومت امریکہ کی آشیرباد کے باعث ہی قائم ہو سکی ۔اسی وجہ سے میاں نواز شریف اور ان کی جماعت مسلم لیگ کو اس حکومت سے دور کر دیا گیا تھا، کیونکہ امریکہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ پیپلز پارٹی کے ساتھ میاں نواز شریف کی مسلم لیگ بھی حکومت کی اتحادی ہو۔ میں یہ بات اس قدر یقین سے اس لیئے کہہ رہا ہوں کہ پاکستان میں 2008 کے انتخابات کے چند ماہ بعد ہی امریکی حکومت کے ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں ہمارے ملک کی صورتحال کے بارے میں غور کیا گیا تھا اس اجلاس میں اس وقت کی امریکن سینیٹر شیلا لی جیکسن نے بتایا تھا کہ" میری جنرل مشرف سے بات ہوئی ہے جو پیپلز پارٹی کے ساتھ کام کرنے پر تیار ہیں ، ہمیں پیپلز پارٹی کو سراہنا چاہئے لیکن میاں نواز

شریف پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے"۔

حالات و واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ حکومت کا پورا اسکرپٹ اور حکومتی کرداروں کا فیصلہ بھی امریکہ کی مرضی و منشاء کے مطابق ہوا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ تینوں اتحادیوں کے درمیان شدید قسم کے اختلافات اور تحفظات کے باوجود ایم کیوایم اے این پی اور پیپلز پارٹی کا یہ اتحاد چل رہا ہے۔ اس اتحاد کی مانیٹرنگ ایک وفاقی وزیر، کر رہے ہیں جو اپنی ذات میں "انجمن" ہیں بعض افراد یہ بھی کہتے ہیں کہ اصل میں وہ امریکہ کی ڈیوٹی کر رہے ہیں دکھاوے کے لیئے انہیں وفاقی وزیر داخلہ بنایا ہوا ہے ان کے بارے میں یہ کہنا تو مشکل ہے کہ وہ بنیاد پرست یا قدامت پسند نظریات پر یقین رکھتے ہیں تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہیں سورۃ اخلاص بھی پڑھنا نہیں آتی۔

خیر بات ہو رہی تھی ایم کیوایم کے دفتر پر لندن پولیس کی چھاپہ مار کارروائی کی۔ اس ایکشن کے نتیجے میں لوگ یہ توقع کر رہے ہیں کہ لندن سے کوئی بڑی خبر آئے گی اور اس خبر کے ساتھ ہی ملک کی سیاست میں ہلچل مچ جائے گی۔ کراچی میں سب کچھ بدل جائے گا یا تبدیلی کی ابتداء ہو جائے گی۔

متحدہ ماضی میں جماعت اسلامی کو ملک کے لیئے سیکورٹی رسک بھی قرار دیتی رہی

لیکن اب خود لندن پولیس کے لیئے مشکوک جماعت بنی ہوئی ہے۔ جبکہ وزارتِ خارجہ کے ترجمان کے بیان کے بعد وہ واضح طور پر ایک " لادین "جماعت قرار پائی ہے۔ متحدہ نے وزارتِ خارجہ کے ترجمان کے بیان پر کسی قسم کا ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔ اس لیئے یقین کرلینا چاہئے کہ متحدہ ملک کی لادین جماعت ہے۔ لیکن کیا متحدہ کے جلسوں میں شرکت کرنے والے ہزاروں افراد کو بھی یہ علم ہے کہ متحدہ لادین جماعت ہے؟ لادین کا مطلب واضح ہے کہ کسی دین کو نامانئے والا۔ کیا ان جلسوں میں نظر آنے والے متعدد نامور علماء بھی یہ بات جانتے ہیں؟ یقینا ایسا نہیں ہے۔ لیکن ایم کیوایم ہر اجتماع کے بعد یہ ہی تاثر دیتی ہے کہ تمام مذاہب کے لوگ نہ صرف اس کی پالیسی سے متفق ہیں بلکہ ان جلسوں میں شریک تمام ہی ان کے حمایتی بھی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس تاثر سے متعدد دین دار لوگوں کی ساکھ متاثر ہو رہی ہے۔ ایم کیوایم دیگر سیاسی جماعتوں کی طرح اپنے اجتماعات کی تصاویر سے دنیا بھر میں یہ ظاہر کرتی کہ لوگ اس سے انتہائی محبت کرتے ہیں اور وہ ان لوگوں کو جب چاہے اکھٹا کر سکتی ہے۔

الطاف حسین وہ شخصیت ہیں جو تین تک گنتی مکمل ہونے تک ہزاروں کے مجمے کو خاموش کروادیتے ہیں۔ وہ اور ان کی پارٹی اپنے مطالبات حکومت سے منوانے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ ان کی پارٹی اپنے قیام سے آج تک اپنے کارکنوں، شہر کے نہتے اور بے گناہ لوگوں کی جانوں کا تحفظ نہیں کرپائی

؟۔سب کو یاد ہوگا کہ ایم کیوایم کے عروج کے دور میں الطاف حسین کی شبیہ پتوں اور پتھروں پر نظر آیا کرتی تھی۔ایسا تاثر ملتا تھا جیسے وہ کوئی کرشماتی شخصیت ہیں انہیں اس دور میں ان کے چاہنے والے " پیر صاحب " کہا کرتے تھے ۔اچھا ہوتا کہ پیر صاحب آج بھی کرشمے دکھاتے اور اپنے کرشماتی علم کے ذریعے شہر کو دوبارہ امن کا گہوارہ بنا سکتے، شہریوں اور اپنے کارکنوں کا سکون واپس لوٹا دیتے ،کاش وہ بھتہ کی وصولی رکوا سکتے یا بھتہ مافیا کو گرفتار کروا سکتے ؟کاش کہ الطاف بھائی طالبان کی ان کارروائیوں کو رکوا سکتے جن کا ذکر وہ چند روز قبل تک زور شور سے کیا کرتے تھے ؟کاش وہ اپنے سینکڑوں لاپتہ کارکنوں کا جن کے بارے میں پرویز مشرف کی حکومت سے قبل تک بہت شور تھا پتا لگوا سکتے اور کاش اپنے کرشمے سے لندن پولیس کو یہ کہنے پر مجبور کر سکتے کہ ان کے قریبی ساتھی کے قتل کا ان سے اور ان کی پارٹی سے کوئی تعلق نہیں ہے؟ قتل ،قاتل یا اس کے بارے میں کسی قسم کے شواہد کا ایم کیوایم سے دور کا واسطہ نہیں ہے ۔وہ اور ان کے ساتھی تو خود اپنے عزیز رہنماڈاکٹر عمران فاروق کے قاتلوں کو تلاش کر رہے ہیں۔اس لیئے ایم کیوایم کے دفاتر اور اس کے لوگوں پر شک نہ کیا جائے۔ سپریم کورٹ نے الطاف حسین کو توہین عدالت کا نوٹس جاری کر چکی ہے ،اس کے ردِ عمل میں کراچی ، حیدرآباد میں جو کچھ ہوا وہ صرف طاقت کا اظہار تھا۔جی ہاں وہ ہی طاقت جس کا ذکر اس کالم کے آغاز میں کیا گیا ہے۔

بلدیہ کراچی کا فائر فائٹنگ ڈپارٹمنٹ

بلدیہ کے علاقے میں اس سال ستمبر میں ہونے والی آتشزدگی کے واقعہ کو صدیوں یاد رکھا جائے گا اس واقعہ میں 279 افراد جاں بحق ہوئے۔ کسی فیکٹری میں آتش زدگی کا یہ پوری دنیا میں پہلا واقعہ تھا جس میں اس قدر جانی نقصان ہوا۔ خیال تھا کہ اس سانحہ کے بعد ملک کے بڑے شہروں خصوصاً کراچی میں آئندہ اس طرح کے واقعات کی روک تھام کے لیئے خصوصی اقدامات کیئے جائیں گے۔ لیکن افسوس کہ اس قدر خوفناک آتشزدگی کے باوجود کوئی بھی خاص اقدامات نہیں کیئے جارہے۔ کراچی جو صنعتی شہر کہلاتا ہے جہاں آگ لگنے کے نتیجے میں ہر سال چار سو بلین روپے کا نقصان ہوتا ہے، حکام اسی طرح اپنے معمولات میں مشغول ہیں جیسے بلدیہ کی فیکٹری میں آگ سے پہلے تھے۔

دنیا بھر میں آتشزدگی سمیت دیگر آفات سے نمٹنے کے لیئے خصوصی ادارے قائم ہیں۔ لیکن ہمارے ملک کی یہ بدقسمتی ہے کہ یہاں پر واقعات ہونے کے بعد حکمرانوں کے کان پر جوں رینگتی ہے تاہم اس بار یہ بھی نہیں ہو رہا۔

بلدیہ عظمیٰ کراچی میں ملک کا سب سے بڑا فائر فائٹنگ کا شعبہ قائم ہے۔

سالانہ اربوں روپے کے اخراجات اور ہر سال کروڑوں روپے کی خریداری کے باوجود فائر ڈپارٹمنٹ بین الاقوامی معیار کے مطابق نہیں ہے۔ یہ ڈپارٹمنٹ کسی بھی بڑے حادثے پر فوری قابو پانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ لازمی سروس کا شعبہ بھی کے ایم سی یا ملک کے دیگر شعبوں کی طرح چل رہا ہے۔ جہاں کرپشن، افسران کی لاپرواہی اور فائر مینوں کی نصف تنخواہوں یا سیاسی بنیادوں پر ڈیوٹی سے "غیر حاضری" معمول کی بات ہے۔

بین الاقوامی میعار کے مطابق ہر فائر اسٹیشن میں کم از کم تین فائر ٹینڈرز جو کہ اسٹینڈ بائی ہو، ایک ایمبولینس، اور تمام اسٹیشن وائرلیس اور ٹیلی فون لائینز کی سہولیات ہونی چاہیئے۔

لیکن بد قسمتی سے کرپشن کے باعث، غفلت و لاپرواہی اور حکام کی عدم دلچسپی کے باعث کراچی کے بیشتر فائر اسٹیشنز وائرلیس کی ضروری سہولت اور تمام فائر اسٹیشنز ایمبولینس اور شہریوں کو ہنگامی بنیاد پر فرسٹ ایڈ فراہم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اگر چہ کے ایم سی شہر کی حدود میں نئے فائر اسٹیشن اور فائر پوسٹ کے قیام کے منصوبے پر بھی عمل کر رہی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کیٹل کالونی فائر اسٹیشن کی عمارت ہی موجود نہیں ہے یہ ایک کنٹینر میں قائم کیا گیا ہے اس کے پاس صرف ایک فائر ٹنیڈر ہے بلدیہ ٹاؤن اور ماری پور،

فائر اسٹیشن کے پاس کوئی فائر ٹینڈر نہیں ہے۔
فائر ڈپارٹمنٹ جو ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً ڈھائی ہزار افراد پر مشتمل ہے۔
اس عملے کا 40 فیصد ڈیوٹی سے غائب رہتا ہے۔ان میں سیاسی بنیادوں پر ڈیوٹی نہیں کرنے کی رعایت حاصل کرنے والے اور اوور ٹائم الاؤنس اپنے اسٹیشن افسر کو بطور رشوت ادا کرکے ڈیوٹی سے مستثنیٰ کی رعایت حاصل کرنے والے بھی شامل ہیں۔
کے ایم سی کے قابل اعتماد ذرائع سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق " سیاسی آلودگی" کا شکار کے ایم سی میں سیاسی جماعت کے کارکن ڈیوٹی ادا نہ کرنا حق سمجھتے ہیں۔جس کی وجہ صرف یہ کہ جس سیاسی جماعت کا ادارے پر غلبہ ہے اس کے خلاف کوئی بھی کچھ کہنے اور کرنے سے گریز کرتا ہے۔اس جماعت کے ہاتھوں جس طرح شہری اپنے آپ کو یرغمال سمجھتے ہیں اسی طرح کے ایم سی کے حکام بھی اپنے آپ کو اس کے سامنے بے بس محسوس کرتے ہیں۔حالانکہ ڈاکٹر فاروق ستار کے میئر رہنے کے دوران اس طرح کی صورتحال نہیں تھی اور نہ ہی عملہ اس قدر بڑی تعداد میں ڈیوٹی سے غائب رہتا تھا جتنا اب رہتا ہے۔ جبکہ عبدالستار افغانی مرحوم

کی میئرشپ میں اور نعمت اللہ خاں کے سٹی ناظم رہنے کے دوران بھی ملازمین کو اس طرح کی کوئی غیر قانونی سہولیات حاصل نہیں تھی۔کے ایم سی کے اندر موجود لوگوں کا کہنا ہے کہ فائر بریگیڈ ڈپارٹمنٹ میں ہر ایک ملازم کا وورٹائم فکس ہے۔ روزانہ چار گھنٹے ہر فائر مین، ڈرائیور، لیڈنگ فائر مین کواوورٹائم دیا جاتا ہے چاہے وہ ڈیوٹی ادا کرے یا نا کرے۔جبکہ فائر آفیسر اور اسٹیشن آفیسرز بھی روزانہ 12 گھنٹے کے حساب سے سرکار سے اوورٹائم وصول کرتے ہیں۔متعد د ایسے فائر مین اور لیڈنگ فائرمین ہیں جو اوورٹائم کی رقم اسٹشن افسر کو ادا کرکے ڈیوٹی نہ کرنے کی سہولت حاصل کرلیتے ہیں۔
فائر بریگیڈ کے ایک افسر نے بتایا کہ فائر اسٹیشنوں کے لیئے ایمبولینس اور بعض دیگر مقاصد کے لیئے 20 ہائی روف سوزوکیاں خریدی گئیں تھیں، یہ گاڑیاں سٹی ناظم مصطفیٰ کمال کے دور میں خریدی گئیں اور اسی دور میں سٹی گورنمنٹ کی سیاسی شخصیات کے حوالے کردیں گئیں تھیں لیکن سٹی حکومت کے ختم ہونے کے بعد بھی یہ فائر ڈپارٹمنٹ کو نہیں مل سکی۔کسی کو یہ بھی نہیں معلوم کے کروڑوں روپے کی یہ گاڑیاں اب کہاں ہیں؟
فائر بریگیڈ ڈپارٹمنٹ کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ اس کے ہر اسٹیشن کے فائر ٹینڈر کے لیئے ڈیزل شاہراہ فیصل پر قائم ایک ہی پمپ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

جس کی وجہ سے ہر اسٹیشن کو دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کئی میل کا فاصلہ طے کرکے ڈیزل گاڑیوں میں بھروایا جاتا ہے جس سے اضافی ڈیزل خرچ بھی ہوتا ہے۔اگر ہر اسٹیشن پر ڈیزل پہنچانے کا انتظام کیا جائے تو اضافی اخراجات سے بچا جاسکتا ہے۔

ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ گلشن اقبال فائر اسٹیشن اور چار فائر چوکیاں مختلف فلائی اوورز کے نیچے قائم کی گئیں جو بین الاقوامی اصولوں کے خلاف ہیں۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ فائر بریگیڈ میں ایک ایسا قابل افسر بھی موجود ہے جس نے امریکہ سے ہنگامی آفات سے نمٹنے کی خصوصی تربیت حاصل کی ہے یہ پورے پاکستان سے چھٹا اور سندھ سے اکلوتا امریکی تربیت کا حامل افسر ہے لیکن اسے ملیر فائر اسٹیشن میں سب فائر آفیسر کی حیثیت سے تعینات کرکے اس کی قابلیت اور صلاحیت کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔مذکورہ افسر کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اسے محدود کردیا گیاہے۔سنیارٹی کے باوجود اسے اگلے عہدے پر ترقی دینے سے بھی گریز کیا جارہا ہے جبکہ 1997اوراس کے بعد تقرر پانے والے متعدد افسران کو سیاسی بنیادوں پر ترقیاں دی جاچکی ہیں۔یہ بات امریکہ اور عالمی اداروں کے لیئے بھی فکر انگیز ہے کہ ان کے مالی تعاون سے تربیت حاصل کرنے والے افسران سے کسی قسم کا فائدہ پاکستان میں نہیں اٹھایا جارہا۔

بلدیہ عظمیٰ کے ۲۲ فائر اسٹیشن میں سے لانڈھی اور سنٹرل دو ایسے فائر اسٹیشنز ہیں جہاں پر قوائد کے خلاف گریڈ 17 کے باالترتیب دو اور تین اسٹیشن افسر تعینات ہیں حالانکہ کئی اسٹیشنز ایسے بھی ہیں جہاں سب فائر آفیسرز اسٹیشن آفیسرز کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ گریڈ 17 کے اسٹیشن آفیسرز کی ادارے میں کمی ہے۔ جبکہ جہاں ایک سے زائد ایک سے زائد اسٹیشن افسر تعینات ہیں یہ تمام سہولیات حاصل کرنے کے باوجود ڈیوٹی سے مستثنیٰ ہیں۔

ہولناک اطلاع یہ بھی ہے کہ بعض اسٹیشنوں سے غیر قانونی طور پر فائر ٹینڈرز سے ڈیزل نکال کر فروخت کیا جاتا ہے۔اس طرح ان فائر اسٹیشنز پر "پیٹرول پمپ "کی غیر اصولی اور غیر قانونی سہولت بھی دستیاب ہے۔

دو کروڑ کی آبادی اور سینکڑوں ہائی رائز بلڈنگز ہونے کے باوجود تمام کے ایم سی فائر ڈپارٹمنٹ کے پاس 49 فائر ٹینڈرزاور تین اسنار کل ہیں جن میں سے ایک اسنار کل اور 22 فائر ٹینڈرز خراب ہیں۔باقی کی حالت کیا ہے یہ معلوم کرنا متعلقہ افسران کی ذمہ داری ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ کراچی میں آبادی کے لحاظ سے دو سو فائر اسٹیشنز، چار سو فائر ٹینڈرز اور دیگر وہیکل کی ضرورت ہے۔ جبکہ دوسری طرف تربیت یافتہ قابل فائر مینز اور فائر آفیسرز کی بھی ادارے کو ضرورت ہے۔

ایڈمنسٹریٹر کے ایم سی محمد حسین سید جو اچھی شہرت کے حامل افسر ہیں، راقم سے بھی ان کے دوستانہ تعلقات ہیں، دوستی اپنی جگہ اور صحافت اپنی جگہ۔ میرے لیئے اہم بات یہ ہے کہ محمد حسین سید نامعلوم وجوہ کی بناء پر فائر بریگیڈ ڈپارٹمنٹ کو عالمی معیار کے مطابق ڈھالنے میں تاحال ناکام نظر آرہے ہیں۔ شائد یہ کام ان کے اکیلے کا نہیں بلکہ پوری حکومت کا ہے، حکومت کی توجہ کے لیئے یہ کالم حاضر ہے اب دیکھتے ہیں کہ حکومت اس پر کیا ایکشن لیتی ہے۔؟ لیتی بھی ہے یا نہیں؟ .

میں نہیں مانتا

پشاور میں خودکش حملے کے واقعہ جس میں عوامی نیشنل پارٹی کے رہنما بشیر بلور سمیت نو افراد جاں بحق ہوئے اور ملک کی دیگر سیاسی اور امن وامان کی صورتحال پر لکھنے موڈ تھا۔ میں چاہ رہا تھا کہ اسٹیبلشمنٹ کے تازہ کھیل کے بارے میں بھی لکھوں اور کنیڈین شہریت کے حامل طاہرالقادری کی جاری جمہوری نظام کے بارے میں دی گئی تازہ دھمکی کے حوالے سے بھی رقم کروں۔

لیکن میری نظروں کے سامنے سوشل میڈیا پر موجود ایک طالبہ کی تقریر کا ویڈیو لنک آگیا میں اس معصوم لڑکی کی تقریر سننے لگا تو اس کی آواز اندازِ بیاں میں کھوگیا۔ یہ بچی کون ہے میں نہیں جانتا، لیکن اس کی تقریر کا ہر جملہ مجھے جھنجوڑ رہا تھا۔ اس کی باڈی لینگویج سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ پاکستان اور پاکستانیوں کا درد محسوس کرتی ہے۔ اسے اپنے وطن اور اس کے لوگوں کے حالات سکون سے نہیں رہنے دیتے۔ اس جذباتی کیفیت نے میرے دماغ میں یہ بات ڈالی کہ یہ ہے " دخترِ پاکستان "۔

آیئے میں آپ کو اس دختر کی تقریر سے آپ کو قلم کی زبان میں آگاہ کروں۔ اس نے

بولنا کچھ اس طرح شروع کیا اور پھر بولتی گئی۔

عزت نفس کسی شخص کی محفوظ نہیں۔۔۔۔ اب تو اپنے ہی نگہبان سے ڈر لگتا ہے
ڈنکے کی چوٹ پہ ظالم کو برا کہتی ہوں۔۔۔۔ مجھے سولی سے نہ زندانوں سے ڈر لگتا ہے۔

جنابِ عالی وطن عزیز کے حکمرانوں اور عہدیداران ہاتھ میں کشکول لیئے اغیار کے سامنے ہر وقت بھیک ملنے کے منتظر رہتے ہیں، جو نہ صرف اس ملک کے تشخص کو پامال کر رہے ہیں بلکہ آنے والی نسلوں کو گداگری جیسی شرمناک لعنت سے متعارف بھی کروا رہے ہیں۔تاریخ میں ایسی کئی قوموں کے قصے رقم ہیں جن قوموں نے مصلحت کے نام پر اپنے سروں کو جھکا کر دست سوال بلند کیا اور بعد میں جن کا انجام بازار میں بکنے والے سفید جسموں کی مانند کمتر اور حقیر بن کر ابھارا۔ ایسا ہی کچھ حال وطن عزیز کا بھی ہے۔

جنابِ عالی !پاکستان پچھلے دس سالوں میں امریکہ سے اٹھارہ بلین ڈالر کی رقم وصول کرچکا ہے۔امداد پہ امداد لینے کی وجہ جب ان حکمرانوں سے پوچھی جاتی ہے تو جواب یہ ملتا ہے کہ پاکستان ایک غریب ملک ہے بھوک اور افلاس انتہا کو ہے لہذا امداد لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔تو جنابِ عالی میں نے سوچا کہ ذرا اپنے گھر سے نکل کر دیکھوں کہ امداد پر ملنے والی اس بھیک

نے میرے ملک کی عوام کے حالاتِ زندگی کہاں تک بدلے ہیں تو جنابِ عالیٰ بہت افسوس ہوا بہت افسوس ہوا کہیں میں نے بھوک سے بلکتے معصوم بچوں کی آوازیں سنیں تو کہیں میں نے وزراء کے فرنگی کتوں کو سیر ہوتے ہوئے دیکھا، کہیں پہ میں نے بازار میں بکتی ہوئی آدم کی بیٹی دیکھی تو کہیں پہ میں نے وزیرِاعظم کے تن پر لاکھوں کا لباس دیکھا، کہیں پے میں نے اولاد برائے فروخت کے نعرے سنے تو کہیں میں نے وزیرِ اعظم اور حکمرانوں کے پیچھے جاتی ہوئی دس دس مرسٹیز کو دیکھا، کہیں پہ میں عافیہ صدیقی کی ماں کو اس کے انتظار میں دل مرتے ہوئے دیکھا تو کہیں پر میں نے اس ملک کے حکمرانوں کو امریکہ کی خوشامد میں دن رات ایک ایک کرتے دیکھا۔ میں کیا کیا بتاؤں کہ میں نے کیا کیا دیکھا۔ ڈرون حملوں میں مرنے والوں کی لاشوں کو دیکھا، کئی عورتوں کے سہاگوں کو اجڑتے دیکھا، کئی نوجوانوں کو بیروزگاری کے باعث پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے ہاتھوں میں ڈگریاں لیئے جھلتے ہوئے دیکھا۔ کئی بزرگوں کو پارلیمنٹ کے سامنے پینشن نا ملنے کے باعث ہلاک ہوتے دیکھا۔ جنابِ عالیٰ ! میں نے اس ملک کے ہر شہر ہر کوچے میں کربلہ کا میدان دیکھا تو بے اختیار میری زبان پر یہ الفاظ آ گئے کہ

اصول بیچ کے مسند خریدنے والوں نگاہِ اہلِ وفا میں بہت حقیر ہو تم "
وطن کا پاس تھا نہ ہو سکے گا کبھی ، اپنے حرص کے بدلے بے ضمیر ہو تم "۔

جنابِ عالی چند روپوں کے عوض اس ملک کی عزت اور توقیر کو گروی رکھنے والے ان حکمرانوں نے ہم سے ایک غیرت مند قوم کہلانے کا حق چھین لیا ہے۔آج پاکستان اسی غلامی کی زنجیر سے بندھنے جارہا ہے جس سے آزاد کرانے کے لیئے کئی مسلمانوں نے اپنے لہو سے مقتل گاہوں کو سجایا ہے، کئی آدم کی بیٹیوں نے اپنی عصمتوں کو سرعام نیلام کروایا تھا، کئی شہیدوں نے جس گلستان کو سجانے کے لیئے اپنا لہو بہایا تھاکیا وہی یہ پاکستان ہے؟۔میں پوچھتی ہوں یہاں بیٹھے ہر شخص سے آپ سے اپنے آپ سے کیا یہ ہی ہے وہ پاکستان؟۔۔۔نہیں! دوسروں کے ٹکروں پے پلنے والا یہ پاکستان قائدِ اعظم کا پاکستان نہیں ہے۔میں، میں سلام کرتی ہوں ان تمام قربانیوں کو جو اس ملک کو بچانے کے لیئے لوگوں نے دی، مسلمانوں نے دی لیکن

"دیپ جن کے چند خواہشوں میں چلیں ،
دیپ جن کے صرف چند محلات میں جلیں
چند لوگوں کی خواہشات کو لیکر چلیں جو
کہ مصلحتوں کی خواہشوں میں پلیں
ایسے دستور کو صبحِ بے نور کو میں نہیں مانتا
میں نہیں جانتا۔۔۔
ہیں بھی خائف ہوں تختہ دار سے
میں بھی منصور ہوں کہہ دو یہ اغیار سے

کیوں ڈراتے ہو زنداں کی دیوار سے
ظلم کی رات کو جہل کی بات کو۔۔۔۔ میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا"۔

اس تقریر کو نذر کالم کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہمارے سیاست دان اور حکمران یہ جان لیں یہ سمجھ لیں کہ اب بچہ بچہ بھی چیخ رہا ہے اس نظام پر جسے مفاد پرست، بے حس اور بے شرم لوگوں نے کسی بھی طرح قبضہ کیا ہوا ہے کے خلاف آٹھ کھڑا ہونے کا وقت آگیا ہے۔ہم سب کو سارے حالات و واقعات کو سامنے رکھ کر اس پاکستان کی احیاء کرنی ہے جو قائدا عظم کی خواہشات اور دو قومی نظریات کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا۔

طاہر القادری کی مہلت

ہمارا ملک ہر نسل کے جانوروں اور پرندوں سے بھرا پڑا ہے۔ لیکن ہم سب کی خوش قسمتی ہے کہ وطن عزیز میں فنکارانہ صلاحیتوں کے حامل سیاست دانوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اس قسم کے چند سیاست دان ملک سے باہر رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کو ملک اور یہاں کے لوگوں سے محبت نہیں۔ وہ تو اس قدر ہم سب سے ایسا پیار کرتے ہیں کہ شائد وہ اپنے رشتے داروں سے بھی نہیں کرتے۔ خود ساختہ جلاوطن ہو کر اسی کو اپنا ملک بنانے والی ایک سیاسی شخصیت نے قوم کی محبت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ یہ صاحب خود تو پاکستان واپس آنے کے لیئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں لیکن ان کے چاہنے والے ساتھی اور کارکن کہتے ہیں۔۔۔ نہیں نہیں آپ مت آئیں۔۔۔ آپ ہماری منزل ہے منزل اتنی آسانی سے خود آ جائے یہ منزل کی توہین ہے۔۔۔۔۔ اور پھر ہم کس کے لیئے جد جہد کریں گے؟

ابھی چند روز قبل طاہر القادری پورے پانچ سال گذارنے کے بعد کینیڈا سے واپس آئے۔ یہ اپنے آپ کو شیخ الاسلام کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان کا کہنا بھی یہ ہی ہے کہ " میں اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا"۔ مگر ہماری آنکھوں کا دھوکہ تھا یا کچھ اور کہ ہزاروں یا لاکھوں کے ہجوم میں ایک وہ ہی تھے جو ڈر

کر اپنے آپ کو ایک شیشے میں بند کیئے ہوئے تھے۔جس سے یہ تاثر مل رہا تھا اور کچھ لوگ دبے الفاظ میں کہہ رہے تھے کہ " ڈرپوک " ہے مولوی۔

یہ صاحب کونسا جملہ کس طرح اور کب ادا کرنا ہے یہ بخوبی جانتے ہیں ۔کہا جاتا ہے کہ ان کی سیاسی تربیت میاں نواز شریف کی رائے ونڈ والی اتفاق مسجد میں ہوئی ہے جہاں وہ جمعہ کی نماز کے خطبہ اور وعظ دینے جایا کرتے تھے۔اس دوران وہ میاں فیملی سے خاموشی سے سیاست کی الف ب سیکھتے رہے۔1990 میں پاکستان عوامی تحریک قائم کی . میں قومی اسمبلی ممبر منتخب ہوئے اور نومبر 2004 ء میں اسمبلی سے مستعفی 2002 ہوگئے۔اس دوران پاکستان عوامی تحریک نے تحریک منہاج القرآن پر غالب ہو گئی جو غیر سیاسی، غیر فرقہ ورانہ اور غیر سرکاری ہے۔ان دنوں تحریک منہاج القرآن کے اور اس کے سربراہ طاہر القادری کے چرچے ہیں۔

ڈاکٹر طاہر اپنی تقریر سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں ۔اپنی تقریر کو وہ اذان سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں ۔لاہور میں مینارِ پاکستان کے سائے میں ہونے والے جلسے سے خطاب کے دوران عصر کی اذان شروع ہوئی تو خاموش ہونے کے بجائے اللہ اکبر کی صداؤں کے دوران اپنی باتیں جاری رکھی۔ حدیث ہے کہ جو اذان کے دوران باتیں کرتا ہے اسے مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔

طاہر القادری صاحب تو خود شیخ الحدیث ہیں یہ ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ کسی نے بھی ان کو اذان کا احترام یاد نہیں دلایا۔ شیخ کے معنی اردو لغت یں بوڑھا، پیر مرشد، فائق اور پیشوا ہے۔ بہر حال مذکورہ شیخ صاحب نے اذانِ کے دوران یہ بھی بتایا کہ میں نماز پڑھ کر آرہا ہوں ۔ لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ بھی پڑھ چکے ہیں یا ہونگے۔

انتہائی فنکارانہ انداز میں انہوں نے کہا کہ " کلام " ہو رہا ہے اس لیئے جاری رہنا چاہئے۔۔۔۔۔۔پتا نہیں انہوں نے لگے ہاتھوں یہ فتویٰ دیا تھا یا کچھ اور۔۔۔۔۔ویسے ہمارے ملک میں لوگ گولیاں دینے کے بھی ماہر ہیں۔

بہر حال جلسہ بڑا تھا اور اگر بڑا جلسہ ہو جانا کامیابی کی دلیل ہے تو یہ کامیاب بھی تھا۔ کامیاب کیسے نہیں ہوتا متحدہ کی بھی حاضری تھی۔۔۔۔۔جلسے کے دوران پتا نہیں کیوں یہ بھی وضاحت کی گئی کہ متحدہ کے قائد الطاف حسین کے حکم پر پورے پچاس افراد کا وفد خصوصی طور پر جلسے میں شرکت کے لیئے یہاں پہنچا ہے۔

تحریک منہاج القرآن کے اس جلسے کی کامیابی پر پاکستان تحریک انصاف کے عمران خان اور متحدہ کے الطاف حسین نے بھی طاہر القادری کو مبارکباد دی۔ ویسے یہ اتفاق ہے یا کچھ اور کہ عمران خان کے کراچی کے جلسے کو جس طرح فل کور کیا

گیا تھا باالکل اسی طرح طاہر القادری کی پوری تقریر کو چینلز نے براہ راست نشر کیا۔ یہ بھی اہم بات ہے کہ عمران خان کی طرح قادری صاحب نے بھی یہ وضاحت کی کہ " اسٹبلشمنٹ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے"۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ان پر ایجنسی یا اسٹبلشمنٹ کا آدمی ہونے کا الزام کس نے لگایا تھا ؟۔۔۔اور اس کی ضرورت کیوں پڑی تھی ؟

ذہن پر زور ڈالا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ الطاف حسین، عمران خان اور طاہر القادری کا کسی نہ کسی طرح کینیڈا یا اس کی پشت پناہی کرنے والے ملک سے ہے۔ شائد یہ وہ نکتہ ہے جس کے باعث بھائی اور خان صاحب کی طرف سے محبتوں کا اظہار کھل کر کیا جارہا ہے۔

مولانا طاہر جب حکومت کو تین ہفتوں کی مہلت دیتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ " اگر حکومت نے انتخابی نظام آئین اور قانون کے مطابق نہیں بنایا تو"۔۔۔۔۔۔۔۔ کسی مسخرے کی زبان سے نکلا کہ میں واپس کینیڈا چلا جاؤ ں گا۔

خیر ہم کون ہوتے ہیں یہ بات بولنے والے ؟ لیکن چونکہ سیاست میں سب جائز ہے تو یہ ممکن بھی ہوسکتا ہے۔آنے والے دنوں میں پتا چلے گا کیا ہوتا ہے ؟

میرے ایک دوست ہیں عبدالقوی جو سرکاری ملازم ہیں مجھ سے سوال کر رہے تھے کہ

اتنے سارے لوگوں کو یہ کیسے اکٹھا کر لیتے ہیں؟"۔ میں نے جواب دیا کہ یار کراچی میں رہتے ہوئے بھی یہ پوچھ رہے ہو کہ کس طرح لوگوں کو اکٹھا کیا جاتا ہے؟۔

خیر بات کرتے ہیں طاہر القادری کی ، اطلاعات کے مطابق یہ صاحب بھی دوہری شہریت کے حامل ہیں۔ دوہری شہریت رکھنے والوں کا ایک بڑا ایشو یہ بھی ہے کہ " کس طرح دوہری شہریت اور پاکستان کی سیاست ایک ساتھ چلائی جائے؟"۔ دیکھنا ہے کہ یہ پر کشش نکتہ کس کس کو ایک دوسرے کے قریب کرتا ہے؟۔

پروفیسر غفور احمد۔ ایک بڑا انسان

"سیاست میں شرافت" دیکھنے کا منظر ایک ہی لمحہ میں اوجھل ہو گیا۔ جو دیکھ چکے وہ کبھی بھول نہیں سکیں گے، جنہوں نے نہیں دیکھا اب کبھی بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔

مسکراتے ہوئے لوگوں سے ملاقات کرنا، شائستہ لہجے میں گفتگو کرنا، اپنے آپ کو ہمیشہ دوسروں سے چھوٹا اور کمزور سمجھنا اور ہر ایک کی عزت کرنا پروفیسر عبدالغفور صاحب کا "بڑا انسان" ہونے کی دلیل تھا۔

ایمان کی اس قدر پختگی کہ اللہ کے سوا کسی سے ڈرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہو، ایسا لگتا تھا کہ خوف کا شائبہ تک انہیں نہ ہو۔

فیڈرل بی ایریا میں واقع ان کے ایک ہزار گز رقبے کے پرانے گھر کا گیٹ شائد ہی کسی نے درست طریقے سے بند دیکھا ہو؟۔ کراچی کے حالات کا پورے ملک کو پتا ہے اور سب ہی جانتے ہیں یہاں کب سے، کیسے حالات ہیں۔ لیکن غفور صاحب کا گھر کا دروازہ سب کے لیئے ہمیشہ ہی کھلا رہا۔

انور بھائی ان کا گیٹ ہمیشہ کھلا کیوں رہتا ہے؟ کیمرہ مین علی محسن نے غفور صاحب کے بنگلے کے سامنے گاڑی پارک کرتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔ یہ ایک درویش بزرگ ہیں میں نے جواب دیا۔ علی نے کہا لیکن سر یہ ملک کے بہت بڑے سیاست دان ہیں پھر اس طرح کیسے رہتے ہیں کوئی گارڈ وغیرہ بھی نہیں ہے ان کے گیٹ پر، کیوں؟ میں نے کہا کہ گارڈ وہ رکھے جسے کسی قسم کا ڈر یا خوف ہو اور ڈرتا وہ ہے جس نے خود کسی کو ڈرایا یا دھمکایا ہو یا پھر جس کا ایمان کمزور ہو، میں نے علی محسن کو سمجھایا۔ ویسے میں نے اپنے شہر میں ایسا کوئی دوسرا لیڈر نہیں دیکھا جو اس قدر بااعتماد ہو، ہر لحاظ سے۔

الیکٹرونک میڈیا سے وابستگی کے دوران مجھے کئی بار غفور صاحب سے انٹرویو کرنے کا موقع ملا۔ عموماً علی محسن میرے ساتھ ہوا کرتے تھے انہیں حیرت ہوتی تھی کہ میں غفور صاحب سے بغیر رابطہ کیئے بھی ان کے پاس چلا جاؤں تو وہ ماتھے پر بل نہیں لاتے تھے بس خوش دلی سے یوں کہتے تھے " ہاں بھئی انور، اچانک کیسے، میرے جواب دینے سے پہلے ہی کہہ دیا کرتے تھے آؤ کرسی کھینچ لو"۔

پروفیسر غفور صاحب مجھے بہت یاد آئیں گے ۔۔۔ ہمیشہ ۔۔۔ ان سے کسی کو انسیت ہوجانا کوئی بڑی بات نہیں تھی، کیونکہ " دوسروں سے پیار کرنے والے لوگ خود بہت پیارے ہوتے ہیں اس لیئے سب ہی کو ان سے محبت ہوجاتی ہے"۔

مجھے تو وہ ہمیشہ ایک بچے کی طرح دیکھتے تھے ،انتہائی ، محبت اور شفقت کے ساتھ۔ دو سال قبل مجھے فالج کے بعد جب ان سے عیدگاہ میں ملاقات ہوئی تو مجھے دیکھتے ہی گلے لگالیا اور شفقت سے کہا" تم ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئے،اب جلدی صحت مند ہوجاؤ۔ان الفاظ کے ساتھ انہوں نے مجھے دعائیں دیں۔

2006میں وہ فیڈرل بی ایریا سے گلشن اقبال بلاک 6 میں منتقل ہوگئے تو مجھے بے انتہا خوشی ہوئی کہ غفور صاحب میرے محلے میں ہی آ گئے ۔ پھر ہماری تقریباً روزانہ ہی فجر کی نماز میں ملاقات ہونے لگی ۔علاقے کی جامع مسجد شاہ فیصل شہید کی وہ پہلی صف کے نمازی تھے ،انہوں نے مجھ سے ایک دن کہا انور تم کو پتہ ہے یہاں آ کر مجھے سب سے زیادہ کیا فائدہ ہوا؟ میں نے کہا نہیں سر، کہنے لگے مسجد میرے گھر کے قریب ہے اب مجھے زیادہ چلنا نہیں پڑتا۔ میں فجر کی نماز کے بعد ان کا ہاتھ پکڑے ان کے گھر تک جاتا ۔اس دوران میں ان سے اکثر سیاسی حالات پر بات کیا کرتا تھا۔ غفور صاحب اکثر تنہا مسجد آجایا کرتے تھے ۔ ان کے ساتھ پوری زندگی میں شائد ہی کبھی کوئی گارڈ یا ذاتی محافظ رہا ہو۔ شناسا ہونے کے باوجود انہیں تنہا، سادگی سے مسجد یں داخل ہوتے وقت نمازی انہیں حیرت سے دیکھا کرتے تھے بہت لوگوں کو یہ یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی پروفیسر غفور ہیں جو جماعت اسلامی اور ملک کے بڑے سیاست دان ہیں ۔

پروفیسر غفور کراچی کی شناخت تھے ۔شہر کا بھرم تھے ، کراچی کی شان اور عزت ان سے تھی ۔ محافل میں لوگ شہر کو بدنامی سے بچانے کے لیئے غفور صاحب کا حوالہ فخر سے دیا کرتے تھے کہ " یہاں صرف کامران مادھوری، پانڈا وغیرہ ہی نہیں غفور صاحب جیسی قابل عزت شخصیت بھی رہتی ہیں۔

مگر اب غفور صاحب اللہ کو پیارے ہوگئے ۔وہ کسی ناگہانی حادثہ جس سے محمد ﷺ بھی بچنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے سے جاں بحق نہیں ہوئے بلکہ بیماری کی حالت میں اللہ سے جاملے ۔بیماری کی حالت میں آنے والی موت بھی شہادت کا درجہ رکھتی ہے ۔اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے آمین۔

گلشن اقبال میں میرے کئی دوستوں نے جنہیں بہت عرصے سے ان سے ملاقات کرنے کی خواہش تھی اپنی خواہش پوری کی۔ میرا ایک دوست جو کہ پولیس افسر ہے نے غفور صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس کوئی چوکیدار ، نوکر وغیرہ نہیں ہیں؟ غفور صاحب نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا کہ مجھے حیرت ہوئی کہ آپ خود دروازے پر آئے اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے آپ نے خود دروازہ کھولا؟ غفور صاحب نے کہا تو اس میں کونسی بڑی بات ہے، میرا گھر ہے میں نہیں تو اور کون دروازہ کھولے گا۔

اسے غفور صاحب سے مل کر اسی طرح خوشی ہورہی تھی جیسے کسی کو نایاب شے ملنے

سے ہوتی ہے۔غفور صاحب اس قدر محبت سے مہمان نوازی کیا کرتے تھے جیسے کوئی دیرینہ دوستو یا رشتے داروں سے کی جاتی ہو۔" چائے تو پیؤ گے نا؟" اور یہ کہکر خود ڈرائینگ روم سے اندر جاتے اور چائے بنانے کا کہکر آتے۔چائے کے ساتھ اکثر بسکٹ وغیرہ بھی ٹیبل پر ہوا کرتے تھے ۔جب تک مہمان چائے کا کپ منہ تک نہ لے جائے خود بھی چائے نہیں اٹھاتے تھے۔

میرے دوست نے ان سے پوچھا آپ کو ڈر نہیں لگتا، شہر کے حالات تو اب پرانے حالات کی طرح نہیں رہے۔ مارنے والے جس کو چاہے مار دیتے ہیں؟ غفور صاحب نے کہا اللہ پر بھروسہ رکھا کرو اور سب انسانوں سے محبت کیا کرو۔ ڈر نہیں لگے گا۔

آپ یقین کریں کہ میں نے مسجد میں اکثر غفور صاحب کو دیکھا کہ جب کوئی جنازہ آجائے تو وہ لازما نماز جنازہ میں شرکت کرتے ۔ لوگوں سے مرنے والے کے بارے میں دریافت کرتے اور لواحقین سے ملاقات کرکے تعزیت کرتے۔

میں کل رات سے ان کی باتوں کو یاد کر رہا ہوں اور مسلسل ایک ہی سوال میرے ذہن میں مچل رہا ہے کہ کیا کوئی دوسرا ایسا لیڈر، دوسری سیاسی شخصیت ہمارے شہر میں ہے جیسے غفور صاحب تھے۔آج غفور صاحب کی تدفین سخی حسن قبرستان میں

کردی جائے گی۔شائد انہیں اپنی اہلیہ کے پہلو ہی جگہ مل جائے جہاں وہ تقریباً چار سال قبل پہنچ چکی تھیں۔ہاں میں نے غفور صاحب کو کسی معصوم بچے کی طرح روتے ہوئے دیکھا تو صرف اس وقت جب ان کی شریک حیات ان کا ساتھ چھوڑ گئیں تھیں۔سچ تو شائد یہ ہی ہے کہ غفور صاحب اپنی اہلیہ کی وفات کے بعد اپنا خیال نہیں رکھ سکے۔اور مسلسل بیماری نے انہیں جہانِ فانی میں پہنچادیا۔ ذرا سوچئے دن رات لوگوں میں رہنے والا بھی خود کو کس طرح آکیلا، تنہا محسوس کرتا ہے؟ اور پھر اس کا جینے کو کسطرح دل چاہے گا جب اس کی زندگی کا ساتھی اسے چھوڑ جائے۔غفور صاحب باہمت بھی تھے انہیں اپنے خاندان کے علاوہ اپنی قوم کے لیئے بھی جینا تھا سو انہوں نے ہمت کی، لیکن ۵۸ سال کی عمر میں 26 دسمبر کی شام دنیا سے چلے گئے۔

اپنی زندگی کو انہوں نے بہت کامیابی اور ہمت سے گذارا۔

میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ علم کی کتاب پر تبصرہ کروں۔ہاں غفور صاحب علم کی کتاب تھے۔علم جو انسان کو خدا سے ملادیتا ہے، علم وہ جو انسان کو سچا اور پکا مسلمان بنادیتا ہے۔۔۔۔۔وہ غفور صاحب تھے۔۔۔۔۔۔اخلاقیات کا ایسا نمونہ غفور صاحب تھے جس کی مثال عام طور پر نظر نہیں آتی۔ جس جو وعدہ کیا وہ پورا کیا۔ کوئی اور پروگرام بنانا تو پہلے سے طے ملاقات کے

لیئے خود فون کر کے معذرت کر لیتے۔ فون پر یاد آیا کہ غفور صاحب نے موبائیل فون کبھی نہیں رکھا۔ اگر گھر پر ہوتے تو خود ہی فون ریسیو کیا کرتے تھے۔

وہ 1973 کے سب کو قابل قبول آئین کے بانیوں میں شامل تھے۔

غفور صاحب 26 جون 1927 کو بھارت کے صوبے یوپی کے شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔ 26 دسمبر 2012 کو اللہ کو پیارے ہوئے۔ انہوں نے آگرہ یونیورسٹی سے بی کام اور لکھنو یونیورسٹی سے 1946 مین ایم اے کیا تھا۔ 1958 میں کے ایم سی کے ممبر، 1970 اور پھر 1977 قومی اسمبلی کے رکن اور 2002 سینیٹر بھی رہے۔

وہ ڈھائی جماعتیں

نئے سال کے آغاز کے ساتھ ہی ملک میں نیا سیاسی ماحول تشکیل دینے کی باہیں تیز ہوگئیں ہیں۔ جمہوریت کی پٹڑی کو اکھاڑ پھینکنے کے لیئے بھی پرانے چہرے نئے انداز اور نئے نعروں کے ساتھ اچانک " سرگرم " ہوگئے ہیں۔ مفادات کی نئی دیگچیاں غیروں کے ایندھن سے چولہوں پر چھڑنے کے لیئے آگ کے قریب ہیں۔ ڈر ہے کہ یہ آگ بھڑکے گی اور جمہوریت کے روشن چراغوں کو گل ہونے پر مجبور کردے گی ۔ یہ سب کچھ کیوں ہوگا اور کیوں ہوتا رہا ہے اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ جمہوریت یعنی عوامی نظام کا نعرہ لگانے والے اکثر مفاد پرست ہیں۔ عوام کو بے وقوف بنانے والے یہ لوگ بنیادی طور پر اپنی قوم ،اپنے ملک اور ملک کے اداروں سے مخلص نہیں ہیں۔ یہ لوگ اپنی چالیں صرف اور صرف اپنے ذاتی مفادات کے لیئے چلتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں جمہوریت کو کبھی ملک بچانے کے نام پر ، تو کبھی اسلام کے نام پر ختم کیا گیا۔ لیکن غیر سیاسی جماعت تحریک منہاج القرآن کی جانب سے آئین کے مطابق اصلاحات کرنے کا نیا اور انوکھا مطالبہ کرکے پانچ سالہ جمہوری دور میں کئے جانے والے اقدامات پر " کالک ملنے" کی کوشش ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی جارہی ہے جو کچھ جمہوریت کے پونے پانچ سالہ دور میں کیا گیا وہ سب بیکار تھا، فضول تھا یا جو کچھ کیا گیا وہ مذاق تھا؟۔

طاہر القادری بہت سارے لوگوں کے لیئے عزیز ہونگے اور الطاف حسین لاکھوں دلوں کی دھڑکن ۔ لیکن جو اسمبلیوں میں موجود ہیں وہ کون ہیں؟انہیں بھی تو کروڑوں لوگوں نے اپنے ووٹوں کے ذریعے منتخب کیا ہے۔

مولانا صاحب یہ بات سچ ہے کہ آئندہ انتخابات کے لیئے نگراں حکومت کا قیام حکومت اور اپوزیشن میں موجود پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نواز نے صلاح و مشورہ سے کیا جائے گا۔ لیکن یہ بھی تو حقیقت ہے کہ دونوں جماعتیں عوام کا مینڈیٹ رکھتی ہیں انہیں لوگوں نے اسمبلیوں میں بھیجا ہے۔وہ ان ہی ایوانوں میں اس طرح کے فیصلے کررہی ہیں ان کے ساتھ دیگر اراکین بھی ہیں وہ بھی ہیں جو اچانک آپ کے ساتھ شامل ہوگئے۔

اگر دو جماعتوں کے کردار پر آپ کو اعتراض تھا تو کوئی اور بھی تو راستہ نکالا جاسکتا تھا۔

ایسے راستے کا انتخاب جو ملک اور جمہوریت کے لیئے خطرناک ہو کیوں کیا گیا؟ ایک سوال یہ بھی ہے کہ اگر دو منتخب جماعتوں کا کوئی عمل قابلِ اعتراض ہے آپ کی جماعت منہاج القرآن جس کے منشور میں موجود ہے کہ یہ غیر سیاسی جماعت ہے اور قومی اسمبلی میں اس کی کوئی نمائندگی بھی نہیں ہے کا یہ عمل کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟۔ایسی صورت میں جب انتخابات ہونے والے ہیں آپ ایک ہجوم کو استعمال کرکے کیونکر ملک کی سیاست اور جمہوری نظام میں مداخلت کرنا چاہتے ہیں؟۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ آپ پانچ سال بعد واپس ملک میں آئے ۔ یہاں پہنچتے ہی پوری حکومت اور جمہوری

نظام کو چیلنج کردیا۔ لوگوں کے ذہنوں میں سوال آنا حق بجانب ہے کہ آپ کا ایجنڈا کیا ہے؟ لوگ آپ پر اگر شک کریں کہ آپ ملک دشمنوں کے ایجنڈوں پر عمل پیرا ہیں تو اس میں کوئی حیرت کی بات بھی نہیں ہے؟ کیونکہ شکوک شبہات تو آپ نے خود ہی اپنے عمل سے پیدا کیئے ہیں۔

ایم کیوایم حکومت کی اتحادی بھی ہے اور اس نظام کا حصہ بھی ہے جس پر آپ کو اعتراض ہے پھر بھی آپ کے ساتھ ہے تو کیا یہ حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے؟ کیا قوم آپ سے یہ سوال نہیں کرنے کا حق نہیں رکھتی کہ آپ اور ایم کیوایم کی سیاست کا مقصد کیا ہے؟ جب آپ اور الطاف حسین باالترتیب کینیڈا اور برطانیہ کی شہریت حاصل کر چکے ہیں تو آپ بیک وقت دونوں ممالک کے کس طرح وفادار ہو سکتے ہیں؟ یہ تو خدا کے لیئے بتا دیجئے کہ آپ دونوں کینیڈا اور برطانیہ کو دھوکہ دے رہے ہیں یا پاکستان کو اور اس کے باشندوں کو؟ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ بیک وقت دونوں ممالک کی وفاداری کی جاسکے؟۔

میری نظر میں اگر یہ دو جماعتیں مل کر یا یہ دو غیر ملکی لیڈر ملکر پاکستان میں انقلاب لانا چاہتے ہیں تو یہ عمل باقی جماعتوں خصوصاً پیپلز پارٹی کے لئے انتہائی شرم کی بات ہوگا۔ طاہرالقادری اور الطاف حسین کی یہ تحریک ملک کے 17 کروڑ عوام کے ووٹوں کی بھی توہین ہے کہ ان دونوں نے ان کے دیئے ہوئے

مینڈیٹ کو چیلنج کر دیا ہے۔ یہ ملک کے نظام کا تحفظ کرنے والی قوت اور حکومت کے لیئے بھی فکر کی بات ہے کہ نا صرف غیر ملکی قوتیں بلکہ غیر ملکی صرف دو شہریوں کے اشارے پر لاکھوں لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور وہ تماشا دیکھتی رہ جاتی ہے۔ رہی بات مسلم لیگ ق کی جسے کچھ دن پہلے تک آصف زرداری قاتل لیگ کے لقب سے یاد کرتے تھے کے بارے میں کچھ لکھنا فضول سمجھتا ہوں ۔ بھلا کوئی ان کے بارے میں بھی کیا تبصرہ کر سکتا ہے جو ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھتے ہوں۔

بہر حال سوال یہ ہے کہ کیا آنے والے دنوں میں بھی ایسے ہی منظر قوم کو دیکھنا ہونگے۔؟ کراچی میں متحدہ کا جلسہ تو بڑا تھا جس سے طاہر القادری نے خطاب کیا لیکن کیا اس جلسے سے بڑا وہ بم دھماکہ نہیں تھا جس کے باعث چار افراد ہلاک اور 40 زخمی ہوئے۔ ؟ اس دھماکہ کے ذمہ دار کیا وہ نہیں ہیں جنھوں نے دہشت گردوں کو ایسا کرنے کا موقع دیا؟ یا صرف وہ ہی تن تنہا ذمہ دار ہے جسے پولیس یا ایجنسیز کہا جاتا ہے؟ بہر حال ملک کے خلاف چالیں چلنے والوں کو یہ جان لینا چاہیئے کہ قوم اب سب کو پہنچاننے لگی ہے بقول شاعر

نہیں معلوم کب تک وہ یہ کھیل کھلیں گے
سمجھتے ہیں کہ معصوم ہیں وہ سمجھیں گے نہیں۔

عالم رویا کی باتیں کرنے والا، کیا کرے گا؟

عالم رویا کی باتیں کرکے لوگوں کو مرعوب کرنے والے طاہرالقادری جس دن سے پاکستان میں وارد ہوئے ہیں اس روز سے میرے ذہن میں تین سوالات اچھل کود کر رہے ہیں۔ ان سوالات کے تذکرے سے قبل میں یہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ پہلے ہی روز سے مجھے طاہرالقادری کی ملک میں اچانک آمد نیک شگون نہیں لگ رہی ہے۔ جس کی وجہ شائد یہ ہو کہ مجھے ذاتی طور پر کسی دوہری شہریت رکھنے والے سیاسی لیڈر، خاص یا عام آدمی سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی جس کی وجہ یہ ہے ایسا شخص ہم کو ملک اور قوم سے محبت کا یقین نہیں دلا سکتا۔ رہی بات کہ بحیثیت مسلمان میں کسی ایسے آدمی سے کس طرح متاثر ہو سکتا ہوں جس کے بارے میں یہ اطلاعات ہو کہ اسے مصر کی الاظہر اسلامک یونیورسٹی متنازعہ شخصیت قرار دے چکی ہے؟۔ جس کے سعودی عرب میں داخلے پر پابندی کی خبریں عام ہو۔ ؟ طاہرالقادری میں کوئی تو خامی ہو گی یا نا پسندیدہ بات کہ وہ سعودی عرب ہی نہیں جا سکتے ؟۔ سعودی عرب وہ ملک ہے جس کا وہ خواب سناتے ہیں اور آپ ﷺ کا ذکر کرتے ہیں۔ یو ٹیوب اور آزاد میڈیا پر اس خواب کا ویڈیو لنک موجود ہے، کوئی بھی باآسانی دیکھ سکتا ہے۔ مولانا خواب کے بارے میں جو تفصیلات بیان کرتے ہیں وہ بہت سو کے لیئے نا قابلِ یقین ہیں۔

عالم رویا کا مطلب ہے "خواب کی حالت"۔ مولانا کی خواب کی حالت کے حوالے سے دو مختلف ویڈیو میڈیا مارکیٹ میں ہیں ایک میں مولانا نے بتایا کہ انہوں نے پندرہ، بیس سال تک امام اعظم سے فقہ حنفی کی تعلیم حاصل کی۔ جبکہ دوسری ویڈیو میں انہوں نے ذرا مختلف انداز سے قسم کھا کر بتایا کہ "میں نے نو سال تک امام اعظم سے عالم رویا میں پڑھا ہوں" ۔اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ انہوں نے نو سال اور پندرہ بیس سال کا یہ فرق دو الگ مقامات کی تقاریر میں کیوں کیا؟ یہ تو وضاحت مولانا ہی کر سکتے ہیں۔ قارئین اگر چاہیں تو گوگل سرچ انجن پر Tahir-ul-Qadri ٹائپ کرکے اس ویڈیو اور دیگر ویڈیوز کو تلاش کر سکتے ہیں۔

حنفیت کی تربیت حاصل کرنا یا ان کا خواب میں پندرہ بیس سال تک امام اعظم کی شاگردی حاصل کرنا اس لیئے سمجھ سے بالاتر ہے کہ آدمی زیادہ سے زیادہ 24 گھنٹے سو سکتا ہے۔ ظاہر ہے خواب سوتے میں ہی آتے ہیں اگر حقیقی خواب ہوں تب! ۔ لیکن کیا مولانا 15، 20 سال سوتے رہے؟ اگر یہ سچ ہے تو ان کا نام گنیز بک میں بھی آنا چاہئے۔ لیکن سنا ہے کہ گنیز بک کی ٹیم اپنے سامنے مظاہرہ کرواتی ہے۔

خواب کی باتیں کرنے والے اس شخص پر یقین کرنے اور اس کے گرد جمع ہو جانے

والے لوگوں پر بھی مجھے حیرت اور افسوس ہے۔ مجھے اس بات پر بھی دکھ ہے کہ ہم اور ہمارا میڈیا طاہر القادری کو اس قدر کیوں اہمیت دے رہا ہے؟ طاہر القادری کی غیر اسلامی جدوجہد پر اور تحریک منہاج القرآن کا غیر سیاسی ہونے کے باوجود سیاسی دنگل سجانے پر کیا کوئی ایک بھی ان کے مجمعے میں ایسا نہیں ہوتا کہ ان سے یہ پوچھے کہ یہ سب کس بنیاد اور کن وجوہات کے باعث کیا جارہا ہے؟

لوگوں کو چاہئے کم از کم یہ تو سوچ لیں کہ جسے نفسیاتی مریض قرار دیا جاچکا ہے، جو گذشتہ پانچ سال سے ملک سے باہر رہا ہو اور جس نے کینیڈا کی شہریت قبول کرلی ہو، وہ بھلا کس بنیاد پر اپنے آپ کو ملک اور قوم سے مخلص قرار دے رہا ہے؟ سچ تو یہ بھی ہے کہ مولانا طاہر القادری نے اپنے آپ کو ملک اور قوم سے مخلص ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔ آئندہ کب تک وہ ملک میں قیام کریں گے یہ بھی واضح نہیں کیا، اس کے باوجود لوگ ان کے پیچھے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آخر کیوں؟ کیا اس عمل سے ہمارے ملک اور یہاں کے لوگوں کی ساکھ متاثر نہیں ہوگی؟ جن جماعتوں نے طاہر القادری کے مارچ کی حمایت کی ہے کم از کم لوگوں کو ان جماعتوں اور ان کے لیڈرز کے بارے ہی میں ذرا غور کرلینا چاہئے۔ ایک صاحب لندن کی شہرت رکھتے ہیں، قانون کا احترام کرنے اور کسی سے نہ ڈرنے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں لیکن عدالت کے طلب کرنے کے باوجود واپس آنے سے گریزاں

ہیں۔ عدالت کو تحریری درخواست دی کہ جس میں کہا گیا ہے کہ ان کے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ ان کی جان کو پاکستان میں خطرہ ہے، اس لیئے انہیں عدالت میں پیش ہونے سے استثنا دیا جائے۔ دوسرے حمایتی وہ ہیں جنہیں صدر آصف علی زرداری ایک عرصے تک قاتل لیگ " سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ مولانا طاہر کے دونوں سیاسی حمایتی حکومت " میں بھی ہیں اور بھرپور اختیارات اور سہولیات سے فائدے بھی اٹھا رہے ہیں، لیکن حکومت کے خلاف ہونے والے لانگ مارچ کی حمایت بھی کر رہے ہیں۔ گو کہ منافقت سے بھرپور سیاست کا عملی مظاہرہ دھڑلے سے کیا جارہا ہے۔ شائد مولانا کے مذہب میں اس طرح کی منافقت کی اجازت ہو؟۔

چلیں بات کرتے ہیں ان سوالوں کی جو مولانا طاہرالقادری کے آمد سے میرے اور تقریباً ہر مخلص پاکستانی کے ذہن میں ہیں۔ 14 جنوری کا لانگ مارچ اگر کامیاب ہوگیا تھا کیا ہوگا؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اس کامیابی کا فائدہ اٹھانے والے کون ہونگے ؟ تیسرا سوال یہ بھی ہے کہ لانگ مارچ کامیاب یا ناکام ہونے کی صورت میں ملک پر کیا اثرات پڑیں گے ؟۔

تو عرض ہے جناب طاہرالقادری کا یہ مارچ کامیاب ہونے کا مطلب تو صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ تحریک منہاج القرآن کے کارکن اور طاہر صاحب کے چاہنے والے جمع ہو کر پارلیمنٹ ہاؤس کی طرف جائیں گے اور پھر وہاں سے پرامن طور پر واپس پلٹ

آئیں گے۔ جن قوتوں نے بھی اس احتجاجی مارچ کا اسکرپٹ لکھا ہے اس کے منظر نامے ممکنہ طور پر دو ہیں۔ایک مقام وہ جہاں سے مارچ شروع ہوگا دوسرا وہ جہاں پہنچ کر دھرنا دیا جائے گا۔ کسی اور ملک میں تو یہ ممکن ہوتا کہ جلوس اس مقام تک پر امن طور پر پہنچ جائے جہاں دھرنا دینا ہو۔ لیکن ہمارے ملک میں یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی کو بھی پارلیمنٹ ہاؤس تک اس کا گھیراؤ کرنے کے لیئے راستہ دے دیا جائے۔پارلیمنٹ ہاؤس کے قریب پہنچنے سے قبل ہی جذباتی نعروں کے دوران کسی مقام پر پولیس اور سیکیورٹی کے ادارے ریلی کو روکنے کی کوشش کریں گے اور اسی مقام پر خدشہ ہے کہ صورتحال کنٹرول سے باہر ہوجائے گی جس کے نتیجے میں لوگوں کے ہلاک وزخمی ہونے کا بھی امکان ہے۔ ممکن ہے کہ یہاں بے نظیر بھٹو کے 27 دسمبر 2007 کے جلسے کی طرح کارروائی ہوجائے یعنی پہلے دھماکہ اور پھر فائرنگ یا پہلے فائرنگ اور پھر دھماکہ ہوجائے خدانخواستہ۔ اب چونکہ رحمٰن ملک بھی یہ خبر دے چکے ہیں کہ لانگ مارچ پر حملہ ہوسکتا ہے۔اس حملے کی وجہ سے کیا کچھ ہوگا یہ ابھی کہنہیں کہا جاسکتا اس بات کا خدشہ ضرور ہے کہ شرپسند عناصر کا ہدف مولانا طاہر ہونگے۔ اگر ایسا کچھ ہوگیا تو دارالحکومت کی حالت انتہائی خراب ہوجائے گی اور پھر ایمرجنسی بھی لگائی جاسکتی ہے۔بہت امکان ہے کہ آصف زرداری اسی صورتحال کے باعث اسمبلیاں توڑ کر ملک بھر ایمرجنسی کا نفاذ کردیں۔یہ بھی ممکن ہے کہ فوج اس صورتحال کو بہانہ بنا کر اقتدار سنبھال لے ، لیکن اس کے امکانات کم

ہیں کیونکہ اب ہمارا ملک مارشل لاء جیسا نظام برداشت نہیں کرسکتا۔اگر ریلی خوش قسمتی سے پرامن رہی تو
تب بھی طاہرالقادری سمیت متعدد رہنماؤں کی گرفتاری کا امکان ہے۔
ایسی صورت میں فائدہ اٹھانے والے ایک بار پھر آصف زرداری ہونگے۔لیکن کتنے دنوں کے لیئے یہ کہنا ابھی مشکل ہے۔ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جن کے اشارے پر مولانا طاہر پاکستان آئے ہیں وہ ہی قوت انہیں یہاں سے واپس لے جائے گی۔اگر ملک کی ابتر صورتحال کا بہانے سے مارشل لاء آیا تو اس کا سب سے بڑا نقصان آزاد عدلیہ کو پہنچے گا جو ایک ہی حکم سے ختم کردیں جائیں گی۔لیکن ملک کی تمام صورتحال خصوصاً طاہرالقادر کی پشت پناہی بیں بین الاقوامی ہاتھ واضح ہوجائے گا۔ بہرحال جو کچھ ملک میں ہوگا اس کے قصور وار صرف اور صرف طاہرالقادری اور ان کی حمایتی جماعتیں ہونگی۔
یاد رکھیئے کہ بے نظیر بھٹو کی ناگہانی موت کے بعد برسراقتدار آنے والی پیپلز پارٹی اور اتحادی جماعتوں کی حکومت جمہوریت سے بدتر ثابت ہوئی ہے۔جس کے باعث بعض حلقے گذشتہ دو سال سے موجودہ حکومت کا خاتمہ چاہتے ہیں۔عام لوگ اس جمہوریت سے اس قدر نالاں ہیں کہ وہ چاہتے ہیں کہ فوج ہی اقتدار میں آجائے کیونکہ عام تاثر یہ ہی ہے کہ فوجی اقتدار میں مجموعی طور پر ملک میں امن و

امان، روزگار، معاشی صورتحال بہت بہتر ہوتی ہے۔
یہ سب اسی صورت ممکن ہوگا جب طاہرالقادری اپنے احتجاجی پروگرام پر عمل درامد کریں گے۔اطلاعات یہ بھی ہیں کہ حکومت طاہرالقادری سے مذاکرات کرنا چاہتی ہے تاکہ ان کو احتجاج سے روکا جاسکے۔
18 اکتوبر 2007 کو بے نظیر کی کراچی آمد کے موقع پر شاہراہ فیصل پر ہونے والے بم دھماکہ کے واقعہ کو ہمیں یاد رکھنا چاہیئے۔اس واقعہ میں بے نظیر بچ گئیں تھیں لیکن متعدد افراد جاں بحق اور زخمی ہوگئے تھے جس میں اے آر وائی نیوز کا کیمرہ مین عارف بھی شہید ہوگیا تھا۔بعدازاں 27 دسمبر 2007 کو اسلام آباد میں ہونے والے واقعے نے ملک کی پوری صورتحال کو ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ملک اور اسلام دشمن قوتیں ملک میں کسی نا کسی بہانے گڑبڑ کرنا چاہتی ہیں، ان عناصر کو پاکستان کی جمہوریت اور خوشحالی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ تو صرف اپنے مفادات میں چالیں چلتے ہیں اور اس کے لیئے ہمارے مفادپرستوں کو استعمال کرتے ہیں۔
ذرا غور کریں کہ پاکستانی طالبان کی سرگرمیاں جاری ہیں 2007 میں بھی جاری تھیں اور ان دنوں بھی چل رہی ہیں۔ طاہرالقادری کی کراچی آمد اور متحدہ کے

جلسے سے خطاب کے بعد فیڈرل بی ایریا میں ہونے والے جلسے میں چار افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہوچکے اس واقعہ کو بھی بھلایا نہیں جاسکتا ہے۔اللہ ہمارے ملک کی اور ہم سب کی حفاظت کرے، آمین۔

اب تو حد ہو گئی۔۔۔۔ لیکن ؟

اب تو حد ہو گئی ، لیکن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔شائداس کے باوجود کچھ بھی نہیں ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟ ملک اور ملک کے بانی کے قائداعظم محمد علی جناح کے خلاف کوئی کچھ بھی الٹا سیدھا کہہ دے ، کیسے بھی الزامات لگائے ، دشمن ملک میں جاکر دھرتی کی عزت کو پارہ پارہ کردے ، دو نظریہ کی مخالفت کرکے غیر مسلموں کے سامنے گڑگڑائے ، اور لندن میں بیٹھ کر کبھی اسلامی اقدار کو چیلنج کرے تو کبھی جمہوریت کو، کبھی جنرلوں کو اقتدار سنبھالنے کی دعوت دے تو کبھی جمہوریت کے چمپیئنز کو للکارے ، کبھی طالبان کا رونا روئے تو کبھی ، سندھیوں ،پٹھانوں، پنجابیوں اور بلوچیوں کا مذاق اڑائے ، دل چاہا تو مہاجر بن جائے ورنہ اپنے آپ کو اردو بولنے والا سندھی کہلانے کو ہی عزت سمجھیں ،آزاد اور طاقتور عدلیہ کے خلاف توہین آمیز الفاظ ادا کرے اور سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کو مغلظات بکیں تب بھی کچھ نہیں ہوا۔۔۔۔اور نہ ہوگا۔۔۔۔۔۔۔ ہم سب ،سب کچھ ایک بار پھر بھول جائیں گے اور پھر عدالت انہیں معاف کردے گی ، لوگوں کا ہجوم ان کی آواز سننے کے لیئے لاؤڈ اسپیکرز کے سامنے بیٹھ جائے گا، میڈیا ان کے الفاظ کو نوٹ کرے گا ہجوم کی ویڈیو اور اسٹل عکاسی کی جانے لگے گی۔

یہ ڈرامے دیکھتے ہوئے ملک کا سب سے پرامن اور بڑا شہر مقتل گاہ بن چکا، امن پسند، شریف شہری کراچی، حیدرآباد اور میرپور خاص میں یرغمال ہو چکے ہیں۔ 1984 سے اب تک ہزاروں لوگ مارے جا چکے، پڑھا لکھا شہر کہلانے والا روشنیوں کا شہر کراچی ہر طرح کی تاریکیوں میں ڈوبتا جا رہا ہے، کوئی ایک بھی تو محلّہ، علاقہ، بستی، کالونی یا ٹاؤن ایسا نہیں ہے جہاں خوف نہیں ہے، جہاں لاش نہ گری ہو، جہاں گولیاں نہ چلتی ہوں۔ تعلیم کے بجائے اسکول کالجز میں اپنے آپ کو تحفظ دینے کی تربیت اور تعلیم حاصل کرنا ترجیحات میں شامل ہو چکا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر بھی ہاں پھر بھی وہ اچھا ہے کیونکہ دوسرے سب خراب ہیں، دوسروں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔۔۔۔۔۔۔ کیسی بے وقوفانہ باتیں ہیں یہ ؟۔۔۔۔ وہ دانشوری کہاں چلی گئی جو کہا کرتی تھی " خطرہ اندر سے اپنوں سے ہوتا ہے "۔ ؟ وہ سبق کیوں بھول گئے جو " پہلے اپنے آپ کو اور پھر اپنے گھر کو سدھارنے اور سنبھالنے کا " سبق دیا کرتا تھا؟۔۔۔۔۔۔ ارے آپ لوگ کیوں یہ بات بھول گئے کہ جو بچے بگڑ جایا کرتے تھے انہیں باالاخر گھروں سے نکال دیا جاتا تھا ۔۔۔۔ والدین معاشرے کو شر سے بچانے کے لیئے اپنے لختِ جگر کو گھر سے، خاندان سے علیحدہ کر کے اس کی جدائی کی آگ میں اندر ہی اندر جلا کرتے تھے ۔۔۔ جیتے جی مرجایا کرتے تھے کہ کہیں میری اولاد دوسروں کے لیئے پریشانی کا باعث نہ بن جائے ۔۔۔۔۔۔۔ اور پھر اسے اس وقت گھر واپس آنے کی اجازت دی جاتی تھی جب وہ " انسان " بن جاتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب بچے بڑوں

کی بات نہ مان کر صرف آوارہ گردی میں مبتلا ہو جاتے تھے یا پڑھائی سے منہ موڑ لیا کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔اسلحہ کا استعمال عام نہیں تھا، کراچی کے لوگ تو اسلحہ رکھنے کی ضروت ہی محسوس نہیں کرتے تھے۔۔۔۔۔۔آج بھی میرے ملک کے کئی شہروں اور متعدد خاندانوں میں یہ روایت زندہ ہوگی کہ جہاں احتساب گھر سے کیا جاتا ہو۔۔۔۔ لیکن پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے گھر کو سدھارنے کی سبیل نہیں کر پا رہے۔۔۔۔۔۔ارے جناب وہ دن کیوں آپ سب بھول چکے ہیں جب اچھے۔برے کی تمیز کرتے ہوئے یہ ہی شہر نئے چہروں نئی پارٹیوں کا انتخاب کیا کرتا تھا۔

اس 29,30 سال میں صرف امن خراب نہیں ہوا چھوٹے۔بڑے کی عزت، تمیز تہذیب سے بھی ہم نالاں ہو گئے۔ خوف میں مبتلا ہو کر یرغمال تو ہم اب سب ہیں۔۔۔۔

ذرا سوچئے کہ پہلے تو ہم خود ہی لیڈروں کی شناخت میں ناکام ہوئے، خود ہی اپنے بچوں کو ان کے حوالے کیا جو یہ سبق دیا کرتے تھے کہ " کوئی رشتے دار آپ کی مدد کو نہیں آئے گا بلکہ صرف آپ کا ساتھی ہی آپ کی مدد کرے گا"۔۔۔۔۔پھر ہر گھر سے لاشیں اٹھنی لگیں اور گھروں پر چھاپے پڑ ھنے لگے۔۔۔۔ایجنسیوں کا نام ہر مسلے اور واقعہ پر لیا جانے لگا۔۔۔۔اس کے باوجود ہم اپنے رہنماؤ ں

کو نہیں پہنچان پا رہے؟ کسی بھی پارٹی کو یا جماعت کو آزمانے کے لیئے دو، تین یا پانچ سال بہت ہوتے ہیں۔۔۔ لیکن 30,32 سال بعد بھی ہم لیڈر کو نہیں سمجھ پا رہے۔۔۔۔۔ کیا اتنی موٹی بات بھی سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ جو رہنماء اپنے کارکنوں سے یہ نعرہ لگوائے کہ" منزل نہیں قائد چاہیئے" وہ کس طرح قوم سے یا قوم کی منزل سے مخلص ہو سکتا ہے؟۔۔۔۔۔ کیا کسی کو یہ بات بھی سمجھنے میں مشکل ہو رہی ہے کہ وہ لیڈر کس قدر بے وقوف یا لیڈر شپ سے نابلد ہوگا کہ جو اپنے ان ساتھیوں کو جنہیں دایاں اور بایاں بازو کہا کرتا تھا انہیں ہی تحریک سے الگ ہونے پر مجبور کر دے۔ اس زمانے میں ان پر جو الزامات لگائے گئے تھے کیا اب ان الزامات سے پاک ہے یہ تحریک؟

اس تحریک نے اپنے قیام سے آج تک اپنے کارکنوں کو کیا دیا؟ اسلحہ، لاشیں یا خوف ۔۔۔۔ یہ ہی وہ تباہ کن عوامل ہیں جس سے ڈر کر خود لندن میں محفوظ ہیں اوور کارکنوں سے مزید قربانیاں مانگی جا رہی ہے۔۔۔۔ کتنی عجیب بات ہے۔۔۔۔۔ کیا تحاریک میں ایسا ہی ہوتا ہے؟ رہنماء کارکنوں کی رائے لیکر آگے بڑھتا ہے؟ یا کارکنوں کو اپنے نقشِ قدم پر چلنے کی راہ دکھاتا ہے؟ اگر پہلی بات درست ہے تو لیڈر کیوں کارکنوں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر نہیں چل رہا۔۔۔۔ اگر دوسری بات صحیح ہے تو سب کو اپنے ساتھ وہاں کیوں نہیں بلوا لیتا؟ کیا کوئی ان سے یہ وضاحت طلب نہیں کر سکتا کہ کس لیئے یہ جد جہد کی

جارہی ہے ؟ کیوں یہ تحریک چلائی جارہی ہے ؟اور اب تک کیا فائدے اس تحریک سے عام کارکنوں اور ملک و قوم کو ہوئے ہیں ؟مسلسل حکومت میں رہنے کے باوجود کیا وجہ ہے کہ کارکنوں اور کنٹرول والے شہر کے لوگوں کو کچھ بھی نہیں ملا۔۔۔وہ شہر بھی نہیں جہاں آپ کو خوف نہ ہو؟اگر حکومت میں رہنے کے باوجود کچھ حاصل نہیں کیا جارہا، شکوے اور شکایتیں بڑھتی جارہی ہیں تو یہ کس کی نااہلی ہے ؟

میں جس لیڈر اور جس تحریک کا ذکر کررہا ہوں اس کا نام لکھنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے جبکہ مجھے یقین ہے کہ سب پڑھنے والے سمجھ رہے ہیں۔

ڈرون حملے کے نام پر عوام کو انتظار کروایا اور پھر وہ باتیں کی جو براہ راست قائداعظم محمد علی جناح کی شان میں گستاخی سے کم نہیں تھیں۔حیرت اس بات پر ہے کہ چند روز قبل " قائداعظم یا طالبان کا پاکستان " کی بات کی جارہی تھی ۔اسی عظیم قائد پر انتہائی چالاکی اور مکاری کے ساتھ یہ لیبل لگادینا کہ وہ برطانیہ کا پاسپورٹ رکھتے تھے ۔۔۔یہ جملہ قوم کو بے وقوف بنانے کے سوا اور کیا تھا؟ارے جناب آپ کے لوگ آپ کی " عزت اور احترام " کی وجہ سے آپ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔لیکن انہیں آپ بے وقوف سمجھنے لگے ہیں۔۔۔کیوں؟۔۔۔کیا آپ اتنے لاعلم اور بے وقوف لوگوں کے لیڈر ہیں جو یہ بھی

نہیں جانتی کہ 14 اگست 1947 کو پاکستان کے قیام کے بعد قائدا عظم نے کبھی بھی برطانیہ ،امریکہ یا کسی اور ملک کا دورہ نہیں کیا تھا۔

ارے لیڈر صاحب سب جانتے ہیں کہ ملک قائم ہونے کے چند ماہ بعد وہ بیمار ہو گئے تھے اور بعد ازاں ۱۱ ستمبر 1948 کو ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے پاس برٹش پاسپورٹ تھا تو یہ کونسی بری بات تھی ،برٹش پاسپورٹ انہوں نے استعمال تو نہیں کیا تھا؟ اس زمانے میں سب کے پاس برٹش پاسپورٹ ہی ہوتا تھا۔ لوگ تو یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کے پاس اس پاسپورٹ کے علاوہ کوئی اور پاسپورٹ نہیں تھا۔

قائد اعظم کی شان میں گستاخی کرنے والے یہ صاحب اس سے قبل 14اگست 1979 قائد اعظم کی مزار پر پاکستان کے پرچم کی بے حرمتی کرنے کے الزام میں عدالت سے نو ماہ کی سزا بھی سن چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ پاکستان کے حق پرست لیڈر ہیں اور پاکستان سے مخلص ہیں ؟

جمہوریت کیا ہوتی ہے؟

آیئے میں آپ کو آج اس ملک کے اس ادارے سے متعارف کراتا ہوں جو صرف جمہوری بلکہ اخلاقی نظام کا مثالی نمونہ بنا ہوا ہے۔جہاں کے لوگ اپنے ادارے ، اس کے قوائد و ضوابط اور اصولوں سے اس قدر مخلص ہیں کہ اپنے ذاتی مفادات کو قربان کردیتے ہیں ۔ کسی نے دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ کسی نے ذاتی مفادات کے حصول کی کوشش کی تو اسے ناپسندیدہ قرار دیکر رہنمائی سے ہٹادے تے ہیں۔یہاں کئی سالوں سے لیڈر رہنے والے کئی سالوں تک عام ممبر بنے رہتے ہیں اور جب عہدے سے ہٹتے ہیں تو عزت احترام کے ساتھ ہٹ جاتے ہیں۔اس ادارے میں 54 سال سے ہر سال انتخابات ہورہے ہیں ، کبھی بھی اور کسی بھی انتخابات کے بعد یا ووٹنگ کے دوران دھاندلی ، غیر جانبدارانہ اور غیر منصفانہ الیکشن کا الزام کسی جانب سے نہیں لگایا گیا۔ایسا بھی نہیں کہ یہاں صرف ایک ہی گروپ ہے ۔یہاں بھی دو گروپ ہیں ، دونوں گروپ کے نظریات الگ الگ ہیں، سیاسی وابستگیاں اور انسیتیں بھی الگ ہونگی ۔ مگر الحمداللہ کبھی بھی یہاں طوفانِ بدتمیزی نہیں مچا۔ دونوں ہی گروپس سے وابستہ لوگ پینل بنا کر انتخابات میں حصہ لیتے

ہیں۔انتخابی مہم بھی پورے جوش و خروش کے ساتھ چلائی جاتی ہیں ۔لیکن چونکہ دونوں گروپس میں شامل تمام ہی لوگ تعلیم یافتہ، سمجھدار اور انسانیت کی حقیقی خدمت کرنے کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں ۔اس لیئے ہر معاملے کو افہام و تفہیم سے حل کیا جاتا ہے۔ہر مسلے کو حل کرنے کی نیت سے ہی مذاکرات کئے جاتے ہیں۔

آپ یقین کریں کہ یہاں کے تمام اراکین بلا تفریق اور نظریات ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ایسی محبت جو معاشرے میں اب ناپید ہے۔انتخابات کے دنوں کے میں بھی یہ لوگ آپس میں الجھتے نہیں ہیں اور نہ ہی دلوں میں کدورتیں رکھتے ہیں۔

یہ گھر چند افراد سے آباد ہوا تھا آج اس سے تعلق رکھنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہیں اس کے ووٹرز کی تعداد گیارہ سو سے زائد ہے۔

یہاں نئے ممبرز بننے والوں کو گلے لگایا جاتا ہے اپنے ساتھ بیٹھنے ، کھانا کھانے ، کھیلنے اور پڑھنے کا موقع دیا جاتا ہے۔اس ادارے کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں ممبر بنانے کے لیئے بھی جمہوری تقاضے اپنائے جاتے ہیں اور لیڈر بنانے کے لیے بھی جمہوری اصولوں کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔

اس ایوان میں سب کو سنا جاتا ہے ،سب سے مشورہ لیا جاتا ہے ،سب کو لیڈری

کرنے اور اپنے دوستو کی خدمت کا موقع دیا جاتا ہے۔آپ یقین کریں کہ میں جس گھر، بنگلے، کوٹھی یا جھونپڑی کی بات کر رہا ہوں، اس کے مکین رشتے دار نہیں ہیں مگر رشتے داروں سے زیادہ محبتیں باٹنے والے ہیں۔ خونی رشتوں سے بڑھ کر اپنے ساتھی یا ساتھیوں کا خیال رکھنے والے ہیں۔یہاں آکر کوئی ممبر اگر تنہا رہنا چاہتا ہے تو بھلا رہے لیکن جو تنہائی کو پسند نہیں کرتا اسے کوئی بھی آکیلا نہیں چھوڑتا۔اس ادارے کا ہر کونا نجیب احمد ہیجی، یوسف خان، ارشاد گلابانی، عارف جئے جا،اصغر بھٹی، سجاد بھائی سجاد احمد) اور رفیع ناصر مرحوم کو یاد کرتا ہے۔ان مرحوم دوستو کے ساتھ یہاں کے) لوگ اسد محمود صاحب، شمیم الرحمان صاحب، غوثی صاحب،اقبال جعفری صاحب مرحوم کو کبھی بھی بھلا نہ پائے۔

یہاں کے اراکین ہمیشہ سلیم عاصمی، ادریس بختیار، مظہر عباس، عامر ضیاء، طاہر نجمی، مقصود یوسفی، قیصر محمود،انور سن رائے،امتیاز فاران، اے ایچ خانزادہ، موسیٰ کلیم، اور عامر لطیف کی ان خدمات کو کبھی نہیں بھلا سکیں گے جو انہوں نے ادا کی اور کر رہے ہیں۔

میں جس چہار دیواری کی بات کر رہا ہوں اسے " کراچی پریس کلب " کہا جاتا ہے۔

میں کراچی پریس کلب آئی ایچ برنی صاحب اور ان کے ساتھیوں کی جدوجہد1958 سے

قائم ہوا کلب کے قیام کے فوری بعد کلب انتخابات کا انعقاد ماہ دسمبر میں ہوا۔ 58ء سے اب تک مسلسل اور بغیر کسی تعطل کے ہر سال دسمبر میں انتخابات انتہائی پرامن اور خوشگوار ماحول میں ہوتے ہیں۔ اس سے قبل جون میں انتخابات یقینی بنائے جاتے رہے تھے لیکن پھر اتفاق رائے سے الیکشن دسمبر میں ہی کرانے کا فیصلہ کیا گیا۔

اہم مسائل یا منتخب باڈی سے اختلافات بڑھ جائیں تو جنرل باڈی کا اجلاس طلب کرکے فیصلہ کیا جاتا ہے۔ شاہد ایک بار جنرل باڈی نے ووٹنگ کے ذریعے منتخب باڈی پر عدم اعتماد کیا اور اسے فارغ کردیا گیا۔ ساتھ ہی ایڈمنسٹریٹر مقرر کرکے جلد ہی نئے انتخابات کرادیئے گئے تھے۔ یہ سب اس قدر احسن طریقے سے ہوا اور ہوتا ہے جیسے یہاں کی مخلوق کا تعلق پاکستان سے نہیں ہے۔ یہاں کی جمہوریت بلاشبہ مثال ہے۔

کلب کے سینئر ممبر، ہم سب کے لیئے قابلِ احترام اور ملک کے مشہور سینئر صحافی جناب ادریس بختیار (ادریس بھائی) سے میں نے پوچھا" ادریس بھائی مجھے یاد کرکے بتایئے کہ کوئی ایسا بھی سال رہا جب کلب میں الیکشن نہیں ہوئے ہوں؟"۔ ادریس بھائی نے کہا ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہوا کہ

منتخب عہدیداران سے ایک بار ممبران مایوس ہوئے تو جنرل کونسل کا اجلاس

بلا کر اس کمیٹی کو معزول کر دیا گیا۔

ادریس بھائی نے کہا کہ بلاشبہ کراچی پریس کلب " آئیڈیل ڈیموکریسی " کا نمونہ ہے۔ جمہوریت کی بات کرنے اور اپنے آپ کو جمہوری کہنے والے سیاست دانوں کو کراچی پریس کلب کی جمہوریت سے اور جمہوری نظام سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

طاہر القادری کا اصل ہدف

بی جمالو کا افسانوی کردار سب کو یاد ہوگا، خوشحال گھروں میں جا کر الٹی سیدھی باتیں کرنا اور آگ لگا کر چپ چاپ اگلی منزل کی طرف بڑھ جانا۔طاہر القادری کا پانچ سال بعد پاکستان آنا اور یہاں کی جیسی تیسی صورتحال مزید ابتر کر دینے کی ذمہ داری ان پر آئی تو مجھے بی جمالو یاد آگئیں۔بی جمالو زہریلی گفتگو کر کے کچھ عرصے کے لیئے محلے سے غائب ہو جایا کرتی تھیں لیکن طاہر القادری غائب رہنے کے بعد اچانک نمودار ہوئے۔انہوں نے ملک کی سیاسی فضا میں جو کچھ کیا اس کی بازگشت تا حال موجود ہے۔حالانکہ ملک میں انتخابات سے قبل پرانے چہرے نئے روپ ، نئے نعروں اور چند نئے چہروں کے ساتھ عموماً سامنے آتے ہیں۔طاہر القادری کی آمد اس لحاظ سے منفرد تھی کہ وہ انقلاب کی آواز لگا کر کینیڈا سے یہاں پہنچے۔ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے کینیڈا میں رہتے ہوئے اپنا علاج یا تبلیغی کام نہیں کیا بلکہ " انقلاب " لانے کی تربیت حاصل کرتے رہے۔ویسے تو ان کی گفتگو سے تاثر ملتا ہے کہ وہ بہت " پہنچے " ہوئے ہیں ۔ظاہر ہے کہ پہنچی ہوئی شخصیات کو کسی تربیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

طاہر القادری جو انقلاب لا رہے تھے وہ یزید اور کافر حکمرانوں کے خلاف تھا، ان کی بیشتر باتیں بھی ایسی تھیں جس پر سب متفق تھے یہ ہی وجہ تھی کہ عوام کی خاموش اکثریت کی بھی ان کو حمایت حاصل ہونے لگی تھی۔ شدید قسم کے اختلاف کے باوجود لوگ یہ کہنے لگے تھے کہ " قادری صاحب باتیں تو درست کر رہے ہیں "۔ لیکن ایک ہی گرم عشرے میں ان کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔جو یہ کہنے لگے تھے کہ تبدیل آنے والی ہے " اب پوچھ رہے ہیں کہ " آخر یہ سب کیا ڈرامہ تھا ؟،

طاہر القادری ایسا انقلاب لائے جس کی مثال آئیڈیل انقلابات کی تحاریک میں ملنا تو مشکل ہے ۔انقلاب کی باتیں متحدہ کی صفحوں سے بھی بہت آتی ہیں۔تاہم ان کا نتیجہ تاحال نظر نہیں آیا یہ اور بات ہے کہ ان کے ہزاروں کارکن جانوں کی قربانی دے چکے ہیں،اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

انقلاب کا مطلب ہوتا ہے کہ پرانے ، بوسیدہ اور عوام کے لیئے غیر مؤثر نظام کی جگہ نیا نظام عوامی طاقت سے رائج کرنا۔

مولانا طاہر چونکہ پرانے نظام کے کرتا دھرتاؤ ں سے مذاکرات کرکے اس کا حصہ بننے پر تیار ہوئے اور اپنے اس انقلاب کو ختم کرنے کا اعلان کیا ہے اس لیئے

اگر یہ بھی کوئی انقلاب تھا تو اس کی مثال رہتی دنیا تک دوبارہ ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ بہر حال اسے منفرد، انوکھا اور مثالی انقلاب کہا جا سکتا ہے۔

اس کا مطلب واضح ہے کہ طاہر القادری اپنے اس لانگ مارچ کا مقصد حاصل کر چکے ہیں۔ دلچسپ اور اہم بات یہ ہے کہ طاہر القادری اپنی ہر تقریر میں آئینی اصلاحات کی بات کرتے تھے لیکن خود ہی آئینی دائرے سے باہر ہونے کے باوجود ان آئینی حکمرانوں سے بات چیت کی جنہیں یہ۔یزید تک کہنے سے نہیں گھبراتے تھے اور ان ہی سے ایک غیر آئینی معاہدہ کیا جس کی کچھ بھی اہمیت نہیں ہے۔یاد رہے کہ یہ معاہدہ ایک ایسے وزیراعظم راجہ پرویز کے دستخط سے ہوا ہے جو نا صرف متنازعہ بلکہ مجرم بھی قرار پا چکے ہیں۔ایسی صورت میں وزیراعظم کے تمام اقدامات کو کسی بھی وقت غیر قانونی قرار دیکر انہیں غیر مؤثر قرار دیا جا سکتا ہے۔اس طرح مولانا طاہر القادری کا معاہدہ زیادہ سے زیادہ ان کے اور حکومتی جماعتوں کے درمیان ہونے والے ایگریمنٹ سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے، جس پر عمل درامد حکومت کی نہیں ہے۔بلکہ یہ معاملہ صرف حکومت میں شامل سیاسی جماعتوں تک کا ہے۔طاہر القادری اور ان کی جماعت چونکہ الیکشن کمیشن کے ریکارڈ میں رجسٹرڈ نہیں ہے اس لیئے آئینی طور پر اس معاہدے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

میری نظر میں یہ انقلاب اور معاہدہ حکومت اور خود طاہر القادری کے ملک میں استحکام کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔اس معاہدے کے نتیجے میں پیپلز پارٹی اور اس کے حکومتی اتحادیوں کو ایوان سے باہر ایک جماعت کی حمایت ہو گی اور یہ حمایت ائندہ انتخابات میں مذکورہ تمام جماعتوں کے لیئے سود مند ثابت ہو گی۔طاہر القادری کی موومنٹ صدر زرداری کے مستقبل کا بھی ضامن ہے آئندہ انتخابات میں طاہر القادری اور ان کے خاندان کے افراد حصہ نہیں لیں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن غالب امکان ہے کہ ان کی جماعت عوامی تحریک ، پیپلز پارٹی کے ساتھ الائنس کرکے انتخابات میں حصہ لے گی۔اس طرح پیپلز پارٹی کو ائندہ انتخابات میں ایک ایسا مذہبی اتحادی مل جائے گا جو عالمی قوتوں کو بھی قابل قبول ہوگا۔رہی بات طاہر القادری اور ان کے خاندان کا انتخابات نہ لڑنے کا اعلان تو اس کی وجہ صرف یہ ہی ہے کہ دوہری شہریت کے باعث وہ اور ان کا خاندان انتخابات میں حصہ لینے کے لیئے اہل ہی نہیں ہے۔

ممکن ہے آئندہ عوامی پارٹی وہ کردار ادا کرے گی جو پیپلز پارٹی کی حکومت کے قیام اور استحکام کے لیئے ان دنوں ایم کیوایم ادا کر رہی ہے۔آئندہ انتخابات میں متحدہ ، پی پی پی کا ساتھ دے یا نہ دے لیکن امکان ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن کی جماعت پی پی پی کا ساتھ نہیں دے گی۔بس یہ ہی طاہر القادری کا انقلاب اور انقلابی سیاست کے مقاصد ہیں ۔آنے والے دنوں میں یہ بات ثابت

ہو جائے گی کہ اس تمام ڈرامے کے پیچھے آصف علی زرداری اور ان کو چاہنے والی عالمی قوت امریکہ کا ہاتھ تھا۔امریکہ کی یہ مجبوری ہے کہ وہ اپنی کالونیوں کے لیئے ماڈرن اوراعتدال پسند اسلامی قوتوں کو بھی اپنے ساتھ رکھے اور یہ ثابت کرے کہ اس کی پالیساں مسلمانوں کے خلاف نہیں ہے طاہرالقادری اپنے اسکرپٹ رائٹرز کو یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں کہ ان کے حمایتیوں کی تعداد سینکڑوں یا ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں میں ہیں اور وہ اسلام کے نام پر لاکھوں لوگوں کو چند دنوں کے نوٹس پر کئی روز کے لیئے اکھٹا کرسکتے ہیں۔

قوم کیا کرے؟

معروف صحافی نجم سیٹھی صاحب اپنے ایک پروگرام میں فرما رہے تھے کہ ہمارے ملک میں " امین اور صادق کا فیصلہ کون کرے گا، جو یہ طے کرے گا اس کے خلاف بھی دس انگلیاں اٹھیں گی"۔ملک کے ایک بڑے صحافی کا یہ جملہ پوری قوم کے لیئے باعث فکر اور شرم ہے۔ اس جملے میں مایوسی بھی واضح ہے لیکن مجھے کم از کم مایوسی نہیں ہے خصوصاً عدلیہ کی آزادی اور چیف جسٹس پاکستان افتخار محمد چوہدری کے اقدامات کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔اب تو اچھے دنوں اور اچھے معاشرے کے وجود میں آنے کی خوش گمانی پیدا ہوئی ہے۔

تاہم ملک باالخصوص کراچی کی صورتحال پر نہ صرف اس شہر بلکہ پورے ملک کے لوگوں کی تشویش بجا ہے۔ فیس بک پر میں نے 22 جنوری کی رات گیارہ بجے اپنے اسٹیٹس پر اس تشویش کا اظہار کیا کہ کراچی میں آج بھی 14 افراد نامعلوم قاتلوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ 12 بجکر 14 منٹ پر مقامی چینل کے کیمرہ مین سرور رضا نے تبصرہ کیا کہ " سولہ افراد قتل ہوئے سر! "۔ چند گھنٹے بعد میرے استاد اور سینئر صحافی نادر شاہ عادل صاحب نے تبصرہ کیا " گذشتہ 24 گھنٹوں میں 22 لوگ ظالموں کی گولیوں کا نشانہ بن چکے ہیں انور میاں"۔

23 جنوری کی صبح روزنامہ جسارت میری نظروں کے سامنے تھا اس کی لیڈ اسٹوری کی سرخی تھی " کراچی پولیس کے قابو سے باہر ہوگیا، چیف جسٹس "۔ کراچی میں امن و امان کی صورتحال کے حوالے سے جاری مقدمہ کی سماعت کے دوران اس روز عدالت میں کیا ہوا اس کے لیئے عدالت میں ہونے والے مکالمے ملاحظہ کیجئے۔

چیف جسٹس : کیا کراچی کے حالات بہتر ہوئے یا مار دھاڑ کا سلسلہ جاری ہے؟ کراچی میں سو فیصد حالات کنٹرول میں نہیں ہوئے لیکن صورتحال اب بہتر ہے، چیف سیکریٹری نے جواب دیا۔

چیف جسٹس (برہمی کا اظہار کرتے ہوئے) آج بھی کراچی میں لاشیں گری ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ صورتحال بہتر ہو رہی ہے؟ متحدہ کے ایم پی اے منظر امام کو مار دیا گیا تو پھر کون محفوظ ہے؟ اگر ایک ایم پی اے دو محافظوں سمیت مارا گیا ہے تو پھر کیسے بہتری آئی ہے؟ چیف جسٹس نے مزید کہا کہ سندھ کی پولیس سیاست زدہ ہو چکی ہے،جہاں کام نہ کرنا ہو کمیٹیاں بنادی جاتی ہیں۔انہوں نے کہا کہ اجمل پہاڑی کیسے رہا ہوا اس کا بھی جواب دیں؟کامران مادھوری کو بھی چھوڑ دیا گیا۔

پولیس حکام : عدالت کے دباؤ پر اجمل پہاڑی کو چھوڑ دیا گیا۔
چیف جسٹس : جب ثبوت فراہم نہیں کیئے جائیں گے تو عدالتیں رہائی کا ہی حکم دیں گی۔ سیاست اور مفادات سے بالاتر ہو کر اقدامات کیئے جائیں تو کراچی امن قائم ہو سکتا ہے۔
ایڈوکیٹ جنرل: پانچ ہزار طالبان کراچی میں داخل ہو چکے ہیں۔
چیف جسٹس: طالبان کوئی ایسی چیز نہیں جنہیں حکومت کنٹرول نہ کر سکے۔
ایڈوکیٹ جنرل: ایک ہفتے کا ٹائم دیدیں اچھے نتائج دکھائیں گے۔
چیف جسٹس : کراچی کی صورتحال دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے اگر پولیس ٹھیک نہیں ہے تو پھر کیا کریں گے ؟اپنی حکومت سے کہہ دیں آج شام تک پولیس کو سیاست سے پاک کر دیں، سندھ پولیس سیاست زدہ ہو چکی ہے۔
چیف جسٹس کے اقدامات قابلِ تحسین ہیں لیکن جب عمل درآمد کرنے اور کرانے

والی اتھارٹی ہی سیاسی طور پر آلودہ ہو تو پھر کس طرح امن ہوگا؟ عدلیہ کس طرح تن تنہا امن کے قیام کی ضامن ہو سکتی ہے؟ عدالتیں جس طرح کام کر رہی ہیں اس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ سوال یہ ہے کہ قانون کی حکمرانی میں ناکام حکمرانوں کو کون لگام دے گا؟ انہیں کون بتائے گا کہ جو حکومتیں امن بھی قائم نہیں کر سکتی ایسی حکومتوں کی مہذب معاشروں میں وجود کی گنجائش نہیں ہوتی۔

کراچی میں پہلے سال کے پہلے مہینے میں اب تک 147 افراد کو گولیاں مار کر ہلاک کیا جاچکا ہے۔

متحدہ، جماعت اسلامی، مہاجر قومی موومنٹ، مسلم لیگ نواز اور اے این پی کے مقامی عہدیدار بھی جانوں سے جا رہے ہیں۔ دہشت گرد جس کو چاہے ہلاک کر رہے ہیں، کوئی بھی تو محفوظ نہیں ہے۔

سپریم کورٹ صوبائی حکومت میں شامل تینوں جماعتوں پیپلز پارٹی، متحدہ قومی موومنٹ اور اے این پی کو امن وامان کی خرابی، قتل و غارت اور بھتہ کی وصولی جیسے جرائم کا ذمہ دار قرار دے چکی ہے۔

لیکن ان تینوں جماعتوں کی ڈھٹائی اور بے حسی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے اوپر لگنے والے اس سنگین الزام کے باوجود اپنے بے تکے مؤقف کے ساتھ آئندہ کے

انتخابات کی تیاریوں میں مصروف ہیں، انہیں نہ عام افراد نہ اپنے کارکنوں کی ناگہانی اموات کا دکھ ہے انہیں بس انتخابات میں دوبارہ کامیاب ہونے اور پھر پانچ سال کے لیئے لوگوں پر " مسلط " ہونے کی جستجو ہے۔اس فکر میں اے این پی اور متحدہ کے درمیان تازہ قربتیں پیدا ہوگئیں ہیں۔اللہ کرے کہ یہ دوستی امن کا باعث بنے۔

چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے حکم دیا ہے کہ سیاست اور مفادات سے بالاتر ہو کر کراچی میں امن کے لیئے اقدامات کیئے جائیں لیکن مذکورہ تینوں حکومتی جماعتوں نے قتل و غارت اور بھتہ کے واقعات کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور اپنے مفادات کی تکمیل کے لیئے سب کچھ بھلا دینے پر تیار ہو چکے ہیں۔لاشوں پر سیاست کی احیاء اسے نہیں تو کس کو کہا جائے گا؟

اپنے ووٹرز کو سکون تک فراہم کرنے میں ناکام ہوجانے والی جماعتیں دوبارہ پھر اقتدار میں آنے کے خواب دیکھنے لگیں اور صرف اسی مقصد کے حصول کے لیئے سرگرم ہوجائے تو کیا کہا جائے ؟

کیا یہ عام اور نارمل ذہنیت کے لوگوں کی پارٹیاں ہیں؟ سوال یہ ہے کہ آخر ان کو کن وجوہات کی بناء پر اپنی دوبارہ کامیابی کی توقع ہے؟ یہ تو وہ حکومتی

پارٹیاں ہیں جو گذشتہ پانچ سال میں کراچی کو اگر کچھ دیا ہے تو وہ لاشیں ہیں اور لیا ہے تو بھتہ، اور سکون ہے۔ان پارٹیوں کے لیڈرز کی بے حسی اور ڈھٹائی پر ان کے نفسیاتی مریض ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی سیاسی جماعت دہشت گردوں کا قلع قمع نہیں کرسکتی لیکن حکومت کرنے والی جماعت یا اتحادی دہشت گردی کو کنٹرول کرنے میں ناکام ہوجائیں تو یہ ان کی حکمرانی کی ناکامی ہوتی ہے۔ایسی صورت میں ذمہ دار وزیر یا پارٹی کو اپنے عہدے استعفٰی دیدینا چاہئے اور ورنہ حکومتی سیٹ اپ سے علیحدگی اختیار کرکے قوم سے اظہار یکجہتی کرنا چاہئے۔حکومت میں رہتے ہوئے حکومت کی ناکامی کا رونا پیٹنے کی مثال صرف پاکستان ہی میں ملتی ہے۔ متحدہ دنیا کی وہ واحد جماعت ہے جو حکومت میں رہتے ہوئے ایک سے زائد مرتبہ حکومتی اقدامات پر احتجاج کرچکی ہے۔ ساتھ ہی وہ بھتہ وصولی اور ٹارگٹ کلنگ پر بھی اپنا احتجاج ریکارڈ کراچکی ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ حکومت اور اس کے اتحادیوں نے اصولی طور پر یہ طے کرلیاہے کہ کسی بھی واقعہ پر سنجیدگی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے دکھاوے کا احتجاج کرکے دوبارہ اپنے معمولات میں مشغول ہوجانا چاہئے بعد ازاں قوم خود ہی سب کچھ بھول جائے گی۔

تقریباً دو ماہ قبل وفاقی وزیر سید خورشید شاہ نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کراچی میں غیر قانونی اسلحہ کی برآمدگی کے لئے آپریشن کی ضرورت پر زور دیا تھا جس پر قومی اسمبلی میں ایک قرارداد بھی منظور کی گئی لیکن متحدہ نے اس آپریشن کی ان الفاظ کے ساتھ مخالفت کردی تھی کہ آپریشن صرف کراچی میں ہی نہیں بلکہ پورے ملک میں ہونا چاہئے کیونکہ پورے ملک میں غیر قانونی اسلحہ موجود ہے۔ متحدہ نے اپنے مؤقف کی حمایت میں دوسرے ہی دن قومی اسمبلی میں قرارداد پیش کی۔ قومی اسمبلی میں ہونے والی ان کارروائیوں سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ عوامی نمائندے غیر قانونی اسلحہ کی برآمدگی میں سنجیدہ ہیں لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ثابت ہوا کہ نہ تو پیپلز پارٹی کے لوگ اور نہ ہی متحدہ اور اے این پی غیر قانونی اسلحہ کی برآمدگی کے خلاف آپریشن کے حق میں ہیں۔ نومبر کے آخری عشرے میں جس معاملے پر شور تھا وہ اب سب بھول چکے ہیں، عوامی نمائندے بھی اور عوام بھی۔ لیکن یہ اسلحہ مسلسل آگ اگل رہا ہے۔ اس سے نکلنے والی گولیوں نے شہر کی ساکھ کو بری طرح متاثر بھی کیا ہے۔ غیر قانونی اسلحہ کا استعمال جس قدر عروس البلاد میں ہے اتنا ملک کے کسی بھی شہر میں نہیں۔ حالات کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا جس قدر خون ریزی کراچی میں ہوتی ہے اتنی تو ملک کے قبائلی علاقوں میں بھی نہیں ہوتی اور جس قدر اسلحہ سے سوات اور دیگر علاقوں میں انسانی جانیں لی جاچکی ہیں اس سے زیادہ کراچی

میں لوگوں کو ٹارگٹ کیا جاچکا ہے۔ وہاں طالبان اور شدت پسند کارروائی کرتے ہیں، دھماکہ بھی ہوتے ہیں لیکن اب تو کراچی میں دھماکہ بھی ہو رہے ہیں اور ایک ساتھ دو دو دھماکے ہو جاتے ہیں۔ سوات اور قبائلی علاقوں کے امن کے لیئے فوج کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہے تو کراچی میں فوجی آپریشن کیوں نہیں کرایا جاسکتا؟۔ یہ سوال کراچی والے ان کے اپنے عوامی نمائندے ہونے کے دعویداروں سے پوچھتے ہیں۔۔۔۔ ہے کوئی عوام کا خیر خواہ جو اس کا جواب دے گا؟ شائد کوئی نہیں اس لیئے ہمارے ملک میں امین اور صادق بھی تو ندارد ہیں۔ بس قوم صرف اللہ توکل پر زندگی گذار رہی ہے۔۔۔۔ کرے بھی تو اور کیا کرے؟

لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے؟

ایک ہی نظریا ملاقات میں دوسروں کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے سے قبل ہم کو ان کی نگاہوں، باتوں اور رویئے سے خود اپنے بارے میں غور کرنا چاہئے اور نتیجہ اخذ کرکے ایسا عمل کرنا چاہئے کہ اپنی کمزوریاں بھی دور ہو جائیں اور دوسرے کی بھی اصلاح ہو جائے۔ بدنیتی یا پھر جلد بازی اور مصروفیت کے باعث ہمارے پاس صرف دوسروں کے بارے میں رائے قائم کرنے اور تنقید کرنے کا وقت ہے۔ لیکن اپنے آپ کو دیکھنے، جانچنے اور اپنی اصلاح کرنے کا سبق ہم بھول چکے ہیں اور اگر ایسی بات یاد آجائے تو پھر وقت نہیں ہے۔۔۔۔ دوسروں کی برائی کرنے میں جو مزا ہے وہ بھلا خود اپنی اصلاح کرنے میں کہاں؟۔

" یار ہم کیا کریں، اکیلا آدمی بھلا کیا کر سکتا ہے؟" کسی نے اس طرف توجہ دلائی تو فوری" زبان دراز کردی"۔ اگلا بھی خاموش چل پڑا، آگے جا کر ایک دوسرے ساتھی نے یوں منہ کھولا" اور سمجھا اس کو" ایک ہی جملے میں اس نے خاموش کردیا تھے"۔ یہ ہے ہم اور ہمارا معاشرہ، اسی طرح خوب پھل پھول رہا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے بگڑتا جارہا ہے۔ آپ میں طاقت اور ہمت ہے اسے سدھارنے کی؟ ارے رکیں

بھائی جواب مت دیں، اس تحریر کے آغاز پر جو کچھ لکھا کیا اس پر آپ عمل کر چکے ہیں؟۔۔۔یہ لو۔۔۔آپ تو میرے بارے میں سوچنے لگے۔۔۔۔

ہم صدر آصف زرداری، وزیراعظم راجہ پرویز، وزراء اور دیگر سیاسی شخصیات کے بارے میں خوب دل کھول کر اظہارِ خیال کرتے ہیں۔بلکہ ہر شخص کے بارے میں ہماری زبان ایسے انگارے اگلتی ہے جیسے ہماری ذاتی دشمنی ہو۔ویسے اگر دیکھا جائے تو ہم سب کا دلچسپ موضوع "برائی کرنا ہوتا ہے"۔کسی بھی طرح از خود محفل برائی کی جانب بڑھ جاتی ہے اور پھر دل کھول کر بھڑاس نکالنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔اس دوران کسی میں یہ ہمت نہیں ہوتی کہ دوسروں کو غیبت کرنے سے روکے۔بغیر سوچے سمجھے ہم بلاوجہ ہی بس دوسرے کی ہاں میں ہاں ملانے کے لیئے برائی کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایک بظاہر چھوٹی سی لیکن بہت بری عادت ہماری زندگی اور آخرت دونوں ہی کو تباہ کر رہی ہے۔

ہم ہر معاملے میں جھوٹ بولنے اور بے ایمانی کرنے والی دنیا کی واحد مخلوق بن چکے ہیں۔جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا سب سے ڈرنے والے بن گئے ہیں۔ہمارے دل و دماغ مین دنیا کے خداؤں کو خوف سرایت کر گیا ہے۔

عام انتخابات کی آمد ہے۔ سارے ہی سیاست دانوں کو ایک ہی جملے میں برا بھلا کہہ دینے والوں ہی کو ووٹ دینے کا موقع آنے والا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ہم جب کسی کو جانچنے، پرکھنے اور سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے تو ووٹ دینے کا اہم فریضہ ادا کرنے کے قابل بھی ہیں؟ معمولی مفاد یا پھر خوف ہمیں کسی کو بھی ووٹ دینے کے لیئے مجبور کرسکتا ہے۔ یہ ہی ہوتا ہے ایسے معاشروں میں جہاں شیطان کا راج ہو نتیجے میں پھر مفاد پرست منتخب ہو کر ایوانوں میں پہنچ جاتے ہیں۔

لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے سمجھنے کی بات یہ ہے اور میری اس تحریر کا مقصد بھی یہ ہی ہے واضح کرنا ہے۔ معاشرے میں بے ایمانی، جعلسازی اور جھوٹ عام ہو جائے تو پھر بڑے جھوٹے، بے ایمان اور جعلسازوں کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ وہ ہر ایک کو باآسانی دبا اور ڈرا سکتے ہیں، کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ ہمارے ووٹرز بھی " دودھ کے دھلے " نہیں ہیں۔ یہ سب لوگ بھی تو کنڈے یا میٹر کو ٹمپر کرکے بجلی حاصل کرتے ہیں، یہ بھی تو پانی تک کا بل ہی نہیں بلکہ حقوق العباد ادا ہی نہیں کرتے۔ ان میں دیگر وہ تمام برائیاں بھی ہیں جو پورے معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ معاشرے میں جب برائی بڑھتی ہے تو برے لوگ اور ظالم لوگ

حکمران بن جاتے ہیں۔ بس اگر ہمیں اپنے لیئے اچھے حکمرانوں کی ضرورت ہے اور پورے معاشرے کو سدھارنا ہے تو ہم سب کو انفرادی طور اللہ سے ڈرنے والے بننا ہوگا۔جب ہم سب اللہ سے ڈرنے والے بن جائیں گے تو کوئی کسی کو ڈرا دھمکا نہیں سکے گا۔ بس یہ ہی ایک صورت ہے ملک اور معاشرے کو تباہی سے بچانے کی۔

انتخابات اور اطلاعات

آیئے آج پھر اپنے ملک کی بات کرتے ہیں۔ ملک کے بالائی علاقوں موسم بدستور سرد ہے لیکن بالائی اور سیاسی ایوانوں کا موسم گرم ہے۔انتخابات کی تیاریاں بھی جاری ہیں لیکن ان کے ملتوی کیئے جانیں کی باتیں بھی چل رہی ہیں۔ پنجاب میں نئے صوبے کے قیام بارے مین کمیشن کی رپورٹ ایسے وقت میں منظر عام پر لائی گئ ہے جب انتخابات سر پر ہیں ۔مگر اس رپورٹ سے ہزارہ صوبے کے نعرے کی احیاء کردی گئ ۔ ممکن ہے آئندہ چند روز میں سندھ میں بھی ایک اور صوبے کے ضرورت کی آواز کراچی سے دوبارہ آنے لگے۔جہاں ابھی صرف گولیاں چلنے اور لاشیں گرنے کی بازگشت ہے۔

جب میں یہ تحریر کررہا تھا اس وقت ایوان صدر میں صدر آصف زرداری کی صدارت ہیں اجلاس ہورہا تھا۔اطلاعات کے مطابق اجلاس میں نگراں حکومت کے قیام اور کراچی میں امن وامان کی صورتحال پر خصوصی طور پر غور کیا جارہا تھا۔

پیر کادن زیادہ گرم اس لیئے محسوس ہوا کہ پیپلز پارٹی کے رہنما سینٹر رضا ربانی نے اطلاع دی کہ ملک میں دو تین سال کے لیئے غیر آئینی نظام مسلط کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔ جبکہ کرائم کی پیشگی اطلاع دینے والے وفاقی وزیراے آر

ملک نے تازہ مخبری کی ہے اور بتایا کہ کراچی میں فروری کے پہلے ہفتے میں دہشت گردی کی بڑی لہر شروع ہونے کا خدشہ ہے۔وزیر داخلہ نے اپنی اطلاع میں ایک ضروری وضاحت یہ بھی کی کہ ممکنہ دہشت گردی کی کارروائیوں میں طالبان ملوث نہیں ہیں۔ ویسے بھی کوئی کارروائی رونما ہونے سے قبل ہی اس میں کون ملوث ہیں اور کون نہیں ہیں یہ بتانے کی صلاحیت اور قابلیت صرف اے آر ملک ہی رکھتے ہیں؟۔شائد طالبان نے ان کو یقین دلادیا ہے کہ اب بہت ہوگیا ہم تھک گئے ہیں اس لیئے مزید کچھ ایسا ویسا نہیں کرینگے ۔ملک صاحب نے پانچ سال کے دوران" دلاسے اور ایسی خوفناک اطلاعات کے علاوہ کچھ بھی نہیں دیا۔اس لیئے ان کے بارے میں مزید بات کا ابھی موڈ نہیں ہے۔بس صرف اتنا جاننا ہے کہ اگر فروری سے جو کچھ ہوگا وہ خطرناک لہر ہے تو ان دنوں بلکہ گذشتہ پانچ سال سے کراچی میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کیا کوئی کم خطرناک تھا یا پھر کوئی تفریحی پروگرام ؟۔

بات کرتے ہیں رضا ربانی صاحب کی اطلاعات اور انتخابات کی۔

انتخابات سے قبل نگراں سیٹ اپ کے لیئے عاصمہ جہانگیر کا مجوزہ نام بھی سیاسی مارکیٹ میں اچھال دیا گیا ہے تاکہ اس نام پر رائے لے لی جائے۔ عام خیال یہ ہے کہ عاصمہ صاحبہ کے نام پر صرف ان قوتوں کو اعتراض نہیں ہوگا جو

ہمارے ملک کی این جی اوز کی سرپرستی اور انہیں ڈالر فراہم کرتی ہیں۔دوسری طرف الیکشن کمیشن کو متنازعہ بنایا جارہا ہے حالانکہ اس کمیشن کے چیئرمین کی تقرری اپوزیشن کی رائے اور مشورے سے عمل میں لائی گئی تھی۔ تھوڑا سا ذہن پر زور ڈالیں تو یاد آجائے گا کہ الیکشن کمیشن پر پہلی بار اعتراض طاہرالقادری نے کیا تھا۔ لگتا ہے کہ طاہرالقادری کی بات پر توجہ نہ دینے کی صورت میں یہ ہی کام میاں نواز شریف کی پارٹی سے کرانا ہوگا پہلے ہی سے طے کیا جاچکا تھا۔ ہم سب کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ نواز شریف کی مسلم لیگ پر "فرینڈلی اپوزیشن "کاالزام پورے جمہوری دور میں لگا رہا۔اب اچانک انتخابات کرانے والی اتھارٹی پر انگلیاں اٹھانے کے عمل کو قوم" دوستانہ چال " کیوں قرار نہیں دے سکتی؟

جس طرح حکومت کو ختم کرنے کی بھرپور کارروائی اس اپوزیشن نے کئی دھمکیوں کے باوجود کبھی نہیں کی۔ اس لیئے لگتا یہ ہی کہ یہ سب بھی ایک خفیہ ڈیل کے باعث ہو رہا ہے تاکہ کسی بھی طرح انتخابات تاخیر کا شکار ہوجائیں اور سب جوں کا توں رہے، کم از کم پنجاب تو" میاں برادران " سے دور نہ ہوپائے۔

رضا ربانی صاحب بہت سوں کے لیئے قابلِ عزت ہیں ان کی بات کو نظرانداز کرنا کم از کم میرے لیئے آسان بات نہیں ہے لیکن انتخابات سرپر ہوں اور یہ کہہ

دیا جائے کہ "دو تین سال کے لیئے غیر آئینی نظام لانے کی سازش کی جارہی ہے؟" ان کی زبان سے مضحکہ خیز لگتا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ بات پھر کسی خوف کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے۔ جی ہاں خوف، موجودہ حکومت کا تازہ خوف صرف یہ ہی تو ہے کہ انتخابات کی صورت میں آئندہ کامیابی ہوگی یا نہیں؟ اور ناکامی کی صورت میں پیپلز پارٹی کی صف اول کی قیادت کو اگلی منزل کے لیئے راستہ ملے گا بھی یا نہیں؟

دوسری اہم بات یہ ہے کہ جس قوت نے موجودہ جمہوری حکومت کے لیئے راستہ ہموار کیا اور سیاست دانوں سے غیر آئینی طور پر مذاکرات کرکے بدنام زمانہ این آر او پر دستخط کرائے کیا وہ اب یہ سب بھلا چکی ہے؟ کیا وہ قوت این آر او سے استعفادہ حاصل کرنے والوں کو سپریم کورٹ کے حکم کے باوجود "صاف راستہ" فراہم کردے گی؟ ایسی صورت میں خود اس قوت کی ذمہ داریاں کیا ہونگی؟

یہ ہی وہ خوف ہے جس کے باعث حکومت میں رہتے ہوئے بھی رضا ربانی اور عبدالرحمن ملک مایوسی اور خوف کی باتیں کررہے ہیں۔

خدشہ ہے کہ کراچی کے بارے میں وزیر داخلہ کی اطلاعات کے مطابق وہ سب کچھ ہوگا اور دیگر ایسی وجوہات پیدا ہوجائیں گی جن میں نئے صوبے کا قیام سب سے

اہم ہے کو بہانہ بنا کر انتخابات ملتوی کر دئیے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ انتخابات کے التواء کا اعلان نگراں حکومت کے ذمہ آئے لیکن اگر نگراں حکومت کا معاملہ ہی طے نہ ہو سکے تو یہ پھر" روایتی انداز" سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

قوم کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ آج جب 28 جنوری کو کراچی میں ووٹوں کی تصدیق کے لیئے مزید فوج کی خدمات حاصل کرنے کا اعلان کیا گیا ہے اسی کے ساتھ وزیر داخلہ کی جانب سے فروری سے کراچی میں دہشت گردی کی خطرناک کارروائیوں کی بات ' کیوں کی گئی ؟ بہرحال ان کی یہ بات ' نوشتہ دیوار " پڑھنے پر مجبور کر رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسی کارروائیوں میں جو بھی ہوں اگر اطلاعات مصدقہ ہیں تو انہیں پہلے ہی گرفتار کرنے کے لیئے بے بسی کیوں ہے؟ ضروری ہے کہ کارروائیاں ہونے کے بعد حکومت حرکت میں آئے اس سے قبل بھی تو کارروائی کی جا سکتی ہے؟ وزیر داخلہ صاحب نے ان اطلاعات کی تشہیر ضروری سمجھی جبکہ دہشت گردوں سے نمٹنے کے لئے انہوں نے کہا کہ میں جلد ہی اس حوالے سے اجلاس بلاؤں گا۔ اللہ کرے وزیر داخلہ اے آر ملک اور رضا ربانی کی باتیں غلط ثابت ہوں۔ لیکن اس بارے میں صورتحال آنے والے دنوں میں واضح ہو سکے گی۔ بس انتظار کیجئے۔

سیاست دانوں سے بھری بس ایک گاؤں سے گذرتی ہوئی کھائی میں گر گئی ، چیخ و پکار سن کر چند دیہاتی اس طرف پہنچے اور کھائی میں مٹی ڈال کر اسے مسافروں سمیت دفن کر دیا۔ دو روز بعد پولیس موقعہ پر پہنچی ، پولیس افسر نے گاؤں والوں سے بس کے حادثے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے سچ بیان کر دیا ، انسپکٹر نے بھی لمبا سانس لیا اور پوچھا کہ کیا سب مر چکے تھے ؟ ان لوگوں نے کہا نہیں کچھ لوگ چلا کر کہہ رہے تھے کہ ہم زندہ ہیں اور سیاست دان ہیں مگر ہم سب نے سوچا کہ ان کی بات پر یقین کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے یہ تو اسی طرح چیخ ، چیخ کر جھوٹ بولتے ہیں۔ کھائی میں گرنے کے بعد کون
بچ سکتا ہے بھلا۔

یہ لطیفہ مجھے ملک کے سیاست دانوں کے نت نئے بیانات کے باعث یاد آیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے سیاست دان جھوٹ نہیں بولتے تو یہ جھوٹ کے ساتھ مذاق یا سب سے بڑا جھوٹ ہوگا۔ سنجیدہ بات یہ ہے کہ ہمارے بیشتر سیاست دان جھوٹ سچائی کے ساتھ بولتے ہیں سچائی یہ ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ بول رہے ہیں یہ ہی سچ ہے۔ ویسے غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اکثر سیاسی شخصیات سچ اور جھوٹ کے چکر

میں پڑے بغیر صرف بولے جاتی ہیں۔ظاہر ہے سب مولانا طاہر القادری کی طرح باہمت ہو نہیں سکتے جو اللہ کی قسم کھا کر لوگوں کو یقین دلاتے ہیں۔

صدر مملکت آصف زرداری کے بارے میں مسلم لیگ کے میاں نواز شریف کا کہنا ہے کہ انہوں نے بہت دھوکے دیئے اب ان کی بات پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔لیکن میاں صاحب کو جب سچ بولنا ہوتا ہے تو وہ سیدھے سعودی عرب چلے جاتے ہیں،شائد ان کا خیال ہو کہ اگر سچ ہی بولنا ہے تو مدینہ کے قرب میں ہی بولا جائے ثواب زیادہ ملے گا۔

عام لوگوں کا خیال تھا کہ انتخابات قریب ہیں اس لیئے جس دھرنے کا ان کی جماعت نے اعلان کیا ہے اس کی رہنمائی وہ خود کریں گے۔لیکن وہ تو پہلے ہی جدہ کوچ کر گئے تھے۔تاہم ان کی پارٹی کے درجہ اول کے رہنما احسن اقبال نے بدھ کو لاہور میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر طاہر القادری اور عمران خان انتخابات ملتوی کرانا چاہتے ہیں،انہوں نے کہا کہ یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ وہ کس کی زبان بول رہے ہیں۔احسن اقبال قدرے شریف اور سیدھے سادے آدمی لگتے ہیں،اس لیئے یہ بھی کہہ گئے کہ تمام قوتیں نون لیگ سے خوفزدہ ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ اگر الیکشن ملتوی ہوئے تو اس کا فائدہ پیپلز پارٹی کو ہوگا۔انہوں نے یہ سچ پھر بھی نہیں بولا کہ موجودہ صورتحال میں ان

کی پارٹی اور ان کی پارٹی کے دونوں برادران کیا چاہتے ہیں؟ خیر بات ہورہی تھی انتخابات کی۔

چند روز قبل حکومت کی اتحادی جماعت متحدہ نے ایک بار پھر "لاڈلی معشوقہ" کی طرح رنگ بدل کر پہلے تو یہ کہا کہ انتخابات تو بہت ہوچکے پہلے صوبوں کی بات ہونی چاہئے پھر ایک آدھ دن کے وقفے سے یہ کہہ دیا کہ " پیپلزپارٹی نے پانچ سال کے دوران کیا دیا؟" پوری قوم متحدہ سے یہ ہی سوال کررہی تھی مگر اب متحدہ نے خود یہ سوال قوم کے سامنے رکھ دیا۔ کتنی دلچسپ بات ہے شائد حق پرستی اسے ہی کہا جاتا ہے۔ساتھ ہی اس مؤقف کا اظہار کیا کہ اب الطاف حسین، پیپلزپارٹی کے کسی رہنما سے اس وقت بات نہیں کریں گے جب تک متحدہ کے مطالبات پر کوئی واضح جواب نہیں دیا جائے گا۔اب بتایئے متحدہ کو پانچ سال کے دوران یہ بھی نہیں پتا چل سکا کہ حکومت نے کیا دیا؟۔حالانکہ قوم جانتی ہے کہ حکومت اور اس کی اتحادی جماعتوں نے قوم کو ہر موقع پر دلاسے ہی تو دیئے۔دلاسوں کے معاملے میں پوری قوم خود کفیل ہوچکی ہے۔

ویسے چوہدری برادران سچ اور جھوٹ سے بالاتر ہوکر سیاست کرتے ہیں وہ سچ اور جھوٹ ہی کیا اپنی اور پارٹی کی ساکھ کو بھی یہ کہکر ایک طرف رکھ دیتے ہیں کہ " مٹی پاؤ جی"۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی مٹی ان کے پاس کہاں سے آئی ہے

کہ ہر جگہ پاؤ سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی اکثر حکومتی ایوانوں ہی میں نظر آتے ہیں، ریگستانوں سے ان کا دور کا واسطہ نہیں رہا! ۔حکومت اور اس کی اتحادیوں کا معاملہ بقول شاعرہ ذرہ حیدرآبادی کچھ ایسا ہی رہا کہ " میں حکومت سے لڑتا رہا

"دوستوں نے محل بھر لیئے

دوست ہو وہ بھی زرداری صاحب جیسا تو محل تو بھریں گے ہی۔۔۔۔

چلیں کچھ عدالتی کارروائی پر بات کر لیتے ہیں، جج صاحبان ہی تو اس ملک میں ایسی شخصیات رہ گئیں ہیں جو حکومت اور اس کے اداروں کو شرم دلا کر لوگوں کو ان پر مزید ہنسنے کا موقع فراہم کرتی ہیں اور قوم کا موڈ بھی خوشگوار کر دیتی ہیں۔ صدر کے دو عہدوں سے متعلق توہین عدالت کیس کی سماعت کرتے ہوئے لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس عمر عطا بندیال نے ریمارکس دیئے کہ صدر جلسوں میں ایک سیاسی جماعت کی حمایت اور دوسری کی مخالفت کرے گا تو وہ غیر جانب دار نہیں رہتا۔انہوں نے حکم دیا کہ صدر سے پوچھ کر بتائیں کہ وہ سیاسی عہدہ کب چھوڑیں گے۔ مقدمے کی سماعت کے دوران وفاق کے وکیل وسیم سجاد نے بتایا کہ صدر کی کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے وہ ایک ایسوسی ایشن کے " کو چیئرپرسن " ہیں اس پر چیف جسٹس نے کہا کہ کیا پی پی سیاسی ایسوسی ایشن ہے؟

اب دیکھیں نا عدالت کی کارروائی کے نتیجے میں حکومتی پارٹی کا ایک نیا چہرہ بھی سامنے آیا۔ ساتھ میں یہ بھی انکشاف ہوا کہ موجودہ حکومت جس پیپلز پارٹی کی ہے اس کے شریک چیئرمین مخدوم امین فہیم ہیں۔ ہماری معلومات کے مطابق مخدوم امین فہیم صاحب کی پیپلز پارٹی پارلیمنٹرین ہے جو الیکشن کمیشن کے ریکارڈ میں رجسٹرڈ ہی نہیں ہے۔

سب ہی یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت ہے جس کے شریک چیئرپرسن آصف زرداری صاحب ہیں جو خیر سے صدر مملکت بھی ہیں۔ اب سچ اور جھوٹ کا فیصلہ تو قوم ہی کرے گی۔

ہم تو صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ قوم کو مزید بے وقوف بنانے کے بجائے سیدھی اور دو ٹوک بات کی جائے، انتخابات کرانا ہے تو اسمبلیوں کو تحلیل کرکے نگراں حکومت کا اعلان کردیا جائے۔ اب اگر بااعتماد نگراں نہیں مل رہے تو پھر بہانے بنانے سے بہتر ہے کہ صاف کہہ دیا جائے کہ ہم کو " انتخابات، وانتخابات نہیں کھیلنا ہے "۔

ویسے زرداری صاحب جس پائے کے سیاست دان قرار پائے ہیں اس طرح کا کوئی دوسرا آئندہ ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

بھلے ایسا کوئی اور صدر مل سکتا ہے جو صدر بھی رہے اور اپنی پارٹی کا شریک چیئرمین بھی، جو اپوزیشن کو بھی مطمئن رکھے اور اپنے لوگوں کو بھی "امید سے رکھے کہ کچھ اچھا ہونے والا ہے" ۔ساتھ اتحادی جماعتوں کو اپنے ووٹرز کے حقوق کی آواز اٹھانے کا بھی پورا پورا موقع فراہم کرے؟ لیکن رہی قوم کی بات تو وہ سب کچھ سمجھ کر اب صرف سیاست دانوں کی بس کے انتظار میں کھائی کے نزدیک بیٹھی ہے کہ کبھی تو یہ بس بھی گرے گی۔

آصف زرداری اور نیا بلاول ہاؤس

وہ کوئی آرمی یا نیوی سے تعلق نہیں رکھتے، اور نہ ہی قابلِ احترام سائنسدان ہیں، وہ جس جائداد کے مالک ہیں اگرچہ وہ ایک اعشاریہ آٹھ بلین ڈالر سے زیادہ کی ہیں لیکن اس کے بہت بڑے حصے کا تعلق ان کے سسرال یا ان کی مرحومہ اہلیہ سے ہے، جبکہ خود ان کا تعلق سندھ کے ضلع نوابشاہ سے ہے 1983 میں وہ ڈسٹرکٹ کونسل نوابشاہ کا انتخاب بھی ہار چکے تھے ان کے والد کی نوابشاہ میں زرعی زمین ہے، والد تو اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں (لیکن والد صاحب مرحوم وہ آدمی تھے جو قائداعظم سے نہ صرف نالاں تھے بلکہ ایک ویڈیو میں جو سوشل میڈیا پر اب بھی موجود ہوگی میں قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں الٹی سیدھی گفتگو کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں)۔

بہر حال یہاں اس شخصیت کی جو اس وقت پاکستان کے دوسرے امیر آدمی ہیں کے بارے میں بات کی جارہی ہے۔ کراچی میں ان کے والد کا سینما تھا اور یہ ہی ٹاکیز ان کا کراچی سے رشتہ کا باعث بنا تھا۔ 1960 کی دہائی میں جب فلم انڈسٹری کراچی میں تھی تو انہوں نے ایک فلم میں (Child Star) کی حیثیت سے اداکاری بھی کی تھی۔ لیکن وہ فلم انڈسٹری کے نامور اداکار نہیں بن سکے تاہم ان میں فنکارانہ صلاحیتیں اب بھی موجود ہیں۔ جس کے باعث وہ فی زمانہ بہترین سیاست دان مانے جاتے ہیں۔

ان کا تعلیمی کیریر بھی واضح نہیں ہے بلکہ یوں سمجھیں

پر سرار ہے۔ ان کی اپنی بائیو گرافی کے مطابق نوعمری میں انہیں پولو اور باکسنگ سے لگاؤ تھا سنا ہے کہ وہ اب بھی اس کا شوق رکھتے ہیں۔، اب وہ سیاست کے میدان میں گھوڑے دوڑاتے اور باکسنگ " کرتے ہیں۔بائیو گرافی میں ہے کہ انہوں نے 1972" میں کیڈٹ کالج پٹارو سے گریجویٹ کیا۔ جبکہ ،1973-74 میں سینٹ پیٹرک ہائی اسکول سے وابستہ رہے، ویکیپیڈیا کے مطابق اسکول کلرک کا کہنا ہے کہ وہ فائنل امتحان میں فیل ہوگئے تھے ۔مارچ 2008 میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے لندن اسکول آف بزنس اسٹیڈیز سے 1970 میں بیچلر ایجوکیشن کی ڈگری حاصل کی ۔ان کی بائیو گرافی میں یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے پیڈنٹن اسکول برطانیہ سے بھی تعلیم حاصل کی لیکن یہ بات بھی ثابت نہیں ہو سکی۔ شادی کے بعد ان کی زندگی ہی بدل گئی وہ زمیندار کے بیٹے سے اچانک ایک نامور سیاسی شخصیت کے شوہر بن چکے تھے۔وہ اور، اس کے دوست یہ سب ایک خواب سمجھ رہے تھے لیکن یہ وہ حقیقت ثابت ہوئی جس نے اس جذباتی آدمی کو ملک کا صدر تک بنادیا۔آج آصف زرداری رنڈوا کی زندگی گذار رہے ہیں لیکن شادی شدہ سے زیادہ خوش نظر آتے ہیں۔ مرحومہ بے نظیر بھٹو کی زندگی میں ان صاحب کو وہ کچھ نہیں ملا تھا جو ان کی وفات کے بعد ملا ہے اور مل رہا ہے۔ محترمہ نے انہیں اپنی " حدود " میں رکھا ہوا تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ وفاقی وزیر سے زیادہ کچھ بھی نہیں رہے۔

گذشتہ جمعہ کو آصف علی زرداری لاہور کے بحریہ ٹاؤن میں تعمیر کئے جانے والے بلاول ہاؤس پہنچے ان کی یہاں آمد کسی شہزادے یا بادشاہ سے کم نہیں تھی۔وہ لاہور ائیرپورٹ سے براہ راست ہیلی کاپٹر کے ذریعے محل نما اپنی نئی رہائش گاہ پہنچے ان کے صاحبزادے بلاول بھٹو زرداری بھی ان کے ہمراہ تھے لیکن اس ساری شاہانہ صورتحال میں بھٹو نظریہ اسی طرح بیچ میں دب کر رہ گیا جس طرح بلاول بھٹو زرداری کے نام میں لفظ بھٹو سینڈوچ بنا ہوا ہے۔ سینڈوچ ایک کھانے کی چیز ہے لیکن بہت لوگوں کو شکوہ ہے کہ موجودہ پیپلز پارٹی خصوصاً آصف علی زرداری کے اس " مادر پدر آزاد " دور یں بھٹو کے نام کو بھی کسی سینڈوچ کی طرح ہی استعمال کیا جارہا ہے۔

کلفٹن کراچی کے بلاول ہاؤس سے محترمہ بے نظیر بھٹو کو بے انتہا محبت تھی وہ اپنی زندگی میں متعدد بار اس کا اظہار بھی کر چکی تھیں لیکن پھر کیا وجہ ہے کہ اس بنگلے کے ہوتے ہوئے آصف زرداری نے نئے گھر کی تعمیرات کرائی بلکہ ہنگامی بنیادوں پر کرائی ؟آٹھ ماہ کی محدود مدت کو ہنگامی مدت نہیں تو اور کیا کہا جائے گا۔اطلاع ہے کہ بلاول ہاؤس کلفٹن کو بے نظیر میوزیم بنایا جارہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا بی بی نے کبھی اس طرح کی کوئی خواہش ظاہر کی تھی ؟اور اس سے بڑھ کر کیا کبھی انھوں نے سندھ سے اپنی ذاتی رہائش گاہ اور پیپلز پارٹی کے یہ اہم مرکز کو "صوبہ بدر " کرنے کا سوچا تھا؟خدشہ ہے کہ

مستقبل قریب میں پیپلز پارٹی کا ہیڈ کوارٹر کراچی سے لاہور میں نئے بلاول ہاؤس میں منتقل کر دیا جائے گا؟

ایسا کیا گیا تو اس میں سیاسی حکمت عملی سے زیادہ ذاتی خواہشات اور چند اور معاملات کار فرما ہیں۔ مجھے پیپلز پارٹی کے مرکز کی منتقلی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے لیکن میری دلچسپی ان وجوہات میں ہیں جس کے باعث لاہور میں ایک سو بیس کنال اراضی پر یہ عالیشان بلاول ہاؤس بنایا گیا ہے، جہاں ہیلی پیڈ بھی موجود ہیں اور یہ بلٹ پروف نہیں بلکہ بم پروف ہے۔ شائد امریکہ کے سابق اور موجودہ صدور کی ذاتی رہائش گاہیں بھی بم پروف نہ ہو۔ لیکن بلاول یا ان کے والد کے لیئے ایک ایسا ہی گھر چاہیے تھا جہاں بم بھی اثر نہ کرے، چاہے ملک بھر میں دھماکے ہوتے رہیں بم پھٹتے رہیں لیکن پیپلز پارٹی کی مرکزی قیادت مکمل محفوظ رہے۔ مجھے اس بات سے بھی دلچسپی ہے کہ پانچ ارب روپے کی لاگت کے اس محل کو ملک ریاض نامی ٹائیکون نے کن وجوہات کی بناء پر آصف زرداری اور ان کے خاندان لطور تحفہ دیا ہے؟ اور کیا اس کی اراضی تمام قانونی تقاضوں کی تکمیل کے بعد خریدی گئی تھی؟ کیا اس کی تعمیرات میں ملکی قوانین کو ملحوظ رکھا گیا ہے؟ کیا اس تعمیرات سے آس پاس رہنے والے عام شہریوں کی ذات کو تو مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔؟

کالا دھن کو سفید کرنے کے لیئے تحفے تحائف کی لین دین عام بعد ہے۔پانچ ارب روپے مالیت کی کوٹھی کا گفٹ ایک دوست نے دوسرے دوست کا دیدیا اور قوم تماشہ دیکھتی رہی۔۔۔کمال ہے؟۔۔۔۔۔سوال یہ ہے کہ صدر صاحب کو گفٹ لینے اور ریاض ملک کو دینے کی ضرورت کیا تھی۔ یہ کیسی دوستی ہے جو ملک اور قوم کی محبت سے زیادہ عزیز ہے؟ریاض ملک کے معاملات متنازعہ ہیں اور صدر صاحب ان سے تحفے لے رہے ہیں ۔۔۔کیا یہ بات مہذب معاشرے میں درست سمجھی جائے گی؟

کیا اس سے یہ تاثر نہیں ملے گا کہ ریاض ملک جو بھی ہیں کسی کو بھی کسی بھی وقت خرید سکتے ہیں؟کیا آزاد عدلیہ اس دوستانہ ڈیل کا نوٹس لے گی؟جس ملک میں مہنگائی بڑھ رہی ہو، معاشی حالات خراب ہورہے ہوں ، بجلی اور امن وامان کی صورتحال کے باعث جی ڈی پی شرح نمو چار فیصد سے کم رہنے کا خدشہ پیدا ہوگیا ہو، کیا اس ملک کے صدر کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ ایک پاکستانی سے اربوں روپے لاگت کی جائداد گفٹ کی مد میں اپنی ذات کے لیئے وصول کرلے؟ریاض ملک پہلے ہی متنازعہ شخصیت بن چکے ہیں ایسی شخصیت سے پیپلزپارٹی کے رہنماءکے براہ راست تعلقات "کیا پاکیزہ" تعلقات ہیں؟ذرا کوئی یہ تو معلوم کرلیں کہ یہ تعلقات کب سے اور کیوں قائم ہیں؟چلیں چھوڑیں اب ہم بات کرتے ہیں کہ ایسا کیا ہونے جارہا تھا کہ آصف علی زرداری کو اپنی چہیتی اہلیہ کی پسندیدہ رہائش گاہ کو چھوڑنا پڑرہا ہے؟

ان سوالوں کے جواب کے لیئے ہمیں ماضی کی طرف دیکھنا ہوگا جب کراچی میں امریکی قونصل خانہ سابقہ مقام سے منتقل کرکے مائی کلاچی روڈ پر منتقل کیا جارہا تھا۔جی ہاں، اس وقت ہی کسی سطح پر یہ فیصلہ کیا جاچکا تھا کہ قونصل خانہ کے قرب و جوار سے تمام اہم تنصیبات اور دفاتر منتقل کردیئے جائیں گے تاکہ امریکی قونصل خانہ کے راستے ہمیشہ صاف رہیں۔بلاول ہاؤس کو بھی اسی وقت کلفٹن کراچی سے منتقل کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا تھا اور بعدازاں اسے میوزیم کا درجہ دینے پر اتفاق کیا گیا۔

انتخابات کے قریب یا پہلی جمہوری حکومت کی پانچ سالہ مدت پوری ہونے کے موقع پر پیپلز پارٹی کے مرکزی دفتر بلاول ہاؤس کی منتقلی بظاہر پارٹی کا دائرہ پنجاب میں مزید مستحکم کرنا اور میاں نواز شریف کی مسلم لیگ کا گراف گرانا ہے لیکن اطلاعات کے مطابق عالمی قوتوں کی خواہشات بھی اس سارے معاملے کے پشت پر ہیں۔اہم بات یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کی قیادت اس موقع پر کراچی سے منتقل ہورہی ہے جب پہلے ہی سے پیپلز پارٹی کا گڑھ لیاری اس سے ناراض ہے۔ایسی صورت میں پیپلز پارٹی کو مستقبل قریب نہ صرف کراچی بلکہ سندھ سے بھی ہدف کے مطابق نشستیں ملنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہوجائے گی۔

ٹھیکے دار یا انسان دوست ؟

مجھے اندازہ نہیں ہو رہا کہ وہ کس قسم کا ٹی وی لنکر ہے ، وہ کیا چاہتا ہے اور سب سے بڑھ کر کیوں چاہتا ہے؟ ہمارے معاشرے میں کس نے اسے یہ ٹھیکہ دیا ہے کہ پوری سوسائٹی کو ٹھیک کرنے کے لیئے ایسے جرات مندانہ پروگرام پیش کرے؟ جہاں چاہے وہ پہنچ جاتا ہے اور وہ سب کچھ لوگوں کو دکھادیتا ہے جو اس سے پہلے لوگوں نے کم از کم اپنے گھروں میں چلنے والے ٹی وی پر نہیں دیکھا ہوگا۔ یقین کریں جب اس کا پروگرام لوگ اچانک ہی ریموٹ کے بٹن دباتے ہوئے دیکھتے ہیں تو پھر ان کی ہمت نہیں ہوتی کہ دوبارہ ریموٹ پر انگلیاں چلائیں ، بلکہ وہ ریموٹ کو اپنے ہاتھ کی گرفت سے آزاد کردیتے ہیں۔اور چپ چاپ ٹی وی اسکرین پر متوجہ ہوجاتے ہیں ۔ اپنے ساتھ بیٹھے لوگوں کو خاموش کرادیتے ہیں اور پھر کمرے میں موجود سب ہی لوگوں کی توجہ اس کے پروگرام کی طرف ہوجاتی ہے۔لوگ اس کی باتوں کے ساتھ دکھائی جانے والی فوٹیج کی طرف اس طرح متوجہ ہوجاتے ہیں جیسے یہ پروگرام دیکھنا ہی ان کا مقصد تھا۔ ممکن ہے اب لوگ اس نوجوان کے پروگرام کا انتظار کرتے ہوں، کیونکہ وہ پروگرام ہی ایسے پیش کرتا ہے جو عام لوگ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے ہر پروگرام میں عام افراد کی بات کی جاتی ہے جس کا مقصد صرف اور صرف عام لوگوں کی رہنمائی کرنا ، انہیں بتانا کہ وہ کیا کھا رہے ہیں وہ کیا

پی رہے ہیں، وہ اپنے مسائل کے لیئے جن سے رابطے کر رہے ہیں وہ ان کا مسیحا ہے بھی کہ نہیں ؟ان کے درد اور دکھوں کا مدوا کرے گا بھی یا نہیں ؟ کہیں وہ مزید دکھ اور تکلیف کا باعث تو نہیں بن جائے گا۔

میں بات کر رہا ہوں اس ٹی وی اینکر کی جس سے میری آج تک ملاقات نہیں ہوئی۔ جس چینل پر وہ انسانیت کی خدمت کر رہا ہے اس چینل سے ابتدائی دنوں میں میرا بھی واسطہ رہا۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا ہم لوگ جس چینل کی ابتداء کر رہے ہیں وہاں کوئی ایسا بھی اینکر آ جائے گا جس کا مقصد اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کا احساس کرنا ہوگا۔

اے آر وائی ٹی وی کے پروگرام" سرے راہ "کو جب میں نے پہلی بار دیکھا تو اس کے ختم ہونے تک دیکھتا رہا۔ پروگرام دیکھنے کے بعد میں ، اینکر اقرارالحسن کی غائبانہ تعریف کیئے بغیر نہیں رہ سکا۔ ہمارے معاشرے میں منہ پر تعریف کرنے اور سننے کا رواج ہے اور وہ بھی ڈرف جان پہچان والوں کی۔ شائد یہ ہی وجہ تھی کہ میری اہلیہ اور بچوں نے یک زبان ہو کر مجھ سے دریافت کیا کہ کیا آپ جانتے ہیں۔ میرا ارحم ماشاءاللہ سے گیارہ سال کا ہے مگر اس کی زبان سے اقرار کے بارے میں یہ جملہ نکلا" ابو یہ اینکر ڈرنے والا نہیں لگتا"۔

چند روز قبل میں نے اقرار کو فون کیا، میری توقع کے مطابق اس نے کال ریسیو نہیں کی اور کرنی بھی نہیں چاہئے تھی۔اب ہمارے شہر کراچی اور ملک کے حالات ایسے نہیں رہے کہ کسی بھی نامعلوم نمبر کی کال سن لی جائے۔ کم از کم اقرار جیسی شخصیات کو احتیاط کرنی چاہئے۔فون ریسیو نہ کیئے جانے پر میں نے اسے تحریری پیغام (ایس ایم ایس) بھیجا۔کچھ دیر بعد اقرار نے خود مجھے فون کیا میں نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور اچھے پروگرام پیش کرنے پر انہیں مبارکباد دی۔

آپ کن احساسات اور مقاصد کے تحت ایسے پروگرام کرتے ہیں؟ میں نے پوچھا، اقرار نے کہا کہ اللہ نے مجھے لوگوں کو معاشرے کی کالی بھیڑوں سے آگاہ کرنے کا موقع دیا ہے اس پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر قارئیں کو سچ اور جھوٹ ، ایمانداری و بے ایمانی اور اچھائی و برائی سے آگاہ کرنے کی اپنے تئیں کوشش کرتا ہوں ، میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے ٹیم بھی اچھی ملی جبکہ چینل بھی ایسا ہی ملا جو یہ سب دکھانے کی ہمت رکھتا ہے۔اقرار نے کہا کہ میں سیاسی ٹاک شو بھی کر سکتا تھا لیکن جو مزا انسانیت کی خدمت والے پروگرام میں ہے وہ سیاست دانوں کے مفادات والے پروگراموں میں کہاں ہوتا ہے؟اس نے کہا ان پروگراموں کے ذریعے اگرچہ ابھی تک وہ مقاصد حاصل نہیں ہوسکے جو میرا ہدف ہے اور ہدف یہ ہے کہ معاشرے

کو چوروں ، لٹیروں اور بے ایمانوں سے پاک کرنا۔ اقرار نے بتایاکہ پروگرام نشر ہونے سے علی تبسم نامی جعلساز جو کہ لوگوں کو ورغلا کر پتھروں کی انگوٹھیاں بھاری قیمت پر فروخت کرتا تھااس کی پشت پناہی کرنے والے پولیس اہلکار کے خلاف کارروائی شروع ہوچکی ہے۔

اقرار سے میری اب تک باالمشافہہ ملاقات نہیں ہو سکی ۔اس لیئے میں نے ان سے پوچھاکہ آپ کو ڈر نہیں لگتا ؟

اقرار نے کہاسر ڈر کس سے اور کس کا؟ جب سب کچھ اللہ کی رضاکے لیئے کرنا ہے تو پھر کیا ڈرنااور کیوں ؟ہاں البتہ اس نے ایک لمحہ رک کر بولا" سر لوگ سمجھ نہیں رہے کہ ان کے کیا حقوق ہیں معاشرے کے لئے دوسرے انسانوں کے لیئے "۔وہ بس اپنی ذات کے بارے میں ہی سوچتے ہیں تب ہی ان کی رہنمائی کرنے کے لیئے بھی کوئی دوسرا تیار نہیں ہوتا۔ اقرارالحسن کی فکر انگیز بات سنکر میں خود سوچوں میں گم ہوگیا۔ فون بند کرکے میں مزید سوچتا رہامگر میرے دماغ میں صرف وہ ایک جملہ آیا جو اکثر آتا ہے کہ اگر ہم دوسروں کی فکر کریں گے تو دوسرے اللہ کے حکم سے ہماری فکر کرنے لگیں گے "" ۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ کی ذات پر پختہ یقین کیا جائے اور اس کے احکامات پر بھی عمل کیا جائے۔ پکا یقین ایسے کہ جیسے ہم زندہ ہیں اور ایک دن موت بھی آئے گی۔یقین

کریں جس دن ہم دین دار بن جائیں گے اس روز ہماری زندگیاں بھی خوشگوار ہو جائیں گی۔

اتحادیوں کو بریک چاہئے

باالآخر توقع کے مطابق متحدہ قومی موومنٹ عین اس وقت حکومت سے علیحدہ ہو گئی جب حکومت کی عمر صرف ایک یا دو ماہ رہ گئی ہے۔اطلاع ہے کہ 16 مارچ تک اسمبلیاں تحلیل کردی جائیں گی۔اس صورتحال میں پیپلز پارٹی اور متحدہ قومی موومنٹ مبارکباد کی قابل ہیں کہ پانچ سال تک قوم کو بغیر کچھ دیئے حکومت کرنے کے بعد اب آئندہ کی حکمرانی سے قبل نگراں دور میں بھی "پانچوں انگلیاں گھی اور سر کڑاہی میں" میں رکھنے کا مشترکہ اور متفقہ فیصلے پر عمل درامد شروع کردیا ہے۔

اس بار متحدہ کی ناراضگی لیاری گینگ وار کے ملزمان کے خلاف مقدمات کی واپسی کے مسلے پر ہوئی ۔ فوری طور پر متحدہ نے جمعرات کو سندھ اسمبلی کے اس اہم اجلاس کا بائیکاٹ کیا جس میں آئی جی سندھ اور ایڈیشنل آئی جی کراچی میں امن وامان کی صورتحال کے بارے ان کیمرہ بریفنگ دے رہے تھے ۔ متحدہ کے بائیکاٹ کے نتیجے میں آئی جی کی گزارشات ہوا مین اڑ گئی جبکہ متحدہ کی عدم موجودگی کے باوجود پیپلز پارٹی کے اراکین نے پولیس افسران سے عوامی نمائندوں کی حیثیت سے جرح نہیں کی اس طرح امن وامان کی صورتحال کا ذمہ دار کون ہے یہ اسمبلی کے اندر طے نہیں ہوسکا جبکہ عدالت امن وامان کا ذمہ دار

پہلے ہی تینوں جماعتوں پیپلز پارٹی، اے این پی اور متحدہ کو قرار دے چکی ہے۔شائد یہ ہی وجہ ہے کہ اس اہم ایشو پر اراکین اسمبلی کی وہ دلچسپی نظر نہیں آئی جو آنی چاہیے تھی۔ اب کوئی کچھ بھی کہے اور کسی وجہ سے کچھ بھی سوچے لیکن میری نظر میں اب دراصل جمہوریت کو نقصان پہنچانے کے سلسلے کا ان جمہوریت کی دعویدار پارٹیوں نے آغاز کردیا ہے۔ابتدائی طور پر ان کی خواہش یہ ہی ہے کہ کسی بھی طور پر انتخابات کے انعقاد میں تاخیر ہوجائے۔انتخابات میں تاخیر کے نتیجے میں پیپلز پارٹی جو اب اصل میں زرداری اوران کے خاندان کی میراث بن چکی ہے کو فوری فائدہ ہوگا۔زرداری اوران کے ساتھیوں کی یہ بھی خوش فہمی ہے کہ وہ حالات کا بہانہ بناکر موجودہ حکومت یا پھر نگراں حکومت کو طوالت دے سکیں گے جس کی مدت دو ڈھائی سال تک بھی ہو سکتی ہے

۔

امن وامان کی صورتحال تو اس جمہوری دور میں کبھی بھی بہتر رہی ہی نہیں لیکن آج یعنی 16 فروری سے کوئٹہ اور کراچی میں جو دہشت گردی کی لہر آئی ہے وہ وہی ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا، یعنی امن وامان کی صورتحال کا بہانہ بناکر انتخابات کا التوا۔ایسا لگتا ہے کہ دہشت گرد حکومتی اقدامات سے پوری طرح واقف تھے یا پھر حکومتی پارٹیوں کے لوگ ان میں شامل ہیں۔ جیسے ہی

متحدہ نے کراچی میں پریس کانفرنس اور اس میں اہم اعلان کا عندیہ دیا اس کے کچھ دیر بعد ہی کوئٹہ میں دھماکہ ہوا جس میں 69 سے زائد افراد جاں بحق اور سو سے زائد زخمی ہوگئے۔ کراچی کی صورتحال تو مسلسل خراب ہی چلی آرہی ۔ لیکن متحدہ کی جانب سے حکومت سے علیحدگی کی اطلاع اور کوئٹہ کے واقعہ کے بعد صرف کراچی میں چند گھنٹوں میں مزید نو افراد اپنی جانوں سے چلے گئے۔ جبکہ جمعہ کو دہشت گردوں کا نشانہ بننے والوں کی تعداد 16 تھی جن میں ایک دلہا بھی شامل تھا۔

کوئٹہ میں گزشتہ ماہ 82 افراد دہشت گردی کا شکار ہوگئے تھے جس کے بعد بلوچستان کی حکومت کو معطل کرکے وہاں گورنر راج نافذ کردیا گیا تھا۔

دہشت گردی کے خوف میں مبتلا قوم کو پیپلزپارٹی کی حکومت سے شائد ہی کوئی غرض ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ پوری قوم سیاست دانوں خصوصاً موجودہ حکومت کے اتحادیوں سے بیزار آچکی ہے۔ عام لوگوں کو سیاست دانوں اور ایسی جمہوریت سے اب کوئی لگاؤ نہیں ۔ان کا کہنا ہے کہ اگر کرپشن ،لاقانونیت، بڑھتی ہوئی مہنگائی اور بیروزگاری کی اصل وجہ جمہوریت ہے تو ہمیں ایسی جمہوریت سے کوئی غرض نہیں ہے۔

بہرحال متحدہ اور پیپلزپارٹی میں ہونے والی تازہ دوریاں اگر لوگوں کے خیال

میں کوئی نورا کشتی یا ٹوپی ڈرامہ نہیں ہے تو پھر متحدہ کو چاہئے کہ اپنے گورنر سے بھی فوری استعفیٰ لیکر انہیں 90 یا لندن بلوالے۔ بصورت دیگر لوگوں کا خیال غلط نہیں ہوگا۔ متحدہ اور پیپلز پارٹی دونوں کی یہ مجبوری ہے کہ وہ آئندہ انتخابات تک اور اس کے بعد بھی" آف دی ریکارڈ "اتحادی رہیں۔ لیکن اس معاملے میں پیپلز پارٹی سے زیادہ متحدہ مجبور اور بے بس نظر آتی ہے۔ انتخابات ہونے کی صورت میں (جس کے امکانات کم ہیں) پیپلز پارٹی اور متحدہ کو ہدف کے مطابق نشستیں ملنے کو کوئی امکان نہیں ہے۔

اگرچہ ہر پارٹی کی طرح متحدہ کا بھی یہ ہی دعویٰ ہے کہ وہ پہلے سے زیادہ نشستیں حاصل کریگی۔ متحدہ کو سیٹیں اسی صورت میں مل سکتی ہیں جب مذکورہ دونوں جماعتیں حقیقی طور پر جدا ہو جائیں۔ اسی طرح کراچی کی لیاری اور اندرون سندھ سے پیپلز پارٹی کو اسی صورت میں کامیابی حاصل ہوگی کہ وہ اپنے لوگوں اور قوم پرستوں خصوصا بلوچوں اور سندھیوں کو یہ یقین دلائے کہ اس کا متحدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے باوجود دونوں جماعتوں کے سامنے لوگ یہ بھی سوال رکھیں گے کہ وہ کن وجوہات کی بناء پر ان کو ووٹ دیں؟ اور کیوں انہیں کامیاب کرائے؟ کیونکہ اس پانچ سال کے دوران عام لوگوں کو کچھ بھی نہیں ملا، سکون بھی نہیں۔ اگر متحدہ اچانک، مہاجر پرستی پر اتر آئے تب بھی متحدہ پر عام لوگوں کا اعتماد کرنا مشکل ہے۔ دوسری طرف اس بار کسی

بھی جماعت کی طرف سے طاقت کا استعمال بھی خطرناک بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ بات طے کی جا چکی ہے کہ انتخابات کے دوران فوج موجود ہوگی ۔اس کے باوجود کسی جانب سے طاقت کا استعمال کیا گیا تو اس کے نتائج انتہائی خطرناک ہو سکتے ہیں ۔ایسی صورت میں بھی وقتی طور پر ہی سہی فوج کو اقتدار سنبھالنے کا موقع مل سکتا ہے۔ فوج اقتدار میں آئی تو اس کے ذمہ دار بھی یہ ہی جمہوریت پسند ہونگے۔

پانچ سال تک جیسے تیسے اقتدار میں رہنے والی جماعتوں کی ترجیحات یہ ہی ہو سکتی ہے کہ انہیں کچھ عرصہ آرام کرنے یا اپنے داغوں کو دھونے کے لیے "بریک" ملنا چاہیئے۔ جس کی وجہ صرف یہ ہی ہے کہ انہیں "بریک" چاہیئے۔ اگر انہیں بریک نہ ملا تو ان کے برسٹ ہونے کے خدشات بھی موجود ہیں۔

جنازے اور دھرنے

کوئٹہ میں گزشتہ روز بم دھماکے کے نتیجے میں جاں بحق ہونے والے پچاسی افراد کی تدفین کا شرعی عمل معطل کرکے دھرنا دیدیا گیا۔احتجاج کرنے والے یقیناً شدید غم و غصے میں ہیں۔لیکن کیا مرنے والوں کو فوری سپرد خاک نہیں کرنا کوئی اچھا عمل ہے؟بلوچستان کے دار لحکومت میں جنوری کی 11 تاریخ کو بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا لاشیں بھی تعداد میں اتنی ہی یعنی 85 تھی اور ان کا تعلق بھی ہزارہ.برادری سے تھا .بعدازاں احتجاج کرنے والوں کے مطالبات پر بلوچستان کی حکومت کو معطل کرکے گورنر راج نافذ کردیا گیا حالانکہ مطالبہ بلوچستان کو فوج کے حوالے کرنے کا تھا۔

ملک کی حالت اس قدر بگڑی ہوئی ہے کہ یہاں کے لوگوں کا جینا محال ہوگیاہے کراچی ، کوئٹہ اور پشاور تو ایسے شہر بن گئے ہیں جہاں کسی روز کچھ نہ ہو تو معجزہ تصور کیا جانے لگا ہے۔لیکن انتہائی افسوسناک بات یہ ہوگئی ہے کہ اب لاشوں کے ساتھ احتجاج کرنا ایک روایت بنتا جارہا ہے۔لاشوں کے ساتھ احتجاجی دھرنا وطن عزیز میں کوئی نئی بات نہیں۔لیکن ایک ساتھ درجنوں لاشوں کو لیکر سڑک پر بیٹھ جانے کا سلسلہ نیا ہے۔کراچی اور دیگر شہروں میں ماضی قریب میں سیاسی و مذہبی جماعتوں کی جانب سے بھی اس طرح کے احتجاج کی مثالیں موجود

ہیں۔یقینا لاشوں کے ساتھ دھرنا کی روایت ان سے ہی پروان چڑھی ہے۔اس روایت کو فوری روکنے کی اشد ضرورت ہے۔اس کے نتیجے میں ہم کچھ حاصل کرنے کے بجائے گنوارہے ہیں۔اس طرح کے اعمال سے ہم اپنی دنیا اور آخرت کو از خود تباہ کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئٹہ، پشاور اور کراچی میں جو کچھ انسانوں کے ساتھ ہو رہا ہے وہ قابل مذمت ہے۔لیکن ہم بحثیت مسلمان بحثیت انسان از خود جو کچھ غیر اسلامی افعال کے مرتکب ہو رہے ہیں وہ بھی کسی طور پر درست نہیں ہے۔

پیر کو صبح جاگنے کے بعد لاشوں کی تدفین نہ کیئے جانے کی خبر نے میرے ضمیر کو جھنجوڑ ڈالا۔خرابی صحت کے باوجود میں صرف اس ہی فکر میں مبتلا ہوگیا کہ ہماری قوم کیا کر رہی ہے؟۔انہیں کس طرح روکا جائے اور کن جملوں سے ان کو سمجھا جائے کہ " خدا کے لیے لاشوں کی بے حرمتی نہ کی جائے" ان ہی سوچوں میں اللہ نے میرا دماغ مفتی امام دین کی جانب موڑ دیا اور میں نے ان سے موبائل فون پر رابطہ کیا۔ڈاکٹر مفتی امام دین کا تعلق دارالعلوم کراچی کورنگی سے ہے ان دنوں وہ دارالعلوم سے الحاق شدہ جامع مسجد مدرسہ بیت المکرم سے منسلک ہیں۔یہ لئے ان سے پوچھا" مفتی صاحب لاشوں کو دفنانے کے بجائے انہیں سامنے رکھ کر احتجاج کرنے کے بڑھتے ہوئے سلسلے پر ہمارا دین کیا کہتا ہے؟"۔یہ

سلسلہ ہر لحاظ سے غلط اور مکروہ فعل ہے۔ اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے انہوں نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ مفتی صاحب نے مزید کہا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اسے غسل و کفن کے بعد نماز جنازہ پڑھا کر سپرد خاک کر دیا جائے اور اس میں جلدی کی جائے۔انہوں نے بتایا کہ جنازہ یا جنازوں کو لیکر گھومنا یا کسی جگہ رکھ کر بیٹھ جانا اللہ کے حکم کی نافرمانی ہے۔اللہ کے حکم کی نافرمانی پر اللہ خوش نہیں ہوتا بلکہ ناراض ہو جاتا ہے ۔ ہم سب کو اللہ کی ناراضگی سے بچنا چاہئے ۔انہوں کہا کہ جب اللہ ناراض ہو تو عذاب نازل ہوتا ہے۔ہمارے ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی خلاف ورزیوں کا نتیجہ ہے ۔ہمیں زیادہ سے زیادہ توبہ کرنا اور استغفار کا ورد کرنا چاہئے۔انہوں نے کہا کہ احتجاج کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں ،اس لیے دوسرے طریقے اپنائے جائیں ، کسی کو بھی مرنے والے کے جسم کو قبر سے باہر رکھ کر کر احتجاج کرنے کا حق نہیں ہے ۔

مفتی امام دین کی بات سو فیصد حق اور سچ ہے، لوگوں کو اپنے جذبات کو کنٹرول کرنا چاہئے ۔ ذرا غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ ملک میں ٹارگٹ کلنگ، بم دھماکوں جیسی دہشت گردی کی کارروائیاں " ایک تیر سے دو شکار " کے مترادف ہیں ۔ دہشت گردی کے واقعات سے ایک طرف تو ملک بھر خصوصا کراچی ، پشاور اور کوئٹہ میں خوف وہراس بڑھتا جا رہا ہے تو دوسری طرف اسلام اور پاکستان بدنام

ہو رہا ہے۔ان کارروائیوں میں یقیناً اسلام دشمن غیر ملکی قوتوں کا ہاتھ براہ راست ہے ۔جن کا مقصد ایک طرف تو اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنا دوسری طرف لوگوں کو یہ باور کرانا ہے کہ دو قومی نظریہ یا اسلام کے نام پر پاکستان کے قیام کا فیصلہ غلط تھا۔
ایسے میں جنازوں کی تدفین کے بجائے انہیں سامنے رکھ کر احتجاج کرنے کے واقعات اسلامی احکامات کی کھلم کھلا نفی اور ان کا مذاق اڑانے کے مترادف نہیں تو اور پھر کیا ہے؟اس عمل سے شیطان اوراس کو ماننے والے مسلسل خوش ہو رہے ہیں لیکن ہم غم وغصے کی جذباتی کیفیت میں صحیح اور غلط کی تمیز ہی بھول چکے ہیں۔
سوال یہ ہے کہ آخر دہشت گردی کے زیادہ واقعات ان شہروں یا علاقوں ہی میں کیوں ہو رہے ہیں جہاں لادین، لبرل اور اعتدال پسند حکومتی پارٹیوں کا غلبہ ہے پھر بھی وہ ان واقعات کی روک تھام میں مسلسل ناکام ہے کیوں؟جبکہ دہشت گردی کے واقعات میں ہلاک وزخمی اور متاثر ہونے والوں کی اکثریت معصوم اور بے گناہ لوگوں کی ہوتی ہے اور ان کا تعلق مسلمانوں کے گروپ سے ہوتا ہے۔
ذرا سوچئے اور بہت غور کیجئے شائد کسی نتیجے پر ہم پہنچ جائیں۔

جمہوریت اور فوج

پاک فوج کے ترجمان میجر جنرل عاصم سلیم باجوہ نے کہا ہے کہ فوج حالات سے باخبر ہے اور کوئٹہ جانے سے فوج کو کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے۔انتخابات کے التوا سے فوج کو کوئی سروکار نہیں ہے۔انہوں نے واضع کیا کہ فوج ملک میں آزادانہ، غیر جانبدارانہ اور بروقت انتخابات کا انعقاد چاہتی ہے۔

ان لوگوں کے لیے یہ بات یقینا باعث اطمینان ہے جو ملک کی معاشی اور امن وامان کی صورتحال خراب ہونے کے بعد سے فوج کی جانب دیکھ رہے ہیں اور فوج سے یہ امید رکھتے ہیں کہ ضرورت پڑھنے پر فوج سرحدوں کے ساتھ ملک کے اندرونی معاملات کی اصلاح کے لیے بھی اپنا کردار ادا کرے گی۔

پیپلزپارٹی کی حکومت کے قیام کے بعد فوج کے سربراہ جنرل اشفاق پرویز کیانی نے فوج کو سیاست سے دور رہنے کا حکم دیدیا تھا اور فوجی افسران پر سیاسی شخصیات سے ملاقات پر پابندی لگادی تھی ۔جنرل کیانی نے متعدد مواقع ملنے کے باوجود اپنی پالیسی کے مطابق فوج کو سیاسی اور اقتدار کے ایوانوں سے دور رکھا جس کے نتیجے میں ملک کی تاریخ میں پہلی بار جمہوری اور منتخب حکومت

اپنا پانچ سالہ دور مکمل کرنے کی طرف گامزن ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس جمہوری دور میں جمہور کے ساتھ جس قدر ظلم و زیادتی ہوئی اس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ پرویز مشرف نے اپنے ڈکٹیٹر کم ڈیمو کریسی کے آخری دور میں ایک موقع پر کہا تھا کہ " ہمارا ملک عالمی معیار کی جمہوریت کا متحمل نہیں ہو سکتا"۔ اگرچہ پرویز مشرف کے اس جملے کو ان کی منافقانہ سوچ سے تعبیر کیا جاتا رہا تھا لیکن قوم کو اس پانچ سال کے دوران تقریباً روزانہ ہی یہ جملہ خود جمہوریت پسند حکمران اپنے رویوں اور اقدامات سے یاد دلاتے رہے۔ عوام اس جمہوریت سے اس قدر بیزار ہو چکے ہیں کہ اب وہ مزید اس طرح کی جمہوریت یا ایسے حکمرانوں سے پناہ مانگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کراچی، پشاور اور کوئٹہ جہاں حکومتی اتحادی جماعتوں کا غلبہ رہا کے باشندے ٹارگٹ کلنگ، بھتہ خوری بم دھماکوں، اغوا برائے تاوان کی وارداتوں اور ڈرون حملوں سے اس قدر پریشان رہے کہ اب یہاں کے لوگ روزانہ ہی فوجی جوانوں کی آمد کا انتظار کرتے رہتے ہیں ۔لیکن فوج کے ترجمان یہ نے وضاحت کرکے فی الحال قوم کو " ٹھنڈا " کر دیا کہ جب فوج گزشتہ پانچ سال سے جمہوریت کی حمایت کر رہی ہے تو اب اس دور کے آخر میں حمایت کیوں تبدیل کرے گی۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ آئندہ ماہ مارچ تک یعنی موجودہ جمہوری دور کے ختم ہونے تک فوج کی جانب سے کسی روایتی کارروائی کا کوئی

امکان نہیں ہے۔ فوجی ترجمان نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ کوئٹہ یا کسی بھی شہر میں فوج کو خدمات انجام دینے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہیں ہے۔

فوج کے ترجمان کا بیان کہ پاک فوج جمہوریت کی حمایت آئندہ بھی کرتے رہے گی یہ بات ان لوگوں کے لیے بھی ایک خوش ائند پیغام ہے جو گگے لپٹے الفاظ میں یہ اطلاعات دیا کرتے ہیں کہ دو ڈھائی سال کے لیے ملک میں غیر آئینی یا غیر جمہوری نظام لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ فوج اس بار جمہوری نظام کو پٹڑی سے اتارنے کی کوشش نہیں کرے گی اسی طرح جیسے گزشتہ پانچ سالوں کے دوران فوج نے جمہوری حکومت کے معاملے پر آنکھیں بند رکھ کر " عوامی نمائندوں ' ' کو اپنی کارکردگی دکھانے کا بھرپور موقع دیا۔ اب اگر پوری قوم ان جمہوری حکمرانوں سے تنگ آچکی ہے تو فوج کیا کرے؟ فوج کے پاس کوئی آپشن بھی تو نہیں ہے؟ اگر فوج عوام کی محبت میں مداخلت کرتی تو یقیناً اس کی پذیرائی کے بجائے اس پر انگلیاں اٹھائی جاتی۔ فوج نے حقیقی جمہوریت کی بحالی اور اس کے استحکام کے لیے جو کردار ادا کیا وہ قابل تحسین ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جمہوریت کی بحالی کے لیے قومی مفاہمتی آرڈیننس (این آر او) کا فیصلہ فوج کا ہی تھا اور فوج نے ہی اس ضمن میں بے نظیر، نواز شریف اور دیگر سیاست دانوں سے مذاکرات کیے تھے۔

اگر این آر او نہیں لایا جاتا تو یہ کرپٹ اور کریمنل سیاستدان کسی طور پر موجودہ جمہوریت کا حصہ نہیں بن پاتے، سب سے بڑھ کر آصف علی زرداری صدر نہیں ہو سکتے تھے۔پرویز مشرف بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ این آر او کا فیصلہ غلط تھا۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس غلطی کے نتیجے میں پورا جمہوری دور ہی خراب رہا تو اس کی ذمہ داری کون قبول کرے گا؟یقینا اس کی ذمہ داری بھی ان ہی لوگوں کی ہے جنھوں نے ایسے کرپٹ لوگوں کے ساتھ مفاہمت کرکے انہیں ملک کی سیاست میں حصہ لینے کا موقع فراہم کیا تھا۔

نئے انتخابات شیڈول کے مطابق مئی تک مکمل ہو جانے چاہئے۔ان انتخابات کے پرامن انتخابات کے لیے فوج کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ الیکشن کمیشن نا صرف امن وامان بحال رکھنے بلکہ دھاندلی کی شکایات روکنے کے لیے بھی خصوصی طور پر فوج کو ٹاسک دے۔اگر ایسا نہیں کیا گیا تو خدشہ ہے کہ فوج کی موجودگی میں دھاندلی کرائی جائے گی جس سے فوج بلاوجہ بدنام ہوگی۔اگر الیکشن کے دوران دھاندلی ہوئی یا کرانے کی کوشش کی گئی تو اس بار خدشات ہیں کہ ہنگامہ آرائی تصور سے زیادہ ہوگی۔جس کا نتیجہ انتہائی خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔تاہم حساس اداروں کو یہ معلوم ہوگا اور ہونا بھی چاہئے کہ کونسی جماعت کہاں گڑبڑ کرا سکتی ہے؟اس لیے ان پولنگ اسٹیشنوں پر زیادہ بہتر اقدامات کیے جائیں جہاں کسی بھی قسم کی گڑبڑ کے امکانات ہیں۔کسی بھی ادارے کی جانب سے کمال یہ نہیں ہے کہ اس نے جمہوریت کی حمایت کی

بلکہ کمال کی بات یہ ہوگی کہ اس ادارے نے شفاف، آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کے لیے کیا کردار ادا کیا۔ جمہوریت کی بحالی اور استحکام کے لیے فوج نے غیر معمولی کردار ادا کیا لیکن قوم کو توقع ہے کہ منصفانہ اور آزادانہ ماحول میں فوج انتخابات کا انعقاد کروا کر ایک نئی تاریخ رقم کرے گی۔

اس بات کے امکانات واضح ہے کہ موجودہ حکومت اور اس کے "آف دی ریکارڈ اور آن دی ریکارڈ" اتحادیوں کی کوشش ہے کہ کسی بھی طرح انتخابات کو ملتوی کرا دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے کوئی ایسا نگراں وزیر اعظم کو بھی لایا جاسکتا ہے جو متنازعہ بن جائے، ایسی صورت میں بھی انتخابات کے انعقاد میں روڑے اٹکائے جا سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نگران حکومت خود بھی الیکشن کو طول دے سکتی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں فوج کو کیا کرنا چاہیئے یہ بہت اہم سوال ہے؟ یاد رہیں کہ پاکستان کے نئے انتخابات پوری دنیا خصوصاً غیر اسلامی قوتوں کے لیے بہت اہم اور دلچسپی کا باعث ہیں۔ اس لیے ایک آدھ نہیں بلکہ کئی خدشات موجود ہیں، ان انتخابات کا انعقاد صرف پیپلز پارٹی اور اس کی اتحادیوں و حمایتوں کے لیے ہی نہیں بلکہ پورے ملک کے لیے ایک چیلنج سے کم نہیں ہے۔ انتخابات سے قبل مجھے اس بات کا بھی ڈر ہے کہ کسی بھی جانب سے ایسا بھی کچھ کیا جاسکتا ہے جس کے نتیجے میں فوج ایک بار پھر اقتدار میں آنے پر

مجبور ہو جائے۔ اس لیے ہر عنصر کو ملک و قوم کے مفاد میں مکمل ایمانداری کے ساتھ اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار رہنا ضروری ہے۔

کراچی سے تاجروں کی ہجرت

ڈیفنس سوسائٹی میں واقع ڈیفنس اتھارٹی کریکٹ کلب کے 13 سو ممبرز کراچی یا پھر ملک ہی سے منتقل ہو چکے ہیں۔اس خبر نے حساس دل رکھنے والے شہریوں کو مزید فکر مند کر دیا۔فکر اس بات کی کہ کیا صرف کریکٹ کلب کی ممبر شپ میں ہی کمی آئی ہے یا پھر کراچی، کلب، کراچی جیم خانہ کلب، اور دیگر کلبس سے بھی لوگ لا تعلق ہو رہے ہیں؟فکر اس لیے کہ یہ افراد کوئی عام نوکری پیشہ نہیں تھے بلکہ یہ تمام کاروباری تھے ان کے فیکٹریاں، کارخانے اور مختلف اقسام کے کاروبار ہونگے۔اللہ نے کئی لوگوں کے روزگار کا ذریعہ ان کو بنایا ہوگا۔جو کراچی کو خیرباد کہہ کر چلے گئے کراچی کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی طرح کا کردار ادا کرتے ہونگے۔ریڑھ کی ہڈی جس پر پورے جسم کا دارومدار ہوتا ہے۔ان کاروباری حضرات کا شہر چھوڑنا انتہائی غیر معمولی بات ہے یقیناوجہ بھی غیر معمولی ہوگی۔ان کی شہر سے منتقلی سے عروس البلاد کی معاشی صورتحال بری طرح متاثر ہو سکتی ہے، بیروزگاری میں بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔جان بچانے کا خوف سب ہی کو ہوتا ہے لیکن بے روزگاری کا خدشہ لوگوں کی نیندیں اڑا دیتا ہے اور اگر بے روزگار ہو گئے تو جیتے جی موت واقع ہو جاتی ہے۔خبر تو ایک کلب کے حوالے سے سامنے آئی لیکن حقیقی صورتحال اس سے کہیں زیادہ تشویشناک ہے۔

ایک بڑے روزنامے میں چھپنے والی اس غیر معمولی سرگرمی کو سہیل افضل نے خبر کی شکل دی تھی ، سہیل افضل کراچی کا نامور کامرس رپورٹر ہے۔ سہیل افضل سے میرا تعلق صحافی ساتھی سے کہیں زیادہ کا اور دیرینہ ہے۔ میں نے سہیل کو اس وقت بھی شہر کے حوالے سے احساس کرنے والا پایا جب ہم اپنے دفاتر سے فارغ ہو کر آئی آئی چندریگر روڈ سے۔برنس روڈ تک ٹہلتے ہوئے آیا کرتے تھے تاکہ وہاں سے بسوں میں بیٹھ کر اپنے اپنے گھروں کی طرف جاسکیں۔اس وقت حالات ایسے نہیں تھے جس طرح کے اب ہیں۔اس وقت ہم راتوں کو اکثر بغیر کسی ڈر و خوف کے سڑکوں پر چہل قدمی کیا کرتے تھے ۔ کھارادر اور کبھی۔برنس روڈ پر ہی کسی ہوٹل میں گپیں مارنے بیٹھ جایا کرتے تھے۔ لیکن اب ہم زیادہ فون پر ہی بات کیا کرتے ہیں۔

ڈیفنس کے کلب کی خبر کے حوالے سے میں نے سہیل سے بات کی ۔ سہیل نے بتایا کہ صورتحال بہت خراب ہے ۔ شہر میں ٹارگٹ کلنگ ، اغوابرائے تاوان اور بھتہ وصولی نے تاجروں کو اپنا کاروبار اور رہائش تک کراچی سے منتقل کرنے پر مجبور کردیا ہے۔ سہیل کا کہنا ہے کہ کراچی میں تاجروں اور صنعتکاروں میں خوف کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملیر ، لانڈھی ، کورنگی بلدیہ ٹاؤن کے علاقوں میں موجود کارخانوں اور فیکٹریوں کے مالکان خود اپنی

فیکٹریوں میں جانے سے گریز کرتے ہیں۔انھوں نے بتایا کہ کراچی میں چنیوٹی ، میمن اور پنجابی سود گران سے تعلق رکھنے والے افراد مختلف بزنس سے وابستہ ہیں۔ لیکن اب خوف کی وجہ سے تینوں ہی کراچی سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ متعدد یوا ے ای منتقل ہو چکے ہیں جو زیادہ سرمایہ نہیں رکھتے تھے وہ پنجاب کے شہروں کا رخ کر رہے ہیں ۔ چھوٹے تاجر اپنا کاروبار بند کر چکے ہیں ایک درجن سے زائد صنعتکار بنگلادیش بھی چلے گئے ہیں جو حیثیت رکھتے ہیں انھوں نے امریکہ ، کینڈا اور ملائشیا میں اپنا کاروبار منتقل کر لیا۔ سہیل افضل کی گفتگو تشویش کا باعث تھی۔

لیکن عموماًتاجروں کا یہ موقف بھی سامنے آرہا ہے کہ سالوں کی محنت سے کمائی گئی آمدنی ایک ہی فون پر دینا پڑھ رہی ہے پولیس اور متعلقہ ادارے صرف روایتی کارروائی کر کے خاموش ہوجاتے ہیں ۔ الیکٹرونکس کے سامان کا کاروبار کرنے والے دو تاجر اپنی جانوں سے جا چکے ہیں ۔ گزشتہ سال بلدیہ ٹاؤن کی فیکٹری میں خوفناک آتشزدگی کا واقعہ جس میں سینکڑوں افراد جاں بحق ہو گئے تھے بنیادی طور پر بھتہ کی طلبی کا شاخسانہ تھا۔

کاروباری حضرات کے لیے ضروری ہوگیا ہے کہ اب جو جتنا بھتہ مانگے انہیں دینا ہے ورنہ جان سے ہاتھ دھونے کا پیغام پہلے ہی موجود ہوتا ہے۔

لیکن انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ سندھ پولیس کے سربراہ انسپکٹر جنرل

فیاض لغاری کا کہنا ہے کہ کراچی میں قتل کی وارداتوں میں اضافہ تشویش کی بات نہیں ہے۔ انہوں نے بتایا کہ 2011 میں دو ہزار 42 افراد قتل ہوئے تھے جبکہ 2012 میں 2375 افراد کو قتل کیا گیا اس طرح 333 افراد زیادہ قتل ہوئے۔ پولیس اور رینجرز کی دس موبائلز کے قافلے میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانے والے فیاض لغاری کو شائد یہ نہیں معلوم کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اس لیے ایسے افسر کے بارے میں مزید بات کرنا فضول ہے کیونکہ یہ صاحب تو سیاسی آلودگی میں پرورش پا کر انسانی جانوں کی اہمیت ہی بھلا بیٹھے ہیں۔ کراچی اجڑ رہا ہے۔ جب بزنس مین اپنے کاروبار سمیت اس شہر سے کوچ کر جائیں گے تو پھر یہ کیسے ترقی کرے گا؟ جب غیر ملکی سرمایہ ملک میں نہیں آئے گا جب سرمایہ کاری کے آسان ذریعے دستیاب نہیں ہونگے سب سے بڑھ کر جہاں انسانی زندگیوں کی کوئی ضمانت نہیں ہوگی تو کیا ایسا شہر ترقی کر سکتا ہے یا اجڑ سکتا ہے؟۔ دکھ اس بات کا ہے کہ حکومت کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی حکومت میں رہنے والی جماعتیں خود امن و امان کی خراب صورتحال کا رونا روتی رہیں۔ سندھ میں تینوں حکومتی اتحادی جماعتیں ٹارگٹ کلنگ کا شکار بھی رہیں۔ اس کے باوجود جس اسلحہ سے ان جماعتوں کے کارکنوں اور دیگر عام لوگوں کو ٹارگٹ کیا جاتا رہا اس کو برآمد کرنے کی بات کی گئی تو شور مچ گیا، مضحکہ خیز باتیں کی جانے لگی نتیجہ یہ ہوا کہ غیر قانونی اسلحہ کے خلاف آپریشن کی آواز ایسے دب گئی جیسے ایک عام آدمی کے حق کی آواز گلے ہی میں دب کر رہ جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ کراچی

میں غیر قانونی اسلحہ کی موجودگی کی ذمہ دار اور جرائم کی خطرناک وارداتیں ان ہی سیاسی جماعتوں کی آشیرباد کے باعث ہیں۔جو جتنی زیادہ افرادی قوت رکھتی ہے وہ اتنا ہی حصہ مجرمانہ سرگرمیوں میں ادا کررہی ہیں۔ڈر ہے کہ یہ سلسلہ فوری نہیں روکا جاسکا اور تاجروں کو انکے تحفظ کا یقین نہیں دلایا گیا تو کراچی جو تجارتی شہر بھی کہلاتا ہے اپنی یہ شناخت کھو دیگا۔

امریکہ اور پی پی پی حکومت

انتخابات و انتخابات کو بھول جائیے جناب۔۔۔۔وفاقی وزیر داخلہ اور گورنر سندھ تو پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ" کراچی میں ہم بہت خونریزی دیکھ رہے ہیں"۔یہ اتفاق ہے یا کچھ اور کہ 3 مارچ اتوار کو عبدالرحمٰن ملک نے طالبان کو یاد کیا اور کہا کہ کراچی اور کوئٹہ کے علاوہ ہر جگہ سے طالبان کو ختم کردیا گیا۔ان کے اس بیان کے چند گھنٹے بعد ہی دو اور دھماکے کراچی کے عباس ٹاؤن میں ہوجاتے ہیں۔۔۔۔۔۔؟ صورتحال تو کراچی کی رواں سال شروع ہونے کے بعد سے ہی خراب ہے۔یہ تو اچھا ہے کہ وزیر داخلہ اور گورنر پہلے ہی لوگوں کو خبردار کردیا کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔اس سے زیادہ" وہ" کر بھی کیا سکتے ہیں؟ اچھی بری بات سے پہلے ہی آگاہ کردینا بھی تو قوم سے محبت کا ثبوت ہے۔مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ وزیر داخلہ اے آر ملک کی" ڈوریں" جہاں سے ہل رہیں ہیں جن کو یہ جواب دہ ہیں انہوں نے ان کو صرف یہ ہی مخبری کرنے کی اجازت دی ہے۔شائد یہ اجازت بھی اس لیے دی گئی کہ لوگ انتخابات کا انتظار کرنے کے بجائے ذہنی طور پر تیار ہوجائیں کہ انتخابات تو دور کی بات حالات ایسے پیدا کردئے جائیں گے کہ ملک کی سلامتی کو (خدانخواستہ) خطرہ لاحق ہوجائے گا۔ذہن میں رکھیں کہ اگر کراچی کو کچھ ہوا تو پورا جسم مفلوج ہوجائے گا۔جبکہ کراچی میں جو کچھ ہورہا ہے، "پرسرار

لوگ ”جو کچھ کر رہے ہیں اس سے کراچی شدید زخمی تو ہو چکا ہے۔ اس کا لہو روزانہ ہی رس رہا ہے۔

سوال ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے ؟ کیا اس کا مقصد الیکشن کا التوا ہے یا کچھ اور۔۔۔۔۔؟

جب عبدالرحمٰن ملک اور عشرت العباد بھی یہ بات کہہ رہے ہیں کہ حالات بہت زیادہ سنگین ہونے والے ہیں، اس کا مطلب واضح ہے کہ وہ بھی انتخابات کو ہوتا نہیں دیکھ رہے۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ پھر یہ دونوں حضرات گورنر اور وزیر داخلہ کی سیٹوں سے کیوں چمٹے ہوئے ہیں؟

ظاہر ہے یہ دونوں حضرات جو کچھ کر رہے ہیں یا یعنی خوفناک حالات کی اطلاعات دینا یہ کام کوئی دوسرا باضمیر ان اہم عہدوں پر رہ کر نہیں کر سکتا؟ کوئی اور ہوتا تو کب کا ان عہدوں سے استعفیٰ دیکر عزت بچا جاتا۔

ذرا غور کیجئے کراچی کے حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں لیکن امریکہ بہت اطمینان سے اپنی سرگرمیوں اور حدود کو وسعت دینے میں مصروف ہے۔ بہت عرصے سے امریکی شہریوں کو کراچی میں آزادانہ نقل وحرکت کرنے سے باز رہنے کی

خبر بھی نہیں آئی، شائد امریکیوں کے لیے کراچی میں کسی قسم کا ڈر نہیں ہے۔ اگر ان کو ڈر نہیں ہے تو یقینا یہ ڈرانے والوں میں شامل ہیں؟

کراچی ایئرپورٹ پر امریکی آرمی کی انجینئرنگ کور کی جانب سے ٹیکنکل کمانڈ اینڈ آپریشن سینٹر کے قیام کے لیے کارروائی شروع کی جاچکی ہے۔ کراچی کے حالات سنگین ہورہے ہیں مگر امریکہ یہاں اپنے مراکز قائم کرنے میں مصروف ہے۔ کراچی میں امریکی قونصل خانہ کی مائی کلاچی پر بنائی جانے والی نئی عمارت میں سفارتخانے کی ضروریات کی ساری چیزیں موجود ہے۔ کیاامریکہ یہاں سفارتخانہ بنانے کی کوششیں کررہاہے ؟ اگر کررہا ہے تو کیوں ؟ کیا اسلام آباد کے سفارتخانے کو کراچی منتقل کردیا جائے گا؟ نہیں جناب یہ ممکن نہیں ہے کہ ملک کے دارلحکومت سے کوئی ملک اپنے سفارتخانے کو کراچی جیسے شہر میں جہاں روزانہ دس ،بارہ افراد فائرنگ کا نشانہ بن کراپنی جانوں سے چلے جاتے ہیں جہاں نہ قانون ہے اور نا قانون نافذ کرنے والے ادارے ، کیونکر اپنے سفارتخانے کو منتقل کرے گا؟۔ کرپٹ حکمرانوں کی مجرمانہ سرگرمیوں کے دوران امریکہ اپنے مقاصد پر بہت اطمینان سے عمل پیرا رہا۔ قونصل خانے کی عمارت کی سفارتخانے طور پر تعمیر کے بعد اس کے اطراف سے آئیل ٹرمینل اور دیگر تنصیبات کی منتقلی امریکہ کے لیے ضروری تھی سو پیپلزپارٹی کے مرکز بلاول ہاؤس کو کراچی سے لاہور منتقل کرواکر اس کام کی بھی ابتدا کی جاچکی ہے۔ کراچی کے

ساحل کے قریب سفارتخانے کی طرز پر قونصل خانے کی عمارت اور ائیرپورٹ پر کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم سینٹر کے قیام کو نظرانداز کرنا کسی بھی طور پر مناسب بات نہیں ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ سینیٹ میں اس معاملے کو اٹھائے جانے کے باوجود کسی بھی جانب سے کوئی خاص رد عمل نظر نہیں آیا جس کے باعث یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے سیاستدانوں کی اکثریت امریکہ کے ہاتھوں اسی طرح یرغمال ہے جس طرح کراچی کی اکثریت متحدہ کے ہاتھوں مجبور اور بے بس ہے۔

پیپلز پارٹی اور اس کے اتحادیوں کی حکومت کے قیام میں امریکہ کی دلچسپی سے یہ بات واضح ہے کہ اس حکومت کو امریکہ کی مکمل حمایت تھی۔ امریکہ کی براہ راست سپورٹ کے باعث تینوں اتحادی جماعتیں ایک دوسرے کے خلاف متعدد شکایتوں کے باوجود حکومت سے علیحدہ ہونے سے گریزاں رہیں۔ متحدہ کا کرداد اس دور میں انوکھا رہا بلکہ اب بھی ہے کہ خود وہ اپوزیشن میں ہے لیکن اس اپنا عہدیدار گورنر بنا بیٹھا ہے۔ اے این پی سندھ حکومت سے کچھ عرصہ پہلے علامتی طور پر الگ ہوئی لیکن مرکز میں اس کا اتحاد پیپلز پارٹی سے مستقل رہا۔ اس اتحاد کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری " بڑی سرکار" کی جانب سے رحمٰن ملک کی تھی انہوں نے پورے دور میں صرف یہ ہی ذمہ دار احسن طریقے سے نبھائی ہے۔ میری نظر میں اے آر ملک اتحادیوں کے درمیان معاملات کو سنبھالنے کے لیے امریکہ کے سیکٹر انچارج کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

امریکہ جن مقاصد کے تحت پیپلز پارٹی اور اس کے اتحادیوں کی حمایت کرتا رہا وہ مقاصد حاصل کرنے کا وقت اب آچکا ہے۔ باخبر لوگ کہتے ہیں کہ امریکہ کو کرپٹ عناصر پر مبنی حکومت پاکستان میں چاہیئے تھی اس وجہ سے پرویز مشرف پر دباؤ ڈال کر این آر او لایا گیا۔ این آر او لاتے وقت امریکہ نے پرویز مشرف کو یقین دلایا تھا کہ وہ صدر کی حیثیت سے بدستور کام کرتے رہیں گے اور امریکہ ان کی حمایت بھی کرتا رہے گا۔ جبکہ آصف زرداری بھی اس بات پر تیار ہو چکے تھے کہ وہ مشرف کے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن دوسری طرف مشرف کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے خلاف کارروائی کے نتیجے میں امریکہ کو احساس ہوگیا تھا کہ چیف جسٹس کی بحالی کی اس تحریک کو فوری طور پر نا روکا گیا تو پھر سارا گیم ہی وقت سے پہلے ختم ہو جائے گا۔ اس لیے پرویز مشرف کو عین وقت پر عہدہ چھوڑنے کا اشارہ دیا گیا تھا، اشارہ ملتے ہی پرویز مشرف نے صدر کے عہدے سے استعفیٰ دیدیا بعدازاں انہیں ملک سے باہر جانے کا صاف راستہ بھی دیدیا گیا۔

پیپلز پارٹی کی حکومت کے قیام کے ابتدائی دنوں میں امریکہ کو اندازہ تھا کہ اگر مسلم لیگ مرکز میں پیپلز پارٹی کے ساتھ رہی تو وہ (امریکا) اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکے گا۔ اس لیے مئی 2008 کے پہلے ہفتے میں واشنگٹن میں کانگریس کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ نواز شریف کو پیپلز پارٹی کی مرکزی حکومت

سے دور کرنا ہے۔ اس فیصلے پر کامیابی کے ساتھ عمل کیا گیا اور نواز شریف کی پارٹی پورے ساڑھے چار سال تک مرکزی حکومت سے دور رہی۔امریکہ کے لیے مسلم لیگ کی پیپلز پارٹی سے دوری اس لیے بھی ناگزیر تھی کہ پرویز مشرف کو " پروگرام کے تحت " ملک سے باہر جانے کا صاف راستہ مل سکے جبکہ متحدہ اور اے این پی کو پیپلز پارٹی کے قریب آ جائے۔ لہٰذا امریکہ نے اپنی خواہش کے مطابق ابتائی دنوں میں ہی مسلم لیگ کا مرکزی حکومت کے لیے پیپلز پارٹی سے اتحاد ختم کرادیا۔ جس کی وجہ سے پیپلز پارٹی، متحدہ اور اے این پی سے الائنس کرنے پر مجبور ہوئی اور مسلم لیگ نواز اپوزیشن میں بیٹھنے پر۔ میں پورے یقین سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ آصف زرداری کسی بھی طور پر متحدہ کے ساتھ الائنس کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن مسلم لیگ کی جانب اپوزیشن میں بیٹھے کے فیصلے کے بعد آصف زرادری اور پیپلز پارٹی کی یہ مجبوری تھی کہ حکومت قائم کرنے کے لیے متحدہ کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔ ظاہر ہے کہ اگر مسلم لیگ نواز اور پیپلز پارٹی کی مخلوط حکومت ہوتی تو متحدہ اور اے این پی کو کسی طور وفاقی حکومت میں جگہ نہیں ملتی۔ ایسی صورت میں کراچی، کوئٹہ اور پشاور میں امریکہ اپنے مذموم مقاصد باآسانی حاصل نہیں کر سکتا تھا جو خیال ہے کہ اب اس نے حاصل کر لیے۔ ملک میں ڈرون حملوں کا حکومت کے قیام کے بعد چند دنوں میں آغاز ہونا اور تحریک طالبان پاکستان کا قیام امریکہ کے مقاصد تھے۔ ریٹائرڈ جنرل شاہد عزیز نے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں واضح کیا ہے کہ تحریک طالبان پاکستان

کا قیام افغانستان میں موجود اصل طالبان کو بدنام کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ کراچی پشاور اور کوئٹہ میں جو کچھ ہوتا رہا اور ہو رہا ہے وہ مذکورہ اتحادیوں کے موجودگی کے، باعث آسان ہوا۔ اگر یہاں ان اتحادیوں کی حکومت قائم نہیں ہوتی تو ایسا کچھ نہیں ہوتا ۔ بلکہ وہ ہی کچھ ہوتا جو پنجاب میں ریمنڈ ڈیویس کے ساتھ ہوا۔ ممکن ہے بہت سو کے لیے ایک معمولی یا اتفاقی واقعہ ہو لیکن حقیقت میں اس واقعہ سے امریکا کا چہرہ بے نقاب ہو گیا تھا۔ پیپلز پارٹی کی وفاقی حکومت نے ریمنڈ ڈیویس کی رہائی کے لیے جو دیت کی رقم مقتول نوجوانوں کے لواحقین کو ادا کی تھی وہ پیپلز پارٹی کے نہیں بلکہ اس ملک کے خزانے سے دی گئی تھی ، سب سے بڑھ کر ریمنڈ ڈیویس کون تھا اور کیوں یہاں آیا تھا یہ بات ہمیشہ کے لیے ہی دب کر رہ گئی۔ یہ بات پتا لگ جائے تو کوئٹہ ، کراچی اور پشاور میں ہونے والے دھماکوں اور دیگر تخریب کاری کے واقعات کے ملزمان کا پتا بھی لگایا جاسکتا تھا۔

خیر اب کیا ہو گا کیا امریکہ کی سازشیں ختم ہو گئیں ؟ اور ملک میں آئندہ کیا ہو گا؟ اس کے لیئے انتظار کرنا پڑے گا۔ لیکن میں وثوق سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان سے دوستی یا اسٹرٹیجک پارٹنر کے نام پر سرگرم قوت فوری انتخابات کا التواء چاہتی ہے اور کسی بھی طرح ملک کو غیر جمہوری قوت کے حوالے کر دینا چاہتی ہے تاکہ پانچ سال کے دوران جو کچھ بھی ہوا، جو کچھ بھی کیا گیا اس

سارا الزام جمہوریت اور جمہوری اداروں پر ڈالا جا سکے۔ جبکہ اصل قوت کے چہرے پر بدستور پردہ پڑھا رہے۔ تاکہ پھر کچھ عرصے بعد نئے چیپٹر کے تحت اپنے ناپاک مقاصد حاصل کرنے کے لیے دوبارہ مذموم کارروائیاں شروع کی جا سکے۔

شہزاد رائے۔۔۔۔ چل پڑھا

وطن عزیز کو صرف بعض سیاست دان، بیوروکریٹ ہی بدنام کرنے میں مصروف نہیں ہیں بلکہ اس کام کے لیے ملک اور اسلام دشمن قوتوں نے الیکٹرونک میڈیا سے بعض چینلز اور فنکاروں کی خصوصی خدمات حاصل کی ہیں۔ شہزاد رائے میری نظر میں ایک عام سا گلوکار ہے۔ مجھے ان سے کوئی خاص دلچسپی بھی نہیں ہے اس لیے کہ وہ اسلامی تعلیمات اور بنیادی اخلاقیات سے بھی ناواقف نظر آتا ہے۔ میں انہیں عام انسان بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ عام انسان اپنے اندر " فنکارانہ " صلاحیتیں نہیں رکھتا۔ جس چینل نے پاکستان کا مطلب لاالہ اللہ سے تبدیل کرکے اب پ کرنے کی کوشش کی وہ ہی چینل پرائمری اسکولوں میں اسلامی تعلیمات کے خلاف سرگرم ہے۔ اس مقصد کے لیے شہزاد رائے کی خدمات حاصل کی گئی ہے۔ شہزاد کی پیدائش اور ابتدائی تعلیم وغیرہ کے متعلق کوئی بات واضح نہیں ہے۔ بس حکومت کی جانب سے ان کو مختلف اعزازات سے نوازہ گیا۔ ہماری حکومتوں کی کیا بات ہے یہ تو ایک غیر ملکی متنازعہ وفاقی وزیر کو بھی پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری دے چکی ہے۔ شہزاد رائے کو بھی کوئی حکومت یہ بھی ڈگری دے سکتی ہے۔ اس سے پہلے شہزاد کو 2004 میں ان کی خدمات پر تمغہ امتیاز اور 2008 میں ستارہ ایثار بھی حکومت کی جانب سے دیا جاچکا ہے انہوں نے کشمیر زلزلہ کے بعد وہاں بحالیِ زندگی کے کام میں

اپنا کردار ادا کیا تھا۔ شہزاد رائے کی زندگی ٹرسٹ کی ویب سائٹس کا جائزہ لینے سے اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ زندگی ٹرسٹ کا کوئی دفتر پاکستان میں موجود نہیں ہے البتہ امریکہ کے مختلف شہروں میں ان کے دفاتر موجود ہیں۔ شہزاد کی اپنی تعلیم کا تو کچھ نہیں معلوم کہ انہوں نے کہاں سے کس قسم کی تعلیم حاصل کی لیکن وہ پاکستان میں تعلیم کے لیے " چل پڑھا" سلوگن کے تحت ان دنوں کافی سرگرم ہیں۔ جیو ٹی وی اس سلسلے میں انکے پروگرام کا پیشکار بنا ہوا ہے۔ شہزاد رائے جو تمیز اور تہذیب سے مبرا جملہ " چل پڑھا" کے ذریعے نا صرف بنیادی تعلیمی نظام کو درست کرنے کے نام پر غیر مسلموں کو اسلامی تعلیمات سے دور رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں بلکہ خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی طریقہ کار کو اپنانے کے لیے بھی اپنے تئیں کوششیں کر رہے ہیں۔ مجھے حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ہماری حکومت کن اصولوں کے تحت گلوکاروں یا فنکاروں کی پذیرائی کرتی ہے۔ مجھے تو شہزاد رائے جیسے لوگوں کے پیچھے جانے اور ان کی تشہیر کرنے والوں پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ کسی عمل کی تصدیق کیئے بغیر ہی ان کی تعریفوں کے پل باندھنا شروع ہو جاتے ہیں۔

چند روز قبل مجھے شہزاد رائے کے زندگی ٹرسٹ کا ایک اشتہار نظر آیا۔ جس پر لکھا تھا کہ اسکول کے جو بچے اپنی فیس اور کتابیں نہیں خرید سکتے وہ درج ذیل نمبروں پر زندگی ٹرسٹ سے رابطہ کریں۔ میں نے ان تمام موبائل نمبرز پر کال کی

لیکن ایک نمبر پر ریکارڈنگ چل رہی تھی کہ "آپ کا مطلوبہ نمبر کسی کے استعمال میں نہیں ہے " جبکہ دیگر نمبر مسلسل بند تھے۔ جن کو ڈائل کرنے پر یہ پیغام سنائی دیتا ہے " آپ کا مطلوبہ نمبر اس وقت بند ہے.برائے مہربانی تھوڑی دیر بعد کوشش کیجئے ۔مذکورہ نمبرز یہ ہیں ہو سکے تو آپ بھی کال کرکے دیکھیں۔۔0333-4040119-"

0333-2871465-0333-2629209

0333-4256549-03334390065.

خیر بات ہو رہی تھی " چل پڑھا " کی۔ مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ یہ جملہ یا اس عنوان سے پروگرام کی اجازت کیسے دی گئی ؟۔ کیا کسی نے اس جملے میں اخلاقیات کے پہلو کو مد نظر نہیں رکھا؟ کیا شہزاد رائے کو اس کی قابلیت کے مطابق چینل میں سب کچھ کرنے کی کھلی اجازت دی جا چکی ہے؟ اس عنوان سے ظاہر ہے کہ مخاطب چینل یا شہزاد رائے نہیں بلکہ وہ متعلقہ اسکول ٹیچر ہیں جن کے پاس پہنچکر شہزاد اپنے من کی " گا رہے ہیں "۔ اس پروگرام میں ہمارے معاشرے اور ہمارے دیس کے سادے لوگوں کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے۔ جملہ چل پڑھا ایسا ہے کہ کوئی شہزاد رائے کو کہے کہ " شہزاد چل آ شروع کر گانا"۔ بہرحال مجھے شہزاد رائے کو اس کی اس عمر میں تمیز سکھانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس عمر میں تو آدمی بہت کچھ خود یکھ اور سمجھ سکتا ہے۔

ایک پروگرام میں شہزاد رائے نے گورنمنٹ اسکول جاتے ہیں جہاں یقینا مسلمان طلبہ و طالبات کی تعداد زیادہ ہوگی لیکن اپنے پروگرام کے اسکرپٹ کے مطابق وہ اس کلاس روم کا انتخاب کرتے ہیں جہاں غیر مسلم طالبات زیادہ تھیں۔ وہ ان غیر مسلم معصوم بچوں سے سوال کرتے ہیں کہ " آپ کا مذہب کیا ہے" بچے جواب میں اپنے مذہب کا نام بتاتے ہیں۔ شہزاد رائے ان کا جواب سن کر اسکول اساتذہ کے پاس جاتے ہیں اور ان سے سوال کرتے ہیں کہ کیا کسی غیر مسلم کو دین اسلام کی کتابیں پڑھانا جائز ہے؟ دراصل یہ وہ سوال ہے جس کے لیے شہزاد رائے نے یہ پروگرام شروع کیا۔

جواب ملتا ہے کہ نہیں اسلام میں کسی غیر مسلم کے ساتھ زبردستی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یقینا نہیں ہے اور ایسا کم از کم پاکستان میں ہوتا بھی نہیں ہے۔ یہاں سیکنڈری اسکول سرٹیفکیٹ حصہ اول (کلاس نہم) میں بھی صرف مسلمان طلبہ کے لیے اسلامیات کا پیپر لازمی ہے جبکہ غیر مسلم کے لیے نہیں یہ پرچہ ہوتا ہی نہیں۔ لیکن شہزاد رائے نے اپنے پروگرام میں یہ وضاحت کرنا ضروری نہیں سمجھا اگر وہ یہ وضاحت کرتے تو اس پروگرام کا مقصد ہی فوت ہوجاتا۔

شہزاد رائے اور پروگرام کی پوری ٹیم کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ پاکستان کے کسی بھی شہر، علاقے اور گاؤں میں بچوں کو زبردستی اسکول میں داخلہ تک نہیں دیا جاتا بلکہ والدین کی مرضی اور منشا سے داخلے فراہم کیے جاتے ہیں۔ یقینا والدین بچوں کو اسکول میں داخلہ کرانے سے قبل ساری بنیادی معلومات

حاصل کرتے ہونگے ۔اہم بات یہ ہے کہ ملک کے کسی اسکول میں کسی غیر مسلم طالبعلم کو زبردستی اسلامیات یا دیگر دینی کتابیں نہیں پڑھائی جاتی بلکہ یہ ان کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ لیکن شہزاد رائے نے پاکستان کو بدنام کرنے اور ایک انتہائی بنیاد پرست اسٹیٹ ظاہر کرنے کے لیے اس طرح کا پروگرام پیش کیا جسے چینل نے (جس کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ غیر مسلم عالمی قوتوں سے فنڈز حاصل کرتا ہے) بلا جھجک پیش بھی کر دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک گلوکار کو جو ملک کے نظام اور قوانین سے بھی پوری طرح واقف نہیں ہے اس طرح کے پروگرام کرنے کی کس طرح اجازت دی گئی اور اب تک پاکستان الیکٹرونک میڈیا ریگولٹری اتھارٹی جسے پیمرا کہا جاتا ہے اس پروگرام پر کیوں نوٹس نہیں لیا؟ کیا اسلامی مملکت میں ہر ایک کو اسلامی روایت اور اصولوں کا مذاق اڑانے کی اجازت دیدی گئی ہے؟

ایک دوسرے پروگرام میں شہزاد رائے اس غریب کے گھرانہ میں جاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اولاد کی دولت مالا مال کیا ہوا ہے۔ صاحبِ خانہ کے 19 بچے تھے، شہزاد رائے نے اللہ کی نعمت کا تقریباً مذاق اڑاتے ہوئے ان سے پوچھا کہ آپ نے کبھی سوچا کہ ان کی پرورش کیسے کی جائے گی؟ جواب دینے والا بھی ایمان کا پکا تھا اس نے کہا جس نے یہ اولاد دی ہے وہ ہی پالنے والا ہے۔

یہ بات درست بھی ہے۔ اللہ کی نعمتوں کا تعلق کسی کی مردانگی سے نہیں ہوتا بلکہ یہ ایمان ہے کہ جسے دنیا میں آنا ہے وہ آکر رہتا ہے پھر ہم کیسے احتیاط کے نام پر اللہ کے نظام سے (نعوذباللہ) مقابلہ کر سکتے ہیں۔ غیر اسلامی قوتوں کی کوشش ہے کہ مسلمانوں کو نا صرف کمزور کردیا جائے بلکہ ان کی تعداد بھی کم کردی جائے۔ اس مقصد کے تحت وہ سرگرم عمل ہیں۔

لوگوں کو سوچنا چاہئے غربت آج زیادہ ہے یا 50 سال پہلے زیادہ تھی جب ہر گھر میں تین اور چار سے زیادہ بچے ہوا کرتے تھے۔ آج غربت میں کم آئی ہے تو اس کی وجہ آبادی میں اضافہ بھی ہے۔ یہ تاثر غلط ہے کہ آبادی میں اضافہ کا سبب غربت ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمیں یہ یقین ہونا چاہئے کہ غربت کا تعلق آبادی میں اضافہ کسی طور پر بھی نہیں ہے جبکہ غریب وہ نہیں ہوتا جس کے پاس روپیہ پیسہ ہو بلکہ میرے خیال میں غریب وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو، اسی طرح یتیم وہ ہوتا ہے جس کے دوست نہ ہو۔ اگر یہ بات درست تسلیم کی جاتی ہے تو پھر انسانوں کی افزائش غلط کیسے ہو سکتی ہے؟ حکومت خصوصاً سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جناب افتخار چوہدری سے قوم توقع رکھتی ہے وہ کہ اسلامی شعائر اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ٹی وی پروگرام کا نوٹس لیکر کارروائی کریں گے۔

جیل کے اندر جرائم

سنٹرل جیل کراچی، حیدرآباد کالونی کے قریب، بہادر یار جنگ اور یونیورسٹی روڈ کے سنگم پر واقع ہے۔ کراچی کی دیگر تاریخی عمارتوں کی طرح یہ بھی تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔1906 میں تعمیر کی گئی اس جیل میں تحریک پاکستان کے عظیم رہنما مولانا محمد علی جوہر بھی قید رہے۔ یہ ستمبر 1921 کی بات ہے جب انہیں تحریک پاکستان کی پاداش میں دو سال قید کی سزا دی گئی قید کے دوران اس دوران انہوں نے اپنی سوانح حیات بھی تحریر کی۔ یہ جیل 1906 میں شہر سے دور تھی اس وقت شہر صرف کھارادر سے صدر تک تھا۔ لیکن پھلتے اور پھولتے کراچی نے اسے اپنے بیچ میں کرلیا۔ سنٹرل جیل کراچی کو پاکستان کی پہلی باقاعدہ جیل ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اس جیل کی ایک خاص بات یہ ہے کہ کئی سالوں سے اس کی توسیع بھی نہیں کی گئی۔ ابتدائی طور پر جیل میں 325 مرد اور 75 زنانہ قیدیوں کی گنجائش تھی، سوا سو سال بعد اس میں چھ ہزار قیدیوں کے گنجائش کے قابل بنایا گیاتاہم اس کے رقبے میں توسیع نہیں کی جا سکی البتہ جیل کے احاطے سے باہر موجود جگہ پر جیل کے عملے کے لیے دفاتر اور رمکانات تعمیر کیے گئے۔ اس جیل کا کل رقبہ 10,889 مربع گز ہے۔

جیل کی تاریخی حیثیت اپنی جگہ لیکن جیل کے اندر جو تاریخ رقم ہو رہی ہے اسے یہاں لکھنا ممکن نہیں ہے۔ جیل کے سپرنٹنڈنٹ سمیت پورے عملے کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ جیل کے قیدی ہیں۔ قیدی بھی وہ جن کی کوئی سیاسی وابستگی یا اثر و رسوخ نا ہو۔ سیاسی اور بااثر قیدیوں کے لیے جیل، جیل نہیں رہتی بلکہ ایک گھر بن جاتی ہے جہاں ان کو ہر طرح کی سہولیات دستیاب ہوتی ہے۔ جبکہ عام قیدیوں کو قانونی سہولیات بھی روپے کے عوض حاصل کرنی پڑتی ہے۔ حکومت کی جانب سے فون اور انٹرنیٹ کی سہولیات کے ساتھ تین وقت کھانے کی سہولت بھی موجود ہے، اس مد میں کروڑوں روپے حکومت مختص کرتی ہے لیکن عام قیدیوں کے لیے انہیں سب سہولتیں مفت حاصل کرنا ناممکن ہے۔ یہاں جو قیدیوں کو کھانا فراہم کیا جاتا ہے اسے بھوکے قیدی مجبوراً ہی کھاتے ہونگے ورنہ یہ خوراک کسی بھی طور پر معیاری نہیں ہوتی۔ بیشتر قیدی گروپ کی شکل میں خود ہی کھانا تیار کرتے ہیں لیکن اس سہولت کے لیے انہیں علیحدہ پیسے خرچ کرنا پڑتے ہیں۔

چند ماہ قبل صوبائی وزیر جیل خانہ جات نے نوید سنائی تھی کہ قیدیوں کو ناشتے میں انڈا دیا جائے گا۔ اس اعلان پر قیدی صرف ہنستے رہے اور اب اعلان کو یاد کرکے انہیں ہنسی آتی ہے۔

چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے دو سال قبل جیل کا دورہ کیا اور جیل مینوئل

کے مطابق معاملات ناپا کر سخت برہمی کا اظہار کیا۔ ان کی برہمی کے باوجود کچھ بھی نہیں بدلا۔۔ قیدیوں سے ملاقات کے لیے آنے والوں سے رشوت لینا معمول کی بات ہے۔ اگر قیدی کے لیے کچھ اندر بھجوانا ہے تو اس کے علیحدہ چارجز ہیں۔ اگر کوئی حکومت یا حکومتی نظام ہوتا تو ایسا کبھی نا ہوتا۔۔۔ قیدیوں کے لواحقین سے رشوت لینے والوں کو پکڑنا چاہے تو محکمہ اینٹی کرپشن کسی بھی وقت اچانک کارروائی کر سکتا ہے۔ اور چاہے تو لواحقین سے تعاون حاصل کرکے بھی کرپٹ عناصر کا قلع قمع کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ کون کرے گا؟ ہزاروں قیدی اور ان کے لواحقین یہ سوال حکمرانوں سے پوچھتے ہیں۔

جیل کی صورتحال کے بارے میں ایک قیدی ایم اے ساغر نے اپنے ایک رقعہ میں کچھ یوں بیان کیا ہے۔۔۔۔ اس تحریر کو بغیر کسی ترمیم کے قارئین کے لیے پیش خدمت ہے ۔

یہ سنٹرل جیل کراچی ہے جس میں تین ہزار سے زائد ملزم اور مجرم قید ہیں۔ یہاں کی ہر چیز ہی الگ ہے۔ یہاں کا نظام، اس کا تو خدا ہی حافظ ہے۔ مجھے یہاں چار سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے مگر یہاں مظالم روز بروز ہی بڑھتے جا رہے ہیں یہاں کے موجودہ سپرنٹنڈنٹ شاکر صاحب ہیں جو کہ کہنے کو تو انتہائی فعال قسم کے افسر ہیں مگر شائد پیسے کی ہوس نے ان کو بھی اپنی لپیٹ

میں لے لیا ہے۔اسی وجہ سے یہاں کی ظلم کی داستانیں ان کے ضمیر پر دستک دینے سے قاصر ہیں۔میو وارڈ ہے یہاں کی بیرک 47 میں نئے آنے والے قیدیوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے کہ جرم بھی شرما جائے۔انسانیت تو سرے سے موجود ہی نہیں ۔ حیدر وارڈ میں بیرک نمبر پانچ ہے ۔جہاں پر ضیاء الرحمٰن نامی قیدی ہے جو ہر قیدی سے مک مکا کرتا ہے ۔جو مان جائے اسے ایک سے چار روز کی مہلت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے گھر سے پیسے منگوالے ، گھروالوں سے رابطے کے لیے چند لمحوں کے لیے موبائل فون کی سہولت مل جاتی ہے ۔جب ملاقات آتی ہے تو وہ اس کے ساتھ جاکر پیسے وصول کرتا ہے ۔پیسے نا دینے پر گھروالوں کے سامنے تشدد کیا جاتا ہے پھر بعد میں اس سے جیل کی صفائی ، دھلائی ، کھدائی ، اور پٹائی کی مد میں مشقت لی جاتی ہے ۔ صفائی میں ان گٹروں کی صفائی بھی شام ہوتی ہے جو انسانی فضلے سے بھرے ہوتے ہیں۔حالانکہ قیدی مسلمان ہوتا ہے ۔لیکن زیادہ سے زیادہ پیسے حاصل کرنے کا یہ ہی سب سے موثر طریقہ ہے ۔نئے آنے والے قیدیوں کو مختلف کٹیگریز میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔جو چور ،ڈکیت اور غریب نظر آتے ہیں ان کو بھی درج ذیل بیرکوں میں بھیجا جاتا ہے۔میو بیرک 47 ، حیدر بیرک پانچ اور تعلیم القران بیرک 15/5، جہاں کے ذمہ داران ان سے وصولیاں کرکے افسران تک پہنچاتے ہیں۔جو قیدی اعلیٰ معیار کے ہوتے ہیں ان سے جیل کے طاور پر جوڑ توڑ کیا جاتا ہے ، یہ جوڑ توڑ 25 ہزار سے شروع ہوکر دس لاکھ تک بعض اوقات اس سے بھی بڑھ جاتا ہے۔اس جوڑ توڑ کے عوض قیدی کو اس کی من پسند

جگہ پر رکھا جاتا ہے، وی آئی پی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں، ایسے قیدیوں کو موبائل فون سے لیکر کام کرنے کے لیے نوکر تک فراہم کیا جاتا ہے۔ ایسے قیدیوں میں منشیات وغیرہ کے اسمگلرز بینکرز اور بڑے جعلساز ہوتے ہیں۔ایسے قیدیوں سے وصولی کے لیے اکرم، زاہد اور اشوک کمار جسے مامور ہیں، یہ بھی قیدی ہیں لیکن ان کی حیثیت کسی جیلر سے کم نہیں ہے۔ جیل کے تمام مظالم سے محفوظ ہیں تو صرف وہ قیدی ہیں جن کا تعلق سیاسی جماعتوں متحدہ، جیۓ سندھ، پیپلز پارٹی، اے این پی اور دیگر جماعتوں سے ہے یا پھر جہادی تنظیموں سے۔ عبداللہ نامی شخص یہاں کم عمر قیدیوں سے زیادتی بھی کرتا ہے ۔اب آتے ہیں پرانے قیدیوں کی طرف ان سے بھی بھتہ، رشوت لی جاتی ہے۔ جیل کے طاور پر شہاب احمد صدیقی ایک وارڈ سے دوسرے وارڈ منتقل کرنے کے لیے دو سے بیس ہزار روپے تک رشوت لیتا ہے۔جیلز احسان مہران کی موبائل شاپ جیل میں ہے ۔پہلے موبائل دیتے ہیں جس کے لیے پندرہ سے بیس ہزار روپے وصول کرتے ہیں، پھر ماہانہ باپنچ سے دس ہزار وصول کیے جاتے ہیں نا دینے پر چھاپہ مار کر موبائل برامد کرلیا جاتا ہے۔ پھر مجبورا 25 ہزار روپے بھی دیئے جاتے ہیں۔احسان مہر کا معاون ذیشان تھا جواب سپرنٹنڈینٹ کے پاس ہے۔ جیل سے رہائی کا حکم ملنے کی صورت میں بھی قیدیوں کو چھوڑنے کے 20 سے 25 روپے وصول کیے جاتے ہیں۔ جیل کے رحیم وارڈ کے بارے مین کہا جاتا ہے کہ یہ جیل کے اندر جیل ہے اس وارڈ کے انچارج رفیق چنہ عرف چلبل پانڈے ہیں جو نوٹ دیکھ کر سب کچھ کرنے کی اجازت

دیتے ہیں۔ان کی اجازت سے جیل میں منشیات بھی فروخت ہوتی ہے ان کے وارڈ میں موبائل فون بھی استعمال کیا جاسکتا ہے بس شرط ہے کہ چلبل پانڈے کو نوٹ دیتے رہنا پڑتا ہے۔یہ صاحب کم عمر قیدیوں میں بھی غیر معمولی دلچسپی لیتے ہیں۔جیل میں حکومت نے فون کی سہولت فراہم کی ہے تاکہ قیدی ہفتے میں ایک بار دس منٹ مفت بات کرسکیں لیکن یہاں تین منٹ کے 30 روپے وصول کیے جاتے ہیں۔جیل کی کرپشن سے سب واقف ہیں لیکن کسی ایک میں خوف خدا نہیں ہے۔کیا چیف جسٹس پاکستان جیلمیں کیئے جانے والے ظلم پر بھی کوئی ایکش لے سکتے ہیں؟ فقط، ایم سی ساغر، سنٹرل جیل کراچی۔

پانچ سالہ حکومت تھی یا پانچ سالا حکومت؟

شکر الحمد اللہ کہ تکالیف اور اذیتوں سے بھرپور جمہوری دور ختم ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔قوم کو مبارک ہو۔۔۔۔۔۔۔خوشی اس بات کی بھی کہ ہمارے ملک میں جمہوری حکومت کی مدت پانچ سال ہوتی ہے اگر یہ مدت سات یا پھر دس سال ہوتی تو ہم کیا کرتے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔برداشت کے سوا۔۔۔؟ویسے اس یادگار بی جمہوریت نے پسماندگان میں آصف زرداری، الطاف حسین اور اسفندیار ولی کو سوگوار اور کروڑوں نہیں تو شائد لاکھوں متاثرین کو" غمزدہ "چھوڑا ہے۔۔۔۔۔بس ڈر ہے کہ کہیں یہ تینوں بے چارے دل برداشتہ ہو کر کہیں آمریت کو پیارے نا ہو جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ویسے جمہوریت کے نعروں کے درمیان آمریت کا جو مثالی مظاہرہ اس دور میں قوم کو دیکھنے کو ملا اس کی مثال ماضی میں فوجی ڈکٹیٹر میں بھی نہیں ملتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس دور سے کچھ لوگوں کو پرویز مشرف کی آمریت کی یاد آ گئی تھی بلکہ یوں کہا جائے کہ اس دور نے آمریت کی یاد تازہ کر دی تھی۔۔۔۔۔۔بے چارے پرویز بھائی ۔۔۔۔شریف تھے ۔۔۔۔شریفوں کے ہوتے ہوئے بھی۔۔۔۔۔۔؟ان کی شرافت کی یہ مثال کم ہے کہ 2008 میں صدر کا عہدہ خاموشی چھوڑا، پھر ایوان صدر کو خیرباد کہہ کر شرافت سے ملک سے ہی چلے گئے۔ سنا ہے کہ امریکہ نے یقین دلا دیا تھا کہ ملک سے باہر جانے پر ان کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ باالکل اسی طرح جیسے ناراض ہو کر گھر سے جانے والے بچے کو

کہا جاتا ہے کہ " واپس آجاؤ تمھیں کچھ نہیں کہا جائے گا" لیکن یہاں معاملہ الٹا تھا کہ بھائی گھر سے چلے جاؤ تمھیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔ اب شنید ہے کہ وہ واپس آنے کے لیے "پر تول رہے ہیں"۔ ویسے یہ بھی خبر آچکی ہے کہ وہ اگر 24 مارچ تک وطن واپس نا آئے تو پھر نہیں آئیں گے۔۔۔۔ ہمارا بھی یہ ہی مشورہ ہے کہ مشرف صاحب نا آئیں تو ان کے اور قوم کے لیے بہتر ہوگا۔۔۔۔۔ویسے تو مشرف صاحب کو پتا ہے کہ اب اپنے ملک میں باآسانی اگر کوئی چیز ملتی ہے تو وہ" شہادت " ہے۔۔۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ جذبہ شہادت انہیں وطن واپسی پر مجبور کر رہا ہو۔۔۔۔۔ ویسے بھی شہادت کے لیے اب کسی کافر اور مشرک سے لڑنے کے لیے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔اب یہ سہولت اپنے ملک کے بڑے شہروں میں دستیاب ہے۔۔۔۔۔۔۔جہاں روزانہ ہی کوئی نہ کوئی شہید ہوتا ہے۔ جسارت کے چیف ایڈیٹر اطہر ہاشمی صاحب کہتے ہیں کہ " اللہ حکمرانوں اور اہم سیاست دانوں کو بھی اس اعزاز سے نوازے تو قوم کی حوصلہ افزائی ہوگی اور جذبہ شہادت بھی بڑھے گا"۔

چھوڑیں۔۔۔۔ ابھی تو بات کرتے ہیں پی جمہوری حکومت کی۔۔۔۔جو واقعی بہت ضدی اور ڈھیٹ تھیں۔۔۔۔۔ لوگ چیختے چلاتے رہے مگر مجال ہے کہ ان کے کان پر جوں تک رینگے۔۔۔۔۔ بس ایک ہی ضد تھی کہ وقت پر ہی جاؤ نگی نا ایک دن پہلے نا ایک دن بعد۔۔۔۔بہرحال شکر ہے کہ اپنی یہ بات پی جمہوریت نے پوری کی۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔سنا ہے کہ کوشش تھی کہ کچھ دن اور گزار لیں۔۔۔۔لیکن وردی میں موجود شخصیت نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔۔۔۔۔۔۔مجھے جمہوریت سے کوئی شکایت نہیں ہے لیکن مذکورہ بی جمہوریت سے شکایتیں رہی ہیں۔۔۔۔کیونکہ دنیا میں کہیں ایسی جمہوریت کبھی بھی نہیں آئی ہوگی جس کا جمہور سے کوئی تعلق نہیں رہا

ہو۔۔۔۔۔۔بہرحال پیپلز پارٹی کے لوگ کہتے ہیں کہ اس جمہوریت کو پانچ سال تک چلانے کا اعزاز صدر آصف زرداری کو جاتا ہے۔۔۔۔۔پتا نہیں۔۔۔ہم تو اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔۔۔۔ہاں البتہ الطاف بھائی کا کہنا ہے کہ اگر وہ ساتھ نہیں دیتے تو پانچ ماہ بھی یہ حکومت نہیں چل پاتی۔۔۔۔۔۔الطاف بھائی کی یہ ہی بات تو سب کو پسند ہے کہ وہ بات سو فیصد " سچ اور حق " کی کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔اب اگر لوگ اس حکومت سے بیزار تھے تو اس میں کسی کا کیا قصور؟۔۔۔۔جمہوری حکومت کو کسی حال میں پٹڑی سے اتارنا بھی تو نہیں تھا۔۔۔۔۔چاہے پٹڑیاں اکھڑنے لگے۔۔۔۔ویسے پٹڑیوں پر ریلوے یاد آ گئی۔۔۔اے این پی نے اس کے ساتھ وہ ہی سلوک کیا جو پشاور کے ساتھ پانچ سال تک ہوتا رہا۔۔۔۔۔بم دھماکے ہوتے رہے، لوگ مرتے رہے مگر یہ ممکن نہیں تھا کہ اس حکومت پر کوئی آنچ آنے دی جائے۔۔۔۔۔پختون لوگ تھے ۔۔۔۔زبان اور وعدے کے پکے ہوتے ہیں۔

خیر جی۔۔۔یہ پانچ سالہ حکومت تھی یا پانچ سالا حکومت۔۔۔۔؟ دیکھیں نا۔۔۔آصف زرداری، الطاف حسین، اسفندیار ولی، مولانا فضل الرحمن اور چوہدری شجاعت۔۔۔یہ تو پانچ ہی ہوگئے۔۔۔۔شروع کے ایک آدھ سال کی تو ویسے گنتی نہیں

ہونی چاہیے ۔۔۔ چلو پھر فضل الرحمن کو نکال دیتے ہیں۔۔۔۔۔ حکومت کے آخری سالوں "کے بعد یہ نکل ہی گئے تھے ۔۔۔۔ "چار سالوں" کو چھوڑ کر۔۔۔۔۔۔۔ اب" اگر آپ کو محسوس ہی نہیں ہوا تو یہ ان کا قصور نہیں ہے۔۔۔۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر ایسی حکومت دوبارہ ہماری نصیب میں ہوئی تو پھر ہم بہت ساری اچھی باتوں کو اپنانے پر مجبور ہو جائیں گے۔۔۔۔۔ پانچ سال پہلے ہمیں نا وقت کا احساس تھا اور نا ہی بجلی اور گیس بچانے کا۔۔۔ ہم سیونگ سے واقف تو تھے مگر وہ تھا سیونگ اکاؤنٹ ۔۔۔۔ اللہ کا کرنا ہوا کہ اب ہم وقت کی اہمیت اور روپے پیسے کے علاوہ بھی دیگر چیزوں کی بچت کی طرف توجہ دینے لگے۔۔۔۔۔ پہلے بلاوجہ ہی ادھر ادھر چلے جایا کرتے تھے لیکن عوامی حکومت نے مجبور کیا کہ خوامخواہ کیا بہت ضروری بھی ہو تو ضروری باتیں ذہن میں رکھ کر، گاڑی میں سی این جی کی مقدار چیک کر کے ، موبائل فون کو چھپا کر، جیب کو خالی کر کے اور باہر کے حالات کے بارے میں مکمل آگہی کر کے گھر سے باہر نکلنا چاہیے۔۔۔۔۔۔ اس طرح قوم ساٹھ سال بعد گھر سے نکلنے کا صحیح طریقہ سیکھ پائی۔۔۔۔۔۔ ذرا سوچیں اگر لوڈشیڈنگ نہیں ہوتی تو کیا ہم کو وقت کی اہمیت کا احساس ہوتا،،، نہیں نا۔۔۔۔۔ اب ہر گھر سے کسی نہ کسی وقت آوازیں آتی ہیں کہ جلدی کرو جو بھی کام کرنا ہے کیونکہ لائٹ جانے والی ہے۔۔۔۔۔ اب تو مہمان بھی " منہ اٹھا کر " آنے کے بجائے سوچ سمجھ کر بلکہ پوچھ کر آتے ہیں کہ کہ

یار شام کو آپ کی طرف آنے کا ارادہ ہے، یہ بتاؤ تمھارے پاس لائٹ کب جاتی ہے؟"۔۔۔۔۔۔ہے نا اصول کی بات ،اور یہ اصول طور طریقے اس حکومت نے سکھائے ہیں۔۔۔۔۔۔ تو پھر شکریہ ادا کریں بے چاری پی پی پی اور اس کے اتحادیوں کی حکومت کا۔۔۔اور تو اور بھائی ہم آپ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ حکومت میں رہ کر اپوزیشن کا کردار کیسے ادا کیا جاتا ہے ؟ یہ اسی دور کی کرامت تھی کہ ہم یہ جان پائے کہ اقتدار ییں رہکر حزب اختلاف کا جمہوری رول کیسے ادا کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ایک ٹکٹ میں دو مزے۔۔۔۔۔ایک ہی دور میں سیاسی جماعت کے دو روپ دیکھنے کا ایسا انوکھا موقع اس سے پہلے کبھی ملا تھا؟ نہیں نا۔۔۔۔۔پہلے حکومت رہ کر حزب اختلاف کا کردار ادا کیا آخر میں اپوزیشن میں جاکر حزب اقتدار کا ساتھ دے ڈالا۔۔۔۔ فکر نا کریں آئندہ بھی ایسا کچھ دیکھنے کو مل سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ارے بھائی آپ تو یہ بھی بھول گئے کہ سندھ میں تو پیپلز پارٹی نے حکومت میں رہتے ہوئے احتجاج کیا تھا ۔۔۔۔۔ عدالت کے فیصلوں کے خلاف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ویسے ہم الطاف بھائی کو سلام کرتے ہیں کہ انہوں نے کبھی بھی پوری قوم کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ حکومت کے اتحادی ہیں اور زرداری صاحب اور ان کے جیالوں کو بھی حزب اختلاف کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔۔۔۔۔۔ ویسے تو اس معاملے ییں شریف برادران کا بھی بڑا فرینڈلی رویہ رہا۔۔۔ایسے دوستانہ تعلقات ۔۔۔واقعی مثال ملنا مشکل ہے ۔۔۔۔۔شائد اس میں آصف زرداری کی عادتوں کا بڑا دخل رہا۔۔۔۔ان کو دوست

بنانے کی پرانی عادت ہے ۔۔۔۔۔دوستی صرف ایسی نہیں کرتے کہ جو برسوں قائم رہے بلکہ ایسے لوگوں سے بھی کرلیتے ہیں جن کو چیخ چیخ کر قاتل کہا کرتے تھے ۔ایسا بااخلاق اور درگزر کرنے والا صدر یا رہنما کیا اس سے قبل قوم کو نصیب ہوا تھا؟؟؟

مجھے لگتا ہے کہ ہم ہی جمہوری حکومت کو سمجھ نہیں پائے۔۔۔۔۔۔ہم تو ایسے بیوقوف ہیں کہ اپنے رحمٰن ملک کو بھی نہیں پہچان پائے کہ وہ کیا چیز ہیں ؟ وزیر داخلہ تھے یا وزیر اطلاعات ؟ ۔۔۔۔۔ اگر غور کیا جائے تو اس حکومت نے ملک اور قوم کے ساتھ ایسا کچھ کیا کہ ہم برسوں یاد رکھیں گے ۔اور شکرادا کرتے رہیں گے کہ ہم زندہ تو ہیں، زندگی ہے تو روزگار، رہائش اور روٹی بھی مل ہی جائے گی۔۔۔۔۔۔کہا جاتا ہے کہ پیپلز پارٹی نے ملک اور قوم کے لیے بڑی قربانیاں دیں۔۔۔۔۔۔پہلے ذوالفقار علی بھٹو، پھر ان کے بیٹے شاہنواز اور مرتضٰی ، اور پھر بی بی یعنی بے نظیر بھٹو کی قربانیاں۔۔۔۔۔۔نیک لوگ تھے شہید ہوگئے ۔۔۔۔توقع ہے کہ زرداری صاحب بھی قربانی کا یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔۔۔۔۔۔ویسے بھی چند ماہ بعد صدر کی ذمہ داریوں سے فارغ بھی تو ہونا ہے۔

انتخابات، خدشات اور شکایات

لاہور میں عمران خان کا 23 مارچ کو ہونے والا جلسہ بھی کامیاب ہوگیا۔اس جلسے سے لاہور اور تخت لاہور کی گرمی تو کم ہوئی لیکن ملک کی سیاسی صورتحال پر کوئی خاص اثر پڑتا ہوا نظر نہیں آیا۔طاہرالقادری کی " پر سرار ایجنڈے " پر مشتمل ریلی کے بعد جس میں چار دن تک ہزاروں لوگ سڑکوں پر تھے کے بعد کسی جلسے یں لوگوں کی بڑی تعداد کو دیکھ کر سیاسی جماعت کا وزن جانچنامزید مشکل ہوگیا ہے۔جلسہ تو کسی جماعت کا ناکام نہیں ہوتا۔اصل بات یہ ہے کہ ان جماعتوں نے اب تک لوگوں کو کیا دیا ہے ؟۔یہ سوال ان جماعتوں سے پوچھا جانا زیادہ ضروری ہے جو ماضی میں اقتدار کے مزے لوٹتی رہیں۔اس سوال کا جواب ان جماعتوں پر بھی لازم ہے جو ملک کی تاریخ میں پہلی بار اپنی مدت پوری کرنے والی جمہوری حکومت کو چلانے کے دعویدار ہیں۔ سمجھا جاسکتا ہے کہ کم از کم ان پارٹیوں نے جمہوریت کو ڈی ریل نہیں ہونے دیا اوراسلامی جمہوریہ پاکستان میں پہلی بار ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔لیکن پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ عوامی دور میں عوام کو بھی کچھ ملا یا پھر صرف حکمران عیاشی کرتے اور مزے لوٹتے رہے ؟اس کے جواب میں بہت تلخ حقائق

ہیں ۔ایسے حقائق جو ہر خاص و عام کی زبان پر ہیں۔ کراچی ، پشاور اور کوئٹہ میں امن و امان کے حوالے سے جو کچھ ہوتا رہا وہ ماضی کا حصہ بن چکا ہے لیکن لوگ ان واقعات کو کبھی بھی نہیں بھول پائیں گے ۔لوگوں کی اکثریت اب اس طرح کی جمہوریت سے پناہ مانگتی ہوئی نظر آتی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ گزشتہ جمہوری حکومت کے معاملات سے فوج کی لاتعلقی کے باعث اور اس کو " سب کچھ " کرنے کے لیے فری ہینڈ دیئے جانے کی وجہ سے ملک کی تاریخ میں پہلی بار عوامی حکومت اپنی مدت پوری کر سکی ہے۔ لیکن یہ بات فوج کے لیے باعث قابل تعریف نہیں ۔اس عوامی حکومت کے قیام کے لیے فوج نے ہی سیاست دانوں کو قومی مفاہمتی آرڈیننس کا تحفہ دیا تھا جو پورے پانچ سال تک پوری قوم کے لیے ناسور بنا رہا۔ بھلا پھر کس طرح فوج تعریف کے قابل ہو سکتی ہے۔ بہر حال اب فوج کے لیے قابلِ تعریف بات یہ ہوگی کہ 11 مئی کو ہونے والے انتخابات کو شفاف، منصفانہ اور آزادانہ بنانے کے لیے اپنا حقیقی کردار ادا کرے۔

آزادانہ انتخابات کا مطلب یہ نہیں کہ سیاسی جماعتوں کو ان کی طاقت یا کسی کے اشارے کی وجہ سے ہر قانون و اصول سے آزاد کر دیا جائے۔ یہ سب کچھ اب تک ہونے والے بارہ انتخابات میں ہوتا رہا۔ لیکن اب 2013 ہے۔ دو ہزار تیرہ میں

ملک کی تاریخ کے تیرویں انتخابات میں قوم واضح تبدیلی دیکھنا چاہتی ہے۔ایسی تبدیلی جس سے عمران خان کے خوابوں کے نئے پاکستان کی ابتدا ہو یا نہ ہو لیکن محمد علی جناح کے پاکستان کا نیا سنہری باب کھل سکے۔ لیکن یہ صرف اسی صورت میں ہی ممکن ہو گا جب ووٹرز کو بلاخوف وخطر اور آزادانہ ووٹ ڈالنے کی سہولت میسر ہو اور وہ اپنی خواہشات کے مطابق اپنے پسندیدہ امیدوار کو ووٹ دے سکیں۔اب تک ہونے والے انتخابات میں اسٹبلشمنٹ کا پر اسرار کردار بھی سامنے آتا رہا۔اس بار کچھ ایسا ہو کہ اسٹبلشمنٹ نام کس شیر کا ہے وہ بھی پتا چل جائے اور فوجی جرنیلوں پر لگے داغ بھی دھل جائیں۔ قوم کو آرمی چیف اشفاق پرویز کیانی سے اسی طرح کی اچھی توقعات ہیں۔اس بار لوگوں کو محسوس ہونا چاہیۓ کہ وہ ایک پرامن ملک کے آزاد باشندے ہیں اور اپنی مرضی اور سوچ کے مطابق پرامن ماحول میں ووٹ ڈالنے جارہے ہیں۔یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا جب نگراں صوبائی حکومتیں اور وفاق کی حکومت آرمی کی مدد سے انتخابات کرانے کی اپنی اہم ذمہ داری احسن طریقے سے پوری کرے گی۔ اگر فوج پرامن منصفانہ اور آزادانہ انتخابات کرانے ہیں اپنے کردار کے باعث کامیاب ہو گئی تو قوم کے دلوں میں فوج کی محبت اور قدر میں اضافہ ہو گا اور ملک میں ایک اچھی روایت بھی قائم ہو گی۔

مجھے یقین ہے کہ ملک کے بڑے شہروں کراچی، حیدرآباد، لاہور، راولپنڈی

اسلام آباد، کوئٹہ، پشاور اور ملتان یں لوگوں کو آزادانہ حق رائے دہی کا موقع ملا تو واضح تبدیلی آئے گی۔ شہروں کی ترقی شروع ہو جائے گی۔ جماعت اسلامی کے امیر منور حسن صاحب کا یہ کہنا کہ کراچی میں ووٹرز کو یہ یقین بھی نہیں ہے کہ وہ ووٹ ڈال کر زندہ واپس گھر پہنچ جائیں گے بھی یا نہیں۔

حکومت کو اپنے ہنگامی اقدامات سے اس تاثر کی نفی کرنی ہو گی۔ ملک کے سب سے بڑے شہر میں امن و امان کی صورتحال اگر آئندہ چند روز میں بہتر نہیں ہوئی تو خدشہ ہے کہ یہاں انتخابی عمل خوف کے باعث بری طرح متاثر ہو گا۔ لوگ ووٹ ڈالنے کے لیے گھروں سے نکلنے کے بجائے گھروں میں ہی رہنے کو ترجیح دیں گے۔

سپریم کورٹ کی جانب سے کراچی میں امن و امان کی خراب صورتحال کی ذمہ دار قرار دی جانے والی جماعتوں میں سے ایک جماعت کی جانب سے اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ وہ عین وقت پر انتخابات کا بائیکاٹ کر دے گی۔ اس صورت میں بھی پورے شہر میں خوف و ہراس پیدا کیے جانے کے خدشات موجود ہیں۔ تاکہ یہ تاثر ملے کہ مذکورہ جماعت کی جانب سے بائیکاٹ کی وجہ سے ووٹرز کا ٹرن آؤٹ کم رہا۔

دوسری طرف متحدہ قومی موومنٹ الیکشن کمیشن کی جانب سے کی گئی نئی حلقہ

بندیوں کو مسترد کرکے اس پر احتجاج شروع کرچکی ہے اور اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں جانے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ حالانکہ یہ حلقہ بندیاں سپریم کورٹ کے حکم پر کی گئیں ہیں۔ ممکن ہے کہ متحدہ کا خیال ہو کہ سپریم کورٹ میں اپیل کے بعد اس کی توقعات کے مطابق فیصلہ آجائے۔

اہم بات یہ بھی ہے کہ انتخابات کے شیڈول کا اعلان ہو جانے کے باوجود انتخابات کے انعقاد پر شکوک شبہات موجود ہیں۔اتوار کو سابق صدر پرویز مشرف وطن واپس آچکے ہیں ۔وہ جس شہر میں دبئی سے براہ راست پہنچے اگرچہ وہ ان کا اپنا شہر ہے لیکن اس میں اب وہ سب کچھ تبدیل ہوچکا ہے جو ان کے بچپن کے دنوں میں تھا۔اب ناظم آباد اور نارتھ ناظم آباد وہ نہیں رہیں جو ملک کے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ علاقے کہلاتے تھے۔اب تو یہاں بھی گولیاں چلتی ہیں اور لاشیں گرتی ہیں۔پرویز مشرف کراچی آمد کے بعد کراچی کی صورتحال پر تشویش کا بھی اظہار کیا انھوں نے شہر کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپس کے جھگڑے ختم کریں، یہ شہر سب کا ہے۔انھوں نے ائیرپورٹ پر اپنے خطاب میں یہ بھی کہا کہ " وہ پاکستان کہا چلا گیا جو میں چھوڑ کر گیا تھا"۔

پرویز مشرف این آر او زدہ لوگوں کے انتخابات میں کامیاب ہونے کے بعد ملک چھوڑ گئے تھے اور ساڑے چار سال بعد واپس آئے۔ملک اور قوم سے ان کو کتنی

محبت ہے اس کا اندازہ ان کے اس عمل سے لگایا جاسکتا ہے۔ بہر حال ان کی موجودگی کے دوران خدشات بھی رہیں گے۔

تحریک طالبان پاکستان نے انہیں دھمکی دی ہوئی ہے کہ وہ انہیں جہنم میں بھیج دے گی۔

اتوار کو ملک کے نگراں وزیراعظم کے لیے ہزار خان کھوسو کا چناؤ کرلیا گیا۔ پیر کو وہ اپنے عہدے کا حلف اٹھائیں گے۔ لیکن ابھی انتخابات کے ساتھ خدشات باقی ہیں جبکہ متحدہ کی شکایتیں اور طالبان کی دھمکیاں ہنوز برقرار ہیں۔ کیا ہوگا اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا۔

اور بلاول بھی ناراض

انتخابات کی تاریخ قریب ہے۔ حلقہ بندیوں سے متعلق شکوے شکایتوں اور انتخابات کے انعقاد سے متعلق خدشات کے باوجود پاکستان پیپلز پارٹی سمیت تمام سیاسی جماعتیں انتخابات کی تیاریاں زور شور سے کر رہی ہیں۔ پانچ سال تک مکمل اختیارات کے ساتھ حکومت کرنے والی پیپلز پارٹی الیکشن کے انعقاد کے ابتدائی دنوں میں ہی چیئرمین بلاول بھٹو زرداری کی ناراضگی کے باعث مشکلات کا شکار نظر آرہی ہے۔تاہم یہ مشکلات اور پریشانی اس سے بہت کم ہے جو اس حکومت کے پانچ سالہ اقتدار کے باعث ملک اور قوم نے اٹھائی اور اٹھا رہے ہیں۔ بہرحال پیپلز پارٹی کے اندرونی ذرائع سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق پارٹی کے لیڈرز خصوصاً آصف زرداری، ان کے قریبی ساتھیوں اور ان کے رشتے داروں نے قوم کے ساتھ جو سلوک روا رکھا تقریباً ایسا ہی رویہ پارٹی کی بعض شخصیات اور پارٹی پالیسی کے ساتھ رکھا تھا۔ان رہنماؤں نے آصف زرداری اور پیپلز پارٹی کی " چادر "اوڑھنے کے باوجود بلاول زرداری کے حقیقی رشتے داروں اور پیپلز پارٹی کی پالیسیوں کو نظر انداز کرتے رہے۔ بالکل اسی طرح جیسے بے نظیر بھٹو نے اپنی زندگی میں آصف زرداری اور ان کے قریبی دوستوں اور رشتے داروں کو نظر انداز کیا تھا۔ "جمہوریت بہترین انتقام" Democracy is Best Revenge)) کے نعرے کے

دوران جس طرح انتقام کا جذبہ ہر کسی کے لیے غالب رہا۔یہ انتقام عوام سے اس طرح لیا گیا کہ ملک کے سب سے بڑے شہر میں اس جماعت کو گلے لگایا گیا جو سیاسی کم مجرمانہ سرگرمیوں میں زیادہ ملوث رہی۔یہ اس نعرے کا سبب تھا کہ ایک ایسے شخص کو وفاقی وزیر بنایا گیا جو کرپشن کے کیس میں ملوث ہونے کے باعث ملک سے فرار ہوا اور پھر برطانیہ کی شہرت حاصل کی۔ دوہری شہریت میں نااہل اور جھوٹا و بددیانت قرار دیئے جانے کے باوجود آخری وقت تک اہم وزارت سے چمٹا رہا۔پارٹی کی اپنی حکومت ہونے کے باوجود پیپلز پارٹی کے اپنے دیرینہ کارکنوں اور رہنماؤں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا گیا کہ کراچی کا لیاری جو پیپلز پارٹی کا گڑھ تھا۔اب گڑھا بن گیا۔جہاں پیپلز پارٹی کو اس سے منحرف ہونے والے اب دفن کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔لیاری سے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر ایک سے زائد مرتبہ منتخب ہونے والے نبیل گبول اپنے پرانے نظریے کو اسی علاقے میں مدفون کرکے متحدہ کی گود میں جا بیٹھے ہیں۔متحدہ قومی موومنٹ کا سہارہ لینا ان کی مجبوری سے زیادہ سیاسی ضرورت تھی۔ان کی ضرورت سیاست کرنا ہے۔ اکثر سیاست دان انسانیت کی خدمت کے جذبے سے زیادہ" تجارت" کے طور پر سیاست کرتے ہیں۔ نبیل گبول کو اپنے بزنس کا مستقبل لیاری کے لوگوں کی ناراضگی کے بعد تاریک نظر آرہا تھا اس لیے انہوں نے متحدہ میں شامل ہونے کو ہی عافیت جانی۔

پیپلز پارٹی کا کنٹرول آصف زرداری کے پاس جانے کے بعد سے ہی لوگ اس کے مستقبل کے حوالے سے فکر مند ہو گئے تھے۔تاہم خوش قسمتی سے اقتدار ملنے کے بعد پیپلز پارٹی کے ٹوٹنے کا عمل اس تیزی سے نہیں ہوا جیسی توقعات تھی۔یہ اور بات ہے کہ بے نظیر کے قتل کے بعد ہی ناہید خان اور ان کے شوہر صفدر عباسی نے علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔یہ بغاوت پیپلز پارٹی کے خلاف نہیں بلکہ آصف زرداری کی جانب سے پارٹی کو " ہائی جیک " کے باعث تھی۔ان دونوں کی کھلم کھلا مخالفت نے آصف زرداری کے خلاف جیالوں کی بھی حوصلہ افزائی کی تاہم انہوں نے حکومت کے دوران بہتی گنگا سے کچھ حاصل کر لینے کے مفاد کے باعث خاموش رہنے کو ترجیح دی۔آصف زرداری کی قیادت سے ناراض افراد کو دیگر بہت سی شکایات کے ساتھ یہ شکایت بھی رہی کہ ان کی چیئر پرسن بے نظیر بھٹو کے قاتلوں کو گرفتار نہیں کیا گیا۔کئی لوگ تو اس قتل کے حوالے سے اپنے ہی لیڈروں کو شک کی نگاہ سے بھی دیکھتے ہیں۔

بلاول بھٹو کی ناراضگی کو قدرت کی جانب سے مکافات کہا جا سکتا ہے۔ممکن ہے کہ اس بارے میں جو اطلاعات سامنے آئیں ہیں ان میں کوئی صداقت ہو۔اطلاعات کے مطابق بلاول کو ان کی سیکیورٹی اور ان کے بحیثیت چیئرمین اختیارات نا ملنے کے حوالے سے اعتراض تھا۔وہ اپنے والد سے اس لیے بھی ناراض تھے کہ آصف زرداری نے ان کی والدہ کے قریبی لوگوں اور ان کے ننیال کے رشتے داروں کو

پورے پانچ سال وہ عزت اور اہمیت نہیں دی جس کے وہ حق دار تھے۔ذرائع کا کہنا ہے کہ آصف علی زرداری نے بلاول کو منانے کے لیے بلاول کی خالہ صنم کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔تاہم اس میں آصف زرداری کو کامیابی حاصل ہونا مشکل ہے۔خیال ہے کہ بلاول نے ناراض ہو کر ملک چھوڑنے کا فیصلہ کسی کے مشورے کے بعد ہی کیا ہے ممکن ہے ان کے مشیر ان کے ننیال والے ہوں۔

اگر حقیقت بھی کچھ اس طرح ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ بھٹو کے نام پر چلنے والی پارٹی آئندہ چند روز میں ایک نئے باب کو رقم کرنے کی طرف گامزن ہوگی۔انتخابات ہی وہ موڑ ہوتا ہے جس میں پارٹیاں ٹوٹتی ۔بنتی یا سنبھلتی ہیں۔

پیپلز پارٹی نے حکومت میں رہتے ہوئے عوام کے ساتھ جو کچھ کیا اس کے نتیجے میں ویسے بھی پیپلز پارٹی کا مستقبل خطرے میں ہے ایسی صورت میں آصف علی زرداری کو ناصرف پارٹی کو بلکہ اپنے خاندان کو بکھرنے سے بچانے کی ذمہ داری بھی ادا کرنا ہے۔

آصف زرداری کی یہ بد قسمتی ہے کہ ان کا کوئی سگا بھائی نہیں ہے ان کے خاندان کا تسلسل رکھنے کے لیے صرف اکلوتا بلاول موجود ہے۔جبکہ دوسری طرف بھٹو کے نام کو زندہ رکھنے والوں کی تعداد اکلوتے بلاول کے مقابلے میں زیادہ ہے۔وہاں صرف ذوالفیقار جونیئر ہی نہیں بلکہ فاطمہ بھی

موجود ہے جو سیاست کا شوق نہ ہونے کے باوجود سیاست میں آ سکتیں ہیں۔یقینا بھٹو کی پارٹی کو زندہ رکھنے کے لیے بھی زرداری کے حامیوں سے کہیں زیادہ ہیں۔

سوال یہ تھا کہ پیپلز پارٹی کا مستقبل کیا ہے ؟ اوراب تازہ صورتحال میں کیا ہوگا؟ پیپلز پارٹی کے ایک سینئر رکن نے اپنا نام نہ لکھنے کے وعدے پر جواب دیا کہ لوگ اب بہت سمجھدار ہوگئے ہیں ،میڈیا نے لوگوں کی سوچوں کو بدل دیا ہے انتخابات کے نتائج سے واضع ہوجائے گا کہ پیپلز پارٹی کا مستقبل کیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا ابھی آپ کیا جواب دیں گے اس سوال کا ،تو وہ ہنس پڑے اور کہنے لگے ابھی تو میں صرف ہنس سکتا ہوں آپ کے سوال پر۔۔۔۔۔

یہ ہی سوال جب میں نے پیپلز پارٹی کے مرکزی اور سینئر رہنما تاج حیدر سے کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ موجودہ دور میں ہماری ترجیحات یہ تھیں کہ کسی بھی طرح جمہوریت ڈی ریل نہ ہو ،انہوں نے کہا کہ اگر لوگوں کو ہم سے مایوسی ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو توقعات بھی تھیں۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ بلاول بھٹو 2 اپریل کو واپس کراچی آرہے ہیں وہ نوڈیرو میں ہونے والے جلسے سے خطاب کریں گے اس لیے ان کی ناراضگی کے حوالے سے خبریں درست نہیں ہے۔ تاج حیدر نے یہ بھی واضع کیا کہ اگر وہ اپنے والد آصف زرداری سے ناراض ہیں

تو یہ ان کے گھر کا معاملہ ہے۔ میں کسی کے ذاتی معاملات کی خبر نہیں رکھتا۔تاج حیدر کراچی کی ان شخصیات میں شامل ہیں جن کی ہر کوئی عزت کرتا ہے۔تاج حیدر کی بات پر مجھے بحث نہیں کرنی تھی سو میں نہیں کی۔لیکن پیپلز پارٹی کے ایک اور دیرینہ لیڈر اقبال مرزا جو ان دنوں لندن مین مقیم ہیں اور بھٹو کے ساتھیوں میں ان کا شمار ہوتا ہے اس سوال پر واضع کیا کہ موجودہ پیپلز پارٹی بھٹو کی پارٹی نہیں ہے۔ اس سے زیادہ کہنے کے لیے تو بہت کچھ ہے مگر اس کا فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔

قصور تو کراچی والوں کا ہی ہے

چلیں آج روڈ ماسٹری کرتے ہیں۔ سڑک چھاپنے کا کام تو ہم نے بھی بہت کیا۔ایک بار پھر سڑکوں کو یاد کرتے ہیں۔اگرچہ ہر طرف سیاسی گھما گھمی ہے، ہر جانب لوگ سیاست کی باتیں کرنے اور سننے میں دلچسپی لے رہیں۔لیکن ہم سڑکوں کی بات کریں گے عجیب بات ہے نا۔؟ بات یہ ہے کہ کراچی کا روڈ نیٹ ورک جس طرح کا ہو گیا ہے اس بارے میں گفتگو کرنا ناگزیر ہے۔

میرا ایک دوست کئی سال بعد امریکہ سے کراچی آیا اور بغیر سلام دعا کیے کہنے لگا " یار کراچی تو باالکل ہی بدل گیا، ہم نے تو سنا تھا کراچی والے اور کراچی کے حالات بدلے ہیں ۔ مگر یہاں آنے کے بعد پتا چلا کہ سارا نقشہ ہی بھول بھلیاں کی طرح ہو گیا ہے"۔کہنے لگا یار یہاں جس نے بھی سڑکوں پر کام کیا وہ بہت ذہین تھا،اس نے جہاں کام کرانے کی ضرورت بھی نا تھی وہاں بھی کرا گیا۔ ٹھنڈی سانس لیکر اس نے پھر بولنا شروع کیا۔لگتا ہے کہ فلائی اوورز جسے بالائی گزرگاہ بھی کہا جاتا ہے اس کا تو جال کھڑا کر دیا گیا ہے؟ یار یہاں کیا ماضی میں " ٹھیکیداروں "کی گورنمنٹ تھی ؟ ممکن ہے کہ سیمنٹ وغیرہ فری میں ان ترقیاتی کاموں کے لیے ملتا ہو؟ وہ بولے جا رہا تھا۔۔یار کمال ہو گیا

شہر کی سڑکوں کو ایسا بنادیا گیا جیسے ہائی وے کی سڑک ہو۔۔۔تم کو پتا ہے ہائی وے پر زیبرا کراسنگ یا سڑک عبور کرنے کی سہولت نہیں ہوتی۔مگر حیرت ہے کہ یہاں فلیٹوں کے سامنے ، بازاروں کے قریب اور ہر اسٹاپ کے ساتھ بھی سڑک عبور کرنے کے لیے کسی قسم کی سہولت نہیں دی گئی۔۔۔۔۔میں نے کہا یار کیا میں جواب دے سکتا ہوں ۔۔۔کہنے لگا کیا جواب دوگے یار مجھے معلوم ہے کہ یہاں سڑک کے حادثات میں راہ گیر وں کے جاں ہونے کے واقعات بہت ہوتے ہونگے ،اس وجہ سے یہاں کے حق پرستوں نے سوچا ہوگا کہ سڑک عبور کرنے کی سہولت ختم کردی جائے اس طرح حادثات نہیں ہونگے۔یار وہ دور اب تو ختم ہوگیا نا؟ میں نے جواب دیا ہاں بھائی ختم ہوگیا۔ فوراً بولا شکر ہے ورنا تو میری یہاں چند ماہ موجودگی کے دوران بھی دو چار فلائی اوورز بن جاتے۔۔۔۔یار انور حیرت ہے سانس لیکر اس نے کہا اور قہقہ لگایا۔۔۔۔۔۔۔۔بھائی ابوالحسن اصفہانی روڈ اور یونیورسٹی روڈ کے سنگم میں تو فلائی اوورز کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی پھر اسے کیوں تعمیر کیا گیا؟فرحان اس وقت تک بولتا رہا جب تک میرے ساتھ رہا، مجھے تو اس نے کچھ کہنا کا موقع بھی نہیں دیا اور پھر یہ کہہ کر اچانک جانے کے لیے کھڑا ہوگیا کہ بھائی تیرا شہر اب ایسا نہیں رہا کہ کچھ دیر سکون سے بیٹھا جاسکے ۔کیونکہ مجھے ابھی سی این جی بھی بھروانی ہے اور دیکھ سی این جی اسٹیشن تیرے گھر کے سامنے ہے مگر پتا ہے اس تک پہنچنے کے لیے مجھے راستہ آدھا میل دور سے ملے گا کیونکہ اب اس شہر میں کسی "گاڑی" کو یوٹرن کی اجازت

نہیں ہے۔ البتہ یہاں سیاسی رہنما اپنے بیانات پر یوٹرن لے سکتے ہیں۔ فرحان بولا، میری گلی کے کونے پر بھی بیریئر لگا ہوا ہے اس لیے مجھے لمبا چکر لگا کر اپنے گھر جانا پڑتا ہے اس لیے بھائی، میں تو چلا۔۔۔۔۔فرحان تو چلا گیا لیکن جاتے جاتے مجھے جھنجھوڑ ڈالا۔ میں سوچنے لگا کہ کراچی پاکستان کا دل ملک کا سب سے بڑا شہر ہے، یہاں صرف ٹارگٹ کلنگ، بھتہ خوری، اغوا اور امن و امان سے متعلق دیگر مسائل ہی نہیں بلکہ یہ بھی مسائل ہیں جو گھر سے نکلتے ہی انسانوں کو لپٹ جاتے ہیں۔ شہر کے حقیقی نمائندوں نے شہر کی، گلیوں اور سڑکوں کے ساتھ جو مذاق کیا اس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ شہر کی ہر بڑی اور چھوٹی سڑک پر ایک نہیں بلکہ تین سے زائد بالائی گزرگاہیں تعمیر کردی گئیں، دور دور تک سڑکوں کے آئی لینڈ کو بڑے جنگلے لگا کر اس طرح بند کردیا گیا کہ کوئی بھی شخص سڑک پار نہ کرسکے۔ سڑک عبور کرنے کے لیے سینکڑوں گز کے فاصلے پر اوور ہیڈ برج تعمیر کیے گئے ہیں۔ ان میں اکثریت ایسے پلوں کی ہے جو لوہے کے ہیں انہیں یہاں لاکر فٹ کردیا گیا لیکن اس کی بلندی اتنی ہے کوئی مریض اور یا معذور شخص سڑک عبور کرنے کے لیے اس کو استعمال کرنے کا تصور نہیں کرسکتا۔ غریب پرور شہر جہاں ہر سڑک کے قریب رہائشی اور تجارتی عمارتیں ہیں، ان مقامات پر لوگ پتھاروں اور ٹھیلوں پر بھی کاروبار کرتے ہیں۔

سگنل فری شاہراہ کے نام پر ہر چوک اور موڑ پر فلائی اوور تعمیر کردیئے گئے

اور سگنلز ختم کر دیئے گئے۔ جیسے ہائی ویز ہوتی ہیں۔سوال یہ ہے کہ بغیر اسٹڈی کیے اربوں روپے کے منصوبے کیوں بنائے گئے؟اس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔عام خیال یہ ہی ہے کہ کم وقت میں زیادہ سے زیادہ لاگت کے منصوبے اس لیے مکمل کرائے گئے کہ بھاری کمیشن حاصل کرلیا جائے۔ کسی نے بھی نہیں پوچھا کہ یہ منصوبہ کیوں بنایا گیا؟اس کے مستقبل میں کیا نتائج ہونگے؟ٹریفک کا نظام رواں رکھنے کے نام پر اربوں روپے کے ریت کے پہاڑ کھڑے کردیے گئے۔اب بعض مقامات پر ان فلائی اوورز کی وجہ سے ٹریفک میں خلل پڑتا ہے۔لیکن منصوبوں پر اربوں روپے خرچ کرنے والے بے فکری سے گھوم رہیں ہیں انہیں کوئی بھی نہیں پوچھ رہا اور پوچھے گا بھی نہیں۔۔۔۔۔کیونکہ وہ کسی سے نہیں ڈرتے صرف ہر ایک کو ڈراتے ہیں۔

یقین کیجئے کہ میرے شہر میں گلشن چورنگی ،شاہراہ پاکستان ،یونیورسٹی روڈ،اور نارتھ ناظم آباد میں تعمیر کیے جانے والے پل تعمیراتی اصولوں کے خلاف ہیں۔لیکن کیا ان منصوبوں کے بارے میں کوئی تحققیات کی جائے گی؟شاہد نہیں۔لیکن اگر عدالت خود ایکشن لے تو اور بات ہے۔

آسان ٹریفک کے ذرائع کے نام پر جگہ جگہ فلائی اوور کی تعمیر ایک مذاق بن چکی ہے کیونکہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ ان فلائی اوورز پر جب گاڑیاں خراب

ہوتیں ہیں یا سی این جی وغیرہ ختم ہونے سے یہ بند ہوجاتی ہیں تو ٹریفک معطل ہوجاتا ہے جس کا اثر آس پاس کی سڑکوں پر پڑتا ہے۔

کراچی کی آٹھ ہزار کلو میٹر طویل سڑکوں کو فلائی اوورز کی تعمیر کے بعد بارہ ہزار کلو میٹر تک کردیا گیا ہے۔ لیکن ان سڑکوں اور فلائی اووز پر چلنے والی تقریباً 25 لاکھ گاڑیوں کو اور انہیں چلانے والوں کو کوئی سہولت نہیں مل سکی بلکہ سڑک کے درمیانی راستے بند کرکے انہیں مزید مشکلات سے دوچار کردیا گیا۔

یہ ہی نہیں اس شہر میں جہاں کوئی سابق صوبائی وزیر، مشیر یا مخصوص جماعت کا غلبہ ہو وہاں کسی غیر متعلقہ شخص کا ہی نہیں بلکہ اسی علاقے کے لوگوں کا اپنے گھروں کو سیدھے راستے پہنچنا ناممکن ہوگیا ہے کیونکہ ہر گلی پر بیریر لگے ہوئے ہیں۔ سیکیورٹی کے نام پر وہ ہی لوگ رکھوالے بنے ہوئے ہیں جن سے عام افراد ڈرتے ہیں۔

فرحان ہی نہیں بلکہ اکثر لوگ جب بیرون ممالک سے اپنے شہر واپس آتے ہیں تو وہ یہاں کی تکالیف دیکھ کر جلد ہی پلٹ جانے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ مگر اس بات کی فکر کون کرے گا۔ قصور تو کراچی والوں کا ہی ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو کیوں منتخب کرتے ہیں۔

الطاف حسین کی تازہ گزارش

ایسا آدمی پاگل، دیوانہ یا مینٹل ہی کہلائے گا جو اپنی آمدنی کے سب سے بڑے ذریعہ کے خلاف باتیں کرے۔! آمدنی اور شہرت کا باعث بننے والے ملک کے نظام کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرے اور اپنے آپ کو عقلِ کل سمجھے۔چلیے ابھی اس ذکر کو یہیں پر روک دیتے ہیں پہلے کچھ اور باتیں کرتے ہیں۔

عام انتخابات قریب ہیں ہر لیڈر اپنی پارٹی اور اس کے عہدیداروں اور کارکنوں کی حوصلہ افزائی اور عام ووٹرز کی توجہ حاصل کرنے کے لیے لوگوں کے درمیان جاکر انتخابات کی مہم چلانے میں مصروف ہے۔ان انتخابات کی کشش نے سابق صدر پرویز مشرف کو گرفتاری کے ڈر اور جان سے مار دینے کی دھمکیوں کے باوجود ملک واپس لوٹنے پر مجبور کردیا ہے۔یہ وہ موقع ہے کہ ملک کے صدر آصف زرداری بھی بیرون ملک کے دورے کے بجائے اپنے ہی ملک میں اپنے لوگوں کے درمیان رہنے کو ترجیح دے رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو اپنے والد آصف زرداری اور دیگر رشتے داروں سے ناراض ہونے کے باوجود دبئی سے واپس آکر انتخابات کی مہم میں حصہ رہے ہیں۔اسی طرح میاں نواز شریف، شہباز شریف،اور چوہدری برادران بھی اپنے طبّی معائنہ کے لیے بھی ملک سے باہر جانے سے گریزاں ہیں

کیونکہ وہ کسی بھی طرح انتخابات میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں اور کامیابی کی امید نا ہونے کے باوجود بھی بعض شخصیات اپنے مخالفین کے لیے میدان کھلا نہیں چھوڑنا چاہتی۔ لیکن ایک لیڈر ایسے بھی ہیں جو اس اہم موقع پر بھی چند روز کے لیے وطن واپس نہیں آنا چاہتے کیونکہ انہیں خطرہ ہے، انہیں ڈر ہے کہ کوئی انہیں جان سے مار دے گا۔ انہیں پارٹی، تحریک کی ساکھ اور لوگوں کی جان و مال سے زیادہ اپنی ہی فکر رہی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ہمیشہ یہ ہی تاثر دیتے رہے کہ ان کا جینا مرنا تحریک اور تحریک کے کارکنوں کے لیے ہے۔ ان کو کارکنوں کے ساتھ ہونے والے ظلم و ستم اور ان کی گرفتاریوں کی بھی صرف بیان کی حد تک تشویش ہوتی ہے۔ کارکن سمجھنے لگے ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لیے سب کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔ جس خوف کی وجہ سے لوگ ان کی آواز پر ہر جمع ہو جاتے ہیں اب اسی طرح کا خوف انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا ہے۔ مذکورہ لیڈر کی کوشش ہوتی ہے کہ وطن سے باہر رہ کر سیاست کرنے والوں کو واپس جانے سے روکیں۔ انہوں نے ماضی میں بے نظیر بھٹو کو بھی ملک واپس نا جانے کا مشورہ دیا تھا مگر بی بی نے مشورہ نہیں مانا اور یہ کہا تھا کہ موت تو اگر میرے وطن میں ہی آ جائے تو زیادہ اچھی بات، کم از کم اپنے لوگوں کے درمیان تو موت آئے گی۔ اسی طرح موصوف جنرل مشرف کو بھی پاکستان جانے سے منع کرتے رہے مگر ان کو ناکامی ہوئی۔ ان کی خواہش رہی کہ کوئی اور دوسرا بھی ان کی طرح ملک سے باہر رہ کر ملک کی سیاست کرے تاکہ " ڈرپوک " کا اعزاز کسی دوسرے کو بھی ملے۔

الطاف حسین کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ وہ جب بھی خطاب کرتے ہیں۔ایسا کرتے ہیں کہ گلی کوچوں میں ان کی باتوں پر تبصرے شروع ہو جاتے ہیں۔نامور صحافی اور دانشور تک ان کے تازہ "فرمودات" پر کالم لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ گزشتہ روز لندن سے براہ راست ٹیلی فونک پریس کانفرنس کرتے ہوئے بھی انہوں نے ایسا کچھ مثالی کہا کہ مجھ جیسا غیر نامور بندہ بھی کچھ نا کچھ لکھنے پر مجبور ہو گیا۔ان کی تقریر کا دائرہ انتخابات اور انتخابی عمل کی خامیوں کو اجاگر کرنے تک محدود رہی ۔تاہم انہوں نے اس بار بھی بنیادی اسلامی نکات اور نظریہ پاکستان پر تنقید کرنے کی کوشش کی۔الطاف حسین کے اٹھائے گئے سوالات پر نامور صحافی انصار عباسی فوری طور پر کالم تحریر کر چکے ہیں۔انصار عباسی کا کالم، نظریہ پاکستان اور دین کے بارے میں بنیادی سوالات پر تنقید کرنے والوں کے "منہ پر طمانچہ " ہے۔اس لیے مزید تھپڑوں کی ضرورت تو نہیں رہی۔۔۔۔۔ لیکن کیا کریں خیال آتا ہے کہ " ہم آدمی ہیں تمہارے جیسے جو تم کرو گے وہ ہم کریں گے "۔

الطاف بھائی نے نظریہ پاکستان کے بارے میں اپنے مخصوص انداز میں کہا کہ " میری کم علمی ہے لہٰذا مجھے بتایا جائے کہ آئینی و قانونی طور پر نظریہ پاکستان کیا ہے؟ "۔

چونکہ اس پر کالمز لکھے جا چکے ہیں اس لیے میں صرف اتنا ہی لکھوں گا کہ الطاف بھائی، آئینی اور قانونی طور پر نظریہ پاکستان نہیں ہے بلکہ پاکستان کا قیام دو قومی نظریئے کی بنیاد پر عمل میں آیا ہے اور قیام پاکستان کے بعد اس کا نظام چلانے کے لیے آئین اور قانون بنایا گیا ہے۔ وہ آئین جس کے تحت دوہری شہریت کا حامل شخص، ایسا شخص جو نظریہ پاکستان پر یقین نہیں رکھتا، ایسا شخص جو اسلام کے بنیادی اصولوں اور ارکان پر عمل نا کرتا ہو اور جو سنگین جرائم میں ملوث ہو ممبر پارلیمنٹ، ممبر کابینہ، اور صدر نہیں بن سکتا۔

الطاف حسین نے اپنی تقریر میں الیکشن کمیشن کے اراکین کی جانب سے پوچھے جانے والے سوالات پر سخت تنقید کی اور کہا کہ الیکشن کمیشن کے چیف کو چاہیے کہ وہ ٹی پر آکر نماز جنازہ کا طریقہ کار بتادیں تاکہ لوگ نماز جنازہ سیکھ لیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اچانک نماز جنازہ کا ذکر الطاف بھائی کو کیوں یاد آگیا۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں خیال آگیا ہو کہ انہیں بھی مرنا ہے۔ یا پھر دنیا کو یہ بتانا چاہ رہے ہوں کہ پاکستان میں مسلمانوں کو نماز جنازہ بھی نہیں آتی۔ اگر پہلی بات ہے تو وہ اطمینان بخش ہے اور اگر دوسری بات ہے تو وہ ہم سب کے لیے تشویش کا باعث ہے۔

دلچسپ بات یہ کہ جس معاملے پر انہوں نے پریس کانفرنس کی اور جس ایشو پر اعتراضات کیے ۔ یعنی انتخابات، اس کی تیاری توان کی پارٹی کررہی ہے۔اس کے باوجود الطاف حسین نے انتخابات کی تاریخ میں توسیع کی اپیل کردی ہے ۔ اس طرح وہ پہلے لیڈر ہوگئے جنہوں نے انتخابات کے انعقاد کو التوا میں ڈالنے کی خواہش ظاہر کی۔الطاف حسین کا مؤقف یہ ہے کہ انتخابات کی گہما گہمی نظر نہیں آرہی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی دور رہ کر ان کو ساری جماعتوں اورپوری قوم کا جوش کس طرح نظر آتا ہے؟۔یقینا یہ ناممکن ہے وہ گہما گہمی زیادہ سے زیادہ متحدہ کی صفوں ہیں نہیں دیکھ پارہے ہونگے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پوری قوم اس بار انتخابات کے ذریعے ملک میں انقلاب برپا کرنے کی تیاری کررہی ہے۔کیونکہ لوگوں کو اب یقین ہورہا ہے کہ اس بار ہونے والے انتخابات (اگر ہوئے تو) انتہائی شفاف ،آزادانہ اور منصفانہ ہونگے۔اس لیے ان انتخابات سے ان تمام پارٹیوں میں خوف پایا جاتا ہے جو اب تک ووٹ کے بجائے کسی اور طاقت کے بل پر کامیاب ہوتی رہیں ہیں۔ متحدہ انتخابی حلقہ بندیوں کے حوالے سے ہائی کورٹ اور اقوامِ متحدہ تک جا پہنچی لیکن شائد وہاں سے توقعات کے مطابق نتائج حاصل نا ہونے پر اب انتخابات کے التوا پر زور دینے میں لگ گئی۔

قوم کو اس بات پر حیرت ہے کہ ایک ایسا شخص جو پاکستان کے آئین کے مطابق

پارلیمنٹ کا رکن تک بننے کی اہلیت نہیں رکھتا وہ بیرون ملک بیٹھ کر کس طرح ملک کے آئینی ، قانونی اور انتخابی معاملات پر مداخلت کر سکتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان کے اندرونی معاملات میں بیرونی مداخلت کے مساوی اس طرح کے بیانات پر سپریم کورٹ کوئی کارروائی کر سکتی ہے؟ کیا کوئی غیر ملک کا وفادار پاک وطن کی کسی جماعت کا لیڈر ہو سکتا ہے؟ متحدہ اور اس کے قائد الطاف حسین کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ان کے اپنے کارکن اور یہ ملک ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کے کارکن انہیں چندہ دیتے ہیں۔ وہ کارکن یقینا قابل تعریف ہیں جو اپنے ذاتی اخراجات سے زیادہ آمدنی اپنے لیڈر اور اپنی پارٹی کو دے دیا کرتے ہیں۔؟ کیا اس آمدنی اور اخراجات کی جانچ پڑتال کرنے کا اختیار ملک کے کسی ادارے کے پاس ہے؟

آٹے میں نمک

میرا خیال ہے کہ ہمارے سیاست دانوں کی اکثریت صرف جھوٹ بولتی نہیں بلکہ جھوٹ سوچتی، جھوٹ کھاتی، جھوٹ پیتی اور جھوٹ ہنستی بھی ہے حالانکہ آخری بات قوم کے لیے چھوڑ دینی چاہیے تھی۔ بہت سو کا خیال ہے کہ یہ صلاحیت پہلے صرف پولیس والوں میں پائی جاتی تھی۔ لیکن یہ معاملہ اسی طرح کا ہے "جیسے مرغی اور انڈے کا"۔ بہرحال یہ کہا جاسکتا ہے کہ پولیس والے وسائل کم ہونے کے باعث سیاست دانوں سے پیچھے رہ گئے ہیں۔

ملک میں انتخابات کا شور ہے لیکن جوش نہیں، پہلی بار ایسا کچھ ہو رہا ہے کہ سیاسی پارٹیوں اور سیاسی جماعتوں سے زیادہ عام لوگوں میں جوش اور خروش دونوں نظر آرہا ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ انہیں ووٹ ڈالنا ہے بلکہ اس لیے ہے کہ اس بار ان کا خیال ہے کہ وہ اپنی مرضی و منشا کے مطابق ووٹ ڈالیں گے۔ ان کی خوش فہمی ہے کہ اس بار جب وہ پولنگ اسٹیشن پہنچے گے تو ان کا ووٹ پہلے سے کاسٹ نہیں ہوا ہوگا بلکہ انہیں خود صرف اپنا ووٹ ڈالنا ہوگا۔ ماضی میں مختلف شہروں خصوصا کراچی میں بعض مخصوص افراد کو اپنے ووٹ کے ساتھ دوسروں کے ووٹ کاسٹ کرنے کی بھی سہولت رہی۔ اپنے ووٹ کے استعمال کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا

ہے۔ شائد یہ مزے لینے کی تمنا نے عام لوگوں جذباتی کیا ہوا ہے۔ کراچی میں جو لوگ ایک سے زائد ووٹ ڈال کر اطمینان سے گھر لوٹتے تھے وہ بھی مطمئین ہیں کہ اس بار وہ کسی کا حق نہیں مار سکیں گے۔اور ان پر زائد ووٹ ڈالنے کا دباؤ بھی نہیں ہوگا۔

ویسے شفاف انتخابات کے لیے اس بار الیکشن کمیشن کے افسران میں بھی دیکھنے کے قابل جوش ہے۔ خیر بات بات ہو رہی تھی سیاست دانوں کی۔ میرا کہنا ہے کہ سیاست سے صرف دو طرح کے لوگوں کا تعلق ہوتا ہے ایک وہ جو انسانیت کی خدمت کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو "انسانیت کی خدمت "کے الفاظ کو اپنے مفاد میں استعمال کرنے کا گر جانتے ہیں۔

دورِ حاضر کے سیاست دانوں میں دوسرے اقسام کی تعداد زیادہ ہے۔ "حرکت میں برکت" ہوتی ہے اس لیے عام افراد کو دونوں طرح کے سیاست دانوں سے انفرادی فوائد حاصل ہوجاتے ہیں۔اجتماعی فوائد صرف غالب سیاست دانوں تک محدود رہ جاتے ہیں۔اس مقصد کے لیے ان کے پہلے دو تین سال کے لیے اجلاس ہوا کرتے تھے۔ پھر انہیں تیاری کے لیے دو اور تین سال کا موقع فراہم کیا جاتا تھا لیکن اب پورے پانچ سال کے لیے مجالس ہوتی ہیں۔ پورے پانچ سال جمہوریت کے مزے لوٹنے کا موقع ان ہی لوگوں کے تعاون سے ملا جو پہلے ان سیاست دانوں کو پونے دو

سال ، ڈیڑھ سال یا ڈھائی سال تک حکومت کرنے کا چانس دیا کرتے تھے اور پھر اتنا ہی آرام کرنے کا بھی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس کو جتنا موقع ملا اتنے ہی فوائد حاصل کیئے ۔ مگر قوم اپنے فوائد کا انتظار کرتی رہی جیسے ماضی میں ۔ بہر حال قوم کو مبارک ہو کہ حال ہی میں اس کو پانچ سالہ جمہوریت پوری کرنے کا تمغہ ملا۔ جس ملک میں قوم کو دکھ، دلاسے اور یقین دہانیاں ملتی رہیں ہوں اس ملک کے لیے " پانچ سالہ جمہوریت کی تکمیل " کا تمغہ ہی بہت ہے۔ سنا ہے جمہوریت جس ملک میں ہوتی ہے وہاں ملک اور قوم ترقی کرتی ہے۔۔۔۔اس مطلب ہے کہ ہمیں مزید اسی طرح کی جمہوریت دیکھنا ہوگی۔۔۔۔اللہ رحم کرے۔

پوری قوم روٹی ، کپڑا اور مکان کی تلاش میں 60 سال تک مصروف رہی اور تجربہ بھی حاصل کیا پھر پہلی بار پانچ سال کے لیے جمہوریت آئی تو لوگوں کو " امن و سکون " کی تلاش کا کام بھی مل گیا۔ اس کام کی تلاش میں لوگ جمہوری حکومت کے بریک پر جانے کے بعد بھی سرگرداں ہیں۔ ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی میں اس کام پر بچے بوڑھے ، جوان اور بیمار بھی لگے ہوئے ہیں ۔ کسی سے بھی پوچھیں کیا کر رہے ہو؟ جواب ملتا ہے " سکون تلاش کر رہا ہوں " دوسرا فوراً جواب دیتا ہے اچھا تمھاری مصروفیت بھی میری جیسی ہے۔

جس ملک میں امن و امان نہ ہو، سی این جی ناغے کے نظام سے ملے اور بجلی بغیر

کسی نظام کے ملے ۔۔۔۔ ملے تو صرف سڑکوں پر لٹیرے اور ڈاکو ملے وہاں کے لوگ کیسے سکون سے رہ سکتے ہیں؟

یہ سب کچھ ان سیاست دانوں کی وجہ سے ہوا ہے جن کا میں نے کالم کے آغاز پر ذکر کیا ہے۔۔۔ سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی سے صحافی وٹی وی اینکر سلیم صافی نے پوچھا کہ بے نظیر کو کس نے قتل کیا؟ جواب ملا کہ امریکہ کے صدر بش نے بتایا تھا کہ بے نظیر کے قتل میں بیت اللہ محسود ملوث ہے۔ظاہر ہے جب امریکہ یا امریکی صدر یہ بات کہہ دے تو پھر کسی کی کیا مجال کے ان سے بحث کرے ، سو گیلانی صاحب بھی خاموش ہو گئے۔سیاست دان ہیں کسی صحافی کو خاموش کرانے کے لیے سیاست کے " ٹول بکس " سے اس کے معیار کا جھوٹ کا پانا نکال کر اسے استعمال کرنا انہیں آتا ہے۔آج کل صحافی ہر اس سیاست دان کے "گلے پڑ رہا ہے " جس نے ملک کے 65 سالوں میں صرف گزشتہ پانچ سال مزے لیے ۔۔۔ جمہوریت کے ۔۔۔۔ جمہوریت کم ڈکٹیٹر شپ کا ساتھ دینے والے چوہدری برادران اور " بھائی لوگوں " کے تو کوئی منہ لگنا ہی نہیں چاہتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سب ہی اپنا منہ بچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔"بھائی لوگوں " کا سیاست کرنے اور لوگوں کو سمجھانے کا ٹول بکس کافی بڑا ہے اس میں ہر طرح کے پانے ہیں ایک نمبر سے لیکر سو نمبر تک کا پانا ان کے پاس دستیاب ہے۔۔۔سب کے سب برطانیہ سے ہو کر آتے ہیں ۔ ضرورت پڑنے پر بوری کا استعمال بھی یہ کر لیا کرتے ہیں۔

" سیاست کے میدان میں بوری کی " تخلیق

ان ہی کی ہے۔ چوہدری برادران کی بات الگ ہے ۔۔۔جی ہاں چوہدری شجاعت صاحب جو بات کرتے ہیں اسے سمجھنے کے لیے ابھی تک ایسی کوئی ڈکشنری یا لغت سامنے نہیں آسکی۔شائد اسی کا فائدہ وہ اٹھا رہے ہیں۔

بے نظیر کے قاتلوں کے حوالے سے مجھے یاد آیا کہ صدر مملکت آصف علی زرداری نے ان کی تیسری برسی کے موقع پر کہا تھا کہ " مجھے بی بی کے قاتلوں کا پتہ ہے لیکن بتاؤں گا نہیں"۔ بس یہ ایک جملہ ایسا تھا کہ جس سے لگتا ہے کہ سیاست میں سچ بھی ہوتا ہے ، لیکن آٹے میں نمک کے برابر۔۔۔۔انتخابات کے قریب ہماری تو سب سے یہ ہی گزارش ہے کہ " سیاست دانوں کی باتیں ، دعوے اور وعدے "آٹے میں نمک" کے فارمولے کے تحت سنیں اور ووٹ کا استعمال سوچ سمجھ کر کریں۔۔۔۔۔۔سیاست دانوں کے "آٹے میں نمک" میں آٹا کتنا ہوگا وہ تو آپ کو کالم کی ابتدائی سطور سے اندازہ ہوگیا ہوگا۔اتنے تو سمجھ دار ہیں نا۔۔۔۔۔؟۔

انتخابات اور لادین جماعتیں

پیپلز پارٹی کے تاج حیدر، عوامی نیشنل پارٹی کے بشیر جان اور متحدہ قومی موومنٹ کے حیدر عباس رضوی نے پیر کو کراچی پریس کلب میں ایک جلسہ نما پریس کانفرنس کی، اس کے لیے کراچی پریس کلب کو خصوصی انتظامات کرنے پڑے، ہال کے بجائے نجیب ٹیرس میں کانفرنس کا انتظام کیا گیا۔ اس کانفرنس میں تینوں پارٹیوں کے رہنماؤں نے جوش ولولے کے ساتھ انتخابات کے دوران انہیں پیش آنے والی مشکلات کا ذکر کیا اور اس پریس کانفرنس کا مقصد بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم یہ واضح کردینا چاہتے ہیں کہ دہشت گرد کچھ بھی کرلیں ہمیں انتخابات سے دستبردار نہیں کراسکتے۔ انہوں نے کہا کہ ہم انتہاپسندی اور دہشتگردی کے خلاف نبرد آزما رہے ہیں لیکن دہشت گردی کے ذریعے انتخابی مہم چلانے سے روکا جارہا ہے ان رہنماؤں نے یہ واضح کیا کہ ہم انتخابات کا بائیکاٹ نہیں کریں گے۔

ادھر جماعت اسلامی کے دفتر ادارہ نور حق دس جماعتی گرینڈ الائنس کے رہنماؤں نے اپنے اجلاس کے بعد پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ انہیں دہشت گردوں سے شدید خطرہ ہے کیونکہ وہ ہمارے امیدواروں کو انتخابی مہم چلانے کے لیے

علاقوں میں جانے نہیں دے رہے مہم شروع ہونے کے ساتھ ہی جماعت اسلامی اور تحریک انصاف کے انتخابی دفاتر پر حملے کیے گئے کارکنوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

مہاجر قومی موومنٹ کو بھی اسی طرح کی شکایت رہی تاہم اس کے چیئرمین آفاق احمد نے عدالت سے رجوع کیا۔ جس پر عدالت نے ان کا تحفظ کرنے اور انہیں علاقوں میں جانے کے لیے حائل رکاوٹوں کو ختم کرنے کا حکم جاری کیا دو روز قبل جب آفاق احمد انتخابی مہم کے لیے اپنی رہائش گاہ سے نکل رہے تھے تو رینجرز حکام نے انہیں روک لیا تھا کہ ان کی جان کو خطرہ ہے۔

کراچی میں نو گو ایریاز اور بدامنی کے کیس سپریم کورٹ میں سنے جاچکے ہیں اور ان پر عدالت فیصلے بھی دے چکی ہے بدامنی کے ایک کیس میں عدالت یہ بھی ریمارکس دے چکی ہے کہ پیپلز پارٹی، اے این پی اور متحدہ قومی موومنٹ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ اور بھتہ وصولی کی زمہ دار ہے۔ وہ ہی تین جماعتیں اپنی حکومت ختم ہونے کے بعد بھی ساتھ نظر آرہیں ہیں۔ یہ بہت اچھی بات ہے لیکن متحدہ نے حکومت کے آخری ایام میں حکومت سے نکل کر اپوزیشن میں جاتے ہوئے کہا تھا کہ آئندہ کبھی پیپلز پارٹی سے اتحاد نہیں ہوگا۔ لیکن شاہد حالات نے ماضی کی طرح ایک بار پھر پیپلز پارٹی کو گلے لگانے پر مجبور کردیا ہے۔

متحدہ پہلی بار ملک کے دیگر شہروں سے بھی انتخابات میں حصہ لے رہی ہے لیکن اس کو کراچی اور حیدرآباد میں میں خطرات اور مشکلات کا سامنا ہے یہ اور بات ہے کہ متحدہ نے یہ وضاحت نہیں کی کہ اسے کہاں اور کن شہروں میں مشکلات کا سامنا ہے تاہم ان کے جو بیانات آرہے ہیں وہ کراچی اور حیدرآباد کے واقعات کے حوالے سے ہیں اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ متحدہ کو ملک کے دیگر شہروں میں دہشت گردوں سے خطرہ نہیں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ امن وامان قائم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے لیکن یہ بھی تو سچ ہے کہ جو پارٹیاں پانچ سالہ حکومتی دور میں دہشت گردوں کا قلع قمع نہیں کر سکی وہ کس طرح دو ماہ کی مختصر عرصے کی نگراں حکومت سے دہشت گردوں کے خاتمے کی امید رکھ رہی ہیں؟ جن طالبان پر اے این پی، پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم اب دہشت گردی کا الزام لگا رہی ہے ان کا نشانہ تو پورا ملک پانچ سال تک بنتا رہا اے این پی کے بشیر بلور سمیت کئی لیڈر دہشت گردی کا شکار ہوئے متحدہ کے ایم پی اے منظر امام بھی مبینہ طور پر ان ہی کی فائرنگ سے ہلاک ہوئے لیکن اس وقت اقتدار کے نشے میں مست حکمرانوں نے ان دہشت گردوں سمیت کسی بھی واقعہ کے ملزمان کی گرفتاری کے لیے کوئی توجہ نہیں دی کراچی میں روزانہ بارہ اور کبھی بیس سے زائد لوگوں کو دہشت گرد اپنی گولیوں کا

نشانہ بناتے رہے۔ مولانا دین پوری سمیت کئی علما بھی ان کی گولیوں سے سرے عام شہید ہوگئے لیکن پی پی پی، متحدہ اور اے این پی اس قدر سنجیدہ کبھی بھی نظر نہیں آئی جو ان دنوں نظر آرہی ہے۔ مومن آباد میں ہونے والے بم دھماکے جس میں شہید مفتی نظام الدین کے بھائی اور نواسہ بھی شہید ہوگئے، سوال ذہن میں ابھی آیا بھی نہیں تھا مگر متحدہ نے اپنے اعلامیے اس سوال کا جواب خود ہی دیدیا کہ طالبان نے مفتی صاحب کے بھائی کو جان بوجھ کر نشانہ بنایا ہے۔اب اس کی وضاحت بھی متحدہ ہی کرے گی کہ ان کو اس بات کا علم کیسے ہوایاانہوں نے یہ اندازہ کیوں لگایا ؟ سب سے بڑی بات یہ کہ متحدہ کو اس پر وضاحت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟ کہ طالبان نے مفتی نظام کے بھائی ڈاکٹر ضیا اور ان کے نواسے کو جان بوجھ کر نشانہ بنایا ہے ؟ مذکورہ تینوں جماعتیں انتخابات کے موقع پر یک زباں ہوگئیں ہیں جب ان کی آزمائش کا وقت آیا لیکن جب قوم پر روزانہ غموں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے اس وقت انہیں کسی کا خیال نہیں آیا تھا کیوں؟ پورے پانچ سال تک لوگ ان پارٹیوں سے سوال کرتے رہے کہ " کس طرح لوگوں کے پاس ووٹ مانگنے جاؤگے ؟" اس سوال کا جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ اے این پی کے رہنما شاہی سید ایک سے زائد مرتبہ مقامی ہی نہیں بلکہ غیر مقامی میڈیا کو متحدہ کے حوالے سے واضع الفاظ میں کہتے رہے کہ متحدہ ایک دہشت گرد جماعت ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھر یہ قربتیں کس کے لیے اور کس ایجنڈے

کی تکمیل کے لیے ہے؟

عام خیال یہ ہی ہے کہ تینوں پارٹیاں خصوصاً متحدہ انتخاب سے فرار چاہتی ہے اس لیے وہ دہشت گردوں کے حملوں کا نیا ایشو لیکر واویلہ کررہی ہیں۔ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ ان کی حوصلہ افزائی یا پشت پناہی وہ ہی عالمی قوت کررہی ہے جس نے انہیں پانچ سال حکومت کرنے کا موقع فراہم کیا.براہ راست ان کی حمایت کرتی رہی۔

لگتا ہے کہ مذکورہ تینوں پارٹیوں کواس بار (ملک کی تاریخ میں پہلی بار) شفاف، منصفانہ اور فوج کی موجودگی میں انتخابات سے خوف محسوس ہورہا ہے۔ جس کے باعث وہ مظلوم بننے کی کوشش کررہیں ہیں۔ مظلوم بننے کے ڈرامے حساس ادارے مسلسل تین دہائیوں سے یہ تماشے دیکھ رہے ہیں، اوراب تو رپورٹس بھی سپریم کورٹ تک کو دے چکے ہیں لیکن پھر بھی خاموش ہے ساری چالوں کو سمجھنے کے دعوے بھی کرتے ہیں مگر اصل کریمنلز کو پکڑنے سے ڈرتے بھی ہیں۔آخر کیوں؟ دلچسپ امر یہ کہ عدالت بار ہا یہ ریمارکس دے چکی ہے کہ سندھ پولیس سیاست زدہ ہوچکی ہے اس کے باوجود اسے سیاست سے پاک کرنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی جاتی کراچی پولیس میں کئی سالوں سے تعینات انسپکٹرز، ڈی ایس پیز اور ایس ایس پیز کا قوائد کے تحت دیگر شہروں میں تبادلہ ناگزیر ہوگیا ہے اس کے بغیر

پولیس کو سیاست سے پاک نہیں کیا جا سکتا۔

بات ہو رہی تھی سیاسی جماعتوں کی متحدہ ،اے این پی اور پیپلز پارٹی کا کہنا ہے کہ دہشت گرد سیکولر جماعتوں کو نشانہ بنا رہے ہیں ۔اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سیاست کرنے والی جماعتیں یہ تاثر دیکر پاکستان کو کہاں کھڑا کرنا چاہتی ہیں اس پر غور کیا جا سکتا ہے ۔تاہم جماعت اسلامی کے امیر منور حسن نے ان جماعتوں کے اس مئوقف پر کہا کہ " اس موقف سے قوم تقسیم ہو جائے گی" منور حسن کی بات اپنی جگہ سو فیصد درست ہے۔ لیکن سیکولر جماعتیں اپنے منشور کے مطابق ہی کام کرتی ہیں کرتی رہینگی انہیں طالبان کے نام پر دراصل دین سے ڈر ہے اس لیے وہ مذہب اسلام کا پرچار کرنے والی قوتوں سے مزاحمت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ان جماعتوں نے پانچ سال تک اقتدار میں رہ کر ملک اور قوم کے ساتھ جو کچھ کیا اس کے نتائج بھگتنے کا وقت آیا تو انہوں نے تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھ دیا اور انتخابات میں اپنی کامیابی کے لیے دوبارہ اکٹھا ہو گئیں۔ پانچ سالہ حکومت کے دوران انہوں نے جو کچھ کیا اس سے ان کو خطرہ ہے کہ اس بار قوم انہیں ووٹ کے ذریعے مسترد کر دے گی اس وجہ سے وہ اس بار بھی روایتی انداز میں ہونے والے انتخابات کے خواہ ہیں ۔اس طرح کے انتخابات جس میں ووٹرز کی تعداد سے زیادہ ووٹ حاصل کر لیے جاتے تھے،اور کسی مخالف کو ووٹ ڈالنے کی نہ تو اجازت ہوتی تھی اور نہ ہی مخالف کے پولنگ

ایجنٹ کو پولنگ اسٹیشن میں بیٹھنے۔ یہ وجہ ہے کہ منگل کو ہونے والی نگران حکومت کی آل پارٹیز کانفرنس میں متحدہ، اے این پی نے دیگر جماعتوں کے مطابق کے برعکس صرف پولنگ اسٹیشنوں کے باہر فوج کی موجودگی پر زور دیا جبکہ تیرہ سے زائد پارٹیوں نے مطالبہ کیا کہ فوج پولنگ اسٹشنوں کے اندر ہونی چاہیئے۔ اگر فوج پولنگ اسٹشنوں کے اندر نہیں ہوگی تو میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ انتخابات شفاف اور آزادانہ اور منصفانہ نہیں ہونگے ایسی صورت میں نگراں حکومت اور الیکشن کمیشن ذمہ دار ہوگا۔

انتخابات کے لیے متحدہ کے مسائل اور بھی بہت ہیں وہ انتخابی میدان میں جماعت اسلامی تحریک انصاف اور مہاجر قومی موومنٹ کی موجودگی سے بھی پریشان ہے اسے اس بات، سے بھی پریشانی ہے کہ کیا لوگ انہیں خود سے اس بار ووٹ دینے کے لیے تیار ہونگے۔ حقیقت یہ ہے کہ متحدہ قوم کے لیے سیاسی پارٹی سے زیادہ خوف کی علامت بن چکی ہے اور سب سے زیادہ خوفزدہ ان کے اپنے عہدیدار رہتے ہیں خوف کی وجہ یہ ہے کہ جتنی بڑی تعداد میں ان کے عہدیدار، ساتھی اور حمایتی قتل کیئے گئے اتنی بڑی تعداد میں کسی اور جماعت کے کارکن اتنی مختصر مدت میں نہیں مارے گئے۔ گزشتہ اتوار کو متحدہ نے خواتین کا جلسہ رکھا لیکن اسے تمام تیاریوں کے باوجود عین وقت پر ملتوی کردیا گیا جس کی وجہ شرکاہ کو خوف تھا نتیجہ میں خواتین نے شرکت سے انکار کردیا تھا مطلوبہ

تعداد میں لوگوں کے جمع نہ ہونے پر متحدہ کو جلسہ ملتوی کرنا پڑا۔ سوال یہ تھا کہ جب الطاف حسین سمیت تمام ذمہ دار متحدہ کے دفاتر اور جلسوں پر حملوں کے خدشات دوہرا رہے ہیں تو پھر اس جلسہ کا اہتمام کیوں کیا گیا۔؟ کیا دہشت گردوں کو موقع دیکر کسی نئے یوم سوگ کا پروگرام بنایا گیا تھا؟

خواتین کے جلسے کے انعقاد میں ناکامی نے متحدہ جھنجوڑ کر رکھ دیا جس کے باعث ہنگامی طور پر الطاف حسین نے صدر مملکت آصف زرداری اور اسفندیار ولی سے رابطہ کیا پھر سب نے دیکھا کہ پیپلزپارٹی سیمت تینوں جماعتیں ایک نئ حکمت عملی کے ساتھ سرگرم ہو گئ ، صدر مملکت نے صدر ہونے کے باوجود سیاسی کردار ادا کیا اور اپنی پیپلزپارٹی کو متحدہ اور اے این پی کے ساتھ مشترکہ حکمت عملی اختیار کرنے کی ہدایت کی۔ حیرت اس بات پر ہے کہ ایوان صدر میں بیٹھ کر آصف زرداری نے سیاسی فیصلہ کیا ، سیاسی گفتگو کی لیکن کسی نے اس کا نوٹس نہیں لیا ، شائد چیف جسٹس اس کا نوٹس لیکر اصف زرداری اور الطاف حسین کی ٹیلی فونک گفتگو کا ریکارڈ طلب کرلیں۔

مگر بقول شاعر۔۔۔۔۔، خوش فہمیاں یوں سہی انو
خوش گمانی بھی مگر ضروری ہے

انتخابات یا ڈرامہ؟

آیئے عام انتخابات کی بات کرتے ہیں۔ گرمیوں کا موسم شروع ہو ہی گیا ان انتخابات کے بجائے "آم انتخابات" ہو جاتے تو مزا آ جاتا۔۔۔۔ مگر عام انتخابات ۱۱ مئی کو پورے ملک میں مجموعی طور پر شفاف ہوئے، یورپی یونین کے مبصر بھی یہ ہی رپورٹ دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ انتخابات نوے فیصد شفاف ہوئے ہیں تاہم انہوں نے دس فیصد دھاندلی کی وضاحت کیے بغیر بتایا کہ کراچی میں اکثر پولنگ اسٹیشنوں پر ایک جماعت کا قبضہ تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ کراچی میں انتخابات نہیں ہوئے یہاں شفاف اور فوج کی نگرانی میں آزادانہ انتخابات کے نام پر" ڈرامہ "ہوا۔ شفاف ڈرامہ۔۔۔ یہ ڈرامہ ہر طرح کی شفافیت سے بھی پاک تھا۔ مزاح کے پہلو تو کئی مناظر میں واضح تھے۔۔۔ آپ کو یقین نہیں آ رہا ہو گا؟ میں آپ کو ایک منظر بتاتا ہوں، یہ منظر لانڈھی کے ایک پولنگ اسٹیشن کا ہے جہاں ایک خاتون اس اطلاع پر کہ اب علاقے میں فوج اور رینجرز پہنچ چکی ہے دوپہر تین بجے اپنا ووٹ اپنی مرضی سے کاسٹ کرنے کی نیت سے پولنگ اسٹیشن پہنچتی ہیں، انہوں نے پولنگ اسٹیشن کے گیٹ سے لیکر پولنگ بوتھ تک ماحول کو فوج، رینجرز اور پولیس سے پاک پایا۔ پولنگ بوتھ میں پہنچتے ہی انہیں دو نوجوانوں نے مخاطب کیا" آپ اب آ رہی ہیں، باجی آپ کو ووٹ تو کاسٹ ہو چکا"

خاتون کو یہ سنکر غصہ آیا انہوں نے کہا میرا ووٹ کس نے کاسٹ کیا اور آپ لوگ یہاں کیسے یہ تو عورتوں کا پولنگ اسٹیشن ہے ؟۔۔۔۔جواب دیا کہ ہم بھائی لوگ ہیں اپنی بہنوں کو کیا ہم تو بھائیوں کو بھی یہاں آنے کی زحمت نہیں دینا چاہ رہے تھے یقین کریں سب کے ووٹ ہم نے خود ہی ڈال دیئے بلکہ کچھ بچوں سے بھی یہ کام کروایا کیونکہ یہ ضد کررہے تھے کہ ووٹ کیسے ڈالتے ہیں۔اس لیے آپ کا ووٹ اسی طرح کاسٹ کردیا گیا۔۔

این اے 250 کا منظر ملاحظہ کیجئے۔۔۔۔۔۔پولنگ اسٹیشن پر لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں ، اچانک اطلاع ملی کہ کوئی جج صاحب آرہے ہیں ، قطار میں لگے افراد خوش ہوگئے کہ اب پولنگ شروع ہوجائے گی یہ قوم ہے ہی ڈنڈے کی ۔۔۔لوگ خوش تھے کیونکہ انہیں اپنا ووٹ ڈالنے کے لیے قطار میں کھڑے گھنٹوں گزرچکے تھے ۔۔۔۔مگر یہ کیا جن صاحب کے آنے کی اطلاع تھی وہ خود بھی قطار میں آکر کھڑے ہوگئے ۔۔۔۔لوگوں نے برجستہ کہا کہ " یہ کیا سین ہے " ہم تو سمجھ رہے تھے یہ صاحب کوئی ایکشن لیں گے مگر یہ تو ہمارے ساتھ ہی لائین میں لگ گئے۔۔۔پھر کیا تھا وہ شخصیت بھی کبھی اپنی کار میں تو کبھی قطار میں انتظار کرتی رہی۔۔۔۔۔انتظار کرتے کرتے جب وہ صاحب تھک گئے ، واپس اسی طرح خاموشی سے چلے گئے جسے عام ووٹرز جاتے رہے۔ اس دوران بعض لوگوں کو شک ہوا کہ یہ وہ نہیں ہے جو ہم سمجھ رہے ہیں۔ مگر کچھ دیر بعد ایک ٹی وی پر ٹیکر چلا کہ سندھ ہائی کورٹ کے چیف

جسٹس جناب جسٹس مشیر عالم صاحب قطار میں کھڑے رہنے کے بعد بغیر ووٹ ڈالے گھر چلے گئے۔

میں سوچ رہا تھا کہ اگر چیف جسٹس مشیر عالم پولنگ اسٹیشن پر پہنچ گئے تھے تو انہوں نے اس صورتحال پر موقع پر ہی ایکشن کیوں نہیں لیا۔ ہم نے تو سنا ہے کہ جج جہاں پہنچ جائے وہیں عدالت لگا سکتا ہے۔۔۔شائد انہیں خیال آگیا ہو کہ " آج تو چھٹی ہے "۔

چلیں ایک اور منظر نامہ سنئے۔۔ یہ ہے گلشن اقبال پولنگ اسٹیشن ۔۔۔ صبح کے گیارہ بجے رہے ہیں لوگ قطار میں لگے چیخ و پکار کر رہے ہے کہ آخر پولنگ کب شروع ہوگی ۔اس شور شرابے میں پولنگ اسٹیشن سے ایک نوجوان ہاتھ میں ان مٹ سیاہی لیے لوگوں کی طرف آتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ آپ سیاہی انگوٹھے پر لگالیں جسے ہی بیلٹ پیپپر آئے گا آپ ووٹ ڈال دینا۔اس تجویز پر قطار میں کھڑے افراد انمٹ سیاہی کا نشان لگانے پر تیار ہوگئے ،نوجوان جو کرنے آیا تھا کرکے چلاگیا اور پھر پلٹ کر نہیں آیا جب کافی وقت گزر گیا لوگوں پھر شور کیا کہ آخر کب پولنگ شروع ہوگی۔ یہ شور شرابہ سنکر ایک نیا چہرہ پولنگ اسٹیشن کے اندر سے نمودار ہوا۔۔۔۔ لوگوں اسے نے انمٹ سیاہی کا ماجرا سنایا تو موصوف نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ آپ لوگ ووٹ ڈال چکے ہیں ۔دوبارہ ووٹ ڈالنے کی

کوشش کر رہے ہیں یہ نہیں ہو سکتا جن کے انگوٹھوں پر سیاہی لگی ہوئی ہے وہ دوبارہ ووٹ نہیں ڈال سکتے۔ گھنٹوں سے ووٹ ڈالنے کی خواہش لیے کھڑے لوگوں مایوس ہی پولنگ اسٹیشنوں سے بڑبڑاتے ہوئے واپس گھروں کی طرف لوٹ گئے۔

کراچی میں اس بار ہونے والے انتخابات بہت اہم تھے کہ اس بار متحدہ کے سامنے تحریک انصاف ،جماعت اسلامی اور دیگر جماعتیں موجود تھیں ۔ انتخابات سے پہلے ہی کراچی کی 17 جماعتوں نے کسی شک وشبے کو ختم کرنے اور مکمل شفاف اور آزادانہ انتخابات کے لیے پولنگ اسٹیشنوں کے اندر اور باہر فوج کی تعیناتی کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن اس مطالبے کی مخالفت متحدہ قومی موومنٹ ، پیپلز پارٹی اور اے این پی نے کی تھی حالانکہ یہ تینوں جماعتیں مبینہ طور پر طالبان کے حملوں اور آزادانہ انتخابی مہم نا چلا پانے کی گلے کرتی رہیں ۔ سوال یہ تھا کہ جب طالبان کی طرف سے خطرہ بھی تھا تو پھر کیا وجہ تھی کہ انتخابات کے دن پولنگ اسٹیشنوں کے اندر اور باہر فوج کی تعیناتی کی مخالفت کی گئی ہے؟ فوج کی تعیناتی کا مطالبہ کرنے والی تقریباً تمام جماعتوں نے بدترین دھاندلی کا الزام متحدہ پر لگایا۔ جبکہ پیپلز پارٹی کے ترجمان نے بھی نام لیے بغیر اسی طرح کا الزام عائد کیا۔ جماعت اسلامی نے اس دھاندلی پر پولنگ کے عمل کے دوران انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا ۔ ان جماعتوں کو پورے کراچی میں دھاندلی کی شکایت ہے لیکن متحدہ کو صرف قومی اسمبلی کے حلقہ این

اے 250 پر اسی طرح کی شکایت ہے اور اس کا مطالبہ ہے کہ مذکورہ حلقے کے صرف پولنگ اسٹیشنوں کے بجائے پورے حلقے میں دوبارہ الیکشن کرائے جائیں۔ غور ۳۴ طلب بات یہ ہے کہ متحدہ کی سیاست آخر کیا ہے؟ متحدہ اپنے آپ کو پورے شہر کی نمائندہ جماعت ہونے کا دعویٰ بھی کرتی ہے پورے شہر میں شفاف اور آزادانہ انتخابی عمل سے ڈر کر فوج کی تعیناتی کی مخالفت بھی کرتی ہے۔ متحدہ تقریبا 30 سال سے سیاست میں ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ تحریک انصاف کی مقبولیت اور اس کو اسٹریٹ پاور دیکھ کر متحدہ خود خوفزدہ ہو گئی ہے۔

خوف کے عالم میں غصہ کس طرح آتا ہے اس کا مظاہرہ بھی لوگوں نے براہ راست لندن سے دیکھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ مقرر صاحب انتہائی جذبات میں یہ بھول ہی گئے کہ وہ برطانیہ میں ہیں اور پاکستانیوں سے مخاطب ہیں۔

کراچی اور ملک کی سیاست میں تحریک انصاف نے انقلاب بپا کرچکی ہے۔ انقلاب کی باتیں تو الطاف حسین طویل عرصے سے کر رہے ہیں لیکن ان کا انقلاب "حکومتی سپورٹ کے باوجود بھی نظر نہیں آیا۔ حالانکہ لوگ دیکھنا چاہ رہے تھے کہ حکومتی ایوان میں" رہتے ہوئے کیسا انقلاب لایا جاتا ہے۔ عمران خان کے انقلاب کی اہم بات یہ بغیر کوئی لاش گرے، بغیر کسی خونریزی کے لیے لایا گیا ہے۔

متحدہ کراچی کے لوگوں سے دور ہو گئی یا نہیں اس بارے میں کہنا مشکل ہے تاہم یہ بات آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ کراچی کے لوگوں کی اکثریت تحریک انصاف کی مداح ہو گئی۔ اگر ۱۱ مئی کے انتخابات فوج کی نگرانی یں ہوتے اور شفاف اور آزادانہ ہوتے تو کراچی سے خوف پھیلانے اور گولیاں برسانے والے بادل ہمیشہ کے لیے چھٹ جاتے۔ خیر لوگوں نے متحدہ کی دھاندلی پر کھل کر اظہار کر کے طویل عرصے بعد زبانیں کھول دیں ہیں۔ یہ ہی بات انقلاب کی باتیں کرنے والوں کے لیے بڑا انقلاب ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ متحدہ میں بعض شخصیات ایسی ہیں کہ جنہیں قوم دل سے نہ صرف چاہتی ہے بلکہ عزت بھی کرتی ہے۔ تاہم متحدہ کی غلط پالیسیوں خصوصا ہر معاملے میں "طاقت" کے اظہار نے اسے اس جگہ پہنچادیا جہاں سے واپسی کا سفر مشکل ہو جاتا ہے۔ خیال ہے کہ متحدہ آئندہ پیدا شدہ صورتحال سے سبق حاصل کرے گی۔۔۔۔ متحدہ کی مشکل یہ ہے کہ اس کا نظریہ آج تک واضع نہیں ہے۔ اس کا نعرہ "منزل نہیں قائد چاہئے" خود تمسخر اڑانے کا باعث بنا ہوا ہے۔ قوم اب سوال کرتی ہے کہ آخر متحدہ کی سیاست کا اصل مقصد کیا ہے؟ اگر حکومت نے سیاسی جماعتوں کے مطالبات پر پورے کراچی میں ۱۱ مئی کو ہونے والے انتخابات کو کالعدم قرار دیکر دوبارہ انتخابات کا اعلان کیا گیا تو متحدہ اسے کبھی تسلیم نہیں کرے گی بلکہ احتجاجا انتخابات کا بائیکاٹ کر دے گی۔ ۱۱ مئی کو

سب نے یہ بات نوٹ کی ہوگی کہ جو جماعت طالبان کے خوف سے انتخابی مہم نہیں چلا پارہی تھی اسے انتخابات کے موقع پر کسی قسم کا خوف نہیں تھا جس کے باعث ان کے ایک امیدوار نے ایک لاکھ 80 ہزار ووٹ حاصل کیے حالانکہ کئی پولنگ اسٹیشنوں پر تاخیر سے پولنگ شروع ہونے کی شکایت عام رہی۔ان ووٹوں کی جانچ پڑتال کی جائے تو پتا چلے گا کہ اوسطاً ہر سکینڈ میں پانچ ووٹ ڈالے گئے ہیں، لیکن کیا یہ ممکن ہے ؟اگر نہیں تو یہ کیا الیکشن تھے ؟ پھر بھی فخرو بھائی کا الیکشن کمیشن ان انتخابات کو درست تسلیم کررہاہے ۔۔۔اگر ایسی بات ہے تو اس میں امیدوار یا ووٹرز کی کوئی غلطی نہیں ہوگی یہ تو صرف الیکشن کمیشن کی غفلت ہوگی۔ ان انتخابات میں دھاندلی کا الزام لگانے والی جماعتوں جماعت اسلامی اور تحریک انصاف کا مطالبہ ہے کہ تمام بیلٹ پیپرز کی نادرا کی مدد سے جانچ کرائی جائے اور انگوٹھے کے نشان کو شناختی کارڈ سے میچ کرایا جائے ۔اور خبر خوش آئند ہے کہ الیکشن کمیشن نے ایسا ہی کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر ایک بار الیکشن کمیشن سوچ سمجھ کر فیصلے کرلے گا تو ہمیشہ کے لیے انتخابات میں بدعنوانی ختم ہوجائے گی اور جاگیرداروں ،زمینداروں ، سرمایہ داروں اور بھائی لوگوں کا خوف ختم ہوجائے گا۔

برطانیہ اور الطاف حسین

اگر کوئی میرے شہر کراچی کو قاتلوں کا شہر کہے تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ، میرا جسم اس کے ماضی کو اور پھر حال کو سوچ کر کانپنے لگتا ہے۔ یہ عروس البلاد کہلاتا تھا جہاں اب ایشیاء کی سب سے بڑی کچی آبادی یں بیوہ کالونی آباد ہو چکی ہے ، کسی غیر مسلم کمیونٹی سے یہاں پاکستان کے قیام کے بعد کوئی جنگ نہیں چل رہی تھی ، مگر ایسا کیا ہوا 1984-85 کے بعد کہ یہاں اب " شہداء قبرستان " تیزی سے آباد ہو رہا ہے۔ مشہور مذہبی ، سیاسی ، سماجی اور تجارتی شخصیات بھی گولیوں کا نشانہ بن رہی ہیں اور بن چکی ہے ، روزانہ جنازے اٹھتے ہیں ، شہر کا کوئی بھی علاقہ اب ایسا نہیں رہا جہاں گزشتہ 28, 30 سالوں کے دوران قتل کے ایک سے زائد واقعات نہ ہوئے ہوں گزشتہ پانچ سالوں کے دوران کم و بیش ۱۱ ہزار افراد میرے شہر میں قتل ہو چکے ہیں ، جنازے اٹھانے کا بھی مسلسل رونا رویا جا رہا ہے ،اس حوالے سے جو سب سے زیادہ روتے ہیں وہ صرف اسی حوالے سے آہ و بکاہ نہیں کرتے ، وہ تو مسلسل ہی ٹینشن میں رہتے ہیں مگر کیوں ؟ اس کا جواب نہ ان کے پاس ہے نہ ان کے چاہنے والوں کے پاس ۔۔۔۔ایسا نظام بنا دیا گیا ہے کہ مارنے والا جنازے میں بھی ہوتا ہے اور شام کو متاثرین سے تعزیت کرنے والوں میں بھی شامل ہوتا ہے۔ مرنے والے کے

لواحقین بھی سب جانتے ہیں کہ کون قاتل ہے مگر کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ مارنے والے کو یا اس کے ساتھیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے ۔۔۔۔۔۔ کیوں ؟۔۔۔ کیوں کہ ان کے دلوں اللہ کے خوف کے بجائے دنیاوی خداؤ ں کا خوف ہے۔۔۔اس خوف نے صرف عام لوگوں کو ہی نہیں بلکہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لوگوں کو بھی خوفزدہ کیا ہوا ہے۔جب یہ صورتحال پیدا ہو جائے تو شیطانی اذہان کے لوگوں کا حوصلہ بڑھتا رہتا ہے۔۔۔وہ طاقت کے اظہار کو ایمان سمجھنے لگتے ہیں۔۔۔۔۔۔ان کا خیال ہے کہ وہ طاقت سے سب کچھ حاصل کرتے رہیں گے ۔۔۔۔دنیا بھر کے قانون کو توڑتے رہیں گے ۔۔۔۔۔ سیکیورٹی کا ادارہ یا پولیس ان کی طاقت کے سامنے بے بس ہے ۔۔۔۔۔۔دنیا کی نامور ایجنسیوں کو بھی وہ اپنی طاقت دکھا سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔وہ کس کی ایماء ایسا سوچتا اور کرتا ہے ؟۔۔۔۔۔۔۔بے وقوف لوگوں کے ہجوم پر اسے ناز ہے ۔۔۔۔مگر مجھے ان سب سے پیار ہے۔۔۔۔اس لیے کہ وہ انسان ہیں۔۔۔۔۔میں ان کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ " زندگی وہ نہیں ہے جو تم گزار رہے ہو بلکہ تمھاری اصل زندگی وہ ہے جن کے لیے تم زندگی گزار رہے ہو " اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر تمھارے وجود کا مقصد بھی کچھ نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔آخرت کی لمبی زندگی اگر مرنے کے بعد کی ہے تو وہ بھی اسی صورت میں ملے گی جب تم اپنی ذات سے ہٹ کر دوسروں کے بارے میں سوچوں گے۔۔۔۔سوچنے کے لیے ان سے پیار کروگے ۔۔۔۔دوسروں سے حقیقی محبت کا ثبوت یہ ہے کہ آپ ان کے لیے کچھ نہیں صرف خصوصی دعا کریں۔۔۔۔۔میرا شہر پہلے محبت کرنیوالوں کا شہر کہلاتا تھا۔اس شہر سے لوگ جانے کا نہیں

بلکہ یہاں آ کر ہمیشہ کے لیے آباد ہو جانے کا سوچا کرتے تھے۔۔۔۔ مگر اب میرا شہر مقتل اور قاتلوں کا شہر کہلانے لگا، یہاں روشنیوں کی جگہ اندھیرے نے جگہ لے لی ہے ۔۔۔۔ میرے شہر میں سب سے بڑی سازش تو یہ ہے کہ اسے ایسے لوگوں کا شہر بنانے کی کوشش کی جارہی ہے جن کی زندگی کا کوئی مقصد ہے تو وہ صرف شخصیت پرستی ہے ۔۔۔ایسے لوگوں کو منزل نہیں چاہئے۔۔۔۔اس لیے کہ انہیں اصل منزل اور مقصد سے ہی دور کردیا گیا ہے۔۔۔۔انہیں بتادیا گیا ہے کہ تم زندہ ہو تو "اس کی" وجہ بھی وہ ہی (نعوذباللہ)۔۔۔جس کی اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔۔۔۔۔وہ صاحب تاریخی نوعیت کے بزدل بھی ہیں اور خود غرض بھی، معمولی قوت کے ڈر سے اپنے بیانات سے انکار کردیا کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔اپنی زندگی کے تحفظ کے لیے 1992 میں پاک وطن کو خیرباد کرکے لندن میں مقیم ہو چکے ہیں۔ انہیں برطانیہ میں اپنی زندگی محفوظ پاکستان کے مقابلے میں زیادہ محفوظ محسوس ہونے لگیں تھیں۔ یہ سچ ہے کہ برطانیہ میں قانون بہت سخت ہے۔ یہاں دنیا کی مایہ ناز اسکاٹ لینڈیارڈ پولیس لوگوں کی جان ومال کی حفاظت کے لیے دن رات مصروف رہتی ہے۔ دنیا کو اس بات پر مان ہے کہ وہ کسی قتل کے کیس کو زیادہ طول نہیں دے سکتے اور قاتلوں کو وہ ضرور جلد ہی کیف و کردار تک پہنچائیں گے۔

چلیں چھوڑیں اس ذکر کو اب بات کرتے ہیں ایک "بہادر اور نڈر" شخص کی۔ الطاف

حسین نے اتوار کی صبح لندن سے ٹیلفونک خطاب میں اس بات کا اعتراف کیا کہ پولیس نے چند روز قبل ان کے گھر کا محاصرہ کیا اور طویل تلاشی لی تھی اس تلاشی کے نتیجے میں ان کا بہت سامان بھی وہ ساتھ لے گئی انہوں نے خود ہی پہلی بار یہ بتایا کہ پولیس کی ان کے گھر آمد ڈاکٹر عمران فاروق کے قتل کے سلسلے میں تھی۔ پولیس ان سے سوال کرتی رہی کہ " آپ کا ڈاکٹر عمران فاروق سے جھگڑا تو نہیں ہوا تھا؟"۔ الطاف بھائی نے اپنے کارکنوں کا کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہنا تھا کہ "اسکاٹ لینڈ اور لندن پولیس انہیں ڈاکٹر عمران فاروق کے قتل میں ملوث کرنے کی سازش کر رہی ہے " بی بی سی اردو کی رپورٹ کے مطابق الطاف بھائی نے کہا کہ " ان کے خلاف سازش بند کی جائے اسی میں.برطانیہ کی بہتری ہے "۔اسی رپورٹ میں مزید بتایا گیا ہے کہ الطاف حسین نے کہا کہ مجھ پر ڈاکٹر عمران فاروق کے قتل کے الزامات لگائے جا رہے ہیں۔ الطاف حسین نے یہ بھی کہا کہ " ان کی جان کو خطرہ ہے.برطانوی حکومت اور اسٹیبلشمنٹ میری جان بھی لے سکتی ہے کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا،اگر میں مرجاؤں تو میرے کارکن میرے لیے دعائے خیر کریں"۔

الطاف بھائی.برطانیہ کے لوگ تو لفظ اسٹیبلشمنٹ کو اس پیرا ہے میں شائد ہی جانتے ہوں جس پیں آپ کہنا چاہ رہے ہوں کیونکہ پاکستانی لوگ بھی پہلی بار آپ ہی کی زبانی یہ لفظ سنکر اس کے معنی اور مفہوم تلاش کرتے رہی تھے۔ اچھا

ہوتا کہ آپ وہاں کے لوگوں کو اس کے معنی اور مفہوم بھی بتا دیتے ۔ ویسے الطاف بھائی آپ ہیں کمال کے آدمی ، آپ کی ذہانت کا جواب نہیں ہے کہ آپ نے ایسے وقت میں تقریر کا اور اپنے جلسے کا انعقاد کیا جب اسلام آباد میں برطانوی وزیر اعظم کیمرون ڈیوڈ وزیر اعظم نواز شریف سے ملاقات کر رہے تھے ۔ ایسا لگتا ہے کہ الطاف بھائی دراصل برطانوی وزیر اعظم کو اپنی طاقت بتانا چاہتے تھے سو اس میں کامیاب ہو گئے ۔ انہوں نے دراصل اپنے چاہنے والوں کا دیدار بھی برطانوی وزیر اعظم کو کرانا تھا اور ان سے کارکنوں کی جذباتی محبت کو بھی ظاہر کرنا تھا۔

چند روز قبل میں ایک کالم لکھ رہا تھا کہ برطانیہ میں کیا ہو رہا ہے وہ کون سی شخصیت جن کے گھر کی تلاشی لی گئی میں یہ کالم وقت پر نہیں مکمل نہیں کر سکا لیکن شکریہ الطاف بھائی کہ آپ نے خود ہی یہ بتا دیا کہ وہ گھر آپ کا تھا اور آپ سے پوچھ گچھ کی جا رہی تھی۔ اب بس ایک بات واضح ہے کہ آپ کا خوف ہے یا احترام کے پاکستان کے اخبارات ایک یا دو کے سوا) اور میڈیا آپ کا نام تک نہیں لے رہا تھا۔ اگر اس کی وجہ پہلی ہے) تو یہ آپ کی شخصیت اور آپ کی تحریک کے لیے درست نہیں ہے اور اگر دوسری ہے تو اس پر تبصرہ کرنا ناممکن ہے۔ بہر حال سب کو اس بات کا بھی علم ہو گیا کہ آپ کے الطاف بھائی) چند روز قبل کے بیانات جن میں " آپ کی اعصاب شکنی کے لیے بین) الاقوامی طاقتوں نے

کام شروع کر دیا ہے "۔اور" پاکستان مسلم امہ کا ٹائٹنک ہے اسے بچانے کی کوشش نہ کی گئی تو یہ ڈوب جائے گا"۔کے بیانات کا پس منظر کیا تھا۔

بھرم ٹوٹ رہا ہے

برطانیہ کے ایک بڑے اخبار گارجین نے ایم کیو ایم کے بارے میں ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی ہے۔ اس رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ برطانیہ کے دو ججز نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ایم کیو ایم تشدد پسند جماعت ہے۔

سپریم کورٹ پاکستان نے کراچی بدامنی کیس کی سماعت کرتے ہوئے یہ ریمارکس بھی دے چکی ہے کہ 1992 میں ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن بالکل درست ہوا تھا۔

ایم کیوایم اپنے وجود کے ابتدائی دنوں یعنی 1984 میں جس طرح بین الاقوامی میڈیا کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی بالکل اسی طرح ان دنوں انٹرنیشنل میڈیا کی زد پر ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس وقت تعریفیں ہوتی تھیں اور اب تنقیدیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بی بی سی ایم کیو ایم پر چند روز قبل ایک دستاویزی فلم دکھا چکی ہے، یہ فلم اگرچہ ایم کیو ایم اور اس کے حمایتوں کو آئینہ دکھانے کے مترادف تھی لیکن اس کے باوجود اس کے لیڈرز ڈاکومینٹری کے منفی نکات کو تسلیم کرنے پر'' بظاہر'' تیار نہیں ہیں۔

ایم کیو ایم اور اس سے تعلق رکھنے والوں کی یہ مجبوری ہے کہ وہ اپنی تحریک اور الطاف حسین کے بارے میں کھل کر مخالفت تو کجا ان کے بارے میں برائی تک نہیں سن سکتے۔ کچھ دن قبل مقامی ٹی وی چینل کے اینکر شاہ زیب خانزادہ نے ایک سوال کے ضمن میں ایم کیو ایم کے دوسرے درجے کے رہنما حیدر عباس رضوی سے یہ دریافت کیا تھا کہ '' یہ سیاسی تنظیم ہے یا کوئی مافیا ہے '' حیدر عباس رضوی نے اس سوال کے جواب میں انتہائی غصے سے جواب دیا تھا کہ '' یہ پوچھتے ہوئے آپ کو شرم آنی چاہیئے''۔

میری سمجھ میں آج تک نہیں آیا کہ حیدر عباس رضوی نے اس طرح کے جارحانہ رد عمل کا اظہار کیوں کیا تھا۔ شرم تو ان ہی کو آنی چاہیئے تھی جن سے شاہ زیب نے سوال کیا تھا۔ جب ان کو شرم اور جھجک محسوس نہیں ہو رہی تو کسی صحافی یا اینکر کو یہ سوال کرتے ہوئے کیوں شرم آئے گی۔۔۔۔؟

بہت سارے قارئین مجھ سے کہتے ہیں کہ '' احتیاط کریں، ماشاء اللہ بہت زبردست لکھتے ہو'' میرے چاہنے والے مجھے احتیاط کا مشورہ کیوں دیتے ہیں اس کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

میری تحریر پر مجھے شرم کبھی نہیں آئی بلکہ ہر مرتبہ میرا حوصلہ بڑھا ہے

لیکن اگر ان کالمز پر حیدر عباس رضوی ذہن کے لوگ مجھ سے ہی سوال کریں کہ " آپ کو شرم آنی چاہئے ایسا لکھتے ہوئے" تو میں ان کے اس طرح کے جملے پر صرف ہنس سکتا ہوں۔

ایم کیو ایم جس بھرم میں آگے سے آگے بڑھتی جا رہی تھی اور قوم کو سب اچھا اچھا دکھا رہی تھی، اپنے اطراف خوف کی دیواریں پختہ کرتے جا رہی تھی، وہ عمل اب دم توڑ رہا ہے۔۔۔۔ وہ بھرم تھا خوف کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ظلم کا۔۔۔۔۔۔۔۔ ظلم بڑھتا ہے تو خود ہی مٹ جاتا ہے۔۔۔۔ ایم کیو ایم کی قیادت نے جو اسلحہ اپنے دفاع یا مخالفین کے لیے جمع کیا تھا اس اسلحہ کے خوف سے وہ خود ہی پریشان رہی۔۔۔۔۔۔۔۔ الطاف بھائی ذہین ہیں اور تھے۔۔۔۔۔۔ پہلے ہی نکل پڑے۔۔۔۔۔۔۔۔ میں آپ کو بتاؤں کہ ایم کیو ایم کو چلانے والے وہ کبھی نہیں رہے جو عوام کا سامنا کرتے رہے بلکہ ایم کیو ایم کی اصل روح ہمیشہ ہی اس کے وہ کارکن رہے جو " پیار کرنے اور پیار کیسا ہوتا ہے اسے سمجھانے کے ماہر رہے ہوں"۔۔۔۔ ایم کیو ایم کے ابتدائی دنوں میں یہ کام " شرفا کمیٹی" کیا کرتی تھی لیکن کچھ دن پہلے تک یہ کام کراچی کے حوالے سے منسوب ایک کمیٹی کا تھا اس کے کرتا دھرتا حماد صدیقی ہوا کرتے تھے، کو الطاف حسین ماہ مئی میں انتخابات کے بعد اپنی نئی لیکن پرسرار حکمت عملی کے تحت فارغ کر چکے ہیں اور اس کمیٹی کو بھی توڑ ڈالا تھا لیکن اسے توڑنے سے 24 گھنٹے پہلے اس سے وہ کام لیا گیا

تھا جو ایم کیو ایم کی تاریخ میں کبھی '' اجتماعی '' طور پر نہیں ہوا تھا۔۔۔۔۔۔۔ 90 پر مرکزی رہنمائوں کو زدوکوب کرایا گیا اور نہ جانے کیا کچھ کیا گیا۔۔۔۔۔ ایم کیو ایم کے قائد کی حکمت عملی اپنی جگہ لیکن شائد وہ یہ بات بھول چکے تھے کہ سب سے بڑا حکمت والا اور چال چلنے والا تو '' اوپر والا ہے جو سب کچھ دیکھ رہا ہے وہ کبھی سوتا بھی نہیں اور اسے کبھی اونگھ تک نہیں آتی ''۔ مئی کے مہینے میں جو چالیں طاقت کے نشے میں چلی گئیں اس کے نتائج جنگی بنیادوں پر نکلیں گے۔۔۔۔۔ اس کی کسی کو توقع نہیں تھی، کوئی بھی نہیں جانتا تھا ایسا کچھ ہو جائے گا جواب ہو رہا ہے۔۔۔۔۔۔ لیکن مجھے یقین تھا اللہ کی ذات سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قائد تحریک نے ایم کیو ایم میں تطہیر کا اعلان کیا اور ادھر اسکاٹ لینڈ یارڈ غیر معمولی طور پر حرکت میں آ گیا۔۔۔ یہ اتفاق ہے یا کچھ اور لیکن آپ کو یقین کرنا پڑے گا کہ کئی اہم ترین چہرے اس دن کا انتظار برسوں سے کر رہے تھے۔۔۔۔۔ اور وہ یہ بات تسلیم کرنے لگے تھے کہ ''طاقت کا توازن بگڑ چکا ہے ''۔

مجھے نہیں معلوم کہ جیسمین خان کے ساتھ کیا ہوا کہ وہ وزیراعظم ہاوس جا کر رونے لگیں لیکن مجھے اللہ کی ذات سے یہ یقین ہے کہ طاقت کا بھرم ٹوٹ چکا، ڈرانے والے شدید ڈرنے لگے ہیں۔ اور الٹے سیدھے مضحکہ خیز نعرے لگانے والوں کا طاقت کا نشہ اتر چکا ہے۔

مجھے کئی سال بعد دل سے خوشی ہو رہی ہے کہ میرے شہر میں، قائد اعظم کے کراچی میں اس بار رمضان میں الحمد اللہ کچھ ایسا نہیں ہوا جو گزشتہ کئی رمضان المبارک میں ہوا کرتا تھا، نہ احتجاج ہوا نہ احتجاجی ہڑتالیں، نہ کوئی سوگ منایا گیا۔ 19 روزے گزر گئے۔ اب انشاء اللہ ماہ اگست بھی بہت اچھا گزرے گا 14 اگست سے پہلے اور نہ ہی اس کے بعد کہیں کسی علاقوں میں لڑکیوں سے بالیاں اتارنے کی اطلاعات نہیں آئیں گی۔۔۔ واقعات تو ایسے کبھی رونما ہوئے بھی نہیں تھے جس طرح بیان کیا جاتا رہا تھا۔

ایم کیوایم نے غیر مشروط طور پر مسلم لیگ نواز کے صدارتی امیدوار ممنون حسین کی حمایت کردی۔ مسلم لیگ کا وفد وزیر خزانہ اسحاق ڈار کی قیادت میں 90 پہنچا، 90 پر موجود نئی قیادت سے بات کی اور بات پکی ہو گئی کوئی بھی شرط نہیں لگائی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لیکن کیوں ؟ کیا ملک کے اور کراچی والوں کے سارے مسائل ختم ہو گئے ؟ کیا کوٹہ سسٹم پر بھی ایم کیو ایم نے کوئی بات نہیں کی ۔۔۔ حیرت ہے حالانکہ یہ وہی کوٹہ سسٹم ہے نا جس کی وجہ کی ایک وجہ ایم کیوایم کا قیام بھی رہی ۔۔۔ جس کی وجہ سے 1979 میں الطاف حسین نے مزار قائد سے پاکستان کا پرچم اتار دیا تھا اور اس الزام میں مارشل لاء کورٹ سے انہیں نو ماہ قید کی سزا بھی ہوئی تھی جو بعد میں کالعدم قرار دیدی گئی تھی۔ اتنے

اہم ایشو کو مسلم لیگ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اسی طرح نظرانداز کیا گیا جسے گزشتہ دس بارہ سال سے اقتدار میں حصہ دار ہونے کے باوجود متحدہ اسے نظر انداز کرتی رہی۔۔۔ لیکن یہ سوال پوچھا جاسکتا ہے کہ آخر کیوں کوئی شرط نہیں رکھی گئی یا جو شرط رکھی گئی۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ ایسی نہیں ہے جسے بیان کیا جاسکے ؟ چلیں چھوڑیں میں بات کر رہا تھا طاقت کے بھرم کی جس کا زور ٹوٹ رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ مسلم لیگ سے متحدہ کو توقع ہے کہ بغیر کسی شرط پر وہ اس کے سندھ میں گزشتہ گیارہ سال سے مسلط گورنر کو فارغ نہیں کرے گی اور یہ بھی خوش فہمی ہے کہ حساس اداروں کے مہمان دو خاص افراد کو برطانیہ کے حوالے نہیں کرے گی۔۔۔۔۔۔ اگر کسی کو خوامخواہ خوش فہمی ہو جائے تو کون کیا کر سکتا ہے؟۔۔۔۔۔ خیال تھا کہ ممنون حسین کے صدر منتخب ہوتے ہی مسلم لیگ واحد ملاقات '' کو بھول کر اپنے انتخابی ایجنڈے پر عمل شروع کر دے گی لیکن ''۔۔۔ یہ کیا رانا ثناء اللہ نے پہلے ہی انکشاف کر دیا کہ ایم کیو ایم سے کوئی اتحاد نہیں ہوا اور پرانی مخاصمت بدستور ہے۔ بہرحال قوم کو توقع ہے کہ میاں نواز شریف کراچی میں سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگ ختم کرنے کے وعدے کو نہیں بھولیں گے اگر انہوں نے یہ وعدہ بھلا دیا تو سندھ سے مسلم لیگ کی رہی سہی ساکھ ممنون حسین کے صدر بننے کے باوجود ختم ہو جائے گی۔

جمہوریت

ملک میں پہلی بار ایک جمہوری حکومت کے پانچ سال پورے ہونے کے بعد دوسری جمہوری حکومت کا جمہوری طریقہ کار کے تحت قیام یقینا خوش آئند بات ہے۔ لیکن ایسی سیاسی جماعتوں کا مستقبل کیا ہوگا جو جمہوریت پسند اور جمہوری ہونے کا دعوی تو کرتی ہیں لیکن آمریت کا نمونہ بنی ہوئی ہیں ، موروثی سیاست ان کا اپنا نظام ہے ؟

اگر ہم سیاسی جماعتوں پر نظر دوڑاتے ہیں تو واضح ہوجاتا ہے کہ صرف جماعت اسلامی اور تحریک انصاف میں جمہوری نظام کے تحت چل رہی ہے ، ان جماعتوں میں ہر عہدے کے لیے بھی انتخابات ہوتے ہیں جہاں امیدواروں کو آزادی کے ساتھ ووٹ مانگنے اور ووٹرز کو بغیر کسی دباؤ کے اپنے پسندیدہ امیدوار کو ووٹ دینے کی اجازت ہوتی ہے۔

دیگر جماعتوں میں صدر ، چیرمین یا قائد کا مکمل کنٹرول نظر آتا ہے۔ ان عہدوں پر براجمان ہو کر اپنی اپنی پارٹیوں کو کنٹرول کرنے والی شخصیات صرف اس وجہ سے اس پر اپنا غلبہ اور دباؤ رکھنا چاہتی ہیں کہ انہوں نے اس کے قیام میں مرکزی کردار ادا کیا یا اس کے بانی ہی وہ ہیں۔ کسی بانی کو تاحیات پارٹی چلانے یا اسے کنٹرول کرنے کا حق ملے یہ جمہوریت کے منافی بات ہے۔ جمہوری عمل

میں اس کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

جنرل پرویز مشرف کے جمہوری کم ڈکٹیٹر شپ کے 1999 تا 2008 تک کے دور کے بعد الیکشن کے نتیجے میں وجود میں آنے والی پیپلز پارٹی اور اس کی اتحادی جماعتوں نے خوش قسمتی سے ملک کی تاریخ میں پہلی بار اپنی آئینی مدت پوری کی اور ایک تاریخ رقم کی، اس جمہوری نظام کو پروان چڑھانے کے لیے قوم نے امن و امان کی خراب صورتحال، مہنگائی اور قومی اداروں کی تباہی کی قربانی دی اور پانچ سالہ دور "زہر کے پیالہ" کی طرح پی کر گزارہ، لیکن ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ پاک فوج پہلی بار جمہوری عمل کے فروغ کے لیے عملی طور پر جمہوری حکومت کے معاملات اور مسائل سے دور رہی بلکہ لاتعلق رہی۔ عام خیال یہ ہی ہے کہ پاک فوج کی اس لاتعلّقی کی وجہ سے جمہوریت نے جیسے تیسے اپنا دور مکمل کیا ورنہ ماضی میں فوج کی سیاست اور جمہوری معاملات میں مداخلت کی وجہ سے منتخب حکومتوں کی مدت کم از کم اٹھارہ ماہ اور زیادہ سے ساڑھے تین سال رہی۔

تمام تر مسائل، مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود جمہوری نظام ہی ملک کے روشن مستقبل کے لیے ناگزیر ہے۔ دانشوروں اور سیاسی حلقوں کو یہ یقین ہے کہ یہ ہی نظام ملک کے لیے پھل دار ثابت ہوگا۔ ان کا موقف ہے کہ مستحکم جمہوریت

کے نتیجے میں آمرانہ سوچ کے منصوبے تحلیل ہوجاتے ہیں اور آمریت کی افزائش رک جاتی ہے کیونکہ جمہوریت سے ہی حکومتوں کو جانچنے اور سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ گزشتہ پانچ سال کے دوران ایسے حالات بھی پیدا ہوئے جب فوج کو یہ موقع نہ ملا ہو کہ "ملک بچانا ضروری ہے نا کہ آئیں"۔ مگر فوج نے ایسا نہیں کیا بلکہ حکومت کو عوام کے فیصلوں پر چھوڑدیا گیا۔

اگر ہم جمہوریت کے پہلے پانچ سالہ دور اور دوسرے دور کے آغاز کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ جمہوریت کی وجہ سے نام نہاد جمہوریت پسند جماعتوں کی قلعی کھلنے لگی ہے۔ آج میں اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کررہاہوں کہ جمہوریت کے کڑوے نظام سے جمہوریت پسندی کی دعویدار جماعتوں کو کیا نقصانات ہوئے ہیں اور مستقبل کیا فوائد حاصل ہونگے ؟۔یقینا جمہوری نظام سے جو بھی فوائد حاصل ہونگے وہ عوام کے لیے ہی فائدہ مند ہونگے۔

جاری اور سابقہ جمہوری ادوار کا جائزہ لینے کے دوران دو تاریخی اقوال بار بار ذہن میں آتے ہیں

پہلا جملہ سابق صدر جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف کا جو انھوں نے 2008 کے انتخابات کے بعد کہا تھا کہ "ملک میں حقیقی جمہوریت کا آغاز ہوچکا ہے"۔

اور دوسرا قول جو کہ سابق و مقتول وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کا ہے جسے پہلی بار ان کے صاحبزادے بلاول بھٹو زرداری نے اپنی ماں کے قتل کے سوئم کے موقع پر پریس کانفرنس کرتے ہوئے افشاء کیا تھا ان کا کہنا تھا کہ '' میری والدہ کہتی تھیں کہ جمہوریت ایک بہترین انتقام ہے (Democracy is best revenge) ۔

بے نظیر بھٹو نے ناجانے کن سوچوں اور کن وجوہات کی بنا پر یہ جملہ کہا تھا، لیکن یہ اب واقعی تاریخ کا حصہ بن چکا ہے اور وقت بھی یہ ثابت کر رہا ہے کہ '' جمہوریت بہترین انتقام ہے ''۔ یہ جمہوری نظام ہی جس کی وجہ سے عوام ناپسندیدہ اور کرپٹ حکمرانوں کو ووٹ کے ذریعے مسترد کر دیتے ہیں۔

پیپلز پارٹی، عوامی نیشنل پارٹی، متحدہ قومی موومنٹ، مسلم لیگ ق اور جمیعت علمائے اسلام فضل الرحمان کی آج کی صورتحال یہ بات ثابت کر رہی ہے کہ '' جمہوریت بہترین انتقام ہے ''۔

اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ کہ منافقت کا کردار ادا کرنے والی یا اس جملے کی روح کو سمجھے بغیر اسے بار بار استعمال کرنے والی جماعتیں ہی اس سے '' متاثر '' ہو چکی ہیں یہاں لفظ متاثر کو کسی بھی پیرائے میں لیا)

جاسکتا ہے)۔

ملک کی تاریخ میں پہلی بار جمہوری حکومت کے پانچ سال مکمل کرنے والی جماعتیں آج صوبوں تک محدود ہو گئیں جبکہ بعض کی صوبوں سے بھی چھٹی ہو گئی۔ شائد ان ہی احساسات اور خدشات کے باعث بے نظیر بھٹو کے دماغ میں یہ جملہ تخلیق پایا ہوگا ''جمہوریت بہترین انتقام ہے''۔

جمہوریت کا انتقام تو دیکھئے کہ اپنے آپ کو جمہوریت کی چمپیئن اور ملک کی سب سے بڑی پارٹی کہلانے والی پیپلز پارٹی اب '' سیاست کے سمندر'' میں ڈوبتی ہوئی اور ٹوٹتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ پی پی پی اپنی ناقص پالیسیوں اور رہنماؤں کے مفاد پرستانہ رویے کے باعث اب عام لوگوں ہی نہیں بلکہ اپنی صفوں کے اندر بھی '' کھوئی کھوئی''سی لگنے لگی ہے۔اس پارٹی کی بد قسمتی یہ ہے کہ دعوے کے باوجود پارٹی کو جمہوری تقاضوں کے بجائے روایتی معروثی انداز میں چلانے کی کوشش کی جاتی رہی جس کے باعث آج یہ اپنے مرکزی لیڈر سے ہی عملاََ محروم ہو چکی ہے۔جس نوجوان کو چیرمین بنایا گیا وہ نہ صرف سیاست میں نابالغ ہے بلکہ ذہنی طور پر بھی روایتی سیاسی بازی گری سے واقف نہیں ہے، ساتھ ہی انہیں وہ خوف بھی ہے جو ان کے والد آصف زرداری کو ہمیشہ ہی میدان سیاست میں رہا ہے۔ایسی صورت میں '' کمسن لیڈر'' کس طرح کا رہنما

ثابت ہوگا یہ بات باآسانی سمجھی جاسکتی ہے۔

پیپلزپارٹی کی شریک چیرپرسن بے نظیر بھٹو کے قتل کے واقعے کے بعد پارٹی کی قیادت سنبھالنے والے آصف زرداری نے صدر کی حیثیت سے ملک کو نقصان پہنچانے کے ساتھ پیپلزپارٹی کو بھی تنظیمی طور پر شدید نقصان پہنچایا ہے۔آج پیپلزپارٹی اور آصف زرداری سے چاہت کا اظہار کرنے والے وہ چاپلوس اور مجبور لوگ ہیں جو صرف اپنے مفادات اور اپنے آپ سے مخلص ہیں ،انہیں پیپلزپارٹی ،ملک اور قوم سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔اسی طرح کا حال دیگرپارٹیوں کا بھی ہے اور یہ سب کچھ جمہوریت کی کامیابی کی نشانیاں ہیں۔اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلم لیگ نواز کا آئندہ انتخابات تک کیا حال ہوگا ؟ فی الحال تو عوامی نیشنل پارٹی اور متحدہ قومی موومنٹ کی بات کرتے ہیں جس کو ایک جمہوری حکومت کی آئینی مدت نے ہی ادھ موا کردیا ہے، متحدہ قومی موومنٹ کے کارکنوں کی مسلسل گرفتاری اور عام لوگوں خصوصاً کراچی والوں کی خاموشی اس بات کا ثبوت ہے کہ کراچی کی اکثریت ان گرفتاریوں پر مطمئین ہے۔

جمہوریت کا پھل کڑوا ضرور ہے مگر مجموعی طور پر اس کے نتائج مستقبل کے لیے انتہائی خوشگوار ہونگے

بس شرط یہ ہے کہ لوگوں کو اپنا حق رائے دہی آزادانہ طور پر استعمال کرنے کی

ے#اجازت ہو۔

عدالتیں، مقدمات اور جیلیں

ملک کے اداروں کا جائزہ لیا جائے تو ایک ہی ادارہ '' چودھویں کے چاند'' کی طرح واضح ہوتا ہے جس کے باعث تمام اداروں اور شعبوں کی تاریکی ختم ہو رہی ہے جبکہ قانون اور اصولوں کی مزید روشنی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ یہ ہے وہ عدلیہ، جس کا 2008 میں جنم ہوا، لوگ کہتے ہیں کہ حقیقی جمہوریت کے آغاز پر عدلیہ آزاد ہوئی ورنہ اسے قائم ہوئے تو ساٹھ سال بیت چکے تھے۔اس عدلیہ کو آزادی دلانے کے لیے چیف جسٹس افتخار چوہدری کی قربانی اور جدوجہد اہم ہے۔ آئین اور قانون کے راج کے لیے چیف جسٹس اور ان کے ماتحت جج صاحبان گزشتہ پانچ سال سے محنت کر رہے ہیں۔ لوگوں نے دیکھ لیا اور دیکھ رہے ہیں کہ عام انتخابات ہو یا بلدیاتی انتخابات کا معاملہ عدالت صرف آئین اور قانون کی بات کرتی ہے۔ اسی طرح ملک میں پیٹرولیم اور سی این جی کے نرخ میں اضافے پر اگر کسی جانب سے کوئی سخت ردعمل دیکھنے میں آیا تو وہ عدلیہ ہے۔ جو کام سیاست دانوں، سماجی اداروں اور این جی اوز کو کرنا چاہیے وہ کام سپریم کورٹ کرتے ہوئے نظر آتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ قوم کے مسائل اور مشکلات کی مسیحا صرف عدالتیں ہیں، انہیں ہی قوم کے دکھ درد کا احساس ہے، بصورت دیگر قوم کا دکھ درد ختم کرنے کے دعویدار تو بہت سے عناصر

ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اکثر دعویدار صرف قوم کے مسائل اور مشکلات میں اضافے کا باعث بنے ہوئے ہیں کراچی میں جو ملک کا دل ہے اسے مفلوج کرنے کی کوششیں متعدد بار کی جاتی رہیں بلکہ اکثر احتجاج اور سوگ کے نام پر شہر کو بند کرادیا گیا، عوام کے دکھوں کا مداوا کرنے کے بجائے عوام کو مزید دکھ، تکلیف اور خوف میں مبتلا کرکے ایک نئی روایت قائم کردی گئی تو اس کے ذمہ دار کوئی اور نہیں اپنے آپ کو عوام کے حقیقی نمائندے کہنے کے دعویدار ہیں۔ سپریم کورٹ نے خود اپنے فیصلوں میں واضع کیا کہ کراچی میں امن وامان کی صورتحال خراب کرنے کی ذمہ دار پیپلزپارٹی، متحدہ قومی موومنٹ اور اے این پی ہے۔آج یا ان دنوں اس سلسلے کو بریک لگا تو عدلیہ کے قانون پر عمل داری کے مسلسل سبق اور سخت سزاؤں کے خوف سے۔ ہمیں ماننا پڑے گا جسٹس افتخار چوہدری نے یہ ثابت کیا کہ وہ ملک قوم کی بہتری کے مخلص ہیں۔

گزشتہ دنوں سپریم کورٹ کراچی رجسٹری میں کراچی بے امنی کیس کی سماعت ہوئی۔ عدالت کی پوری کارروائی اور چیف جسٹس افتخار چوہدری اور دیگر ججز کے ریمارکس عدلیہ کی نئی تاریخ رقم کرنے کے مترادف تھے۔ملک میں پہلی بار منتخب حکومت کی جمہوری مدت کی تکمیل کی وجہ بھی آزاد عدلیہ کا خوف تھا جو کسی طور پر غیر جمہوری اور غیر آئینی نظام کو برداشت نہیں کرنا چاہتی تھی جس کے نتیجے میں تیسری قوت جو ہمیشہ ہی باآسانی جمہوریت کو پٹڑی سے اتار

کر پورے ملک پر قابض ہو جایا کرتی تھی ،اس بار ایسا نہیں کر سکی ۔

ملک خصوصاً کراچی میں طویل عرصے سے خراب چلی آنے والی امن و امان کی صورتحال آج بدل رہی ہے شہر میں امن قائم ہو رہا ہے تو اس کا کریڈٹ عدلیہ کو جاتا ہے ، عدلیہ جو چیف جسٹس افتخار چوہدری کی سربراہی میں آئین اور قانون کی بالادستی کے لیے قائم ہے ڈر لگتا ہے کہ اسے کہیں '' نظر نہ لگ جائے''۔

چلیں چھوڑیں ، کراچی میں حال ہی میں بے امنی کیس کی ہونے والی سپریم کورٹ کی سماعت کے دوران ججز کے ریمارکس پر نظر ڈالتے ہیں۔ تین رکنی بنچ نے کہا کہ

(۱) ہم دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کا حصہ ضرور ہیں لیکن ہماری ترجیح اپنے شہروں اور ملک کی حفاظت ہونا چاہیے۔

(۲) کوئی یہ نہیں سمجھ رہا کہ یہ میرا شہر ہے ، میرا ملک ہے، ملک کو بچانا ہے تو کراچی کو محفوظ کریں۔

(۳) اگر اسلحے سے بھرے نیٹو کنٹینر چوری نہیں ہوئے تو جدید ہتھیار کہاں سے آتے ہیں ؟ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ کراچی سے اسلحے کی ترسیل بند کرائی جائے۔

(۴) عدالت نے کہا کہ کراچی میں پولیس اور رینجرز کی کارروائیاں خوش آئند ہیں ، یہ بڑی بد قسمتی ہو گی اگر اس میں ریورس گیئر لگا۔اس لیے پولیس کی اضافی نفری تعینات کی جائے یا کسی دوسری ایجنسی سے مدد لی جائے ،اس تسلسل کو جاری رکھیں ۔

عدالت نے چیرمین ایف بی آر سمیت دیگر اداروں کے ڈی جیز کی شدید سرزنش (۵) کرتے ہوئے کہا کہ آپ میں کوئی قوت ارادی نہیں ہے، قوت ارادی ہوتی تو آپ وفاق کو لکھتے کہ کراچی میں اسلحہ اور منشیات کے خلاف بڑے آپریشن کے لیے فوج سے مدد لیں مگر آپ کام نہیں کرنا چاہتے۔ہم وفاق سے کہیں گے کہ آپ سب کو فارغ کردیں اور نیا خون اداروں میں لیکر آئیں۔

عدالت نے کہا کہ ملک کی معیشت اسلام آباد میں بیٹھ نہیں چل سکتی۔چیرمین (٦) ایف بی آر کو کراچی میں بیٹھنا ہوگا ملک کو بچانے کے لیے کراچی کو بچانا ہوگا۔

چیف جسٹس نے کہا کہ ہمیں اللہ کی مدد حاصل ہے ہمیں کسی سے ڈرنے کی (۷) ضرورت نہیں،ایک کرمنل ملک کا قانون توڑتا ہے تو آپ اس کو کس بات کی رعایت دے رہے ہیں؟

چیف جسٹس نے کہا کہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ سیاسی جماعتیں جو عوامی نمائندگی (۸) کرنے کا دعویٰ کرتی ہیں وہ جرائم پیشہ عناصر کی سرپرستی کر رہی ہیں۔

سپریم کورٹ کی از خود نوٹسز اور دیگر اقدامات کے ثمرات واضح ہیں لیکن باوجود اس کے عام آدمی کے مسائل اور مشکلات اب بھی بہت ہیں۔ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ عام اور غریب عوام سے اب بھی لحاظ سے دور ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سپریم کورٹ کے بے امنی اور دیگر کیسز کی سماعت کے دوران دیئے جانے والے ریمارکس

اور رولنگ کو ملک کے مختلف اداروں میں اقوال زریں کریں کے طور پر بڑے بڑے حروف سے لکھے جانا چاہیے تاکہ ہر سرکاری افسر اور دیگر افراد کو یہ یاد رکھیں اور وہ قانون پر عمل دارآمد کرنا نہ بھولیں۔

تاہم یہ بات بہت تکلیف دہ ہے کہ اب بھی لوئر کورٹس کے حالات پہلے جیسے ہی ہیں، متعدد اقدامات کے باوجود مختلف وجوہات کی بناء پر ہزاروں مقدمات التواء کا شکار ہیں ۔اکثر مقدمات کا سامنا عام غریب افراد کو کرنا پڑتا ہے ۔ان عدالتوں کے متاثرین باآسانی اس لیے بھی سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ تک نہیں پہنچ پاتے کہ ان کے پاس وکلاء کو فیس کی مد میں دینے کے لیے پیسے نہیں ہوتے ۔جبکہ آئے روز وکلاء کی ہڑتال اور دیگر مسائل کی وجہ سے ایڈیشنل سیشن ججز، سیشن ججز کاور مجسٹریٹ کی عدالتوں میں زیر سماعت مقدمات بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر جج صاحبان کی تعیناتی نہ ہونا بھی ایک بہت بڑا مسلہ ہے ۔صرف کراچی میں ایک درجن سے زائد عدالتوں میں ججز صاحبان نہ ہونے کی وجہ سے لنک ججز یا قائم مقام ججز اضافی خدمات انجام دے رہے ہیں ۔

ان تمام صورتحال کے باعث قتل اور دیگر مقدمات میں ضمانت اور بریت کی درخواستیں التواکا شکار ہیں ۔جس کی وجہ سے کئی خاندان پریشانی میں مبتلا ہیں ۔ان خاندانوں اور ایسے معاملات کے متاثرین بھی چیف جسٹس افتخارچوہدری

کی جانب للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ متاثرین کو اس معاملے میں بھی صرف موجودہ چیف جسٹس افتخار چوہدری اور ان کے کے ماتحت ججز صاحبان سے توقع ہے کہ وہ ان مسائل کے حل کی بھی کوئی سبیل نکالیں گے۔

ساتھ ہی جیلوں میں نا صرف قیدیوں کی اصلاح بلکہ جیل کے عملے کی اصلاح کے ساتھ ان کے احتساب پر بھی توجہ دی جائے گی۔ اگر جیلوں کا نظام قانون کے مطابق نہ بنایا جاسکا اور اس معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹنے والوں کا کچھ بھی نہ ہوگا جبکہ جو جیل میں پہنچ کر توبہ کرتے ہیں ان کے بگڑنے کے مواقع زیادہ ہیں۔ یہ بات عام ہے کہ جیل میں قیدیوں سے ملاقات اور انہیں ان کی ضروری اشیاء پہنچانے تک کے لیے روپیہ پیسہ لیا جاتا ہے۔ جیل کے عملے کی آمدنی کا بڑا ذریعہ ان کی تنخواہیں ہونی چاہیئے لیکن جیل کے قیدی ہیں جو اپنے رشتے داروں سے منگواکر متعلقہ عملے کو دیتے ہیں۔ صرف سنٹرل جیل کراچی ہی نہیں ملک کی تقریباً تمام جیلوں کی صورتحال ابتر ہے، قانون کی حکمرانی جیل کے اندر کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ دنیا بھر میں جیل مجرمانہ ذہن کی اصلاح کرتے ہیں اور ہمارے ملک کے جیلوں میں ایسے اذہان کے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ نتیجہ میں چھوٹا مجرم خطرناک مجرم اور ملزم مجرم بن کر جیل سے باہر آتا ہے۔۔۔۔ان مسائل کو کسی اور کے سامنے رکھنے کے بجائے میں چیف جسٹس افتخار چوہدری اور ان کی ماتحت عدلیہ کے حوالے کرتا ہوں کہ اب صرف ان سے ہی اچھی

امیدیں وابستہ ہیں۔۔

آئین اور قانون کی حکمرانی کا تاریخی کا باب

ڈر ہے کہ جس ڈر کی وجہ سے ملک کا نظام ماضی کے 60 سال کے مقابلے میں درست سمت کی جانب بڑھنے لگا تھا، سیاست دان، بیوروکریٹ، سرکاری نوکر، پولیس اور حساس ادارے تک قانون پر عمل کر رہے تھے، اب کہیں دوبارہ وہ لاقانونیت کا سلسلہ شروع نہ ہو جائے جو ملک کے اداروں کو دیمک کی طرح چاٹ کرکے قانون شکن عناصر کو طاقتور کر رہا تھا۔آزاد عدلیہ کے خوف نے ملک میں جمہوریت کو پروان چڑھنے میں مدد دی، یہ ہی خوف تھا جس کی وجہ سے ملک کی تاریخ میں ایک جمہوری حکومت نے اپنا " جمہوری دور " مکمل کیا اور دوسری جمہوری حکومت قائم ہوئی ۔ ایسا کیونکر ہوا۔۔۔اس لیے ممکن ہوا کہ آمریت پسند ذہن کے جرنیلوں کو آئین توڑنا، ملک سے جمہوریت کی بساط کو لپیٹنا بہت مشکل ہی نہیں ناممکن لگنے لگا۔یہ سب کچھ اس ایک شخصیت کی وجہ سے ممکن ہوا جس نے آمر پرویز مشرف کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا تھا، ان کی پیشکش ٹھکرا کر انہیں آئینہ دکھا دیا تھا۔چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے 2007 میں سابق صدر اور آرمی چیف پرویز مشرف کی بات ماننے سے انکار کرکے دراصل آمروں کے سامنے، ملک کے آئین کی بقا کے لیے ڈٹ جانے کا طریقہ متعارف کرایا، لوگوں کو پیغام دیا کہ حق کے لیے ڈٹ جانے اور قانون کی پاسداری کے لیے جدوجہد کرنے سے ہی ملک کا نام دنیا میں روشن کیا جاسکتا ہے

محترم افتخار چوہدری 11 دسمبر کو ریٹائرڈ ہوگئے ہیں ،آپ جب یہ تحریر پڑھ رہے ہونگے تو جناب افتخار
محمد چوہدری '' سابق چیف جسٹس '' ہوچکے ہونگے ۔ مجھے ان کی ریٹائرمنٹ سے نہیں بلکہ ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد پرانے لاقانونیت کے راج کے بحال ہوجانے کے خدشات سے ڈر ہے ،ان خدشات سے ہی میں ڈر رہا ہوں۔اگر ہم زبردستی کسی کی خواہشات کے تحت یہ مان لیں کہ چیف جسٹس افتخار چوہدری نے کچھ بھی نہیں کیاتب بھی ہم کو یہ تسلیم کرناپڑے گا کہ انھوں نے ملک کی تاریخ میں پہلی بار عام افراد کو یہ بتایا کہ '' عدالت کسے کہتے ہیں ؟
سپریم کورٹ کیا ہوتی ہے ؟ قانون کتنا طاقتور ہوتا ہے؟''۔نئے پاکستان کی شروعات اس وقت نہیں ہوئی جب ملک میں پہلی بار جمہوری حکومت نے اپنا دورانیہ پورا کیا بلکہ اس وقت شروع ہوچکی تھی جب افتخار چوہدری کی سربراہی میں وکلا اور سول سوسائٹی نے آئین اور قانون کی پاسداری کے لیے جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔نئے پاکستان کی توثیق اس وقت ہوئی جب ملک کی تاریخ میں پہلی بار سپریم کورٹ میں اس وقت کے وزیراعظم یوسف رضاگیلانی بدعنوانی کیس میں پیش ہوئے اور بعدازاں عدالت سے

سزا پائی۔ پھر دوسرے وزیراعظم راجہ پرویز اشرف کو بھی قانون کا سامنا کرنا پڑا۔ جسٹس افتخار چوہدری کے پورے دور میں لوگوں کو احساس ہوتا رہا کہ پاکستان میں آزاد عدلیہ ہے۔ سی این جی کی قیمتوں میں 35 روپے کی کمی بھی افتخار چوہدری کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے سوموٹو ایکشن کے باعث ہی ممکن ہو سکی تھی۔ وہ ہی سوموٹو ایکشن جس کی وجہ سے لاپتہ افراد کا معاملہ قانون کی گرفت میں آیا اور اب تمام لاپتا افراد کا علم ہونے کا یقین ہو چلا ہے۔ یہ سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ کا از خود نوٹس ہی تھا جس کی وجہ سے سی این جی اور بجلی کے نرخ حکومت بڑھانے میں ناکام رہی، یہ سوموٹو ایکشن ہی تھا جس کے باعث ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی میں مسلسل سال سے ہونے والی ٹارگٹ کلنگ اور بدامنی کی صورتحال کا سدباب کرنے 28, 29 کی سبیل پیدا ہوئی۔ اور یہ ہی وہ سوموٹو ایکشن ہے جس کے بارے میں نئے چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی نے سابق چیف جسٹس افتخار چوہدری کی رخصتی کے وقت اور اپنا عہدہ سنبھالنے سے قبل موٴقف اختیار کیا کہ ”از خود نوٹس کے معاملات پر نظر ثانی کی ضرورت ہے“۔ نئے چیف جسٹس کے اس بیان پر تبصرہ یا بحث کرنا مناسب نہیں ہے توہین عدالت کا بھی الزام لگ سکتا ہے اس لیے اس معاملے کو یہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اسی عمل سے قلم کا اور میرا تحفظ ہوگا۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ میں کالم کے آغاز پر ہی کہہ چکا ہوں۔ لیکن ابھی مزید بات کرتے ہیں افتخار محمد چوہدری کی۔ لوگ کہتے ہیں وہ ریٹائرڈ ہوگئے لیکن میں کہتا ہوں وہ جو کام کر گئے اس

میں لوگ ریٹائرڈ نہیں ہوتے ۔ ان کے اقدامات قانون کی کتابوں کا حصہ بن چکے ہیں ۔اس لیے ان کا ہر اقدام " جاریہ " کہلایا جائے گا ۔ مقدمات میں ان کے فیصلوں سے رہنمائی لی جائے گی ۔۔۔اس طرح وہ ہمیشہ خدمت کرتے رہیں گے ۔ قانون دانوں کو رہنمائی ان کے فیصلوں اور ریمارکس سے ہمیشہ ملتی رہے گی۔

جناب افتخار محمد چوہدری

16 مارچ 2009 کو اپنے عہدے پر بحال ہو کر نہ صرف پاکستان اسٹیل کی نجکاری کے سمیت کئی مقدمات پر فیصلے سنائے بلکہ پاکستان کا دنیا بھر میں قانون اور آئین کی حکمرانی کے حوالے سے نام بھی بلند کیا ۔ انہیں ہارڈ ورڈ لاء اسکول کی طرف سے میڈل آف فریڈم ایوارڈ دیا گیا وہ پہلے پاکستانی اور دنیا کی تیسری شخصیت ہیں جنہیں یہ ایوارڈ حاصل کرنے کا اعزاز حاصل ہوا اس سے قبل جنوبی افریقہ کے سابق صدر نیلسن منڈیلا اور اولیور ہل کو یہ ایوراڈ دیا گیا تھا۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری جو کچھ کر سکتے تھے ۔ ملک اور قوم کے لیے کرکے ملازمت سے باعزت طریقے سے رخصت ہو گئے ۔ان کی رخصتی بھی آمد کی طرح تاریخی تھی۔ بس اب دعا کی جا سکتی ہے کہ اللہ ہمارے دیگر جج صاحبان کو ان کے اقدامات سے رہنمائی حاصل کرنے اور ان کی تقلید کرنے کی توفیق عطا کرے آمین۔۔

سیاست اور بلا

لغت میں سیاست کے معنی حکومتی نظام ، ملکی انتظام اور رعب داب ہے ۔ بد قسمتی سے ہمارے ملک میں سیاست آخری معنی تک رہ کر کھیل بن چکی ہے جبکہ قومی کھیلوں میں " سیاست " کا راج ہے ۔ قومی کھیلوں میں حصہ لینے والے کھلاڑیوں کی عمر کے سیاست دان عملی طور پر سرگرم ہو چکے ہیں ، سیاست دان کے معنی لغت میں " وہ شخص جو علم مدن کا ماہر ہو " بتائے گئے ہیں ۔ عام خیال یہ ہے کہ سیاست بھی خدمت کا ایک ذریعہ ہے ۔۔۔ ہمارے سیاست دانوں نے نا صرف سیاست کے معنی تبدیل کر چکے ہیں بلکہ لفظ خدمت کو بھی مشکوک بنا دیا ہے ۔۔۔۔۔ خدمت کس کی اور کیسی ؟ یہ تو سب جانتے ہیں ۔۔۔۔۔ عام لوگوں کی خدمت تو ہمیشہ ہی سے سماجی تنظیموں اور این جی اوز تک محدود رہی چونکہ سیاست کے معنی ملکی انتظام ہیں اس لیے ہمارے سیاست دان صرف اقتدار کے حصول کے لیے سرگرم رہتے ہیں ،اس مقصد کے لیے وہ آپس میں لڑتے بھی ہیں اور پیار بھی کرتے ہیں ۔ عموماً ان سیاست دانوں کے دعوے ،وعدے اور عوامی مفاد کے اعلانات ان کے اقتدار سنبھالنے کے ساتھ ہی ہوا ہو جاتے ہیں ۔ سیاست دان صرف اقتدار کے حصول کے لیے بلکہ اسے مستحکم کرنے کے لیے بھی " سیاست " کرتے ہیں ۔ سیاست کے کھیل کا جو جتنا بڑا کھلاڑی وہ کھیل بھی اسی طرح کھیلتا ہے ، تماش بین وہ

ہی بے چاری عوام ہوتی ہے جو یہ سمجھتی ہے کہ "اب مزا آئے گا کیونکہ میچ تو اب شروع ہوا ہے"۔ حقیقت تو یہ بھی ہے کہ قوم بھی سیاست سے مزے لینے لگی ہے سیاست دانوں کے بیانات ان کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دیتے ہیں۔ لطف اندوز ہونے، والوں کو اس وقت بوریت ہونے لگتی ہے جب چند روز میں واضع ہونے لگتا ہے کہ یہ عوام کے حقوق کے نام پر یہ تو نورا کشتی تھی۔

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پہلے مکمل جمہوری دور میں پانچ سال تک وفاق اور خصوصاً سندھ میں یہ ہی کچھ ہوتا رہا۔ اس دوران سندھ حکومت کی اتحادی جماعت متحدہ نے ریکارڈ احتجاج کیے۔ اس احتجاجی سیریل کی کم و بیش ڈیڑھ درجن اقساط تھیں۔ ایم کیوایم نے ایک ہی دور میں حکومتی اتحادی جماعت کے ساتھ اس طرح کے احتجاج کیئے کہ اس کی مثال دنیا بھر میں کہیں نہیں ملتی، اہم بات یہ ہے کہ ان احتجاج کا حاصل کیا تھا یہ کسی کو نہیں پتا چل سکا، بعض اوقات تو احتجاج کی وجہ بھی پر سرار رہی۔۔۔۔۔۔ پانچ سال تک سندھ میں ہی نہیں بلکہ وفاق میں بھی جو کچھ ہوتا رہا اسے "چوہے بلی" کے کھیل کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔۔۔۔۔۔۔ موجودہ مسلم لیگ حکمرانوں نے ایسی اپوزیشن جماعت کا کردار ادا کیا جسے لوگوں نے "دوستانہ حزب اختلاف" کا نام دیا تھا۔ بہرحال جو گزشتہ پانچ سال تک ہوتا رہا اسے "چوہے بلی" کا کھیل نہیں تو اور کیا کہا جاسکتا ہے، پھر اس کھیل کو دوسرے جمہوری دور سے دور

رکھنے کے لیے شیر کو میدان میں لایا گیا۔۔۔۔۔ مگر شیر بھی اندر سے گیڈر ہی نکلا۔
کراچی میں بدامنی سے تنگ شہریوں نے توقع لگالی تھی کہ شیر کچھ کرے گا۔۔۔۔ابتدا میں شیر کی دھاڑ یہ بتارہی تھی کہ نہ صرف دہشت گردوں بلکہ ان کے سرغناؤں کو بھی یہ ختم کردے گا۔۔۔۔مگر پھر پتا چلا یہ بھی ''سیاست'' ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ سندھ میں ایسی سیاست کرنے کی مسلم لیگ نواز کی حکومت کو ضرورت کیوں پیش آئی ۔۔۔۔۔ظاہر ضرورت ایجاد کی ماں ہے اس لیے ضرورت پڑی کہ مسلم لیگ کی خواہش ہے کہ یہاں بھی کسی طرح حکومت یا حکمرانی قائم کی جائے اور ساتھ ہی وفاقی حکومت کو مزید مستحکم بھی بنایا جائے۔ مسلم لیگ کی خوش قسمتی اور لوگوں کی بدقسمتی سے صوبہ میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو نظریات اور حقوق کے حصول کا نعرہ لگاکر مسلسل دونوں کا گلا گھونٹ رہی ہے۔ اس لیے شریف.برادران کا خیال اور خواہش ہے کہ اس قوت کو گلے لگاکر موجودہ سندھ کی حکومت کا گلا گھونٹنا آسان ہوجائے گا۔۔۔۔۔ سو چوہدری نثار نے اپنے حالیہ کراچی کے دورے کے دوران اس جانب پیش قدمی کرڈالی۔۔۔۔۔یہ ہے سیاست اب اس سے عوام کا کیا تعلق اور اس سے ملک اور قوم کو کیا فوائد ہونگے اس کا اندازہ

قوم خود لگا سکتی ہے۔

خواہشات تو کسی کی کچھ بھی ہو سکتی ہے، چوہے بلی کا کھیل دیکھ کر جس قوت نے شیر کو بھیجا تھا وہ بھی شیر کی نئی چالوں پر شائد حیران ہو۔۔۔۔چوہے اور بلی کے اس کھیل کے دوران آواز آئی" جب سے پاکستان بنا ہے بلا آ کر دودھ پی جاتا ہے" ۔ یہ آواز تھی سابق صدر آصف زرداری کی، انہوں نے گڑھی خدا بخش میں بے نظیر بھٹو کی چھٹی برسی کے موقع پر اپنی پوزیشن کلیئر کرتے ہوئے کہا کہ میاں نواز شریف بلا پھنسا ہوا ہے اسے مت چھوڑنا، بلے کو انجام تک پہنچانے کے لیے ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔۔۔۔۔ ایک بلے کی دشمنی میں ایسی دوستی کے پیغام کی مثال کم ملتی ہے۔۔۔۔۔بلا کون ہے؟ یہ آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔۔۔۔لیکن میں صرف یہ بتا سکتا ہوں اس بلے کو ماضی قریب میں آصف زرداری نے خود آزادی تھی بلکہ پروٹول دیکر ملک سے رخصت بھی کیا تھا۔۔۔۔بلا چونکہ اپنے آپ کو اب تک " طاقتور" سمجھتا تھا اس لیے وہ خود ملک واپس پہنچا اور پھنس گیا۔۔۔۔۔اب کوئی زرداری سے پوچھے کہ اسے چھوڑا کیوں تھا ۔۔۔۔کوئی پرانی ڈیل یا کسی قوت کا اشارہ تو نہیں تھا؟ جس کے باعث وہ خود اسے پکڑنے میں ناکام رہے تھے۔!

اس کالم کے ابتداء میں میں نے لکھا ہے کہ " ہمارے ملک میں سیاست کھیل بن چکی ہے اب آپ غور کیجیے کہ کھیل کیسے ہوتا ہے۔چونکہ ابھی آصف زرداری "

اور ان کی پارٹی وفاق کی حکومت میں نہیں ہے، اس لیے شائد وہ عملی سیاست نہیں کر رہے بلکہ صرف کھیل، کھیل رہے ہیں ۔۔۔۔۔ سیاست کے وہ مستند اور تسلیم شدہ کھلاڑی کہلاتے ہیں ۔انہوں نے اپنے ون ڈے کھیل کے دوران جو بال پھینکی اس کا جواب پرویز مشرف نے انتہائی غیر سیاسی انداز میں دیا، سابق صدر مشرف نے کہا کہ " آصف زرداری کو پتا ہوگا" بلا ایک ہے یا پوری فوج" ۔

پرویز مشرف کے اس مؤقف پر سوچنے والوں نے سوچا کہ " فوج " کا ذکر کیوں آگیا۔ آصف زرداری نے اپنی بال پھینک کر بڑا مقصد حاصل کرلیا شائد انہیں یقین تھا کہ سیاست کے نابالغ سابق جرنیل پرویز مشرف ان کے اس بیان سے اسی طرح کے رد عمل کا اظہار کریں گے ۔پرویز مشرف کے رد عمل کا فائدہ " چھوٹے اور بڑے بھائی" کو پہنچے گا ۔۔۔۔۔۔

دراصل یہ ہی ہے سیاست ، میاں نواز شریف بھی ملک اور قوم کو درپیش مشکلات اور مسائل کی آڑ میں اپنی حکومت کو درپیش مشکلات اور مسائل پر توجہ دے رہے ہیں اس مقصد کے لیے وہ ایسے ایشوز کی تلاش میں ہیں جس سے قوم کا ذہن بڑے مسائل سے ہٹ جائے ، لوگ شریف برادران کے وہ وعدے اور دعوے بھول جائیں ۔نواز شریف

کی کامیابی کا ہدف یہ ہے کہ وہ بھی کسی طرح پانچ سال مکمل کرلیں۔

جبکہ قوم چاہتی ہے کہ اسے درپیش مسائل اور مشکلات کا سدباب پانچ دن میں نہیں تو پانچ مہینے تو ہوجائے۔۔۔۔۔قوم کو خدشہ ہے کہ اگر شریف برادران کو پانچ سال مل گئے تو تب بھی صرف ان کے اور ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے مسائل کا سدباب ہوسکے گا۔

بات ہورہی تھی پرویز مشرف کی۔۔۔۔پرویز مشرف سیاست میں نووارد ہیں، انہوں نے اپنی بقاء کے لیے منگل کو ریٹائرڈ فوجیوں سے ملاقات کی اور ان سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے سب کچھ ملک اور قوم کے لیے کیا ہے۔

پورے ملک کا نظام نان ایشوز کی بنیادوں پر چل رہا ہے، سیاسی جماعتیں، سیاست دان اپنی بقا کے لیے سرگردہ ہیں انہیں عوامی مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ پیپلزپارٹی ملک کی بڑی جماعت ہونے کے باوجود اپنے ہی پیدا کردہ مسائل میں گھر کر اب اپوزیشن کا روایتی کردار ادا کرنے سے بھی قاصر ہیں کیونکہ وہ اب اندر سے ٹوٹنے لگی ہے،اس کی مجبوری ہے کہ وہ عوام کو درپیش مسائل اور مشکلات پر کچھ نہیں کرسکتی۔ پیپلزپارٹی نے پانچ سال تک اپنی حکومت کے دوران آزادی سے جو کچھ بویا اب وہ ہی اسے کاٹنا پڑرہا ہے۔ مسلم

لیگ نواز کی مجبوری یہ ہے کہ وہ امریکہ کی خواہشات اور پالیسیوں کے مطابق حکومت نہیں چلا سکی تو اسے اپنی حکومت کی چھٹی کا خدشہ ہے۔ دیگر جماعتیں بھی صرف اپنے نظریہ ضرورت کے تحت چل رہیں ہیں، تحریک انصاف ڈرون حملے کے خلاف احتجاج کرکے یہ تو ثابت کیا کہ وہ عوامی قوت رکھتی ہے لیکن وہ تاحال یہ ثابت نہیں کرا سکی کہ وہ عوام کو ان کے مسائل سے چھٹکارہ دلانے والی جماعت ہے۔۔۔۔رہی بات متحدہ قومی موومنٹ کی تو اس کے لیے صرف یہ ہی کہا جاسکتا ہے وہ " اپنے روپ میں ایک حقیقت ہے "اس کے جلسوں میں رش، اس کے کارکنوں کی ٹارگٹ کلنگ جیسے سنگین الزام میں گرفتاریاں اور کراچی سے لندن تک الزامات کے باوجود سنگین نوعیت کے الزامات کے باوجود قائد الطاف حسین پر اعتماد یہ سب حقیقت ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ متحدہ اور اس کے قائد بھی صرف اپنی بقاء کے لیے انقلاب کے نعرے لگا رہے ہیں۔ جبکہ پورے ملک کی طرح کراچی کے لوگ بھی صرف انتظار کر رہے ہیں کہ ہمارا اصلی رہنما کب سامنے آئے گا اور کب انکی تکالیف، مشکلات اور پریشانیوں کا مداوا ہوگا۔

چوہدری اسلم ..... کس کا نشانہ بنے

اسلم خان سواتی ،چوہدری اسلم بنے اور ترقی پا کر ایس ایس پی تک پہنچے ، سپریم کورٹ کے فیصلے پر ڈی ایس پی بنے اور اپنے محسن پولیس افسران کی مہربانی سے دوبارہ ایس پی بن گئے ۔ وہ ایسے چوہدری بنے کہ کوئی انہیں خان تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوا، ان کی جی داری اور مجرموں کے خلاف سخت ترین رویے نے انہیں سندھ پولیس کا " چوہدری " بنادیا۔ سندھ پولیس میں " خان " پولیس کے مقابلے میں ہمیشہ ہی چوہدری صاحبان کے لیے وسیع جگہ رہی ..... چوہدری پولیس آفیسرز بھی واقعی چوہدری ہوتے تھے نام کے بھی کام کے بھی ، انسانیت کے بھی ۔ ان میں ایک نام تھا چوہدری حمید جو ایس پی ہو کر ریٹائرڈ ہوئے پھر حکومت نے ان کی خدمات کنٹریکٹ پر حاصل کی....اور نا جانے اب کہاں اور کس حالت میں ہونگے ، انہیں گورنر وزیراعلی ، کوئی وزیر نہیں جانتا تھا ہاں پولیس فورس میں انہیں ہر کوئی عزت قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا وہ ایس ایچ او بنے تو موٹر سائیکل پر تھانے پہنچتے تھے ، چوہدری حمید کا نام ایسا تھا کہ اس نام دوسرا تحقیقاتی افسر پوری سندھ پولیس میں نہیں تھا ۔ چوہدری اسلم شائد چوہدری حمید سے متاثر تھے اس لیے وہ اسلم خان سے چوہدری اسلم ہوگئے ۔ اپنے اوپر انہیں بہت اعتماد تھا، پولیس کے نظام کو بھی سمجھنے کا

تھے ،وہ شائد یہ بھول" over confidence " وہ دعوئ کرتے تھے .... مگر شائد چکے تھے جس محکمہ مین وہ کام کررہے ہین ، وہان دوستون رشتے دارون اور تعلقات کی وقت کے کوئی حیثیت نہین ہوتی ، پولیس آفیسر اس وقت تک پولیس افسر ہوتا ہے جب تک وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے دوران اپنے تعلقات اور رشتے داری کی فکر نہ کرین ایک اچھا پولیس افسر وہ ہی ہوتا ہے جو صرف قانون سے محبت کرے اور اس پر عمل، کرے ، اصولون پر کاربند رہے ...... اور اوپر کے احکامات پر قانون کے تحت عمل کرے ، بدقسمتی سے اصولون اور قوانین کا جنازہ پولیس ہی کیا دیگر سرکاری ادارون مین ... اٹھنا اب معمول بن چکا ہے

چوہدری اسلم اور ان کی ٹیم کے ساتھ نو جنوری کو پیش آنے والا واقعہ اگرچہ سیدھا سادہ واقعہ لگتا ہے لیکن ایسا ہر گز نہین ... اس واقعے کے بعد پولیس افسران کے بیانات خود ان کا مذاق اڑانے کے ساتھ نئے سوالات پیدا کررہے تھے ،سب سے اہم بات یہ تھی کہ اتنے اہم ترین واقعہ پر ہر پولیس افسر کیون اور کس حیثیت سے میڈیا کے سامنے زبان کھولے جارہا تھا ؟ صرف ٹی وی پر آنے کے شوق نے اس واقعہ پر پولیس افسران کی غیر سنجیدگی کا نمایان کیا اور ڈسپلین فورس کا مذاق اڑایا ...... اس تحریر کا مقصد اس واقعہ کے پہلوون کو سامنے لانا ہے اور اس مین غفلت و لاپرواہی کے مرتکب افراد کو جاننا ہے

مفروضہ کی بنیاد پر تحقیقات کی جائین تو ایسا ہی ہوتا ہے ...اور پھر مقدمہ کے اندراج مین تاخیر کے ساتھ شواہد بھی ضائع ہوجاتے ہین ...... شواہد کو ضائع کرنا یا مٹانا جتنا مشکل اتنا ہی آسان ہوتا ہے .... بے نظیر بھٹو بلا شبہ ، چوہدری اسلم کے مقابلے مین بہت بڑی شخصیت تھین . لیکن ان کے قتل کے شواہد بھی بہت اطمینان سے مٹاد یئے گئے. بے نظیر کے قتل پر بھی طالبان قاتل ٹھہرے مگر صرف زبانون مین اور تحریرون مین .... بے نظیر کے قتل کا مقدمہ بھی غیر معمولی تاخیر کا شکار ہوا مگر قاتل یا قاتلون کا چھ سال گزرنے کے باوجود پتا نہین چل سکا....... ہم ایک ہی جملے مین یہ کہہ سکتے ہین کہ جب بے نظیر بھٹو ، اور ملک کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کے قاتلون کا سراغ نہین لگایا جاسکا تو چوہدری اسلم کے قاتلون کا کیاپتہ چلے گا؟ لیکن کیون..... کیون نہین پتا چل سکتا....... قتل چھپتا نہین تو کون ہے جو اہم افراد کے قاتلون کو چھپالیتے ہیں؟ عام افراد کے قتل کا سراغ نہین لگ سکا تو پولیس فورا کہتی ہے کہ لواحقین اور متعلقہ افراد نے تعاون نہین کیا....... تو کیا اہم شخصیات کے قاتلون کا پتہ لگانے اور انہین پکڑنے مین ناکامی کے اسباب بھی اسی طرح کے ہوتے ہیں ؟ جوہدری اسلم کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ سے دلچپی سے زیادہ ان کی جلد سے جلد تدفین ، اور ان کی خدمات کی تعریفون مین متعلقہ افراد زیادہ سرگرم نظر آئے..... چوہدری اسلم اور ان کے ساتھیون کے ساتھ پیش آنے والے المناک

واقعہ کا مقدمہ ہفتے کی شام درج کرلیاگیا... مقدمہ ان حالات مین درج کیا گیا کہ تحقیقاتی جماعتین کسی حتمی بات پر متفق بھی نہین ہون پائی تھین ۔ چوہدری اسلم کی بیوہ کے مطابق وہ بچون کو لیکر کہین جارہے تھے کہ اچانک ان کے موبائل پر کال آئی ،کال سننے کے بعد چوہدری صاحب نے انہین بتایا کہ مجھے ہیڈ کوارٹر جاناہے اس لیے ڈرائیور کو بھجوادو...... اب سوال یہ ہے کہ کیا تحقیقاتی افسر نے فون ریکارڈچیک کیا کہ کال کس کی تھی ؟ پولیس کے ذرائع کا کہنا ہے کہ وہ کال طالبان لیڈر کی تھی شاہد اللہ شاہد کی تھی ۔ پوسٹمارٹم رپورٹ کے مطابق چوہدری اسلم کا چہرہ ، پیٹ ، اور ٹانگین بری طرح متاثر ہوئی تھین ، جبکہ بعض اعضا جسم سے الگ ہو چکے تھے ۔ تحقیقاتی جماعتین حتمی طور پر یہ طے نہین کرپائین کہ بم دہشت گردون کی گاڑی مین تھایا اسے سڑک پر نصب کیا گیا تھا بعض کا خیال یہ ہے کہ بم چوہدری اسلم کی گاڑی مین اندر یا نیچے نصب کیا گیا تھا ،ایسے ہی، شواہد پر یہ بھی بات سامنے آئی جسے بعض اخبارات نے رپورٹ بھی کیا ہے کہ چوہدری اسلم حفاظتی نکتہ نظر سے اپنی گاڑی مین روسی ساختہ بم بھی رکھتے تھے اگر یہ بات درست ہے تو ایک سے زائد دھماکون کی آوازین آنی چاہیے تھین لیکن ایسا نہین ہوا... سوال یہ ہے کہ حملہ آورون کی گاڑی سے زیادہ چوہدری اسلم کی گاڑی کو کیون نقصان پہنچا ، اہم سوال یہ بھی ہے کہ اگر بم سڑک پر نصب کیا گیا تھا تو سڑک پر اس طرح کا گہرا گڑھا کیون نہین پڑا ،ماہرین اس بات پر متفق نظر آتے ہین کہ بم چوہدری

اسلم کی گاڑی مین نصب کیا گیا تھا...اس واقعہ کی غیر جانبدارانہ اور ایماندارانہ تحقیقات کا تقاضہ ہے کہ یہ بھی معلوم کیا جائے کس کی ہدایت پر چوہدری اسلم کی بم پروف گاڑی کو مرمت کی غرض سے ورکشاپ کے حوالے کرکے دوسری گاڑی دی گئی تھی جو اس معیار کی نہین تھی جس کی چوہدری اسلم کو ضرورت تھی....پولیس ایک اور اہم سوال یہ بھی ہے کہ جب چوہدری اسلم کا جسم بری طرح متاثر ہو کر وہ اسپتال ہنچنے سے قبل ہی جان بحق ہوچکے تھے تو اس کا علم پولیس افسران کو تاخیر سے ہوا یا بے نظیر بھٹو کی طرح ان کی موت کی خبر چھپانے کی کوشش کی گئی ؟

چوہدری اسلم ، دلیرانہ کارروائیون کے باعث صرف طالبان ہی نہین بلکہ کئی اور گروپ کی ہٹ لسٹ پر تھے ..... ایسی صورت مین کیا یہ آسان ہوگا پولیس اصل ملزمان تک پہنچ جائے اور اس کیس کا معمہ حل کرلے......چوہدری اسلم کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ ہمھین یہ سوال کرنے پر بھی مجبور کررہا ہے کہ " کیا چوہدری اسلم اپنی آمد و رفت اور دیگر پوزیشن سے قوائد کے تحت افسران کو آگاہ کرتے تھے اور کیا دوسرے افسران بھی آئی جی اور ڈی آئی جیز کو آگاہ کرتے ہیں؟ اگر اس اصول اور پر عمل کیا جارہا ہے تو چوہدری اسلم کی آخری پوزیشن سے بھی افسران آگاہ ہونگے۔

چوہدری اسلم بم دھماکے کی ایف آئی آر ہفتے کو پی کالونی تھانے مین درج کرادی گئی ایف آئی آر مین طالبان کے دو رہنماء ون ملا فضل اللہ اور شاہد اللہ شاہد کو نامزد کیا گیا، تاہم پولیس انسپکٹر ملک عادل نے رپورٹ مین لکھایا ہے کہ وہ اپنی گاڑی مین جا رہا تھا جبکہ اس کی گاڑی کے پیچھے چوہدری اسلم کی جیپ آ رہی تھی جب وہ لیاری ایکسپریس وے پر پہنچے تو پہلے موڑ پر تین مشتبہ افراد کو دیکھا، ملک عادل نے بیان دیا کہ جب ان کی گاڑی آگے بڑھی تو پیچھے دھماکا ہوا .

ملک عادل کے بیان کی روشنی مین ان سے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ " جب انہون نے مشتبہ افراد کو دیکھا تھا تو انہین گاڑی روک کرچیک کیون نہین کیا گیا ؟ ملک عادل کو اس بات کا بھی جواب دینا پڑے گا کہ وہ تینون افراد پیدل تھے یا کسی گاڑی مین اور جائے وقوعہ سے کتنی دور، کتنے فاصلے پر تھے .

ملک عادل سے یہ سوالات کرنا تحقیقاتی افسرون کا کام ہے. مقدمہ مین کسی کی نامزدگی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ نامزد ملزم ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ان ملزمان کی گرفتاری کے بعد ہی اصل تحقیقات آگے بڑھے گی... اب غور کیجیے ملزمان بھی وہ جن سے حکومت مزاکرات کرنا چاہتی ہے.....مزاکرات کی صورت مین ہی اس مقدمہ کا مستقبل بھی ہے، اس سے پہلے نامزد ملزمان کی گرفتاری کا

. امکان کم ہے

یہ واقعہ میری نظر مین ایس پی چوہدری اسلم اور ان کے ساتھیون کا قتل نہین ہے بلکہ
ہہ پولیس کے سی آئی ڈی پر حملے اور پولیس کے نظام پر قاتلانہ حملے کے مترادف ہے.
فوری طور پر مدعی ار خود اپنے بیان کے مطابق فرائض سے غفلت کا مرتکب نظر آتا
.ہے......اس حوالے سے تحقیقاتی ٹیمون کو تفتیش کرنی چاہیے

اسلم خان سواتی عرف چوہدری اسلم کی دہشت اور خوف کے بارے مین بہت کچھ لکھا
جاچکا ہے، چوہدری اسلم کی خصوصی طور پر خدمات سابق آئی جی سندھ رانا مقبول
جنہین مسلم لیگ نواز کی 98 کی حکومت نے پنجاب سے خصوصی طور پر سندھ مین لاکر
تعینات کیا تھانے حاصل کی تھی جنہون نے چوہدری اسلم کو آصف زرداری سے پوچھ
گچھ کا خصوصی ٹاسک بھی دیا تھا، لیکن آصف زرداری کی سیاسی مجبوری یا پھر سیاسی
بصیرت سمجھین کہ انہون نے ہی انہین گورنر سندھ عشرت العباد کی سفارش پر
مین تمغہ شجاعت دیا. لیکن ایوان صدر مین ہونے والی تقریب مین صدر 2012
زرداری کے بجائے گورنر عشرت نے تمغہ شجاعت کا بیج انہین لگایا جو اصول کے خلاف
. تھا

چوہدری اسلم اپنی زندگی مین کیسے بھی رہے ہون لیکن اپنی ہلاکت کے بعد وہ

پنجاب مین بھی مقبول شخص کیطرح یاد کیے گئے ، عموا دوسرے صوبے سے خراج عقیدت کے پیغامات موصول ہونے کی مثال نہیں ملتی ..... شائد شہباز شریف کو چوہدری اسلم ..... کی آصف زرداری کے لیے مخصوص حالات مین کی گئی خدمات یاد آ گئی ہو

ہمھارے ملک کے نظام میں پولیس کا سیاسی انتقام کے لیے استعمال کیا جانا عام بات ہو چکی ہے .... لیکن اب تو کرمنلز بھی سیاسی قوت کی طرح سامنے آ رہے ہیں اور حکومت ان سے مزاکرات کے لیے آگے بڑھ رہی ہے ..... پولیس اپنے پیشہ ورانہ کام میں محدود ہو کر رہ گئی ہے ، اسے طالبان ، ایک سیاسی جماعت اور لیاری گینگ وار سے زیادہ کچھ نظر .. ہی نہیں آتا

مین اپنی تحریر مین اس بات کا اشارہ دے چکا ہوں کہ چوہدری اسلم بم دھماکے کی فائل کچھ عرصہ بعد داخل دفتر کردی جائے گی اور وزیر اعلیٰ ہی نہین بلکہ گورنر سندھ عشرت العباد بھی زاتی تعلقات ہونے کے باوجود چوہدری اسلم کیس پر کسی قسم کی پیش رفت میں ناکام رہیں گے .... حالانکہ چوہدری اسلم کی گورنر ہاوس حاضری کی بازگشت پولیس # ... ہیڈ آفس ہی نہین بلکہ دیگر دفاتر میں عام تھی

فوج کے وقار کا سوال

حالات تو کل بھی بہت خراب تھے اور آج بھی ایسے ہی ہین ، کل جمہوریت کو مضبوط اور مستحکم کرنا تھا اس لیے ہر طرف سے یہ ہی بازگشت تھی ،دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچانے والی جمہوریت پسند قوتیں مسلمان ممالک میں جمہوریت کو پھلتا پھولتا دیکھنا نہیں چاہتی ، ایران ، عراق اور مصر اس کی مثال ہیں جہاں آمریت کو طویل عرصے کے لیے نہ صرف برداشت کیا جاتا ہے بلکہ اس کی درپردہ پشت پناہی بھی کی جاتی ہے . جبکہ جمہوریت کو بس ایک جزوی وقت کے لیے سامنے لایا جاتا ہے .

پاکستان میں فوجی جرنیل پرویز مشرف نے 12 اکتوبر 1999 کو منتخب حکومت کا تختہ الٹا اور اقتدار پر نو سال تک قابض رہے ان کی جانب سے 2008 میں دوسری بار انتخابات کرائے گئے جس کے نتیجے میں آصف زرداری کی قیادت مین ایسی جمہوریت وجود میں آئی کہ جمہوریت اور جمہوریت پسندوں کو بھی شرم آنے لگی جبکہ آمریت پسندوں کے حوصلے بلند ہوئے ، لیکن کل جمہوریت عام افراد کو بھی عزیز تھی کیونکہ آمریت نے ملک کو نئے چیلنجوں کی طرف دھکیل دیا تھا اس لیے جمہوری نظام کے تسلسل کی امنگ تھی خرابیاں جمہوریت میں واضح ہوچکی تھیں

تاہم آصف زرداری نے پانچ سالہ دور مکمل ہونے پر عام انتخابات کا انعقاد کرکے اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ جمہوریت کا تسلسل چاہتے ہیں، آصف زرداری جہاں دیدہ شخصیت ہیں انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ اگر وہ اپنی مرضی نظام چلاتے رہے تو ملک کو جمہوری عمل کے نقصان کے ساتھ دیگر نقصانات کا بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس کے خطرناک نتائج ان کے ساتھ ملک و قوم کو بھی برداشت کرنا پڑیں گے. یہ وجہ تھی کہ انہوں نے انتخابی نتائج تسلیم کرنے کے ساتھ منتخب حکومت سے مکمل تعاون بھی کیا -
نواز شریف کی موجودہ حکومت اپنے مستحکم ہونے کے زعم میں مختصر مدت میں ایسے فیصلے کیے جس میں فوج کی رضامندی شامل نہیں تھی .
اگرچہ مسلم لیگ کے سربراہ نے اقتدار میں آکر ریٹائر ہونے والے جنرل اشفاق پرویز کیانی کی جگہ سینئر جرنیل کے بجائے جونیئر جنرل راحیل شریف کو چیف آف آرمی مقرر کیا کہ وہ ان کے ساتھ بہتر طور پر چل سکیں گے.
نواز شریف نے یقینا یہ فیصلہ اپنی اور اپنی حکومت کی بقا کے لیے کیا ہوگا، لیکن یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ نظم و ضبط کی پابند پوری فوج کو یہ بات اچھی نہیں لگی ہوگی کہ ایک سینئر کی موجودگی میں جونیئر کا انتخاب کیا گیا ہے.

.اس غلطی کے بعد اغلاط کا سلسلہ شروع ہوگیا

نواز شریف حکومت کا طالبان سے مذاکرات کی باتوں سے ہی فوج میں بے چینی اور تشویش پھیلنے لگی مگر میاں صاحب اور ان حکومت اقتدار کی شراب پینے میں مصروف رہی ، پیتے پلاتے وقت ویسے بھی بہت ظرف والے لوگ ہی آس پاس نظر رکھ پاتے ہیں .

فوج کی خواہشات کے برعکس سابق فوجی جنرل پرویز مشرف کو مقدمات میں پھنسانا ، اور عدالت کو کوئی اعتراض نہ ہونے کے باوجود انہیں اپنی بیمار والدہ کی عیادت کے لیے ملک سے باہر جانے کی اجازت نا دینے سے بھی فوج کے ایک حصے میں بے چینی پائی جانے لگی .... اس بے چینی کو بھی چھوڑ دیتے ہیں .... لیکن کوئی ادارہ اور ملک کا اہم ترین ادارہ بھلا اپنے ہی خلاف براہ راست تنقید کیسے برداشت کر سکتا ہے .... تہمینہ دولتانہ کہتی ہیں کہ فوج اور سیاست الگ الگ اکائیاں ہیں ، یہ بات درست تسلیم کی جاسکتی ہے لیکن لہجہ میں تذلیل چھپی ہو تو کون برداشت کرے گا ،کیسے اور کیوں برداشت کرے گا؟

پیپلز پارٹی کی حکومت کے پہلے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے اپنی حکومت کے پہلے سال میں جب یہ بیان دیا کہ فوج اور حکومت میں ہم آہنگی ہے تو انہیں

.اپنے اس بیان کی وضاحت کرنی پڑی
حکومت کس حد تک طاقتور ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب پیر کو جنزل راحیل شریف نے یہ بیان دیا کہ " فوج ہر حال میں اپنے وقار کی حفاظت کرے گی " حکومتی ایوان ہلنے لگے ،اقتدار کے نشے میں مست حکرانوں کی نیندیں اور نشہ ساتھ ہی اترگیا. بدھ یعنی 8 اپریل کو کور کمانڈر کانفرنس جنزل راحیل شریف نے طلب کی ہے یہ کانفرنس انتہائی اہم ثابت ہوگی ، ملک میں جمہوریت اور فوج کی بقاء کے لیے ،دیکھتے، -ہیں کل کیا ہوتا ہے ملک میں

قائد لاک اپ میں اور کارکن سڑکوں پر

الطاف حسین بالاآخر گرفتار ہو گئے۔ متحدہ اور الطاف حسین کے لیے یہ واقعہ بھی تاریخی ہے۔ الطاف حسین کو برطانیہ حکومت نے شہرت دی وہ ایک تاریخی عمل تھا اس تاریخی واقعہ پر انھوں نے برطانیہ کا پاسپورٹ ہاتھ میں پکڑ کر تصاویر دکھائی اور مسرت کا اظہار کیا۔ تاہم جو کچھ الطاف حسین اور متحدہ کے حق میں نہیں ہوا وہ سازش اور جو ان کے حق میں ہوا وہ تاریخی کہلایا۔ تاہم عام تاثر یہ ہی رہا کہ سب کچھ سازشوں کے تحت ہی ہوا۔ سب ہی کو معلوم ہے کہ " الطاف حسین اور سازش" یہ دو الفاظ اگرچہ بہت جدا ہیں ان میں کوئی مماثلت بھی نہیں ہے تاہم ایسا لگتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ الطاف حسین اور متحدہ کے خلاف جتنی سازشیں ہوئی یا بیان کی گئی ہے اس کی کوئی اور مثال سیاسی دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

خیر ابھی ذکر ہے الطاف حسین کی گرفتاری کا، جو متحدہ اور اس کے کارکنوں کے مطابق تازہ " سازش" ہے۔ تاہم کراچی سمیت ملک بھر کی اکثریت ماسوائے متحدہ کے کارکنوں کے اسے سازش ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ کارروائی برطانیہ میں ہوئی ہے اور برطانیہ ایسا ملک نہیں ہے جہاں

بغیر ثبوت کے کسی شخص کو گرفتار نہیں کیا جاتا جبکہ پوچھ گچھ کے لیے.برصغیر پاک و ہند کا طریقہ نہیں اپنایا جاتا بلکہ الزام ثابت ہونے تک کسی بھی ملزم پر کسی بھی قسم کا جسمانی تشدد نہیں جاتا۔اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ سازش ہے تو.برطانیہ حکومت اور.برطانیہ پر سنگین الزام ہے تاہم الطاف حسین.برطانیہ کی شہریت حاصل کرنے والی واحد شخصیت ہونگے جن کے خلاف سازش کی گئی ہے۔ لیکن یہ سازش اس لیے مشکوک ہوجاتی ہے کہ الطاف حسین اپنے خلاف اپنی سیاسی پیدائش کے ساتھ ہی سازشوں کا واویلہ مچاتے رہے رہے وہ اس حالت میں پاکستان سے لندن چلے گئے، 90 سے لندن بنگلے تک کامیابی سے پہنچ گئے، اس دوران ان کا وزن 80 کلو سے.بڑھ کرایک سو چالیس کلو ہوگیا ۔مگر سازشیں ہیں کہ ختم ہوکر نہیں دے رہی ۔ تھوڑی سی عقل رکھنے والا یہ سوچ سکتا ہے کہ آخر کہ " اتنی مشکلات میں اتنی آسانیاں کیسے ہوگئی ؟" کوئی جادو ہے ؟

بہرحال متحدہ قومی موومنٹ اور الطاف حسین بلاشبہ اپنی تاریخ کے بدترین دنوں میں داخل ہوچکے ہیں جبکہ سیاسی معاملات بھی متحدہ کے ہمیشہ ہی متنازعہ رہے ہیں، پیپلز پارٹی اور مسلم کی حکومتوں کے ادوار میں متحدہ حکومت میں رہتے ہوئے حکومتی پالیسیوں کی مخالفت کرتی رہی ۔ متحدہ دنیا کی وہ واحد سیاسی پارٹی ہوگی جس کے نظریات واضح نہیں ہے۔ یہ جہاں حکومت کے خلاف شکایت رکھتے ہوئے حکومت میں رہتی ہے تو وہیں پر حال ہی میں سندھ کی پیپلزپارٹی

کی حکومت سے ماوورائے عدالت کارکنوں کے قتل پر احتجاج بھی کرتی رہی لیکن ان ہی شکایتوں کے درمیان حکومت میں شامل ہو گئی۔ شائد متحدہ کا یہ بھی احتجاج کا کوئی طریقہ تھا؟ متحدہ یہ تو دعویٰ کرتی ہے کہ اس کے کروڑوں حامی ہیں لیکن اس نے کبھی بھی شفاف الیکشن کا عملاََ مظاہرہ نہیں کیا۔اس کے انتخابی کردار پر ہمیشہ ہی انگلیاں اٹھائی گئیں۔ کراچی، حیدرآباد، اور میرپور خاص کے جتنے لوگ متحدہ کے حامی ہیں اس سے کہیں زیادہ اس کے مخالف بھی ہیں۔ متحدہ ضرورت کے تحت مہاجر نعرہ لگاتی ہے لیکن دباؤ میں آکر مہاجر لفظ کو بھلاکر ''اردو بولنے والے'' اپنا چکی تھی۔اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ متحدہ کے سب سے زیادہ مخالف مہاجر ہی ہیں جبکہ اسکی سیاست سے سب سے زیادہ مہاجر ہی متاثر ہوئے ہیں۔ متحدہ مہاجروں کے تحفظ کے لیے بنی تھی لیکن ان ہی کو متاثر اور غیر محفوظ کردیا۔تاہم مہاجر اپنے آپ کو کراچی کے غیر مہاجر یا مکس آبادی والے علاقوں کو زیادہ محفوظ اور پرسکون سمجھتے ہیں۔ متحدہ کے اپنے خاص لوگ خود ڈیفینس، کلفٹن، ملیر کینٹ اور اسکیم 33 کے علاقوں کو رہائش اور دفاتر کے لیے ترجیح دیتے ہیں۔

متحدہ کے کارکنوں کی لوگ مخالفت کریں یا نہ کریں لیکن ان سے محبت نہیں کرتے۔اسے اتفاق کہیں یا اللہ کا نظام، الطاف حسین نے گزشتہ انتخابات کے بعد 17 مئی کو اپنے خطاب میں رابطہ کمیٹی کے اراکین پر برہمی کا اظہار کیا اور

ان کی کراچی کمیٹی سے پٹائی کروائی ساتھ ہی اعلان کیا کہ اب پوری تنظیم کا سخت احتساب ہوگا، انہوں نے رابطہ کمیٹی کو تحلیل کیا اور از سر کمیٹی بنائی ہے۔ اس واقعہ کے بعد کئی معزز رہنماء ناراض ہوئے اور گھروں کو چلے گئے، دوسرے ہی دن الطاف حسین نے دوبارہ خطاب کرتے ہوئے کراچی کمیٹی کو ختم کردیا اس کمیٹی کے سرکردہ حماد صدیقی اور دیگر اپنی معطلی یا برطرفی کے بعد ملک چھوڑ کر اطمینان سے دبئی منتقل ہوگئے ۔ اسی تاریخی خطاب میں الطاف حسین نے کراچی میں اپنے کارکنوں پر اربوں روپے مالیت کے پلاٹوں کی '' چائنا کٹنگ '' میں ملوث ہونے کا واضح الزام عائد کیا تھا۔ کسی کو کس حدتک بھی برا لگے مگر مجھے یہ سچ کہنے میں کوئی ڈر نہیں کہ متحدہ کے قائد شائد اس لحاظ سے بھی منفرد شخصیت ہے کہ جو اپنی ہی تحریک اور کارکنوں کو اپنی ہی زبان سے بدنام کرتے رہے باآواز بلند ان کی تذلیل کرتے رہے جس کے نتیجے لوگ ان سے دور ہوتے رہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ الطاف حسین کے پرانے اور قریبی ساتھیوں میں سے بہت سارے دنیا میں نہیں ہیں یا پھر ان سے بہت دور، جو ان کے قریب ہیں وہ بھی شائد دلی طور پر ان سے دور ہیں۔

مجھے وہ تقریر آج بھی یاد ہے جس میں الطاف حسین نے بڑے جلسے میں عامر خان اور آفاق احمد کی تعریف کرتے ہوئے انہیں اپنا '' بایاں اور دایاں بازو قرار دیا تھا'' اور پھر وہ دن بھی یاد ہے جب ان دونوں کو '' جو قائد کا غدار ہے

وہ موت کا حق دار ہے" کے نعرے کے تحت تحریک سے علیحدہ کرکے دنیا سے دور کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ان کو ان کے علاقوں سے در بدر کردیا گیا اور پھر بعد میں عامر خان کو دوبارہ گلے لگالیا گیا۔ اس دوران جو سینکڑوں نوجوان " قائد کا غدار ہے موت کا حق دار ہے" کے نعرے کے تحت اپنی جانوں سے چلے گئے۔۔۔۔کیا ان کا حساب کوئی دے گا؟ کیا اللہ ان لوگوں کے قاتلوں کو معاف کردے گا؟

میں ذکر کررہا تھا الطاف حسین کی گزشتہ الیکشن کے بعد کی تقریر یا تقاریر کا جس نے بہت سے رہنماؤں کو ان دور کیا ان رہنماؤں کو صرف یہ شکایت ہے کہ انہیں عام کارکن کے سامنے بھی "برا بھلا یہاں تک کے مغلظات بھی بکیں جاتی ہیں"۔

اسی وجہ سے انیس قائم خانی، مصطفیٰ کمال اور بہت سے کارکنوں متحدہ سے دور ہوگئے۔ بعد ازاں سلیم شہزاد نے بھی تحریک کو خیر باد کہہ دیا۔

الطاف حسین آج برطانیہ پولیس کی لاک اپ میں ہیں تو حیرت کی بات نہیں وہ 1988 میں بھی حیدرآباد پکا قلعہ کے تاریخی جلسے کے بعد گرفتار ہو کر کراچی کے سی آئی اے پھر ڈاکس پولیس اسٹیشن کی لاک اپ میں دن گزار چکے ہیں۔ اس وقت

بھی ایم کیو ایم نے پریس ریلیز کے ذریعے یہ ہی مؤقف اختیار کیا تھا کہ اس کے قائد اور اس کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔

متحدہ اور الطاف حسین کی طاقت کے اظہار اور جھوٹ کو سچ ظاہر کرنے کی پالیسی نے اسے شہرت تو بہت دی اور مگر وہ اس طرح مقبول نہ ہو سکی جس طرح کے وہ دعوے کرتی رہی اور کرتی ہے۔اس پالیسی نے متحدہ کو نقصان بھی پہنچایا مگر پھر بھی یہ سلسلہ جاری رہا، حد تو یہ کہ جب الطاف حسین کو لندن پولیس گرفتار کرکے لے جاچکی تھی تب بھی متحدہ کے طویل عرصے تک خاموش رہنے والے ندیم نصرت ٹیلی فون پر آئے اور انہوں نے یہ ہی کہا کہ الطاف حسین گھر پر ہی ہیں انہیں گرفتار نہیں کیا گیا پولیس ان سے بات چیت کر رہی ہے۔

الطاف حسین کارکنوں کو اپنی جس تربیت کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے رہنما اور کارکن الطاف حسین کی تربیت کا حوالہ دیئے بغیر کوئی بات مکمل نہیں کرتے ،کیا ان کی یہ ہی تربیت ہے کہ " جھوٹ اتنا بولو کہ سچ لگے " ؟

مصطفیٰ عزیزآبادی جو الطاف حسین کے قریبی ساتھی ہیں اور زیادہ قریب رہتے تھے الطاف کی گرفتاری سے قبل تک) جھوٹ بولنے کے ایسے ماہر ہیں کہ جب لندن پولیس) نے الطاف کے گھر پر دسمبر 2012 میں پہلا چھاپہ مارا تو انہوں نے

بی بی سی ریڈیو سے بات کرتے ہوئے اس چھاپے سے مکمل انکار کردیا اور اپنے جواب میں وزن پیدا کرنے کے لیے یہ بھی کہہ دیا کہ " اخبار والے ناجانے کہاں سے یہ الٹی سیدھی خبریں لاکر چلادیتے ہیں "۔ مصطفیٰ بہت معصوم ہیں مجھے اس شخص سے بہت محبت ہے کیونکہ میں ان کے والدین سے بہت محبت کرتا ہوں اور ان کی عزت کرتا ہوں ، مجھے مصطفیٰ کے سب سے بڑے بھائی بھی بہت عزیز ہیں ۔ مصطفیٰ ،ان کے والدین اور چار بھائیوں کا تعلق کبھی بھی عزیزآباد سے نہیں رہا بلکہ وہ آج بھی لانڈھی میں اپنے گز کے گھر میں ہی رہتے ہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ مصطفیٰ کے والدین اور بڑے بھائی تو80 کبھی عزیزآباد گئے بھی نہیں ہونگے ۔ لیکن مصطفیٰ کو الطاف حسین کی وجہ سے عزیزآباد سے ایسی محبت ہوئی کہ انہوں نے اپنا نام مصطفیٰ علی سے مصطفیٰ عزیزآبادی کرلیا۔

بات ہورہی ہے کہ اب کیا ہوگا ،؟ کیا الطاف حسین جیل سے متحدہ کی قیادت کریں گے ؟ آج متحدہ بند گلی میں پہنچ چکی ہے تو اس لیے نہیں کہ الطاف حسین گرفتار ہوگئے بلکہ اس لیے کہ متحدہ کے قائد نے اسے اپنی ذات سے آگے بڑھنے نہیں دیا نتیجہ میں " جو قائد کا غدار ہے موت کا حقدار ہے " اور " منزل نہیں قائد چاہیے " کے مکروہ نعرے تخلیق کیے گئے اور آج تک الطاف حسین نے اپنا نائب بھی کسی نامزد نہیں کیا۔۔ آج قائد " لاک اپ میں اور کارکن سڑکوں پر ہیں " ۔ کیا اسی بات کے لیے 32 سال سے جدوجہد کی جارہی تھی ؟ ؟

الطاف حسین اور متحدہ کے بارے میں ہمارے دانشور اور بڑے بڑے صحافی بہت محتاط تجزیے کرتے ہیں اور لوگوں کو اس معاملے میں سچ اور حق بتانے سے گریز کرتے ہیں ، اس کی وجہ ،کے بارے میں صحافی اور دانشور نجم سیٹھی کہتے ہیں کہ " ہاں میں ڈرتا ہوں کیونکہ مجھے بھی جینا ہے " ۔

سوال یہ ہے کہ جب ہر کوئی ہر سطح پر متحدہ سے ڈر رہا ہے تو اس کیا وجہ ہے ؟ پھر کس طرح متحدہ اپنے آپ کو عام سیاسی جماعت اور عام لوگوں کی تحریک کہہ سکتی ہے ؟ کیا لوگ ہر سیاسی جماعت سے اسی طرح ڈرتے ہیں ؟ کیا حساس اداروں کے افراد بھی ہر سیاسی جماعت سے خوفزدہ ہیں ؟ کیا ہر سیاسی جماعت ملوں اور فیکٹریوں اور کوچنگ سینٹرز سے پوری پوری شفٹ جلسوں میں لا سکتی ہے ؟

صحافی ولی بابر کیس میں جن لوگوں کو سزائیں ہوئی وہ کون ہیں اور متحدہ کے کارکن صولت مرزا جیل میں پھانسی کی سزا کا انتظار کرتے ہوئے اس سے بچنے کی دعائیں کر رہے ہیں تو کس کی وجہ سے ؟

کڑوا سچ یہ ہے کہ الطاف حسین اور ان کی سیاست نے دانستہ یا نادانستہ مہاجر قوم کی دیانت ، ثقافت ، شرافت ، علمیت اور اخلاقیات کو بری طرح متاثر کیا

ہے۔۔۔۔ہاں میں یہ مانتا ہوں کہ الطاف حسین نے اردو بولنے والوں کو " مہاجر " شناخت دی ہے ورنہ پاکستان میں پنجابی ،پٹھان ، بلوچ ، سندھی ہزاروی ، سرائیکی کے ساتھ ایک اردو بولنے والے تھے ۔ لیکن شکریہ الطاف بھائی اب ہم اردو بولنے والے نہیں بلکہ " مہاجر " ہیں ۔ تمام دیگر قومیتوں کا بھی شکریہ کہ سب نے انہیں مہاجر تسلیم کرلیا، سب نے ہمیں مہاجر تسلیم کرلیا۔

الطاف حسین کو یہ ثابت کرنا چاہیے تھا کہ وہ قوم ، اپنے مشن ، اپنے جملوں اور تحریک سے مخلص ہیں لیکن ہر کڑے وقت میں انہوں نے صرف اپنے آپ کو بچایا اور خوفزدہ لوگ ان کی ہاں ہاں ملاتے رہے ۔انہوں برٹش پاسپورٹ ملنے کے بعد پاسپورٹ دکھاتے ہوئے جو وکٹری کا نشان بناکر تصاویر کھنچوائی تھی وہ آج کو ایک نئی تصویر بن چکی ہے ۔ الطاف حسین کا جھوٹ آج ان کے سرپر آچکا ہے ، الطاف ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ " مجھ پر یہ الزام لگایا جاتا رہا کہ میں نے اپنی جائداد بنالی جبکہ میری کوئی جائیداد نہیں ہے کوئی گھر نہیں ہے ماسوائے عزیزآباد کے ایک سو بیس گز گھر کے ، جبکہ ان کی گرفتاری لندن کے جس بنگلے سے ہوئی وہ ان کے الفاظ کی نفی کرتا ہے ۔ یہ سچ ہے کہ سیاست میں سچ اور جھوٹ ، ایمانداری اور بے ایمانی کی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ سیاست کی اپنی زبان ہوتی اوراس کا اپنا طور طریقہ ہوتا ہے ۔مگر یہ بھی تو حقیقت ہے کہ

متحدہ نے جس زبان، جس طریقہ کار کو استعمال کیا دنیا بھر کی سیاست میں اس کی مثال نہیں ملتی بلکہ یہ بھی ایک ''تاریخی مثال'' ہے۔

الطاف حسین عمر کے جس حصے میں داخل ہو چکے ہیں وہاں اب صرف عمر کی اہمیت ہے شائد یہ ہی وجہ ہے کہ اسکاٹ لینڈ یارڈ نے ان کی گرفتاری کی اطلاع ''ایک ساٹھ سالہ شخص کے عنوان سے دی ہے اس نے یہ نہیں کہا کہ متحدہ کے قائد یا کروڑوں لوگوں'' کے قائد کو ہم نے گرفتار کرلیا ہے۔ الطاف حسین کی گرفتاری پر ان کے کارکن یا چاہنے والے اسی رد عمل کا اظہار کر رہے ہیں جس کا درس الطاف حسین دیتے رہے لیکن کیا اس احتجاج سے الطاف حسین قانونی کارروائی سے بچ سکیں گے؟ ایسا لگتا نہیں ہے کیونکہ برطانیہ نے کراچی میں موجود اپنا ہائی کمیشن بند کر دیا ہے اور برطانوی حکومت نے اپنے شہریوں کو مشورہ دیا ہے کہ کراچی کا دورہ کرنے سے گریز کریں۔ برطانیہ کے ان اقدامات سے لگتا ہے کہ آنے والے دنوں میں الطاف حسین کے خلاف کارروائی مزید آگے بڑھے گی اور اس کا اختتام حتمی قانونی نتیجہ کے مطابق ہی ہوگا۔

الطاف حسین کی گرفتاری کے حوالے سے عام مہاجروں میں سوال اٹھ رہا ہے جبکہ غیر مہاجر بھی طنزیہ انداز میں یہ سوال پوچھ رہے ہیں کہ ''مہاجر سیاست اب کا کیا ہوگا؟'' اس کے جواب میں صرف یہ ہی کہہ سکتا ہوں کہ سیاست یا

تحریکیں شخصیتوں کی نہیں ہوتی قوم کی ہوتی ہیں جب تک دیگر پاکستانی زبانوں کے حوالے سے دیگر لوگ سیاست کرتے رہیں گے اس وقت تک مہاجر سیاست بھی رہے گی اور مہاجر ثقافت کا بھی پرچار ہوگا۔ اگر کسی کی یہ خواہش ہے کہ مہاجر سیاست ختم ہوجانی چاہیے تو ان لوگوں کو بھی دیگر زبانوں کی سیاست اور زبانوں کا فروغ بند کرنا ہوگا۔ تعصب سے گریز کرنے کا درس دینے والوں کو بھی دیگر زبانوں کے لوگوں کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے جبکہ حکومت کو کراچی اور ان شہروں اور لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے ہنگامی بنیادوں پر اقدامات کرنا ہونگے جہاں مہاجروں کی اکثریت آباد ہے۔ جبکہ امن و امان، روزگار، سستی تعلیم و رہائشی اسکیمیں کراچی کا ڈومیسائل رکھنے والوں اور حقیقی کراچی والوں کے کے لیے فوری متعارف کرنی چاہیے، تعمیراتی منصوبوں کو فوری مکمل کرانا چاہیے۔

جمہوریت غروب ہونے کو ہے

قوم کو مبارک ہو کہ ” جمہوریت کے خلاف جمہوری حکومت نے کارروائی شروع کردی“ ۔ لاہور میں پیر اور منگل کو جو کچھ بھی ہوا اسے جمہوری حکومت کے خاتمے بلکہ ملک کو آمریت کے حوالے کرنے کی کوشش یا سازش کی شروعات کہا جاسکتا ہے۔ ویسے تو میاں نواز شریف کی حکومت سے فوج ابتدائی دنوں ہی سے خوش نہیں تھی جبکہ عوام گزشتہ سات سال سے ہی جمہوریت کے نام پر بے وقوف بنانے والے حکمرانوں اور سیاست دانوں سے تنگ ہے۔ میں مسلسل یہ بات کہہ رہا ہوں کہ ہمارے سیاست دان آئیڈیل جمہوری حکومت چلانے کے لائق ہی نہیں ہیں جبکہ قوم بھی چونکہ اپنی ڈگر سے چلنے سے باز نہیں آرہی تو پھر ایسے ہی ” حکمراں “ ہم پر مسلط ہوتے رہیں گے (یہ بات اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے اس سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا) ۔

لاہور میں عوامی تحریک نے 23 جون کو احتجاج کا اعلان کیا ہوا ہے یہ احتجاج جمہوری نظام اور موجودہ حکومت کی پالیسیوں کے خلاف ہونا ہے تاہم حکومت نے تو اس احتجاج کو وقت سے پہلے ہی کامیاب قرار دیدیا۔ اس احتجاج کی آواز کے ساتھ ہی لگ رہا تھا کہ کسی طرف سے طاہر القادری کو پھر سگنل مل گیا ہے،

ایسی صورت میں حکومت اور حکمرانوں کو پھونک ، پھونک کر قدم بڑھانا چاہیے تھا اور اپنے مخالفین کم کرنے اور حمایتیوں کی تعداد بڑھانے پر توجہ دینی چاہیے تھی لیکن لاہور میں پیر اور منگل کو جو کچھ پنجاب حکومت نے کیا اس سے صورتحال یکسر تبدیل ہو گئ ، لاہور میں پنجاب پولیس کی کارروائی کے دوران سات افراد ضاں بحق اور سینکڑوں زخمی ہونے کی اطلاعات ہیں۔

اب اس واقعہ سے جمہوریت کے دعویدار بھی جمہوری حکومت کے مخالف ہو گئے بلکہ حکومت مخالف ، عمران خان اور طاہر القادری کی تحاریک کو فیول مل گیا۔ مسلم لیگ ق کے چوہدری شجاعت لاہور کے واقعات پر کہتے ہیں کہ " جو کچھ لاہور میں ہوا وہ آمریت سے بھی بدتر ہوا اور موجودہ حکمراں آمریت سے آگے بڑھ گئے ہیں " ایم کیو ایم کے ڈاکٹر خالد مقبول کہتے ہیں کہ " اس واقعہ کے بعد اگر پنجاب کی حکومت جاتی بھی ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں " ۔

شیخ رشید کہتے ہیں کہ یہ عوام کی دشمن موجودہ حکومت ہے۔ ڈاکٹر فاروق ستار کا کہنا ہے " کہ یہ ثابت ہوگیا کہ جمہوریت کے اصل دشمن حکمراں ہیں ؟

ان بیانات سے قوم اب نوشتہ دیوار پڑھ سکتی ہے۔۔۔۔۔۔۔

حکمرانوں کی بے وقوفی کا اندازہ تو لگالیں کہ حکومت فوج کی شہروں میں پیش

قدمی کو بھی نہیں سمجھ سکی یا پھر سمجھ کر لاہور میں وہ کچھ کر دیا کہ " ہم نہیں کھیلیں گے تو کسی اور کو کھیلنے بھی نہیں دینگے " ۔ اگر یہ بات بھی ہے تو کم بے وقوفی نہیں ہے ۔ طالبان کے خلاف کارروائی جسے آپریشن " ضرب عضب " کا نام دیا گیا ہے کے رد عمل کو روکنے کے لیے حکومت نے فوج کو شہروں کی طرف پیش قدمی کرنے کی اجازت دیدی ۔ یہ اجازت دینا ہی جمہوری حکومت کی دہشت گردی کے خلاف مکمل ناکامی کا اعتراف تھا اور جب جمہوری حکومتیں اہم معاملات پر ناکام ہو جائیں تو فوج کو کنٹرول سنبھالنا پڑتا ہے ۔ گو کہ فوج اقتدار سنبھالنے کی تیاری کھل کھلا کر چکی تھی ، آمریت پسند جماعتیں فوج کے ارادوں کو جان گئی تھی جس کی وجہ سے ان کے بیانات واضح طور پر فوج کی حمایت میں آئے اور آ رہے ہیں ۔ اب وہ صورتحال پیدا ہو چکی ہے کہ فوج کو اقتدار سنبھالنے کی دعوت دی جا رہی ہے اور فوج کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ اقتدار سنبھالے ۔

چونکہ سابق آرمی چیف اور سابق صدر پرویز مشرف کو حکومت عسکری قیادت کی رضامندی کے بغیر ملک سے باہر جانے سے مسلسل روک رہی ہے اور فوج کے وقار کو چیلنج کر رہی جس سے عسکری حلقوں میں حکومت کے خلاف غصہ بڑھنا فطری بات ہے ۔ جو کچھ اب ہونے جا رہا ہے وہ صرف وہ ہی جو جو میں نے اپنے مختلف کالموں اور

تحریروں میں واضح کرتا رہا ہوں کہ " جمہوریت غروب ہونے کو ہے۔

تازہ اطلاعات کے مطابق آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے بیرون ملک کا دورہ ملتوی کردیا تازہ حالات میں یہ آرمی چیف کا یہ فیصلہ انتہائی اہم ہے۔

متحدہ نے لاہور کے واقعہ پر یوم سوگ کا اعلان کردیا خالد مقبول صدیقی نے کہا کہ لاہور میں جو کچھ ہوا اس پر ملک بھر میں پر امن یوم سوگ منایا جائے گا انھوں نے کہا کہ میں تمام لوگوں سے بدھ کو ہر طرح کا کاروبار بند رکھنے کی اپیل کرتا ہوں، تاہم انھوں نے کہا کہ صرف فائیر برگیڈ کی گاڑیوں اور ایمبولنس کو چلنے دیا جائے۔۔۔۔۔ کراچی تو پیر کو ہی بند ہونا شروع ہوگیا شائد لاہور میں جاں بحق ہونے والوں کا لاہور کے لوگوں اور عوامی تحریک کے کارکنوں سے زیادہ دکھ ہے؟

طاہر القادری کا ڈرامہ اور آمریت کا انتظار

پاکستان میں ماحول تبدیل ہو رہا ہے ، کل تک جمہوریت کے استحکام کی بات کی جارہی تھی اور آج پاک فوج زندہ باد کے نعروں کی بازگشت واضح ہے ۔ جمہوریت سے متاثر مسلم لیگ ق ، عوامی تحریک کی گاڑی میں سوار ہو چکے ہیں ، ان کو توقع ہے کہ حالات بدلے تو 2001 کے پرویز مشرف کے دور کی طرف بھی جا سکتے ہیں ، خوش فہمی تو پرویز مشرف اور ان کے حامیوں کو بھی ہے کہ " الٹی گنتی " بھی شروع ہو سکتی ہے ۔ مسلم لیگ قائد اعظم اور قائد کی پارٹی متحدہ موجودہ صورتحال سے بہت مطمئین نظر آتی ہے ، اطمینان تو حکومت مخالف جماعتوں کو بھی ہے اور وہ دبے الفاظ یہ کہتے سنائی دے رہے ہیں کہ " حکومت کے دن ختم ہو رہے ہیں " ۔

23 جون کو عوامی تحریک کے قائد علامہ طاہر القادری پاکستان واپس پہنچے لیکن اپنے دعوؤں ، باتوں اور اعلانات کے برعکس خاموشی سے اسلام آباد کے بجائے لاہور اپنی رہائش گاہ پہنچ گئے ۔ جس کے نتیجے میں ان کے استقبال کے لیے اسلام آباد پہنچ جانے والے ان کے ہزاروں کارکنوں کو مایوسی ہونا فطری بات ہے جبکہ دوسری طرف طاہر القادری کے " انقلاب " کی امید لگائے بیٹھے ہزاروں افراد بھی " ٹھنڈے " ہو گئے ۔

شدید مایوس تو وہ لوگ ہوئے ہیں جو طاہر القادری کی آمد پر ملک میں '' تبدیلی کے خواب'' دیکھ رہے تھے اور یقیناً وہ بھی بور ہوئے ہونگے جنہوں نے طاہر القادری کی کسی نہ کسی طرح پشت پناہی کی تھی۔

یہ دوسرا موقع ہے کہ عوامی تحریک اور طاہر القادری اپنے شو اور طاقت کے اظہار کے '' مقاصد'' پورے نہیں کر سکے۔ مقاصد کیا تھے یہ بھی واضح نہیں کر سکے بالکل اسی طرح جیسے گزشتہ سال مارچ میں لانگ مارچ کے نام سے کیے جانے والے احتجاج میں ہوا تھا

۔

وہ احتجاج ملک میں جمہوریت کے تسلسل کو روکنے کے لیے کیا گیا تھا۔ (یعنی طاہر القادری اینڈ کمپنی کی کوشش تھی کہ کسی طرح انتخابات التواء میں پڑ جائیں) سب کو یاد ہوگا کہ اس احتجاج کا مقصد صرف اور صرف انتخابات کو روکنا تھا، مولانا اور ڈاکٹر طاہر کسی بھی وجہ سے یہ چاہ رہے تھے کہ انتخابات موجودہ نظام کے تحت نا ہوا، اس بات کا کھلا اظہار وہ اپنی تقاریر میں بھی کر چکے تھے۔

مولانا جمہوریت کے دشمن کیوں ہیں، دشمن نہیں تو اس کے مزاحمت کار کیوں ہیں ؟؟ اس کا جواب وہ ہی دے سکتے ہیں۔

اب چونکہ جمہوری حکومت وہ بھی میاں نواز شریف کی جمہوری حکومت کے حوالے سے عسکری حلقے ناراض محسوس ہونے لگے تھے، طاہر القادری نے موقع غنیمت جان کر دوسرا حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن میاں نواز شریف اور شہباز شریف کی بے تحاشہ غلطیوں کے باوجود عوامی تحریک کے سپہ سالار ڈاکٹر طاہر القادری اپنے ارادوں اور اعلانات کے مطابق اسلام آباد پر چھڑہائی نہیں کرسکے اور انہیں لاہور ان کے گھر پہنچادیا گیا۔سب نے دیکھا کہ وہ چیختے چلاتے، اسپتال کے چکر لگاتے اپنے گھر پہنچ گئے۔

ایسا لگتا ہے کہ طاہر القادری اپنے احتجاجی پروگرام کے ساتھ ''آپشن نمبر دو'' بھی پہلے ہی تیار کرلیتے ہیں جس کے باعث اس پر عمل درآمد کرنے کے لیے لیے دن نہیں بلکہ گھنٹوں میں فیصلہ کرتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ اس بار لاہور میں امارات ایئرلائن کی پرواز میں انہوں نے کرکے دکھادیا۔

بہرحال آنے والے دنوں میں ڈاکٹر طاہر اور کیا کچھ کرسکیں گے یہ کہنا قبل از وقت ہوگا ۔تاہم یہ سوال ضرور ابھرتا ہے کہ ''کیا یہ سب کچھ عوامی تحریک اور ڈاکٹر طاہر القادری کی خواہش اور منصوبے کے تحت ہوا ہے یا اس کے پیچھے ملکی یا غیر ملکی قوتیں شامل ہوتی ہیں؟'' اگر پہلی والی بات درست ہے تو پھر خیر ہے لیکن اگر دوسری بات ہے تو پھر ان کے لیے انتہائی شرم کی اور

'' ہمارے لیے خوش قسمتی کا باعث ہے

وطن عزیز میں جمہوریت کو سنبھالا دینے والے جمہوریت کے چمپیئن چونکہ خود جمہوریت ، جمہور اور ملک سے زیرو فیصد بھی مخلص نظر نہیں آتے اس وجہ سے آمریت کو سہارا دینے والے سیاسی فنکار ہوا کا رخ دیکھ کر کروٹ بدلنے بلکہ اپنا قبلہ تبدیل کرنے میں دیر نہیں لگاتے ۔ جیسے کہ قوم اب بھی نوٹ کر رہی ہے بلکہ بغور دیکھ رہی ہے ۔

جب جمہوری ملک میں جمہوریت کا دعویٰ کرنے والے ہی عوام اور ملک سے مخلص نہیں ہونگے تو پھر کون مخلص ہوگا ؟ ایسے میں قوم فوج کی طرف دیکھتی ہے تو کچھ غلط بھی نہیں ہے ۔ کسی بھی ملک کی عوام صرف روزگار ، رہائش ، امن و امان یا جان و مال کا تحفظ اور تفریحی سہولیات کی طالب ہوتی ہے ۔ لیکن اگر یہ سب فراہم کرنے کے نام پر اقتدار میں آ کر لوٹ مار کریں اور عوام کو اپنی سوچوں اور عملی کارروائیوں سے دور کردیں تو لوگ فکرمند ہوتے ہیں ان میں سیاست دانوں کے خلاف نفرت پیدا ہونا فطری ہو جاتا ہے جیسے ہمارے ملک میں ہو رہا ہے ۔

اس کے ساتھ اقتدار سے چمٹے رہنے کے خواہشمند اپنی ترجیحات تبدیل کرتے رہیں

تو ملک میں مایوسی پھیلنے لگتی ہے، حد تو جب ہوتی ہے جب "مایوسی کفر ہے" کا درس دینے والے مایوس ہو کر فوج کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔

پاکستان میں فوج پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ جمہوریت کو چلنے نہیں دیتی اور سیاست دانوں سے زیادہ کرپٹ ہے لیکن اگر ہم جمہوری ادوار اور سیاست دانوں کے صرف سوئس بنکوں میں موجود اثاثوں کا جائزہ لیں تو صورتحال برعکس نظر آتی ہے۔ جبکہ آمریت کے ادوار کو دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ ملک، ملک کے آبادیاں ترقی کرتی رہیں، سہولیات کے جال بچھائے جاتے رہے اور لوگوں کی خوشحالی تاریخی اور مثالی رہی۔ مجھے تو صدر ایوب خان کا وہ دورج دیکھنے کی امنگ ہے جب، کراچی کی ترقی کا آغاز ہوا، انڈیا سے آنے والے مہاجروں کو لانڈھی، کورنگی، ملیر، نئی کراچی، نمائش اور دیگر علاقوں میں ٹوکن منی پر رہائشی مکانات فراہم کیے گئے۔ کیا دوبارہ وہ دور نہیں آسکتا؟؟؟

رمضان اور پاکستان

رمضان المبارک کی آمد ہے ہو سکتا ہے کہ کل یعنی اتوار کو پہلا روزہ ہو جائے۔ رمضان کی آمد کے ساتھ ہی اللہ کے فضائل اور برکات کی بارش تو یقینی ہوتی ہے مگر ہمارے ملک میں اس مقدس مہینہ میں ایسا کچھ ہوتا ہے کہ گمان ہوتا ہے کہ '' شیطان قید نہیں ہوا بلکہ آزاد ہو گیا '' گلی کوچوں میں ، بسوں ، ٹرینوں میں ہر جگہ ہی شیطان نہیں شیاطین کا راج نظر آتا ہے مساجد سے باہر نکلتے ہی فروٹ کے ٹھیلے والوں کی باتوں ، اور ان سے بھاؤ تاؤ کرنے والوں میں بھی اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جن کے اندر سے شیطان جھانکتے ہوئے یا شیطانوں کی جھلک نظر آنے آتی ہے۔

لیکن اس بات سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ان سب برائیوں کے باوجود اس ماہ مبارک میں ہم سب پر اسلامی تعلیمات اور اس پر عمل درآمد کا واضح غلبہ رہتا ہے۔

غلطیوں اور نادانستہ یا دانستہ گناہ سرزد ہو جانے پر فوری استغفار اور توبہ کرنے کا عمل بھی جاری رہتا ہے (اللہ ہماری توبہ کو قبول کرے اور ہمیں معاف کرے آمین)۔

مجھے یقین ہے کہ ملک کے دیگر شہروں میں بھی رمضان اسی طرح اپنی بھرپور کرامتوں کے ساتھ گزرتا ہوگا چونکہ مجھے کبھی اتفاق نہیں ہوا کہ رمضان المبارک کراچی کے علاوہ کسی اور شہر میں گزار سکوں۔ کراچی

میں رمضان کے فضائل کی رونقیں اور برکات تو ہر علاقے میں نظر آتی ہیں۔ شہر کی شائد ہی کوئی ایسی شاہراہ یا بازار ہو جہاں راہ گیروں اور مسافروں کے لیے افطاری کا اہتمام نہ کیا جاتا ہو مساجد میں ہونے والا انتظام اپنی جگہ روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔ کراچی میں امن وامان کی خراب صورتحال کے باوجود رمضان کی رونقیں اب بھی مثالی ہی ہیں الحمداللہ۔

اس خوشگوار صورتحال کے باوجود روز بروز مہنگائی اور بیروزگاری کے باعث سفید پوش افراد روز وشب مشکلات اور تکالیف میں گزار رہے ہیں۔ تاہم لوگوں کی دریادلی کے باعث سب رمضان اور عیدالفطر اچھی گزار لیتے ہیں۔ تاہم اکثر محلوں اور علاقوں میں ایسے گھرانے موجود ہوتے ہیں جو '' پریشانی اور مشکلات '' کے باوجود اپنی سفید پوشی قائم رکھنے کے لیے کچھ کہنے کی ہمت بھی نہیں رکھتے۔ یقیناً ہم سب کو ایسے افراد کی '' بند مٹھی '' مدد کرنی چاہیئے۔

کورنگی کراچی کا عدیل ایسے ہی افراد میں شامل ہے جو نیک دل لوگوں کی مدد کا طلب گار ہے۔ وہ اپنے قد کاٹھ کی وجہ سے تو پریشان رہتا ہی ہے لیکن اسے ہڈیوں کی بیماریوں نے بھی جکڑ کر رکھ دیا ہے۔ عدیل سے میری ملاقات چھوٹے قد کے لوگوں کے مسائل کے حوالے سے ایک ٹی وی پروگرام کے لیے ہوئی تھی۔ اس وقت میں اے آر وائی ٹی چینل سے بحیثیت سینئیر پروڈیوسر وابستہ تھا۔

عدیل نے آج مجھے فون کیا، میں نے خیریت دریافت کی تو وہ بہت مشکل سے یہ بتا سکا کہ '' انور بھائی پستہ قد، بیروزگاری، رشتے داروں کا نا مناسب رویہ، اور معاشرے کا اپنی دھن میں مگن رہنا، مجھ جیسے لوگوں سے منہ موڑنا میرے مسائل ہیں، ہاں بس جی رہا ہوں میں بھی اور میری پستہ قد بیوی بھی، مجھے نہیں معلوم ہم کیوں جی رہے ہیں '' اللہ نے کیوں زندہ رکھا ہے، بس اللہ کے سہارے جیئے جا رہا ہوں،

عدیل جیسے بہت سارے لوگوں کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں، انہیں تسلی دیتا ہوں، ہمت دلاتا ہوں کہ اللہ کریم ہے، اللہ سے ہمیشہ اچھی توقع رکھو، اللہ بہتر کرے گا۔ الحمد اللہ، میری کوشش شائد بچپن سے ہی ایسی رہی کہ '' مدد طلب کرنے والے کی میں خود مدد کروں جو ممکن ہو، نتیجے میں اللہ کا احسان ہے کہ میں خود بیماری، بیروزگاری اور دیگر مسائل کے باوجود بہت سارے لوگوں کی نسبت اللہ نے مجھے بہت خوش رکھا ہوا ہے۔ آج یتیم ہونے کے باوجود کم از کم '' یتیم '' نہیں کہلا سکتا جس کی وجہ اللہ نے محبت کرنے والے دوست دیئے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ جس طرح تو نے مجھے بہترین اور پیارے دوست دیئے ہیں اسی طرح سب کو ایسے دوست

عطا کرے آمین اور ہم تمام مسلمانوں کو خصوصا دوستوں کو ہمیشہ بہت خوش اور دین پر رکھ، آمین۔

بہر حال میں بات کر رہا تھا عدیل کی اور عدیل جیسے لوگوں کی ہمیں تلاش کرکے مدد کرنی چاہیئے۔ میں اس نیک کام کے واسطے عدیل جیسے دیگر ضرورت مند افراد کے نام ظاہر نہیں کرنا چاہتا، بس میری کوشش ہے کہ میں آپ سب کے تعاون سے ضرورت مندوں کی مدد کرتا رہوں۔ اللہ ہماری نیکیوں کو قبول کرے آمین۔

یہاں میں مخیّر حضرات کے لیے اپنے بنک اکاؤنٹ کی تفصیلات لکھ رہا ہوں تاکہ آپ کی بھیجی ہوئی رقم ضرورت مندوں تک پہنچاسکوں۔ تاہم جو لوگ عدیل سے.براہ راست رابطہ کرکے ان کی مدد کرنا چاہیں وہ.براہ راست عدیل کے فون نمبر 03318936710 پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

Standard Chartered Bank, University Road Branch, Gulshan Iqbal Karachi.

Accound: 01155428501

Swift code: scblpkkxxxx

Branch Code : 024

IABN : pk62scbl000000115542850۔

تمام قارئین سے میری صرف ایک درخواست ہے کہ وہ میرے لیے خصوصی دعائیں کریں، اللہ آپ سب کی سب دعائیں قبول کرے، آمین

بے قابو جمہوریت ، اب قابو میں !

دل چاہ رہا ہے کہ پوری قوم کو مبارکباد دوں کہ ملک میں '' آمریت کم جمہوریت '' دور کا ایک بار پھر آغاز ہوگیا ہے۔ یہ وہی دور تھا جو سابق صدر پرویز مشرف نے تخلیق کیا تھا لیکن خدشہ ہے کہ جمہوری حکومت اور جمہوریت کے وفادار اس کا اعتراف نہیں کریں گے تاہم یہ خبر ان لوگوں کے لیے تو باعث اطمینان ہوگی جو ملک میں سات سالہ مکمل جمہوری دور سے بیزار آچکے ہیں ، خبر یہ کہ ملک میں جاری جمہوریت کو ابتدائی طور پر '' قابو '' میں کرلیا گیا ہے مطلب یہ کہ '' کنٹرول ڈیموکریسی '' شروع ہوچکی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کنٹرول ڈیموکریسی کیسے اور کب شروع ہوئی ؟ اس کے لیے باہر کی کسی قوت کی مداخلت کے شواہد مجھے نظر نہیں آتے بلکہ یہ سب کچھ شریف.برادران اور آصف زرداری کی جمہوری حکومتوں کی نااہلی کی وجہ سے ہوا ہے، جس نے قوم سے صرف ووٹ نہیں بلکہ ان کا سکھ چین بھی لیا اور بدلے میں ان سے صرف وعدے اور دعوے کیئے۔

پیر کو وزیراعظم نواز شریف کی صدارت میں ہونے والے اعلیٰ سطحی اجلاس میں

انہوں نے آئین کے آرٹیکل 245 کے تحت فوج کو کارروائی کا اختیار دینے کا فیصلہ کیا جس کے تحت فوج سول انتظامیہ کی مدد کیلئے کارروائی کرے گی جبکہ سول انتظامیہ کسی بھی صورتحال سے نمٹنے کیلئے فوج کو طلب کر سکے گی۔

ذرائع کا کہنا ہے کہ فوج کو کارروائی کا اختیار شمالی وزیرستان آپریشن کے بعد ممکنہ رد عمل سے نمٹنے کے لئے دیا گیا ہے جبکہ یہ فیصلہ بالخصوص کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں سکیورٹی خدشات کے پیش نظر کیا گیا۔ ذرائع کا مزید کہنا ہے کہ وزیراعظم نے فیصلے سے متعلق احکامات جاری کر دیئے ہیں جس کے بعد کابینہ ڈویژن کی جانب سے جلد ہی اس کا نوٹی فکیشن جاری کر دیا جائے گا۔

ایسا لگتا ہے کہ یہ فیصلہ بھی عسکری قوت کے دباؤ کے نتیجے میں کیا گیا ہے۔ یہ وہ ہی فیصلہ ہے جس کا مطالبہ آصف زرداری کی پانچ سالہ حکومت کے دوران امن و امان کی تباہ حالت سے تنگ کراچی سمیت ملک بھر کے لوگ کرتے رہے تھے۔

اس سے قبل حکومت، طالبان یا عسکریت پسندوں کے خلاف فوجی آپریشن کا فیصلے کر کے اس پر عمل درامد کا آغاز کر چکی ہے یہ فیصلہ بھی جمہوری حکومت کی

خواہشات کے خلاف کیا گیا تھا جس کا اظہار مختلف فورم پر ہو رہا ہے۔ جو حکومت عوام کی ترجیحات کے بجائے اپنی خواہشات کی تکمیل کو ترجیح دینے لگے اس کے اقدامات کا یہ ہی رد عمل نکلتا ہے۔

عام تاثر یہ ہے کہ موجودہ حکومت جمہوریت کے راگ میں ایک طرف عوام کی خواہشات کو اور ان سے کیے گئے وعدوں کو بھول چکی تھی تو دوسری طرف عسکری قیادت کی مختلف اہم معاملات پر خاموشی کو اس کی کمزوری سمجھنے لگی تھی جس کے نتیجے میں شکوے شکایتیں بڑتی گئیں تاہم جب رد عمل شروع ہوا تو حکومت اس قدر کمزور نظر آنے لگی کہ وہ فوج کی مرضی کے بغیر کوئی بھی فیصلے نہیں کر سکتی۔ اہم اجلاس میں عسکری قیادت کی موجودگی اس بات کا واضح ثبوت ہے۔

دوسری طرف تحفظ پاکستان بل قومی اسمبلی کے بعد سینیٹ سے بھی اتفاق رائے سے منظور کیا جاچکا ہے اہم بات یہ کہ اس بل کی اکثر سیاسی جماعتوں نے مخالفت کی تھی لیکن ایوانوں میں یہ دیکھا گیا کہ اس کی مخالفت کسی بھی رکن نے ووٹ کے ذریعے تو کجا زبانی بھی واضح الفاظ میں نہیں کی۔

پیپلزپارٹی کے سینیٹر رضا ربانی نے بل کی مخالفت کے بجائے سینیٹ اجلاس میں وزیر داخلہ چوہدری نثار علی کی عدم موجودگی پر شدید تنقید کی اور یہ مضحکہ

خیز موقف اختیار کیا کہ اگر غیر معمولی حالات نہ ہوتے تو بل کبھی منظور نہ ہونے دیتے۔

متحدہ قومی موومنٹ نے بھی اس بل کی حمایت کردی جو بظاہر اس کی بڑی مخالف نظر آرہی تھی ۔ متحدہ کے قائد نے متحدہ کی جانب سے اس بل کی حمایت پر تاریخی بیان دے ڈالا ، الطاف حسین کا کہنا تھا کہ '' رابطہ کمیٹی نے بل کی حمایت میری اجازت کے بغیر کی ہے ، تاہم اسے زیادہ عرصے چلنے نہیں دیا جائے گا ''

واضح رہے کہ اس سے قبل تحفظ پاکستان بل پر اکثر سیاسی جماعتیں اپنے تحفظات کا اظہار کرچکی ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ بل انسانی بنیادی حقوق کے خلاف اور کالا قانون ہے کیوں کہ اس قانون کے تحت سیکورٹی فورسز کو یہ اختیار حاصل ہوجائے گا کہ وہ کسی بھی شخص کو صرف شک کی بنیاد پر حراستی مراکز میں 90 دن تک رکھ سکتی ہیں، اس کے علاوہ فورسز کو کسی بھی گھر یا جگہ کی تلاشی کے لئے عدالت کے اجازت نامے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اب ذرا غور کیجیئے کہ جمہوری لوگ خود اس بل ک
ی حمایت کررہے ہیں جنھوں نے خود ہی اس کے حوالے سے شور شرابا مچایا ہوا تھا، آخر ایسا کیوں ہوا ؟۔ باخبر لوگ کہتے ہیں کہ تحفظ پاکستان بل دراصل

عسکری قیادت کی خواہش کے مطابق ایوان میں لایا گیا ہے اگر ایسا ہے تو پھر یہ بات بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ پاکستان اور پاکستانی قوم کے تحفظ کی اصل خواہشمند یہ ہی عسکری قیادت ہے۔ اسٹیبلشمنٹ کی خواہش یا اس بل کے پس پردہ ہونے کا فائدہ یہ ہوا کہ کسی بھی رکن اسمبلی کی ہمت نہیں ہوئی کہ اس بل کی مخالفت کرسکے۔

اسے ہی کہا جاتا ہے '' کنٹرول ڈیمو کریسی '' ۔

بقول سابق صدر اور سابق آرمی چیف پرویز مشرف کے '' ہم بحثیت قوم آئیڈیل '' جمہوریت کے قابل نہیں ہیں

گزشتہ سات سال سے جاری رواں جمہوری نظام نے بار بار یہ احساس دلایا ہے کہ پرویز مشرف کا موقف ہی درست تھا۔ لیکن بد قسمتی کہ اب بھی بعض سیاسی لوگ پرویز مشرف کو غلط ہی سمجھتے ہیں حالانکہ کنٹرول ڈیمو کریسی کے پرویز مشرف والے فارمولے پر اتفاق ہر منتخب اور غیر منتخب سیاسی حلقے میں نظر آرہا ہے۔

یہ اور بات ہے کہ سیاست دانوں کو اب بھی اس بات کے خدشات ہیں کہ جمہوریت کو

ڈی ریل کردیا جائے گا۔ پیپلز پارٹی کے رہنما اور سینیٹ میں اپوزیشن لیڈر رضا ربانی نے ملک اور جمہوریت کو درپیش خطرات سے نمٹنے کے لیے 14 نکاتی چارٹر پیش کرتے ہوئے اس پر عمل درآمد کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ملک کی دوسری بڑی سیاسی پارٹی جو جمہوری دور میں اپوزیشن کا درست کردار بھی ادا نہیں کرپارہی، جو عسکری قوت کے پسندیدہ بل، پسندیدہ فیصلوں اور اقدامات کی مسلسل حمایت کررہی ہے، کیا وہ واقعی '' جمورہت کا تحفظ چاہتی ہے ؟

جمہوری حکومت کا حال تو دیکھیے حکومت کے اہم وزیر چوھدری نثار ناراض ہوگئے تو وزیراعظم نوار شریف کی نیندیں اڑ گئیں اور خبریں آنے لگی کہ وہ اپنا علیحدہ فارورڈ گروپ بنانے پر غور کررہے ہیں۔ تصور کریں کہ اگر چوہدری نثار فارورڈ گروپ بناتے ہیں یا تحریک انصاف یا کسی اور گروپ سے جاملتے ہیں تو پھر کیا ہوگا، یہ حکومت نہیں رہی تو پھر کس پر الزام آئے گا پھر تو نہیں کہا جائے گا نہ کہ تیسری قوت نے جمہوریت کو ڈی ریل کردیا۔

جمہورہت وہ بھی ایسی جمہوریت جس کے بارے میں سبکدوش ہونے والے آزاد عدلیہ کے دوسرے جسٹس تصدق حسین جیلانی کا کہنا ہے کہ '' ایسی جمہورہت نہیں چل

سکتی جس سے لوگوں کی زندگی میں مثبت تبدیلی نہ آئے '' ۔ قوم تو ایسی جمہویت اور جمہوری لوگوں سے مسلسل تنگ ہے۔۔۔۔۔ نہیں نہیں ایسی جمہوریت میری قوم کو نہیں چاہیئے ۔

سانحہ بلدیہ ٹاؤن اور ایم کیو ایم : نواز شریف کے مضبوط فیصلوں کا انتظار

جے آئی ٹی کی رپورٹ کے بعد متحدہ اور پیپلز پارٹی کی قربتوں کی اطلاعات نے نئے سوالات اٹھادیئے۔

ایجنسیوں پر جس پارٹی کی تخلیق کا کل الزام تھا وہ آج ایک خطرناک

اب یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ کل تک جس سیاسی پارٹی کے بارے میں یہ کہا جارہا تھا کہ اسے ایجنسیوں نے بنایا ہے وہ اب ایک خطرناک جماعت کا روپ دھار چکی ہے۔ جس کے ہاتھوں کراچی، حیدرآباد، میرپورخاص کے لوگ یرغمال ہیں۔ ملک کی بڑی سیاسی جماعتیں، ملک کی حفاظت اور قانون پر عمل درآمد کرنے والی قوتین بھی اس جماعت کے ہاتھوں مجبور اور بے کس نظر آتی ہیں۔ کراچی میں امن وامان کی خراب صورتحال پر ازخود کارروائی کے مقدمہ کی سماعت کرتے ہوئے سپریم کورٹ، حکومتی جماعت پیپلز پارٹی، اے این پی اور مذکورہ سیاسی جماعت کو ٹارگٹ کلنگ میں ملوث ہونے اور امن وامان کی صورتحال کی خرابی کا ذمہ دار قرار دے چکی ہے۔ لیکن ناجانے کیوں ملک کی عسکری قوت اور مفاد پرست حکومتیں اسے ختم کرنے کے بجائے اس کے ہاتھوں مسلسل بلیک میل ہورہی ہیں یا اسے پال رہی ہیں۔

تیس بتیس سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا، مگر اسے ہنوز موقع دیا جارہا ہے۔ اسے قوم مسترد کرچکی ہے اور اس کا ثبوت انتخابات کے ذریعے دینا بھی چاہتی تھی اور چاہتی ہے مگر وہ ادارے جن پر شفاف انتخابات کا بھروسہ کیا جاتا، جنہیں شفاف انتخابات کو یقینی بنانے کے لیے ڈیوٹیوں پر لگایا جاتا ہے وہ عین وقت پر محض ایک ''تماشائی'' بن جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں خوفناک افراد تیس، تیس ہزار بوگس ووٹ ڈالنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ چلو مان لیتے ہیں کہ اس کے مسلح کارکن خطرناک ہیں، جو کبھی بھی کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اس لیے ان کے خلاف انتخابات کے دوران کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ مگر پھر انتخابات کے بعد کیا ہوتا ہے؟ ابھی تو عام انتخابات کا موقع نہیں ہے۔ کیا ملک کے اداروں کے پاس ایسی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ دہشت گردوں اور شرپسندوں کو لگام دے سکے؟ کیا یہ طالبان سے بھی زیادہ خطرناک ہے کہ انہیں ختم نہیں کیا جاسکتا۔ کیا ضرب عضب'' بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی؟ یا ان پر ''عضب کی ضرب لگائی ہی نہیں'' گئی؟ اور اگر دوسری بات درست ہے تو پھر عسکری قوت کا یہ آپریشن بلارعایت اور بلاتفریق تمام دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کے نام پر کارروائی کا کب کرے گا؟ کیا یہ آپریشن بھی دہشت گردوں میں تفریق پیدا کرچکا ہے؟

ملک میں دہشت گردی کے واقعات سے نمٹنے کے لیے فوجی عدالتیں قائم کردیں گئیں مگر کارروائی ان دہشت گردوں کے خلاف نہیں کی جارہی جن کے ہاتھوں ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی میں گزشتہ 20 سالوں کے دوران کم وبیش 15 ہزار سے زائد سیاسی کارکن ، سرکاری افسران ، تعلیمی ماہرین ، سماجی شخصیات اور عام معصوم افراد قتل ہوچکے ہیں۔کیوں کیا یہ لوگ انسان نہیں تھے یا ان کو مارنے والے ''فرشتے'' تھے ؟ پہلے سندھی ، پھر پنجابی ،پٹھان اور پھر مہاجر اور اسے بعد لیاری کے بلوچوں کی زندگی اجیرن ہوئی تو اسی قوت کے ہاتھوں۔مگر وہ دہشت گرد نہیں ہے۔ کراچی جو روشنیوں کا شہر تھا پی ایم ٹی اڑا کر بجلی کا نظام تباہ کرکے اسے تاریک کسی اور نے نہیں سب سے پہلے اسی ، گروپ نے کیا تھا۔یہ شہر جو عروس البلاد کہلاتا تھا،اب یہاں بیوا کالونی اور شہداء قبرستان آباد ہورہے ہیں۔ شہداء قبرستان کو قائم کرنے کا اعزاز اسی سیاسی جماعت کو جاتا ہے۔اس جماعت میں دو گروپ نہیں بلکہ کئی گروپ بن چکے ہیں مگر ایک کے سوا باقی تمام گروپ ایک ہی بیمار کے ہاتھوں اپنی بقا کی جنگ لڑرہے ہیں۔ یہ گروہ کمزور ہوچکا ہے اسے ہمیشہ حکومتی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے مگر اسے ختم کرنے کے بجائے اسے سیاسی جماعتیں اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتی ہیں۔سابق صدر پرویز مشرف نے بھی اپنے دور میں 12 مئی 2007 کو اپنی حکومت کی طاقت بتانے اور حکومت مخالف ریلی کو روکنے کے لیے اسی گروہ کو استعمال کیا تھا۔ یہ گروپ دراصل ملک کی مفاد پرست اور منافق سیاسی جماعتوں

کے لیے ایسی ہی قوت کا کام دیتا ہے جو انہیں اقتدار میں رہنے کا موقع فراہم کرتا ہے ۔دلچسپ امر یہ کہ جو گروپ پرویز مشرف کے دور میں اس کے ساتھ کھڑے ہو کر پیپلز پارٹی اور ای این پی کے لوگوں سفائرنگ کر رہا تھا وہ ہی گروپ مکمل جمہوریت آئی تو ان ساتھ بغلگیر تھا۔ یہ گروپ ان ہی سیاسی پارٹیوں کی آشیر دباد کے باعث مضبوط ہوتا گیا ۔تاہم آج یہ گروہ یا جماعت ایک ناسور بن چکا ہے۔ اور اس کے ذمہ دار وہ تمام لوگ ہیں سیاسی جماعتیں اور عسکری قوت ہے جس نے اسے استعمال کیا اور فوائد حاصل کیے۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

جس مافیا، جس قوت کا ذکر یہاں کیا جارہا ہے اس کا نام اب لینے کی ضرورت نہیں ہے، میں بھی اس کا نام لیکر اپنے آپ کو طرم خان ظاہر نہیں کرنا چاہتا لیکن میں اتنا تو الحمدللہ بتا سکتا ہوں کہ اب اسے '' ایک سیاسی جماعت '' لکھا اور پکارا جاتا ہے۔اس گروپ کے لوگ کراچی اور حیدرآباد میں '' نامعلوم افراد'' کے نام سے جانے جاتے ہیں ۔ان اشاروں کے بعد اس جماعت کا نام لینا '' سورج کو چراغ دکھانے'' کے مترادف ہوگا۔

نام لینے کی ویسے بھی کیا ضرورت سندھ حکومت کے سربراہ وزیراعلیٰ قائم علی شاہ بھی اس کا نام لینے سے ڈرتے ہیں، جماعت اسلامی کے سوا بیشتر سیاسی جماعتیں بھی اس کا نام نہیں لیتی، اخبارات اور الیکٹرونک میڈیا تو سب سے

زیادہ خوفزدہ لگتا ہے اور اب تو حساس ادارے بھی اس بلا کا نام لیتے ہوئے گھبراتے ہیں۔خوف پھیلانے کا کام یہ گروپ بلا تفریق کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس سے سب سے زیادہ اس کے اپنے کارکن خوف میں بتلا رہتے ہیں اور اسی خوف کی وجہ سے اس کے متعدد لیڈر مختلف بیماریوں کا شکار ہو چکے ہیں۔اس گروپ کے خوف کا عالم یہ ہے کہ اس کا بانی خود بھی اپنی جان جانے کے خطرے کی وجہ سے 92 میں ملک چھوڑ چکا ہے اوراب عام خیال ہے کہ موصوف کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے۔۔

کراچی کی سینٹرل جیل میں قید سب سے زیادہ افراد کا تعلق اسی گروہ سے ہے مگر پھر بھی کسی نہ کسی وجہ سے اس پارٹی کے گرد ہجوم رہتا ہے۔لیکن اس گروپ کی حقیقت صرف وہ ہی لوگ بیان کر سکتے ہیں جو اسی کی وجہ سے اب جیلوں میں اپنے والدین اور بہن بھائیوں سے دور ہیں۔

چلیں اب بات کرتے ہیں اس سانحہ بلدیہ ٹاؤن کی جس نے دنیا بھر کے مسلمانوں ہی کو نہیں عام انسانوں کو بھی جھنجھوڑ ڈالا تھا۔یہ سانحہ 11 ستمبر 2012 کو پیش آیا۔بلدیہ ٹاؤن کی گارمنٹ فیکٹری میں آگ لگی دیکھتے ہی دیکھتے آگ نے پوری فیکٹری (علی انٹرپرائزز) کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور کم از کم 257 افراد جھلس کر جاں بحق ہو گئے۔اس واقعہ کو آتشزدگی اور مرنے والوں کی تعداد کے حوالے سے دنیا کا سب سے بڑا حادثہ قرار دیا گیا۔اس واقعہ کی

تحقیقاتی رپورٹ چند روز قبل جب ہائی کورٹ میں پیش کی گئی تو ملک کی سیاسی سمیت ہر حلقے میں بھونچال آگیا۔ رپورٹ میں انکشاف کیا گیا کہ ” فیکٹری میں آگ لگی نہیں بلکہ لگائی گئی تھی اور اس گھناؤنے اور انسانی سوز واقعہ کے پیچھے ایک سیاسی جماعت کا ہاتھ تھا، رپورٹ میں ملزم رضوان قریشی کے بیان کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ فیکٹری مالکان سے 20 کروڑ روپے بھتہ وصول کیا گیا تھا، بھتہ نہ دینے پر سیاسی جماعت کی قیادت کے حکم پر فیکٹری کو آگ لگادی گئی اور پھر سینکڑوں افراد کی ایک ہی مقام پر ہلاکتوں کا یہ سانحہ پیش آیا۔ کورٹ میں رینجرز کی جانب سے پیش کی گئی اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ملزم رضوان کو ٹارگٹ کلنگ کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ دوران تفتیش ملزم نے اس سانحہ کے حوالے سے انکشافات کیے جس نے تحقیقاتی ٹیم کے اراکین کے بھی رونگٹے کھڑے کردیے تھے۔

ملزم کے انکشافات کے بعد سیاسی اور دیگر حلقوں میں تشویش پھیل گئی۔ تحریک انصاف کے چیرمین عمران خان سمیت دیگران اس پر رد عمل کا اظہار کیا۔ مگر سوائے جماعت اسلامی کے سراج الحق کے کسی نے بھی ایک سیاسی جماعت کا نام نہیں لیا۔ جس کی وجہ خوف تھا۔ کسی چینل اور عام اخبار میں بھی اس جماعت کے نام کے ساتھ ذکر لوگوں کو نظر نہیں آیا۔ یہ اور بات ہے کہ لوگ سمجھ گئے ہونگے کہ یہ کس جماعت کی بات ہورہی ہے۔ لیکن معاملہ اس وقت واضح ہوا جب

متحدہ قومی موومنٹ کی رابطہ کمیٹی نے خود پریس کانفرنس کی۔ اس پریس کانفرنس میں متحدہ کے دوسری سطح کے رہنماؤں نے رضوان قریشی کو ان کا کارکن ماننے سے ہی انکار کردیا۔ اور کہا کہ اس کا متحدہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

ہوسکتا ہے کہ متحدہ کا مؤقف درست ہو، لیکن سوال یہ ہے کہ اس قدر سنگین نوعیت کے انکشافات کے بعد جوائینٹ انویسٹی گیشن ٹیم مزید کیا کارروائی کررہی ہے؟ رضوان نے جن سیاسی رہنماؤں کو اس سانحہ کا ذمہ دار قرار دیا گیا کہ حساس ادارے اور جی آئی ٹی ان کے خلاف بھی کارروائی کررہی ہے یا کرے گی؟ پھر ان انکشافات پر ماضی کی طرح پردہ ڈال کر مزید کارروائی روک دی جائے گی۔؟

دیکھنے میں آرہا ہے کہ رضوان قریشی کے انکشافات کے بعد متحدہ اور پیپلز پارٹی کے درمیان ایک بار پھر قربتیں بڑھنے لگی۔ اطلاعات کے مطابق جلد ہی سندھ میں دونوں پارٹیوں کے درمیان دوبارہ اتحاد قائم ہوجائے گا اور ایم کیو ایم ایک بار پھر صوبائی حکومت میں شامل ہوجائے گی۔

اگر ایم کیو ایم کے حوالے سے رضوان قریشی کے الزامات درست ہے تو یا جے آئی

ئی کی تحقیقات سے یہ معلوم چلتا ہے کہ متحدہ اس واقعہ یا دیگر سنگین واقعات میں ملوث ہے تو کیا پیپلز پارٹی پھر بھی صرف اپنی حکومت مستحکم کرنے اور سینیٹ میں اپنی عددی قوت میں اضافے کے لیے متحدہ سے اتحاد کرلے گی ؟اگر متحدہ اور پیپلز پارٹی کا دوبارہ اتحاد ہوگیا تو کیا کیا قوم یہ سوچنے میں حق بجانب نہیں ہوگی کہ ان جماعتوں کو عام افراد اور صوبے کے مفادات اور ضرورتوں سے کوئی غرض نہیں ہے ؟

متحدہ کو چاہنے والے (اگر حقیقی طور پر کوئی ہے) تو کیا وہ یہ نہیں سوچ سکتے کہ متحدہ نے حال ہی مین اپنے سینئر کارکن کے قتل پر احتجاج کیا اور سوگ منایا اس کے لیے کراچی ، حیدرآباد اور سندھ کے دیگر شہروں میں ہڑتال کی گئی جس سے اربوں روپے کا نقصان ہوا اس کا مقصد کیا صرف حکومت میں شامل ہونا تھا ؟ جو نقصان صوبے کو اس روز پہنچا اس کی تلافی کیا پیپلز پارٹی کرے گی یا متحدہ قومی موومنٹ ؟

سوال یہ ہے کہ یہ جماعتیں آخر کب قوم کی توقعات اور اپنے انتخابی منشور کے مطابق کراچی اور صوبے کو ترقی دے گی ، سب سے بڑھ کر یہ کہ کب کراچی میں ٹارگٹ کلنگ ختم ہوگی اور شہریوں کو سکون کی زندگی ملے گی ؟

چلیں پیپلز پارٹی اور متحدہ کی بات کو بھی فی الحال چھوڑ دیتے ہیں اور بات

کرتے ہیں مسلم لیگ کے رہنما اور وزیر اعظم نواز شریف کی۔

گزشتہ کئی سالوں سے کراچی میں جو کچھ ہو رہا ہے اس حوالے سے میاں نواز شریف نے 2013 میں انتخابات سے قبل ایک نجی ٹی وی سے گفتگو کرتے ہوئے کیا کہا تھا۔ رپورٹر کا سوال تھا کہ میاں صاحب اگر آپ کی حکومت وفاق میں آ گئی اور آپ کو سندھ میں حکومت بنانے کی ضرورت پڑی تو کیا آپ ایم کیو ایم کو ساتھ ملانے پر تیار ہو جائیں گے ؟

میاں نواز شریف نے جواب دیا" میرا خیال ہے کہ پہلے ایم کیو ایم کو اپنے حوالے سے کلیئر کرانا ہوگا کہ وہ پاکستان کے اندر ایک مثبت سیاست کو آگے بڑھانا چاہتی ہے یا اپنے ملٹینٹ ونگ، عسکری بازو کے ذریعے ہی دہشت گردی میں ہی رہنا چاہتے ہیں، میں نے ہمیشہ صاف بات کی ہے، پاکستان میں دہشت گردی کا وجود اس وقت ہوا جب ایم کیو ایم سیاست میں آئی اس سے قبل کبھی بھی دہشت گردی ہوئی اور کراچی کا امن اس وقت خراب ہوا جب کراچی میں ایم کیو ایم کا وجود ہوا۔ پھر جب میں وزیر اعظم بنا تو حکیم سعید جو پاکستان کہ انتہائی وفادار انسان تھے کو قتل کر دیا گیا، ہم نیفیصلہ کر لیا کہ ہم ایم کیو ایم کے ساتھ نہیں چل سکتے، ہم نے ان سے کہا کہ قاتل ہمارے حوالے کر دو، نہیں کرو گے تو ہمارے راستے جدا ہو جائیں گے انہوں نے قاتل ہمارے حوالے نہیں کیے

اور ہم نے سندھ میں اپنی حکومت ختم کر دی جب ہم اپنی حکومت ختم کر سکتے ہیں تو پھر کیوں مضبوط فیصلے نہیں کر سکتے۔"

اب دیکھنا ہے کہ میاں صاحب دوسری مرتبہ وزیراعظم رہتے ہوئے کب "مضبوط فیصلے" کرتے ہیں۔ پیپلز پارٹی کی حکومت تو مسلسل ایسے فیصلے کر رہی ہے جس سے صوبے کو فائدہ ہونے کے بجائے نقصان ہی ہو رہا ہے۔

سندھ حکومت عسکری ونگز کیخلاف کارروائی اور گورنر عشرت

سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگز کے خلاف کارروائی کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ اگرچہ یہ ایکشن صرف جرائم پیشہ افراد کیخلاف ہورہا ہے۔ لیکن چونکہ اس کا دائرہ صرف کراچی تک ہے، جس سے ایسا ظاہر ہورہا ہے کہ صرف کراچی ہی میں قتل و غارت، اغواء ڈکیتی اور بھتہ وصولی کے واقعات ہوا کرتے تھے۔ باقی پورا ملک ان جرائم سے پاک ہے۔ یہاں قتل کے واقعات ہوتے ہیں اور نہ ہی دیگر جرائم۔ ملک کے دیگر صوبے کے لوگ جرائم نہ ہونے کی وجہ سے سکون سے سوتے ہیں۔اور وہ ان وادارتوں واقعات سے واقف بھی نہیں ہیں۔ وفاقی حکومت کی عسکری جماعتوں کے خلاف کارروائی سے یہ بھی سوال اٹھ رہا ہے کہ کیا سندھ سے تعلق رکھنے والی سیاسی جماعتوں کے سوا کسی اور صوبے کی جماعتوں کے عسکری ونگز موجود نہیں ہیں۔؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ کراچی ملک کا سب سے بڑا شہر ہونے کے ناطے زیادہ توجہ طلب ہے اور یہاں جرائم کی وارداتیں مجموعی طور پر زیادہ ہوا کرتی ہیں۔ لیکن صوبہ سندھ کے لوگ یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ کیا پنجاب، بلوچستان اور کے پی کے میں اس طرح کے کسی آپریشن کی ضرورت نہیں ہے جیسے کراچی میں ہورہی ہے۔؟ لوگ یہ بات بھی سوچنے پر حق بجانب ہیں کہ مسلم لیگ کی حکومت جب بھی اقتدار میں آتی ہے تو اس کی توپوں کا رخ سندھ کی طرف کیوں ہوتا ہے؟

خیر چھوڑیے بات کرتے ہیں کہ آئندہ دنوں میں کیا ہونے والا ہے ؟ کیا سندھ میں گورنر راج (جیسے کہ اطلاعات ہیں) نافذ کیا جاسکتا ہے ؟

کراچی میں تقریباً بارہ سال سے گورنر کے عہدے پر فائز عشرت العباد کو ایم کیو ایم پر لگائے جانے والے الزامات اور خود ان پر لگنے والے الزامات کے بعد انہیں فارغ کیا جاسکتا ہے ؟ اور ایک ایسی پارٹی جس نے پیپلز پارٹی کو ملک کی تاریخ میں پہلی بار بآسانی پانچ سال تک حکومت کرنے کا موقع دیا اور پیپلز پارٹی کی حکومت نے اپنے پانچ سالہ دور میں پنجاب میں مسلم لیگ کو حکومت کرنے کے لیے فری ہینڈ دیا ، ہو وہ سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومت ختم کر سکتی ہے ؟

ملک میں ہر طرح کی کرپشن ، بیروزگاری ، معاشی بدحالی ، بجلی ، اور گیس کے بحران اور دیگر مسائل کے ساتھ 2008 تا 2013 جمہوری مدت کے پانچ سال مکمل کرنے والی پیپلز پارٹی اور موجودہ مسلم لیگ کی حکومت کا جائزہ لیا جائے تو مرحومہ بینظیر بھٹو کا جلاوطنی کے دور کا چارٹر آف ڈیموکریسی کی یاد آتی ہے ۔ چارٹر آف ڈیموکریسی یا سی او ڈی جسے میثاق جمہوریت بھی کہا جاتا ہے میں جو سب سے اہم نکتہ یہ ہی تو تھا کہ ” بحیثیت جمہوری پارٹی ہم کوئی آرمی

حکومت جوائن نہیں کریں گے اور کوئی پارٹی اس بات کی حمایت نہیں کرے گی کہ جمہوریت کو ختم کرکے حکومت میں آئے یا بنائے''۔ گو کہ پیپلزپارٹی کی پہلی پانچ سالہ دور حکومت میں دونوں بڑی پارٹیوں یعنی مسلم لیگ نواز اور پیپلزپارٹی سب کچھ کرتی رہی ماسوائے مارشل لاء یا فوجی ڈکیٹیٹرشپ کو دعوت دینے کے۔ تاہم فوج کو ایم کیوایم نے دعوت دی جس کی دیگر جماعتوں نے شدد مخالفت کی۔ جبکہ دوسری طرف ایم کیوایم کو سپریم کورٹ کراچی میں امن وامان کی صورتحال کی خرابی کی ذمہ دار قرار دے چکی۔ امن وامان کی صورتحال خراب کرنے کی ذمہ دار جماعتوں میں پیپلزپارٹی اوراے این پی کے نام واضح طور پر لیاگیا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلم لیگ کے سربراہ نواز شریف نے اپنے انتخابی منشور میں کراچی میں امن کے لیے سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگزکے خاتمے کا وعدہ کیا۔ کراچی میں جاری حالیہ ٹارگیٹیڈآپریشن اسی منشورکے تحت کیا جارہا ہے۔اوراس آپریشن کے نتیجے میں ایم کیوایم جو نشستوں کے اعتبار سے ملک کی چوتھی بڑی جماعت ہونے کا بھی دعویٰ کرتی ہے۔اب انتہائی متنازعہ بن چکی ہے۔اگر چہ حکومت سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگ اور سیاست میں موجود جرائم پیشہ افراد کے خلاف کارروائی کرنے کا بار بار اعادہ کررہی ہے لیکن ایم کیوایم کے مرکز 90 پر چھاپے کے بعدوہاں سے متعدد ملزمان اور مجرم فیصل اور موٹاکی گرفتاری کے بعد اس بات کے شواہد ملے ہیں کہ ایم کیوایم میں اکثریت یاایم کیوایم پر اثرانداز عناصر کا تعلق جرائم کی سرگرمیوں میں ملوث

افراد سے ہے۔ ایسی صورت میں سندھ میں ایم کیوایم کے نامزد گورنر کا اس عہدے پر مسلسل رہنا سوالیہ نشان بن چکا ہے۔

تاہم گورنر سندھ عشرت العباد کو ہٹانے کے حوالے سے تاحال سرکاری سطح پر " اسٹیٹس کو " ہے، کور کمانڈر کراچی کی پیر کو گورنر عشرت العباد سے ملاقات کی اطلاعات ناور پھر اس کی تردید نے بھی نئے سوالات جنم دیئے ہیں . خیال ہے کہ انہیں ملک چھوڑنے کا پیغام دیا گیا ہے جس کے بعد کور کمانڈر نے ان سے آخری ملاقات کرلی . . .تاہم یہ بھی قیاس ہے کوئی اطلاع نہیں ..... گورنر عشترت کو نہیں ہٹانا مسلم لیگ کی کمزوری واضح کررہی ہے . یہ کمزوری اس کی بدنامی کا باعث بھی بن رہی ہے جسے پارٹی میں بھی محسوس کیا جارہا ہے . . . اور اگر گورنر کو آئندہ چند روز میں نہیں ہٹایا جاتا تو وہ قوت جس نے پورے ملک میں جمہوری حکومت کی غیر جمہوری شریک کار بن چکی ہے کوئی بڑا فیصلہ کرسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ کسی ریٹائرڈ فوجی کے نام پر بھی باآسانی غور شروع کردیا گیا ہے بلکہ اطلاعات کے مطابق اسٹبلشمنٹ اپنی صفحوں سے گورنر کا نام دیکر اس کے لیے ممکنہ معترض کی حمایت بھی حاصل کریگی۔

لوگ اس بات سے بھی اتفاق کریں گے کہ موجودہ حالات میں ریٹائرڈ فوجی گورنر کی تقرری پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا . اس لیے معین الدین حیدر بھی

دوبارہ گورنر بن سکتے ہیں. گورنر کی تبدیلی کا معاملہ اس لیے بھی التوا میں ہے کہ اگر عشرت العباد کو ان کی کراچی میں موجودگی کے دوران ہٹایا جاتا ہے تو انہیں قانونی طور پر صولت مرزا کے بیان کے تناظر میں حراست میں لینا لازمی ہوگا.. حراست میں نہیں تو ان کا نام کم از کم ای سی ایل میں ڈالنا ہوگا......اب ہمارا ملک اس قابل تو نہیں کہ کسی جرم کے الزام میں بااثر سیاسی شخصیات کو بغیر کسی عالمی سازش اور عدالت کے حکم کے بغیر گرفتار کرلیں . .

یہ بھی اہم بات ہے کہ صوبہ کی طویل اور تاریخی مدت تک گورنری سنبھالنے والی شخصیت کو ہٹتے ہی گرفتار کرلیا جائے تو دنیا میں پاکستان کا امیج کیا ہوگا ہ اور اس سوال کا جواب کون دیگا کہ جس جماعت پر اس قدر سنگین الزامات لگائے جارہے ہیں اس کا نامزد گورنر کس طرح طویل عرصے تک اہم عہدے پر فائز رہا. اس لیے امکان ہے کہ آئندہ چند روز میں عشرت العباد ملک سے کسی بھی بہانے سے چلے جائیں گے اور پھر استعفا دیدیں گے جس کے بعد نئے گورنر کی تعیناتی کردی جائے گی .۔تاہم یہ بات واضح ہے کہ سندھ میں گورنر راج کے لگنے یا سندھ اسمبلی کو معزول کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے. جس کی بڑی وجہ جمہوری کے تسلسل کے لیے سیاسی جماعتوں خصوصاً پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کی مفاہمتی پالیسی ہے۔

زرداری کی دبئی روانگی، سی ایم کی تبدیلی اور سلیم ڈالر کی ہلاکت

پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت جمہوری عمل کے نتیجے میں سمٹ کر صرف سندھ تک محدود ہے مگر سندھ میں بے چین بہت ہے۔ اگر سیاسی جماعتوں میں شکرادا کرنے کی روایت ہوتی تو پیپلز پارٹی سندھ میں حکومت قائم رہنے اور بدستور چلنے پر اللہ کا شکر اعلانیہ ادا کرتی۔ مگر یہاں تو سیاسی فارمولے کے تحت ہر بات کو الٹا بیان کرنا ہی سیاست سمجھا جاتا اور کہا جاتا ہے۔

سندھ میں سنا ہے کہ حکومت اب بھی پیپلز پارٹی کی ہے ! ۔۔۔ اگر بلدیاتی اداروں خصوصاً بلدیہ عظمیٰ کراچی میں اور سندھ بلڈنگز کنٹرول میں کرپشن کا مثالی راج نہیں ہوتا تو مجھے بھی شک کرنا پڑتا کہ " یہاں پیپلز پارٹی کی حکومت نہیں ہے" بلکہ شائد مسلم لیگ اپنے ماضی کے تجربات کو دہراتے ہوئے ایک بار پھر یہاں حکومت قائم کرچکی ہے۔

پیپلز پارٹی کی بے چینی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ " قائم علی شاہ کی حکومت کو قائم نہ رکھنے کی خواہشات رکھتے ہوئے بھی قائم رکھا ہوا ہے" ۔ سنا ہے کہ اب ایک بار پھر شاہ صاحب کے مخالفین اپنی خواہش پوری کرنے کی کوشش کررہے

ہیں ۔ اس مقصد کے لیے سکھر کے مہر برادری کی کسی شخصیت کا نام لیا جارہا ہے ۔۔۔ کہا جاسکتا ہے کہ پیپلز پارٹی کی حکومت کو قائم علی شاہ کے بغیر قائم و دائم رکھنے یا پھر اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کے لیے اب " مہر دینے " کا وقت آگیا ہے ۔ سب ہی جانتے ہیں کہ عام طور پر " حق مہر "کن حالات میں طلب کیا جاتا ہے یا دیا جاتا ہے ۔

پیپلز پارٹی کی بے چینی کا ایک ثبوت الطاف بھائی اور نواز بھائی کے منجھلے بھائی آصف زرداری کی اچانک تشویشناک سرگرمیوں سے بھی لگتا ہے ۔ جمعرات نو اپریل کو انہوں نے بلاول ہاؤس میں ہنگامی پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ " سراج الحق نے ایک زرداری سب پے بھاری کا نعرہ یاد دلادیا میں کہتا ہوں کہ ایک زرداری سب سے یاری ہے " ۔اس پریس کانفرنس کی سب سے اہم بات یہی تھی ۔ کیونکہ پریس کانفرنس کی وجہ کسی کو بھی سمجھ میں نہیں آئی اس لیے اسے بھی تشیوشناک صورتحال سے جوڑا جارہا ہے ۔ بہرحال زرداری صاحب پریس کانفرنس کے بعد اچانک ہی وہ دبئی چلے گئے ۔

سندھ پولیس کے مگران کے اپنے چہیتے افسران نے انہیں ایئرپورٹ تک لے گئے ۔ اور اطلاعات کے مطابق انہیں بحفاظت جہاز پر میں سوار کرادیا ۔ ایک مقامی چینل کی ویب سایئٹ پر دو لائن کی خبر بھی آئی مگر بیشتر اخبارات اور

الیکٹرونک میڈیا اس خبر کو " گول کر گئے " یا اسے چھپالیا گیا یا اسے خبر نہیں بننے دیا گیا ۔ بعد میں بھی اس خبر کی پیپلز پارٹی کے کراچی کے رہنماؤں نے تصدیق کی اور بتایا کہ " نان شیڈول وزٹ ہے دبئی کا، 25 اپریل کی رات واپس آرہے ہیں " ۔ میں جسارت میں شائع ہونے والی خبروں میں بتاچکا تھا کہ آصف زرداری بھٹو کی برسی سے قبل یا فوری بعد کسی بھی وقت ملک سے روانہ ہو سکتے ہیں ۔

زرداری صاحب کی پر اسرار انداز میں روانگی سے جسارت کی خبر کی تصدیق ہو چکی ہے ۔ بہر حال فی الحال تو میں بات کر رہا ہوں پیپلز پارٹی کی بے چینی کی ، اس بے قراری کی وجہ پارٹی کے لوگ خود بتانے کے بجائے چھپا رہے ہیں ۔ لیکن بعض سرکاری ذرائع کا کہنا ہے کہ رینجرز سے مقابلہ کرتے ہوئے سلیم ڈالر کی ہلاکت اور اس کے متعدد ساتھیوں کی گرفتاری نے متعدد سیاسی شخصیات اور موجودہ دور میں اہم اسامیوں پر تعینات سرکاری افسران کو بھی تشویش میں مبتلا کر دیا ہے ؟ کیوں اس بارے میں کون بتائے گا ؟ سندھ میں گزشتہ سات آٹھ سالوں میں کام ہی ایسے ہوئے ہیں کہ سب ہی پریشان ہیں ، وہ بھی جن کے کام نہ ہو سکے اور وہ بھی جن کے کاروبار خوب ترقی پا گئے ۔ایک سرکاری افسر کاکا ہیں جو پر اسرار طور پر سرکاری خدمات سے اچانک ہی غائب ہو جاتے ہیں اور پھر نمودار بھی ہو جاتے ہیں ۔ واقف حال کا کہنا ہے کہ کاکا ویسے تو پنجابی زبان میں " چھوٹے لڑکے

کو کہا جاتا ہے مگر کاکا تو ''بہت بڑے'' ہیں اتنے بڑے کہ گزشتہ ماہ وہ سندھ کے چیف سیکریٹری سلیم ہوتیانہ کا تبادلہ کرانے میں بھی کامیاب ہو چکے ہیں۔ موصوف کے لیے ایک کروڑ ستر لاکھ کی لینڈ کروزر سرکاری رقوم سے سرکار کے نام پر خریدی گئی۔ سنا ہے کاکا بھی حیرت انگیز طور پر پریشان ہو چکے ہیں۔ حالانکہ یہ صاحب اپنے حلقے کے لوگوں کو خوش کرتے ہیں۔ سنا ہے کہ جلد ہی وہ بھی سرکاری مہمان بننے والے ہیں۔ ویسے امکان کم ہیں کیونکہ انہوں نے کینیڈا کی شہریت لے رکھی ہے۔ اس لیے وہ کسی ایرے غیرے کے مہمان بننے کے بجائے اپنے ملک کینیڈا کو پیارے ہونے کی کوشش کریں گے۔

سلیم ڈالر کون صاحب تھے اس بارے میں پھر کبھی بیان کریں گے، ویسے بھی بہت ساری تفصیلات مختلف اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ ضرورت محسوس ہوئی تو قارئین کو ضرور آگاہ کیا جائے گا۔

افسانے نگار، شاعرہ اور کالم نویس ارم زہرہ

ارم زہرا شعبہ ادب کی ہمہ جہت شخصیت کا نام ہے۔ کم عمری میں ہی انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا اپنا لوہا منوایا ہے۔ ان کے اندر ایک صنف نازک کے ساتھ ناول نگار، افسانہ نگار، کالم نگار، کہانی کار اور شاعرہ بھی نمایاں ہیں مگر ہر روپ میں انفرادی حیثیت رکھتی ہیں ۔ہر پہلو ایک مکمل اکائی ہے۔ ان کی تصنیفات میں " چاند میرا منتظر " رومانوی اور معاشرتی ناول " میرے شہر کی کہانی " کرائم اسٹوریز کا نیا افسانوی انداز " ادھ کھلا دریچہ " افسانوی مجموعہ شامل ہیں جبکہ ان کا شعری مجموعہ " چاندنی ادھوری ہے " ان دنوں زیر اشاعت ہے۔ ہم نے نوعمر اور باصلاحیت قلم کاروں کی حوصلہ افزائی کے ضمن میں ارم سے ان کے خیالات، احساسات اور معاشرے کے بہتری کے لیے ان خیالات جاننے کی کوشش کی اور ان سے گفتگو کی ۔ جو قارئین کی خدمت میں حاضر ہے ۔

سوال نمبر ۱ ؛آپ کا افسانے لکھنے کی طرف رحجان کیسے ہوا ؟
میں بہت حساس طبیعت کی مالک ہوں ۔ زندگی کو حقائق اور مشاہدات کی کسوٹی پر پرکھتی ہوں۔یہی وجہ ہے کہ میں اپنے گرد و پیش میں رونما ہونے والے واقعات جب دیکھتی ہوں تو میرے اندر گھٹن کا احساس غالب ہونے لگتا ہے اور اسی گھٹن زدہ ماحول سے باہر نکلنے کے لیے میں نے سوچا کہ اپنے احساسات کو الفا ظ کی زباں دوں اور پھر یہ الٹی سیدھی لکیریں قرطاس پر اپنے مفہوم کو تلاش کرتی لفظ ، جملے اور تحریر کا روپ کب اختیار کرتی چلی گئیں مجھے خود بھی اندازہ نہیں ہوا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ زمانہ طالبِ علمی سے مجھے الفاظ سے کھیلنے کا شوق رہا ہے عام سی بات کو خاص انداز میں پیش کیسے کیا جائے اور کفایتِ لفظی سے اپنی تحریر کو کیسے آراستہ کیا جائے کہ ہر لفظ نگینے کی طرح جڑا محسوس ہو میں ہمیشہ اسی تگ و دوہ میں رہا کرتی اور یہ ساری خصوصیات ایک افسانے کی اساس پر پوری اترتی ہیں ۔اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بچپن سے کلاسیکی ادب سے جڑی رہی ۔غلام عباس، بلونت سنگھ، رابندر ناتھ ٹیگور اور حاجرہ مسرور کے

افسانے اوائل عمر سے زیر مطالعہ رہے ہیں۔
سوال نمبر ۲؛سب سے پہلے افسانہ لکھا یا شعر ؟
ابتداء تو نظموں سے ہوئی۔ مختصر نظمیں اور اشعار کالج کے میگزین میں لکھا کرتی تھی لیکن با قاعدہ لکھنے کا آغاز افسانے سے کیا۔ ''فسانہ ایک رات کا'' میری پہلی تحریر تھی جو دوشیزہ ڈائجسٹ میں شائع ہوئی۔
سوال نمبر ۳ ؛افسانہ نگاری سے آپ معاشرے کو کیا پیغام دینا چاہتی ہیں؟
افسانہ ادب کی ایک پاور فل صنف ہے۔ میں سمجھتی ہوں رائٹر معاشرتی سرجن ہوتا ہے۔وہ اپنے گرد و پیش کے ماحول سے کہانیاں اخذ کرتا ہے۔ میں بھی قلم کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کا عزم رکھتی ہوں۔ میرے افسانے تصوراتی نہیں بلکہ میں سچائی اور سماجی روایوں کو قلمبند کرتی ہوں تاکہ قارئین تک مثبت پیغام پہنچ سکے۔
سوال نمبر۴؛ کراچی کے حوالے سے بھی ایک کتاب لکھی ہے۔کیا محسوس کرتی ہیں آپ روشنیوں کے شہر کراچی کے حوالے سے اس کے مستقبل کے بارے میں؟
جی ''میرے شہر کی کہانی'' شہر کراچی میں ہونے والے کرائم کو افسانوی انداز میں پیش کرنے کی میری ایک کوشش ہے۔مجھے دکھ ہوتا ہے کراچی جو عروس البلاد

کے نام سے مشہور تھا جس کی روشن راتوں کی لوگ مثالیں دیتے تھے وہ روشنیوں کا شہر آج لاشوں کا شہر بن چکا ہے۔ہر طرف دہشت اور وحشت کا بازار گرم، عدم تحفظ اور بے یقینی کی فضا سے میرے وجدان کا چمن خزاں کا روپ اختیار کرتا چلا گیا۔تب میں نے اس ظلم کے خلاف اپنی آواز کو الفاظ کا روپ دینا شروع کیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں شہر کراچی کے قصیدے لکھتی مگر افسوس ظلم وجبر، معاشرتی ناہمواریوں اور بے حسی نے مجھے میرے شہر کا مرثیہ لکھنے پر مجبور کر دیا۔

روشنیوں کے شہر پر لہو کی بارش مسلسل جاری ہے ۔امن و امان کا موسم بدل چکا ہے ۔سازش کرنے والے اپنا کام کر چکے ہیں۔ لیکن اب بھی وقت ہے اپنے ہاتھوں سے اپنے چمن کو تباہ کرنے کے بجائے کوئی سدِباب کوئی حل ڈھونڈنا چاہیے اور جس دن اربابِ حل و نقد اور منصوبہ سازوں نے ملک سے جہالت کے اندھیرے دور کرنے والے دانشوروں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے مذاکرات نہیں بلکہ عملی اقدامات کی جانب قدم بڑھایا اس دن پاکستان دینا کے نقشے پر ایک جنت نذیر ملک کی حثیت اختیار کر لے گا۔ میں سمجھتی ہوں اس کے لیے سب سے اہم کردار نوجوان نسل کا بھی ہے جنھیں بھرپور تعلیم حاصل کرنی چاہیے تاکہ ملک ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو سکے۔

سوال نمبر ۵ ؛ایک ایوارڈ یافتہ افسانہ نگار ہیں ایک افسانہ نگار اور شاعرہ معاشرے سے کیا توقعات رکھتی ہے؟
معاشرے کی تعمیر و ترقی میں خواتین تمام مشکلات کے باوجود کلیدی کردار ادا کر رہی ہیں۔ وہ اپنے تخلیق کے کرب سے معاشرے کی اصلاح کرتی ہیں ۔معاشرے کے مسائل اجاگر کر رہی ہیں وہ عوام اور ارباب بستہ کے مابین پل کا کردار بھی ادا کر رہی ہیں ۔خواتین ادب و شعراء کی تخلیقات عام آدمی کو متاثر اور اس کے فکر و احساس کو باآسانی تبدیل کرتی ہیں اس کی بڑی وجہ آج کی خواتین رائٹرز اپنی نگارشات میں نہ صرف مسائل کے اسباب بیان کرتی ہیں ، نتائج سے آگاہ کرتی ہیں بلکہ اپنی تحریروں سے انہیں سلجھانے کی کوشش بھی کرتی ہیں تو میں سمجھتی ہوں خواتین رائٹرز بھی معاشرے کا ایک اہم کردار ہیں انہیں اہمیت ملنی چاہیے کیونکہ آج بھی رائٹرز کا ایک بہت بڑا مسئلہ اپنی شناخت ہے۔

سوال نمبر۶؛ آپ بحثیت افسانہ نگار اورشاعرہ ملک کے سیاست دانوں کو کیسے دیکھتی ہیں ؟
سیاست کا مطلب خدمت ہے لیکن افسوس کہ قیام پاکستان سے کچھ عرصہ بعد اس فلسفے سے انحراف کیا گیا اور سیاستدان عوامی خدمت کرنے کے بجائے اقربا پروری اور لوٹ کھسوٹ جیسے منفی رویوں کا شکار ہوگئے جس کی وجہ سے حصول پاکستان کے مقاصد ابھی تک حل نہیں ہو سکے۔

سوال نمبر ۷؛ ملک کی آج جو صورتِ حال ہے اس کا زمہ دار آپ کس کو سمجھتی ہیں ؟
میرے خیال میں ہر فرد اس کا زمہ دار ہے کیونکہ بحثیت مجموعی معاشرہ اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریاں پوری کرنے میں ابھی تک ناکام ہے۔اس لیے کسی ایک فرد پر ساری زمہ داری نہیں ڈالی جا سکتی ۔ہم سب اس میں برابر کے شریک ہیں۔

سوال نمبر ۸۔ ملک کا الیکٹرانک میڈیا کیا قوم کی توقعات پوری کر رہا ہے ؟

اس حوالے سے میڈیا کا کردار انتہائی مایوس کن ہے۔الیکٹرانک میڈیا کے پاس تو سنسنی اور ملک میں خوف و ہراس پھیلانے کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں ۔

سوال نمبر ۹؛پرنٹ میڈیا کے کردار کے بارے میں بتایئے کہ آپ اس کے کردار کو کیسا پاتی ہیں؟

پرنٹ میڈیا میں اخبارات میں ہفتہ وار ادبی ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں تاہم اس اخبار کو کوئی بڑا اشتہار یا کوئی سنسنی خیز فیچر مل جائے تو اس روز ادبی ایڈیشن کی چھٹی ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود پرنٹ میڈیا ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہا ہے اور قارئین کو ادب کی ہمہ جہت شخصیات سے روشناس کرا رہا ہے کیونکہ آج کی نسل تو کتابوں سے دور ہو چکی ہے سو ادبی شہ پاروں تک رسائی کا واحد ذریعہ پرنٹ میڈیا ہی رہ گیا ہے۔

سوال نمبر ۱۰؛آپ کے خیالات میں امن و امان کی خراب صورتحال نے کیا نقصانات پہنچائے ؟

پاکستان میں امن و امان کی خراب صورتحال کا سب سے بڑا نقصان معیشت کو ہوا ہے۔اس کے علاوہ ہمارے قومی تشخص کو نقصان پہنچا ہے ۔ہمارا معیار زندگی تنزلی کی جانب جا رہا ہے۔لوگوں کے عمومی رویئے تبدیل ہوئے ہیں۔ملکی وسائل کا بڑا

حصہ دفاع کے شعبے میں خرچ ہو رہا ہے۔

سوال نمبر ۱۱۔پاکستان میں افسانہ نگاری کا مستقبل کیا ہے ؟

موجودہ دور میں افسانے کے حوالے سے بہت سے ناقدین کی رائے ہے کہ افسانوں کا وہ معیار نہیں رہا جو گزشتہ سے پیوستہ تھا۔دراصل افسانہ زندگی کا ترجمان ہے۔جس طرح گھڑی کی سوئیاں ماضی کی طرف گھمائی نہیں جا سکتیں اسی طرح تخلیقات کی وقوع پذیری کا تناظر بھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔اسی لیے آج کا قلم کار افسانہ نگاری کو حقیقت کے ترازو میں تول رہا ہے اور یہ خوش آئند ہے میری نظر میں افسانے کا مستقبل روشن ہے۔

سوال نمبر ۱۲۔کچھ اپنے بارے میں بتایئے ؟

حادثات کے شہر کراچی سے میرا تعلق ہے۔کراچی یونیورسٹی سے ایم اے کیا ہے۔درس و تدریس کے شعبے سے تعلق رکھتی ہوں ۔اب تک میری تین تصنیفات منظرِ عام پہ آچکی ہیں۔جن میں رومانوی ناول '' چاند میرا منتظر'' کرائم کہانیاں ''میرے شہر کی کہانی'' افسانوی مجموعہ '' ادھ کھلا دریچہ'' جبکہ زیرِ تصنیف شعری مجموعہ '' چاندنی ادھوری ہے''۔ میرے نزدیک اپنی باتیں اور احساسات لوگوں تک پہنچانے کے لیے نثر کا کینوس قدرے وسیع ہے سو میں اپنی بات افسانہ، ناول ،کالم اور شاعری کے ذریعے بہتر انداز میں کہہ لیتی ہوں۔

آخری سوال۔ بحثیت کالم نویس آپ کیا لکھنا چاہتی ہیں اور کیوں لکھنا چاہتی ہیں ؟
میرے کالم زیادہ تر تعلیمی مسائل کا احاطہ کرتے ہیں۔ تعلیم انسان کو انسان سے جوڑتی ہے۔ تعلیم انسانی رشتوں کو مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے ۔انسان کے انہی باہم رشتوں سے انسانی معاشرے جنم لیتے ہیں اور تہذیبیں پروان چڑھتی ہیں۔ پاکستان کے تعلیمی نظام میں اصلاحات کی ضرورت ہے ۔پاکستان میں تعلیمی دنیا کا حال سب سے نرالا ہے ۔ یہاں کا قومی نظام تعلیم ورلڈ بینک کے ماہرین ، عیسائی اور یہودی تیار کرتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ جو قوم اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لیے کشکول اٹھائے در،در بھیک مانگنے پر کمر بستہ ہو ۔اس قوم کا مستقبل کیسے شاندار ہو سکتا ہے۔ قوم کا فکری بانجھ پن سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم کو زیادہ سے زیادہ عملی اور سائنسی بنایا جائے تاکہ ملکی تعلیمی و ترقی میں غیروں کا دستِ نگر نہ رہنا پڑے ۔ اس کے علاوہ سیاسی نظام کی خامیوں کی بھی نشاندہی کرتی ہوں کیونکہ اظہار کی آزادی کے بغیر فکر و خیال کی آزادی پروان نہیں چڑھ سکتی ۔ آزادی کی اہمیت معاشی زندگی میں بھی ہے اور سیاسی زندگی میں بھی ہے۔ آج ہمارا معاشرہ زوال کی انتہا کو چھو رہا ہے۔ آج ہمارے پاس نہ اخلاقیات ہیں اور نہ کوئی سماجی اصول ہم قوم کے نام پر ایسا ہجوم ہیں جس میں ہر فرد کے اپنے مفادات ہیں کالم لکھتے ہوئے میرے

ذہن میں مثبت رویوں کو اجاگر کرنا اور منفی سوچ کی حوصلہ شکنی کرنا ہے۔

کرپٹ اور کریمنل سیاست دانوں کا احتساب اور جنرل راحیل

جمہوریت کے نام پر سیاست دان ملک اور قوم کے ساتھ کچھ بھی کر سکتے ہیں مگر ان کا احتساب کیا جائے تو کبھی اینٹ بجانے اور کبھی " جنگ کی ابتداء ہوگی " کی باتیں کی جاتی ہیں . ایسا میں سوال کیا جاسکتا ہے کہ " یہ سیاستدان کیا چاہتے ہیں ؟ " .

کیا کوئی ملک اور قوم کرپشن اور کرپٹ عناصر کے ساتھ ترقی کر سکتا ہے ؟

سب سے اہم سوال ہے کہ ایسا کیوں ہے کہ اب ہم اچھے اقدامات کرنے پر بھی فوج کی کھل کر تعریف نہیں کر سکتے ؟

کیا جنرل راحیل شریف کے اقدامات سے کراچی سمیت ملک بھر میں امن وامان کی صورتحال ماضی قریب کے مقابلے میں بہتر نہیں ہوئی ؟ کیا کراچی میں ہدف وار قتل اور بھتہ خوری کے واقعات میں مثالی کمی نہیں آئی ؟ کیا اب کوئی آدھے گھنٹے کے نوٹس پر ملک کا سب سے بڑا شہر بند کراسکتا ہے ؟ نہیں ناں !

ایسے میں پھر بھی سیاستدان اچھے ہیں ؟

سرکاری اداروں کو تباہ و برباد کردینے والے ان سیاست دانوں کا بے دردی سے احتساب ہونا ضروری ہے۔ جنرل راحیل ہو یا کوئی بھی دوسرا جرنیل قوم کو چاہیے کہ برائی کو روکنے والے ہاتھوں کو مضبوط کریں۔ یہی وقت کا تقاضہ ہے" کیونکہ پاکستان ہمارا ہے اسے مضبوط بھی ہم کو کرنا ہے۔ " ملک کو مضبوط اور مستحکم اسی وقت بنایا جاسکتا ہے جب یہاں سے کریمنل اور کرپٹ عناصر کا خاتمہ ہو۔

عسکری قیادت جمہوری نظام کو ختم کیے بغیر جرائم پیشہ اور بدعنوان عناصر کا خاتمہ کررہی ہے اس مقصد میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ بلاجواز تنقید کے بجائے اچھے اقدامات کی تعریف کی جائے اور ملک کے سیکیورٹی کے اداروں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

دو کروڑ سے زائد آبادی کے شہر کراچی کے رہنے والے آج رینجرز، پولیس اور سب سے بڑھ کر جنرل راحیل شریف کے متعرف ہیں کہ ان کے اقدامات سے منی پاکستان آزاد ہوچکا ہے۔ اب دوبارہ کراچی کی راتیں جاگنے لگیں ہیں اور روشنیاں جگمگانے ہیں، شہریوں کے چہروں پر خوف کی جگہ مسکراہٹ آچکی ہے۔

ایسی صورت میں سب ہی خوش ہیں اگر کوئی عناصر خوش نہیں ہیں تو یقینا وہ نہیں ہے جو جرائم اور جرائم پیشہ کی پرورش کر رہے تھے . جنہیں اس ملک اور قوم کے مفادات سے زیادہ اپنا مفاد عزیز تھا .

جو سیاست کے نام پر اور مفاد پرست سیاست دانوں کی کھلی چھوٹ کی وجہ سے سب کچھ کر رہے تھے .. جی ہاں سب کچھ , قتل و غارت بھی , بھتہ اور اغواء بھی اور اپنی پارسائی کا اظہار بھی .

اسلامی جمہوریہ پاکستان کو بہترین بنانے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے جمہوریت کے چمپئنوں کو ان کی اصل " اوقات " دکھائی جائے اور انہیں سیاست کا سبق دیا جائے .

ملک پر اقتدار کے مزے لوٹنے والوں کا کڑا احتساب کیا جائے اور یہ بھی قوم کے سامنے افشاء کیا جائے کہ یہ لوگ بحیثیت مسلمان عظیم مملکت پر حکومت کرنے کے قابل بھی ہیں یا نہیں ؟ انہیں وضو , غسل نمازوں کا صحیح طریقہ بھی آتا ہے یا نہیں ؟ اور نماز جنازہ اور مرنے کے بعد کے حالات کے بارے میں بھی وہ معلومات رکھتے ہیں یا نہیں ؟
میں نے جنرل راحیل کی قرآن پاک پڑھتے ہوئے ایک تصویر دیکھی اور کافی دیر

سوچتا رہا کہ آخر میں نے کبھی نامور سیاست دانوں کی ایسی تصویر کیوں نہیں دیکھ سکا؟
ظاہر ہے صف اول کے سیاست دانوں نے کبھی فوٹو گرافر کو ایسی تصویر کھینچنے کے لیے
موقع فراہم ہی نہیں کیا ہوگا .

ایسی تصاویر اسی صورت میں ہی بنتی ہے جب تلاوت قرآن اور نماز معمولات کا حصہ
ہوں .

یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ جنرل راحیل شریف ہر وقت باوضو رہنے
والے جرنیل ہیں جن سے کوئی نماز اس وقت بھی قضاء نہیں ہوتی تھی جب وہ نوجوان
طالبعلم تھے . آیئے اس سپہ سالار کا ساتھ دیں اور اس کی طاقت بن جائیں تاکہ ملک
اور قوم بھی طاقتور بن سکے.